اِنْعَامُ الْبَارِی

دُرُوسِ بخاری شریف

إفادات

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ

جامعہ دار العلوم کراچی میں درسِ بخاری شریف کے دوران
حضرت شیخ الحدیث کی جامع، بصیرت افروز اور روح پرور تقاریر

صحیح البخاری : الجزء الثانی
۲۵_ کتاب التفسیر، ۲۶_ کتاب فضائل القرآن
(۲۵) سورة الفرقان ـ
(۳۷) باب: اقرؤوا القرآن ما ائتلفت علیه قلوبکم
رقم الحدیث: ۴۷۶۰-۵۰۶۲

جلد-۱۲

کتاب التفسیر
حصہ دوم

ضبط و ترتیب تخریج و مراجعت
محمد انور حسین عفی عنہ
فاضل و متخصص جامعہ دار العلوم کراچی 14

مکتبۃ الحراء
Ph:021-35046223, 35159291, Cell: 0300-3360816
E-mail: maktabahera@yahoo.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

انعام الباری دروس صحیح البخاری کی طباعت واشاعت کے جملہ حقوق زیر قانون کاپی رائٹ ایکٹ 1962ء

حکومت پاکستان بذریعہ نوٹیفکیشن نمبر F.21-2672/2006-Copr

رجسٹریشن نمبر 17927-Copr بحق ناشر (مکتبۃ الحراء) محفوظ ہیں۔

نام کتاب	انعام الباری دروس صحیح البخاری جلد ۱۲
افادات	شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ
ضبط وترتیب تخریج ومراجعت	محمد انور حسین (فاضل ومتخصص جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر۱۴)
ناشر	مکتبۃ الحراء، ۱۳۱/۸، ڈبل روم "K" ایریا کورنگی، کراچی، پاکستان۔
کمپوزنگ	حراء کمپوزنگ سینٹر فون نمبر: 35046223 21 0092
باہتمام	محمد انور حسین عفی عنہ

ناشر: مکتبۃ الحراء

131/8 سیکٹر 36A ڈبل روم، "K" ایریا، کورنگی، کراچی، پاکستان۔

فون: 35046223 موبائل: 03003360816

E-Mail:maktabahera@yahoo.com&info@deeneislam.com

website:www.deeneislam.com

ملنے کے پتے

مکتبۃ الحراء۔ فون: 35159291, 35046223 موبائل: 03003360816

E-Mail:maktabahera@yahoo.com

- ☆ ادارہ اسلامیات، موہن روڈ، چوک اردو بازار کراچی۔ فون 32722401 021
- ☆ ادارہ اسلامیات، ۱۹۰، انارکلی، لاہور۔ پاکستان۔ فون 3753255 042
- ☆ مکتبہ معارف القرآن، جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر۱۴۔ فون 35031565-6 021
- ☆ ادارۃ المعارف، جامعہ دارالعلوم کراچی نمبر۱۴۔ فون 35032020 021
- ☆ دارالاشاعت، اردو بازار کراچی۔ فون 32631861 021

افتتاحیہ

از: شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم العالی
شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم کراچی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة و السلام على خير خلقه سيدنا و مولانا محمد خاتم النبيين و إمام المرسلين و قائد الغر المحجلين ، و على آله و أصحابه أجمعين ، و على كل من تبعهم بإحسان إلى يوم الدين .

أما بعد :

۲۹ رذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو بندے کے استاذ معظم حضرت مولانا "**سحبان محمود**" صاحب قدس سرہ کا حادثۂ وفات پیش آیا تو دارالعلوم کراچی کے لئے یہ ایک عظیم سانحہ تھا۔ دوسرے بہت سے مسائل کے ساتھ یہ مسئلہ بھی سامنے آیا کہ صحیح بخاری کا درس جو سالہا سال سے حضرتؒ کے سپرد تھا، کس کے حوالہ کیا جائے؟ بالآخر یہ طے پایا کہ یہ ذمہ داری بندے کو سونپی جائے۔ میں جب اس گرانبار ذمہ داری کا تصور کرتا تو وہ ایک پہاڑ معلوم ہوتی۔ کہاں امام بخاری رحمہ اللہ علیہ کی یہ پرنور کتاب، اور کہاں مجھ جیسا مفلس علم اور تہی دست عمل؟ دور دور بھی اپنے اندر صحیح بخاریؒ پڑھانے کی صلاحیت معلوم نہ ہوتی تھی۔ لیکن بزرگوں سے سنی ہوئی یہ بات یاد آئی کہ جب کوئی ذمہ داری بڑوں کی طرف سے حکماً ڈالی جائے تو اللہ ﷻ کی طرف سے توفیق ملتی ہے۔ اس لئے اللہ ﷻ کے بھروسے پر یہ درس شروع کیا۔

عزیز گرامی مولانا محمد انور حسین صاحب سلمہٗ مالک **مکتبۃ الحراء**، **فاضل ومتخصص جامعہ** دارالعلوم کراچی نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے یہ تقریر ضبط کی، اور پچھلے چند سالوں میں ہر سال درس کے دوران اس کے مسودے میری نظر سے گزرتے رہے اور کہیں کہیں بندے نے ترمیم واضافہ بھی کیا ہے۔ طلبہ کی ضرورت کے پیشِ نظر مولانا محمد انور حسین صاحب نے اس کے "**کتاب بدء الوحی**" سے "**کتاب النکاح**" آخر تک کے حصوں کو نہ صرف کمپیوٹر پر کمپوز کرالیا، بلکہ اس کے حوالوں کی تخریج کا کام بھی کیا جس پر ان کے بہت سے اوقات، محنت اور مالی وسائل صرف ہوئے۔

دوسری طرف مجھے بھی بحیثیت مجموعی اتنا اطمینان ہوگیا کہ ان شاء اللہ اس کی اشاعت فائدے سے خالی نہ ہوگی، اور اگر کچھ غلطیاں رہ گئی ہوں گی تو ان کی تصحیح جاری رہ سکتی ہے۔ اس لئے میں نے اس کی اشاعت پر رضامندی ظاہر کردی ہے۔ لیکن چونکہ یہ نہ کوئی باقاعدہ تصنیف ہے، نہ میں اس کی نظر ثانی کا اتنا اہتمام کرسکا ہوں جتنا کرنا چاہئے تھا، اس لئے اس میں قابلِ اصلاح امور ضرور رہ گئے ہوں گے۔ اہل علم اور طلبہ مطالعے کے دوران جو ایسی بات محسوس کریں، براہ کرم بندے کو یا مولانا محمد انور حسین صاحب کو مطلع فرمادیں تاکہ اس کی اصلاح کردی جائے۔

تدریس کے سلسلے میں بندے کا ذوق یہ ہے کہ شروع میں طویل بحثیں کرنے اور آخر میں روایت پر اکتفا کرنے کے بجائے سبق شروع سے آخر تک توازن سے چلے۔ بندے نے تدریس کے دوران اس اسلوب پر عمل کی حتی الوسع کوشش کی ہے۔ نیز جو خالص کلامی اور نظریاتی مسائل ماضی کے ان فرقوں سے متعلق ہیں جواب موجود نہیں رہے، ان پر بندے نے اختصار سے کام لیا ہے، تاکہ مسائل کا تعارف تو طلبہ کو ضرور ہوجائے، لیکن ان پر طویل بحثوں کے نتیجے میں دوسرے اہم مسائل کا حق تلف نہ ہو۔ اسی طرح بندے نے یہ کوشش بھی کی ہے کہ جو مسائل ہمارے دور میں عملی اہمیت اختیار کرگئے ہیں، ان کا قدرے تفصیل کے ساتھ تعارف ہوجائے، اور احادیث سے اصلاحِ اعمال واخلاق کے بارے میں جو عظیم روایات ملتی ہیں اور جو احادیث پڑھنے کا اصل مقصود ہونی چاہئیں، ان کی عملی تفصیلات پر بقدر ضرورت کلام ہوجائے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ وہ بندۂ ناکارہ اور اس تقریر کے مرتب کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ جزاھم اللہ تعالیٰ۔

مولانا محمد انور حسین صاحب سلمہٗ نے اس تقریر کو ضبط کرنے سے لیکر اس کی ترتیب، تخریج اور اشاعت میں جس عرق ریزی سے کام لیا ہے، اللہ ﷻ اس کی بہترین جزا انہیں دنیا و آخرت میں عطا فرمائیں، ان کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبول عطا فرما کر اسے طلبہ کے لئے نافع بنائیں، اور اس ناکارہ کے لئے بھی اپنے فضل خاص سے مغفرت ورحمت کا وسیلہ بنادے۔ آمین۔

بندہ محمد تقی عثمانی
جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۱۳ / رجب المرجب ۱۴۴۰ھ
بمطابق ۲۱ / مارچ ۲۰۱۹ء بروز جمعرات

عرضِ ناشر

نحمده و نصلي على رسوله الكريم

اما بعد۔ جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کا درس سالہا سال سے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان **محمود** صاحب قدس سرہ کے سپرد رہا۔ ۲۹؍ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو شیخ الحدیثؒ کا سانحہ ارتحال پیش آیا تو صحیح بخاری شریف کا یہ درس مؤرخہ ۴؍محرم الحرام ۱۴۲۰ھ بروز بدھ سے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے سپرد ہوا۔ اُسی روز صبح ۸ بجے سے مسلسل ۲ سالوں کے دروس (**كتاب بدء الوحي** سے **كتاب رد الجهمية على التوحيد**، ۹۷ کتب) ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے ضبط کئے گئے۔ یہ سب کچھ احقر نے اپنی ذاتی دلچسپی اور شوق سے کیا، استاد محترم نے جب یہ صورتحال دیکھی تو اس خواہش کا اظہار کیا کہ یہ مواد کتابی شکل میں آجائے تو بہتر ہوگا، اس بناء پر احقر کو ارشاد فرمایا کہ اس مواد کو تحریری شکل میں لاکر مجھے دیا جائے تاکہ میں اس میں سبقاً سبقاً نظر ڈال سکوں، چنانچہ ان دروس کو تحریر میں لانے کا بنام باری تعالیٰ آغاز ہوا اور اب بحمد اللہ اس کی ۱۲ جلدیں **"انعام الباری شرح صحیح البخاری"** کے نام سے طبع ہو چکی ہیں۔

یہ کتاب **"انعام الباری شرح صحیح البخاری"** جو آپ کے ہاتھوں میں ہے: یہ بڑا قیمتی علمی ذخیرہ ہے، استاد موصوف کو اللہ جل جلالہ نے جس تبحر علمی سے نوازا ہے اس کی مثال کم ملتی ہیں، حضرت جب بات شروع فرماتے ہیں تو علوم کے دریا بہنا شروع ہو جاتے ہیں، علوم و معارف جو بہت ساری کتابوں کے چھاننے کے بعد خلاصہ عطر ہے وہ **"انعام الباری شرح صحیح البخاری"** میں دستیاب ہے، آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ استاذ موصوف کی فقہی آراء و تشریحات، ائمہ اربعہ کی موافقات و مخالفات پر محققانہ مدلل تبصرے علم و تحقیق کی جان ہیں۔

صاحبان علم کو اگر اس کتاب میں کوئی ایسی بات محسوس ہو جو ان کی نظر میں صحت و تحقیق کے معیار سے کم ہو اور ضبط و نقل میں ایسا ہونا ممکن بھی ہے تو اس نقص کی نسبت احقر کی طرف کریں اور از راہ عنایت اس پر مطلع بھی فرمائیں۔

دعا ہے کہ اللہ جل جلالہ اسلاف کے ان علمی امانتوں کی حفاظت فرمائے، اور **"انعام الباری شرح صحیح البخاری"** کے بقیہ جلدوں کی تکمیل کی بآسانی اور توفیق عطاء فرمائے تاکہ حدیث و علوم حدیث کی یہ امانت اپنے اہل تک پہنچ سکے۔

آمین یا رب العالمین. وما ذلک علی اللہ بعزیز

بندہ: محمد انور حسین عفی عنہ

فاضل و متخصص جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۴

۱۳؍رجب المرجب ۱۴۴۰ھ بمطابق ۲۱؍مارچ ۲۰۱۹ء بروز جمعرات

عنوان	صفحہ
افتتاحیہ	۳
عرضِ ناشر	۵
عرضِ مرتب	۳۷
(۲۵) سورۃ الفرقان	۴۹
سورۃ الفرقان کا بیان	۴۹
عقائد کا اثبات اور اعتراضات کا جواب	۴۹
ترجمہ وتشریح	۵۰
(۱) باب قولہ: ﴿الَّذِينَ يُحْشَرُونَ عَلَى وُجُوهِهِمْ إِلَى جَهَنَّمَ﴾ الآية [۳۴]	۵۱
اس ارشاد کا بیان: ”جن لوگوں کو گھیر کر منہ کے بل دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا۔“	۵۱
دوزخی منہ کے بل چل کر میدانِ حشر میں آئیں گے	۵۱
(۲) باب قولہ: ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللهِ إِلٰهًا آخَرَ وَلَا يَقْتُلُونَ النَّفْسَ﴾ الآية [۶۸]	۵۱
اس ارشاد کا بیان: ”اور جو اللہ کے ساتھ کسی بھی دوسرے معبود کی عبادت نہیں کرتے، اور (ناحق) قتل نہیں کرتے۔“	۵۱
شرک اور قتل ناحق بدترین عمل	۵۲
(۳) باب قولہ: ﴿يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا﴾ [۶۹]	۵۴
اس ارشاد کا بیان: ”قیامت کے دن اُس کا عذاب بڑھا بڑھا کر دُگنا کر دیا جائے گا، اور وہ ذلیل ہو کر اُس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔“	۵۴
کفار کیلئے دگنا اور ہمیشگی کا عذاب	۵۴
توبہ سے تبدل سیئات	۵۴
(۵) باب: ﴿فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا﴾ [۷۷]	۵۶
باب: ”تو یہ جھٹلانا تمہارے گلے میں پڑ کر رہے گا۔“	۵۶
پانچوں علامات کی تفصیل	۵۶
(۲۶) سورۃ الشعراء	۵۷
سورت الشعراء کا بیان	۵۷
شعراء کی وجہ تسمیہ	۵۷
معجزات کا مطالبہ ومشاہدہ	۵۷
ترجمہ وتشریح	۵۸
(۱) باب: ﴿وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُونَ﴾ [۸۷]	۵۹
باب: ”اور اُس دن مجھے رُسوا نہ کرنا جس دن لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔“	۵۹
(۲) باب: ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ﴾ [۲۱۴-۲۱۵]	۶۰
باب: ”اور (اے پیغمبر!) تم اپنے قریب ترین خاندان کو خبردار کرو۔ انکساری کے ساتھ اپنی	

عنوان	صفحہ
شفقت کا بازو جھکا دو۔"	٦٠
اقرباء کو دین کی دعوت پہنچانے کی تاکید اور حکمت	٦٠
اصلاح وتبلیغ کا آغاز اپنے گھر رخاندان سے کریں	٦٣
(٢٧) سورۃ نمل	٦٤
سورہ نمل کا بیان	٦٤
وجہ تسمیہ	٦٤
دولت و بادشاہت احکامات پر عمل کرنے سے مانع نہیں بنی	٦٤
ترجمہ وتشریح	٦٥
حوض سلیمانؑ اور بلقیس	٦٦
(٢٨) سورۃ قصص	٦٧
سورۂ قصص کا بیان	٦٧
وجہ تسمیہ اور سورت کا مرکزی موضوع	٦٧
(١) باب قوله: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾ [٥٦]	٦٨
اس ارشاد کا بیان: "(اے پیغمبر!) حقیقت یہ ہے کہ تم جس کو خود چاہو، ہدایت تک نہیں پہنچا سکتے، بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت تک پہنچا دیتا ہے۔"	٦٨
طبعی محبت اور میلانِ خاطر غیر اختیاری ہے	٦٩
ترجمہ وتشریح	٧٠
(٢) باب: ﴿إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ﴾ [٨٥]	٧٢
باب: "(اے پیغمبر!) جس ذات نے تم پر اس قرآن کی ذمہ داری ڈالی ہے"۔	٧٢
مکہ معظمہ واپس لوٹانے کا وعدہ	٧٢
لفظ "معاد" کے بارے میں اقوال	٧٣
(٢٩) سورۃ العنکبوت	٧٥
سورہ عنکبوت کا بیان	٧٥
وجہ تسمیہ	٧٥
اسباب نزول	٧٥
ترجمہ وتشریح	٧٦
(٣٠) سورۃ الروم	٧٧
سورۂ الروم	٧٧
سورت کا تاریخی پس منظر	٧٧
ترجمہ وتشریح	٧٩
توحید کی طرف مائل کرنے کیلئے مملوک مخلوق کی مثال	٨٠
لاعلمی کا اعتراف: علم کا حسن ہے	٨١
آپ ﷺ کی بدعاء کا ظہور	٨٢
(١) باب: ﴿لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ﴾ [٣٠]	٨٣
باب: "اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں لائی	

عنوان	صفحہ
جاسکتی۔"	۸۴
حدیث وآیت کی تشریح	۸۴
فطرت سے مراد	۸۴
(۳۱) سورۃ لقمان	۸۵
سورۂ لقمان کا بیان	۸۵
سورت کی وجہ تسمیہ اور لقمان علیہ السلام کی نصیحتوں کا گلدستہ	۸۵
(۱) باب: ﴿لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ [۱۳]	۸۶
باب: "اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا۔ یقین جانو شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔"	۸۶
آیتِ مذکورہ کے نازل ہونے پر صحابہ رضی اللہ عنہم کو تشویش	۸۶
(۲) باب قوله: ﴿إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ [۳۴]	۸۷
اس ارشاد کا بیان: "یقیناً (قیامت کی) کی گھڑی کا علم اللہ ہی پاس ہے۔"	۸۷
علم غیب	۸۸
(۳۲) سورۃ السجدة	۸۹
سورۂ سجدہ کا بیان	۸۹
وجہ تسمیہ اور مرکزی موضوع	۸۹
ترجمہ وتشریح	۸۹

عنوان	صفحہ
(۱) باب قوله: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾ [۱۷]	۹۰
اس ارشاد کا بیان: "چنانچہ کسی متنفس کو کچھ پتہ نہیں ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان چھپا کر رکھا گیا ہے۔"	۹۰
تاریک راتوں کی عبادت، اور پوشیدہ نعمتیں	۹۱
(۳۳) سورۃ الأحزاب	۹۲
سورۂ احزاب کا بیان	۹۲
پس منظر اور سورت میں بیان کردہ واقعات	۹۲
(۱) بابٌ:	۹۴
یہ باب بلا عنوان ہے۔	۹۴
نبی ﷺ مؤمنین پر سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں	۹۵
(۲) باب: ﴿أُدْعُوْهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ [۵]	۹۶
باب: "تم ان (منہ بولے بیٹوں) کو ان کے اپنے باپوں کے نام سے پکارو۔ یہی طریقہ اللہ کے نزدیک پورے انصاف کا ہے۔"	۹۶
متبنّیٰ بیٹے کے احکام	۹۶
حقیقی نسبت کی حفاظت	۹۸
(۳) باب: ﴿فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾	۹۸
باب: "پھر اُن میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے	

عنوان	صفحہ
اپنا نذرانہ پورا کردیا، اور کچھ وہ ہیں جو ابھی انتظار میں ہیں، اور انہوں نے (اپنے ارادوں میں) ذرا سی بھی تبدیلی نہیں کی۔"	۹۸
عہد کرنے والوں سے کون لوگ مراد ہیں؟	۹۸
اللہ سے اپنے عہد کو پورا کرنے والے	۹۹
(۴) باب قوله: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحاً جَمِيلاً﴾ [۲۸]	۱۰۰
باب: "اے نبی! اپنی بیویوں سے کہو کہ: "اگر تم دُنیوی زندگی اور اُس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تمہیں کچھ تحفے دے کر خوبصورتی سے رخصت کردوں۔"	۱۰۰
ازواجِ مطہرات کو اختیار	۱۰۲
(۵) باب قوله: ﴿وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْراً عَظِيماً﴾ [۲۹]	۱۰۳
اس ارشاد کا بیان: "اور اگر تم اللہ اور اُس کے رسول اور عالمِ آخرت کی طلبگار ہو، تو یقین جانو اللہ نے تم میں سے نیک خواتین کیلئے شاندار انعام تیار کر رکھا ہے۔"	۱۰۳
ازواجِ مطہرات کا اللہ، رسول اور آخرت کو فوقیت دینا	۱۰۴
(۶) باب قوله: ﴿وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللهُ مُبْدِيهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ﴾. [۳۷]	۱۰۵
اس ارشاد کا بیان: "اور تم اپنے دِل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھول دینے والا تھا، اور تم لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔"	۱۰۵
زینب بنت جحش اور زید بن حارثہ کے نکاح، مقام وکفو	۱۰۵
(۷) باب قوله: ﴿تُرْجِي مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِي إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ﴾ [۵۱]	۱۰۷
اس ارشاد کا بیان: "ان بیویوں میں سے تم جس کی باری چاہو، ملتوی کردو، اور جس کو چاہو، اپنے پاس رکھو، اور جن کو تم نے الگ کردیا ہو، اُن میں سے اگر کسی کو واپس بلانا چاہو تو اس میں بھی تمہارے لئے کوئی گناہ نہیں ہے۔"	۱۰۷
نبی کریم ﷺ کیلئے مخصوص حکم	۱۰۸
(۸) باب قوله: ﴿لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ﴾ الى قوله: ﴿إِنَّ ذَلِكَ كَانَ عِنْدَ اللهِ عَظِيماً﴾. [۵۳-۵۴]	۱۱۰
اس ارشاد کا بیان: "نبی کے گھروں میں (بلا اجازت) داخل نہ ہو، اِلا یہ کہ تمہیں کھانے پر آنے کی اجازت دے دی جائے - تا - یہ اللہ	

عنوان	صفحہ
کے نزدیک بڑی سنگین بات ہے۔"	۱۱۰
ترجمہ وتشریح	۱۱۲
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خواہش اور آیت حجاب کا نزول	۱۱۲
مہمان کیلئے دعوت کے آداب	۱۱۳
آیت حجاب کا نزول	۱۱۳
(۹) باب قوله: ﴿إِنْ تُبْدُوْا شَيْئاً أَوْ تُخْفُوْهُ فَإِنَّ اللهَ كَانَ﴾ إلى قوله: ﴿شَهِيْداً﴾. [۵۴-۵۵]	۱۱۷
اس ارشاد کا بیان: "چاہے تم کوئی بات ظاہر کرو، یا اُسے چھپاؤ، اللہ ہر چیز کا پورا پورا علم رکھتا ہے۔"	۱۱۷
نسب سے جو حرمت ہوتی ہے، رضاعت سے بھی وہی حرمت ہوتی ہے	۱۱۸
(۱۰) باب قوله: ﴿إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ الآية [۵۶]	۱۱۸
اس ارشاد کا بیان: "بے شک اللہ اور اُس کے فرشتے نبی پر دُرود بھیجتے ہیں۔"	۱۱۸
صلوۃ وسلام سے مراد	۱۱۹
ایک شبہ کا جواب	۱۲۰
(۱۱) باب: ﴿لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ آذَوْا مُوْسَىٰ﴾. [۶۹]	۱۲۱
باب: "اُن لوگوں کی طرح نہ بن جانا جنہوں نے موسیٰ کو ستایا تھا۔"	۱۲۱
حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اور امت محمدیہ کو تنبیہ	۱۲۱
نبی کی وجاہت وعصمت اور عیوب سے برأت	۱۲۲
(۳۴) سورة سبأ	۱۲۳
سورۂ سباء کا بیان	۱۲۳
وجہ تسمیہ اور سورت کا بنیادی مضمون	۱۲۳
ترجمہ وتشریح	۱۲۴
(۱) باب: ﴿حَتّٰى إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوْا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴾ [۲۳]	۱۲۶
باب: "یہاں تک کہ جب اُن کے دِلوں سے گھبراہٹ دُور کردی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ: تمہارے ربّ نے کیا فرمایا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ: حق بات ارشاد فرمائی، اور وہی ہے جو بڑا عالیشان ہے۔"	۱۲۶
(۲) باب: ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيْرٌ لَكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ﴾ [۴۶]	۱۲۷
باب: "وہ تو ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے تمہیں خبردار کررہے ہیں۔"	۱۲۷
کفارِ مکہ کو دعوت	۱۲۷
(۳۵) سورة الملائكة	۱۲۹
سورۂ ملائکہ یعنی سورۂ فاطر کا بیان	۱۲۹
وجہ تسمیہ	۱۲۹
کفار ومشرکین کو ایمان اور غور وفکر کی دعوت	۱۲۹

عنوان	صفحہ
(۳۶) سورۃ یٰسٓ	۱۳۱
سورۂ یٰس کا بیان	۱۳۱
اللہ جل جلالہ کی قدرت وحکمت کی نشانیاں اور منکرین حق کا انجام	۱۳۱
سورۂ یٰس: قرآن مجید کا دل	۱۳۲
ترجمہ وتشریح	۱۳۲
(۱) باب قوله: ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ﴾ [۳۸]	۱۳۳
اس ارشاد کا بیان: "اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جا رہا ہے۔ یہ سب اُس ذات کا مقرر کیا ہوا نظام ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کا علم بھی کامل ہے۔"	۱۳۳
تشریح	۱۳۴
(۳۷) سورۃ صافّات	۱۳۷
سورۂ صافات کا بیان	۱۳۷
توحید، رسالت وآخرت کے اثبات اور انبیاء کا ذکر	۱۳۷
ترجمہ وتشریح	۱۳۸
(۱) باب قوله: ﴿وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ﴾. [۱۳۹]	۱۳۹
اس ارشاد کا بیان: "اور یقیناً یونس بھی پیغمبروں میں سے تھے۔"	۱۳۹
(۳۸) سورۃ صٓ	۱۴۱
سورۂ صٓ کا بیان	۱۴۱
سورت کا شانِ نزول	۱۴۱
تمام انبیاء کا دستورِ اساسی ایک ہے	۱۴۲
ترجمہ وتشریح	۱۴۳
(۱) باب قوله: ﴿هَبْ لِیْ مُلْکًا لَّا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ﴾. [۳۵]	۱۴۴
اس ارشاد کا بیان: "مجھے ایسی سلطنت بخش دے جو میرے بعد کسی اور کیلئے مناسب نہ ہو، بیشک تیری، اور صرف تیری ہی ذات وہ ہے جو اتنی سخی داتا ہے۔"	۱۴۴
بارِ حکومت اور حصولِ اقتدار کی دعاء	۱۴۴
(۲) باب قوله: ﴿وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَکَلِّفِیْنَ﴾. [۸۶]	۱۴۵
اس ارشاد کا بیان: "اور نہ میں بناوٹی لوگوں میں سے ہوں۔"	۱۴۵
(۳۹) سورۃ الزمر	۱۴۸
سورۂ زمر کا بیان	۱۴۸
وجہ تسمیہ	۱۴۸
باطل عقائد کی تردید اور ہجرت کا حکم	۱۴۸

عنوان	صفحہ
ترجمہ وتشریح	۱۴۹
(۱) باب قوله: ﴿يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ﴾ الآية [۵۳]	۱۵۰
اس ارشاد کا بیان: ''اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کر رکھی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔''	۱۵۹
توبہ ہر گناہ کو ختم کر دے گی	۱۵۱
(۲) باب قوله: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾ [۶۷]	۱۵۲
اس ارشاد کا بیان: ''ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر ہی نہیں پہچانی جیسا کہ قدر پہچاننے کا حق تھا۔''	۱۵۲
(۳) باب قوله: ﴿وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيَّاتٌ بِيَمِينِهِ﴾ [۶۷]	۱۵۳
اس ارشاد کا بیان: ''حالانکہ پوری کی پوری زمین قیامت کے دن اُس کی مٹھی میں ہوگی، اور سارے کے سارے آسمان اُس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔''	۱۵۳
زمین مٹھی میں اور آسمان ہاتھ میں ہونے کا مطلب	۱۵۳
(۴) باب قوله: ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ﴾ الآية [۶۸]	۱۵۴
اس ارشاد کا بیان: ''اور صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں جتنے ہیں، وہ سب بے ہوش ہو جائیں گے، سوائے اُس کے جسے اللہ چاہے۔''	۱۵۴
صور کا بیان	۱۵۴
(۴۰) سورة المؤمن	۱۵۷
سورۂ مؤمن کا بیان	۱۵۷
وجہ تسمیہ اور عروس القرآن کا لقب	۱۵۷
ترجمہ وتشریح	۱۵۸
صالحین کیلئے جنت کی بشارت، نافرمانوں کو جہنم کی وعید	۱۵۹
رجل صالح سے مراد اور آنحضرت ﷺ کو تسلی	۱۶۰
(۴۱) سورة حمٓ السجدة	۱۶۱
سورۂ حمٓ سجدہ کا بیان	۱۶۱
سورت کی وجہ تسمیہ	۱۶۱
ترجمہ وتشریح	۱۶۳
(۱) باب قوله: ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ﴾ الآية [۲۲]	۱۶۷
اس ارشاد کا بیان: ''اور تم (گناہ کرتے وقت) اس بات سے تو چھپ ہی نہیں سکتے تھے کہ	

عنوان	صفحہ
تمہارے کان، تمہاری آنکھیں تمہارے خلاف گواہی دیں۔"	۱۶۷
اعضاء وجوارح کی محشر میں گواہی	۱۶۷
آیت کا شانِ نزول	۱۶۷
(۲) باب: ﴿وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ [۲۳]	۱۶۸
باب: "اپنے پروردگار کے بارے میں تمہارا یہی گمان تھا جس نے تمہیں برباد کیا، اور اسی کے نتیجے میں تم اُن لوگوں میں شامل ہوگئے جو سراسر خسارے میں ہیں۔"	۱۶۸
قوله: ﴿فَإِنْ يَصْبِرُوا فَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ﴾ الآية [۲۴]	۱۶۹
اللہ کا ارشاد: اب ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر یہ صبر کریں تب بھی آگ ہی ان کا ٹھکانا ہے۔	۱۶۹
ہمیشہ کیلئے جہنم ہی ٹھکانہ ہوگا	۱۶۹
(۴۲) سورة حٰمٓ عٓسٓقٓ	۱۷۱
سورۂ حم عسق یعنی سورۂ شوریٰ کا بیان	۱۷۱
وجہ تسمیہ اور مشورہ کی اہمیت	۱۷۱
ترجمہ وتشریح	۱۷۱
(۱) باب قوله: ﴿إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾ [۲۳]	۱۷۲
اس ارشاد کا بیان: "سوائے رشتہ داری کی محبت کے۔"	۱۷۲
حق نہ سہی، قرابت داری کے رشتہ کو تو تسلیم کرو	۱۷۲
تشریح	۱۷۳
(۴۳) سورة حٰمٓ الزخرف	۱۷۴
سورۂ زخرف کا بیان	۱۷۴
وجہ تسمیہ اور مشرکین مکہ کے اعتراضات وجوابات	۱۷۴
ترجمہ وتشریح	۱۷۵
(۱) باب قوله: ﴿وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ قَالَ إِنَّكُمْ مَاكِثُونَ﴾ الآية [۷۷]	۱۷۷
اس ارشاد کا بیان: "اور وہ (دوزخ کے فرشتے سے) پکار کر کہیں گے کہ: "اے مالک! تمہارا پروردگار ہمارا کام ہی تمام کردے۔ وہ کہے گا کہ: تمہیں اسی حال میں رہنا ہوگا۔"	۱۷۷
ترجمہ وتشریح	۱۷۸
(۲) باب: ﴿أَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا أَنْ كُنْتُمْ قَوْمًا مُسْرِفِينَ﴾	۱۷۸
اس ارشاد کا بیان: "بھلا کیا ہم منہ موڑ کر اس نصیحت نامے کو تم سے اس بنا پر ہٹا لیں کہ تم حد سے گذرے ہوئے لوگ ہو؟"۔	۱۷۸
مبلغین کیلئے قرآنی ہدایات	۱۷۸
ترجمہ وتشریح	۱۷۹

عنوان	صفحہ
(۴۴) سورة حٰمٓ الدخان	۱۸۰
سورۂ دخان کا بیان	۱۸۰
وجہ تسمیہ	۱۸۰
سورت کا شانِ نزول	۱۸۰
ترجمہ وتشریح	۱۸۱
(۱) باب: ﴿فارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ﴾ [۱۰]	۱۸۱
باب: "پھر اُس دن کا انتظار کو جب آسمان ایک واضح دُھواں لیکر نمودار ہوگا۔"	۱۸۱
دخانِ مبین کے بارے میں اقوال	۱۸۱
(۲) باب ﴿يَغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ [۱۱]	۱۸۲
باب: "جو لوگوں پر چھا جائے گا۔ یہ ایک دردناک عذاب ہے۔"	۱۸۲
نبی کریم ﷺ نافرمانوں کے حق میں بھی رحم دل	۱۸۳
(۳) باب قوله تعالىٰ: ﴿رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ﴾ [۱۲]	۱۸۴
اس ارشاد باری تعالیٰ کا بیان: "(اُس وقت یہ لوگ کہیں گے کہ:) اے ہمارے پروردگار ہم سے یہ عذاب دُور کردیجئے، ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔"	۱۸۴
(۴) باب: ﴿أَنَّى لَهُمُ الذِّكْرَى وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُبِينٌ﴾	۱۸۵
باب: "ان کو نصیحت کہاں ہوتی ہے؟ حالانکہ اُنکے پاس ایسا پیغمبر آیا ہے جس نے حقیقت کو کھول کر رکھ دیا ہے۔"	۱۸۵
تشریح	۱۸۶
(۵) باب: ﴿ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَجْنُونٌ﴾ [۱۴]	۱۸۶
باب: "پھر بھی یہ لوگ اُس سے منہ موڑے رہے، اور کہنے لگے کہ: یہ سکھایا پڑھایا ہوا ہے، دیوانہ ہے۔"	۱۸۶
تشریح	۱۸۷
(۶) باب: ﴿يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَى إِنَّا مُنْتَقِمُونَ﴾ [۱۶]	۱۸۸
باب: "جس دن ہماری طرف سے سب سے بڑی پکڑ ہوگی، اُس دن ہم پورا انتقام لے لیں گے۔"	۱۸۸
آیت کا مصداق	۱۸۸
اس سے مراد روزِ قیامت کی پکڑ ہوگی۔	۱۸۸
(۴۵) سورة حٰمٓ الجاثية	۱۸۹
سورۂ جاثیہ کا بیان	۱۸۹
وجہ تسمیہ۔ منکرین کے شبہات اور دہریوں کی تردید	۱۸۹
ترجمہ وتشریح	۱۹۰
الدھر - زمانہ	۱۹۰
دھر - یا زمانہ کو برا کہنا اچھا نہیں	۱۹۱

عنوان	صفحہ
(۴۶) سورۃ الأحقاف	۱۹۲
سورۂ احقاف کا بیان	۱۹۲
بنیادی عقائد اور والدین کے حقوق کا بیان	۱۹۲
وجہ تسمیہ	۱۹۲
ترجمہ وتشریح	۱۹۳
(۱) باب: ﴿وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَّكُمَا أَتَعِدَانِنِي أَنْ أُخْرَجَ﴾ إلى قوله: ﴿أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾ [۱۷]	۱۹۳
باب: ''اور ایک شخص جس نے اپنے والدین سے کہا کہ: تف ہے تم پر! کیا تم مجھے زندہ کر کے قبر سے نکالا جائے گا -تا- یہ محض افسانے ہیں جو پچھلے لوگوں سے چلے آرہے ہیں۔''	۱۹۳
والدین سے بدسلوکی کا انجام	۱۹۳
حدیث کی تشریح	۱۹۴
(۲) باب قوله: ﴿فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضاً مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ﴾ الآية [۲۴]	۱۹۶
اس ارشاد کا بیان: ''پھر ہوا یہ کہ جب انہوں نے اُس (عذاب) کو ایک بادل کی شکل میں آتا دیکھا جو اُن کی وادیوں کا رُخ کر رہا تھا۔''	۱۹۶
(۴۷) سورۃ محمد ﷺ	۱۹۸
سورۂ محمد کا بیان	۱۹۸
سورت میں بیان کیے گئے احکام	۱۹۸

عنوان	صفحہ
وجہ تسمیہ	۱۹۸
ترجمہ وتشریح	۱۹۹
(۱) باب: ﴿وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾ [۲۲]	۱۹۹
باب: ''اور اپنے خونی رشتے کاٹ ڈالو!''۔	۱۹۹
صلۂ رحمی کرنے والوں کے ساتھ احسان کا معاملہ	۲۰۱
''تولیتم''- کی تفسیر اور اقوال	۲۰۱
جہاد کا مقصد اور اس کو چھوڑنے کا انجام	۲۰۲
(۴۸) سورۃ الفتح	۲۰۳
سورۂ فتح کا بیان	۲۰۳
سورت کا پس منظر اور واقعۂ حدیبیہ	۲۰۳
ابوبصیر رضی اللہ عنہ کا قریش کے خلاف چھاپہ مار جنگ کا آغاز	۲۰۴
قریش کی خلاف ورزی اور معاہدہ کے خاتمہ	۲۰۴
ترجمہ وتشریح	۲۰۵
(۱) باب قوله: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيناً﴾ [۱]	۲۰۶
اس ارشاد کا بیان: ''(اے پیغمبر!) یقین جانو، ہم نے تمہیں کھلی ہوئی فتح عطا کر دی ہے۔''	۲۰۶
(۲) باب قوله: ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطاً مُّسْتَقِيماً﴾	

عنوان	صفحہ
[۲]	۲۰۷
اس ارشاد کا بیان: ''تاکہ اللہ تمہاری اگلی پچھلی تمام کوتاہیوں کو معاف کردے، اور تاکہ تم پر نعمت مکمل کردے، اور تمہیں سیدھے راستے پر لے چلے۔''	۲۰۷
آیت کا معنی ومراد	۲۰۷
(۳) باب: ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيراً﴾ [۸]	۲۰۹
باب: ''(اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں گواہی دینے والا، خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔''	۲۰۹
رسول اللہ ﷺ کی تین خصوصیات	۲۰۹
(۴) باب: ﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ السَّكِينَةَ فِي قُلُوبِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ [۴]	۲۱۰
باب: ''وہی ہے جس نے ایمان والوں کے دلوں میں سکینت اُتاری۔''	۲۱۰
ثابت قدمی کی صورت میں سکینت کا نزول	۲۱۰
حدیث کی تشریح	۲۱۱
(۵) باب قوله: ﴿إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ [۱۸]	۲۱۲
اس ارشاد کا بیان: ''جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے۔''	۲۱۲
بیعتِ رضوان	۲۱۲
شجرہ رضوان	۲۱۲
مقصودِ امام بخاریؒ	۲۱۲
حدیث کا مفہوم	۲۱۴
(۴۹) سورة الحجرات	۲۱۶
سورۂ حجرات کا بیان	۲۱۶
آداب معاشرت	۲۱۶
سورت کی وجہ تسمیہ	۲۱۶
ترجمہ وتشریح	۲۱۷
(۱) باب: ﴿لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ الآية [۲]	۲۱۷
باب: ''اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند مت کیا کرو۔''	۲۱۷
تشریح	۲۱۸
حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ	۲۲۰
(۲) باب: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِنْ وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾ [۴]	۲۲۰
باب: ''(اے پیغمبر!) جو لوگ تمہیں حجروں کے پیچھے سے آواز دیتے ہیں، اُن میں سے اکثر کو عقل نہیں ہے۔''	۲۲۰
آیت کا پس منظر	۲۲۰
حدیث کی تشریح	۲۲۱
(۵۰) سورة ق	۲۲۲

عنوان	صفحہ
سورۂ قاف کا بیان	۲۲۲
عقیدہ آخرت کا بیان	۲۲۲
سورت کی وجہ تسمیہ	۲۲۲
ترجمہ وتشریح	۲۲۳
(۱) بابُ قوله: ﴿وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَزِيْدٍ﴾ [۳۰]	۲۲۵
اس ارشاد کا بیان: ''اور وہ کہے گی کہ: کیا کچھ اور بھی ہے؟''	۲۲۵
ایک وضاحت	۲۲۶
حدیث کی تشریح	۲۲۷
(۲) بابُ قوله: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ﴾ [۳۹]	۲۲۷
اس ارشاد کا بیان: ''اور اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہو، سورج نکلنے سے پہلے بھی، اور سورج ڈوبنے سے پہلے بھی۔''	۲۲۷
تسبیح سے مراد	۲۲۷
بابرکت وقت	۲۲۸
(۵۱) سورة والذاريات	۲۲۹
سورۂ ذاریات کا بیان	۲۲۹
سورت کا بنیادی موضوع	۲۲۹
ترجمہ وتشریح	۲۳۰
ہر انسان میں توحید کو قبول کرنے کی فطری صلاحیت	۲۳۰
(۵۲) سورة والطور	۲۳۲
سورۂ طور کا بیان	۲۳۲
ترجمہ وتشریح	۲۳۲
(۱) بابٌ:	۲۳۳
یہ باب بلاعنوان ہے۔	۲۳۳
(۵۳) سورة والنجم	۲۳۵
سورۂ نجم کا بیان	۲۳۵
وجہ تسمیہ	۲۳۵
اثبات رسالت اور مشرکین کے عقائد کی تردید	۲۳۵
ترجمہ وتشریح	۲۳۶
(۱) بابٌ:	۲۳۷
یہ باب بلاعنوان ہے۔	۲۳۷
وحی کی اقسام	۲۳۸
باب: ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى﴾ [۹]	۲۳۹
باب: ''یہاں تک کہ وہ کمانوں کے فاصلے کے برابر قریب آگیا، بلکہ اُسے بھی زیادہ نزدیک۔''	۲۳۹
بابُ قولہ: ﴿فَأَوْحٰى إِلٰى عَبْدِهِ مَا أَوْحٰى﴾ [۱۰]	۲۴۰
اس ارشاد کا بیان: ''اس طرح اللہ کو اپنے بندے پر جو وحی نازل فرمانی تھی، وہ نازل فرمائی۔''	۲۴۰

عنوان	صفحہ
باب: ﴿لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى﴾ [۱۸]	۲۴۰
باب: ”سچ تو یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بہت کچھ دیکھا۔“	۲۴۰
(۲) باب: ﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّى﴾ [۱۹]	۲۴۰
باب: ”بھلا تم نے لات اور عزیٰ (کی حقیقت) پر بھی غور کیا ہے؟“	۲۴۰
اللَّاتَ وَالْعُزَّى	۲۴۱
تشریح	۲۴۲
(۳) باب: ﴿وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَى﴾ [۲۰]	۲۴۲
باب: ”اور اُس ایک اور تیسرے پر جس کا نام منات ہے؟“	۲۴۲
تشریح	۲۴۳
(۴) باب: ﴿فَاسْجُدُوا لِلَّهِ وَاعْبُدُوا﴾ [۶۲]	۲۴۴
باب: ”اب (بھی) جھک جاؤ اللہ کے سامنے، اور اُس کی بندگی کرلو۔“	۲۴۴
(۵۴) سورة اقتربت الساعة	۲۴۵
سورۂ قمر کا بیان	۲۴۵
سورت کی وجہ تسمیہ اور معجزۂ شق قمر	۲۴۵
ترجمہ وتشریح	۲۴۵

عنوان	صفحہ
(۱) باب: ﴿وَانْشَقَّ الْقَمَرُ وَإِنْ يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا﴾ [۱-۲]	۲۴۶
باب: ”اور چاند پھٹ گیا ہے۔ اور ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں، تو منہ موڑ لیتے ہیں۔“	۲۴۶
معجزہ شق القمر	۲۴۶
(۲) باب: ﴿تَجْرِي بِأَعْيُنِنَا جَزَاءً لِمَنْ كَانَ كُفِرَ﴾ [۱۴]	۲۴۹
باب: ”جو ہماری نگرانی میں رواں دواں تھی، تاکہ اُس (پیغمبر) کا بدلہ لیا جائے جس کی ناقدری کی گئی تھی۔“	۲۴۹
باب: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ﴾ [۱۷]	۲۴۹
باب: ”اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کیلئے آسان بنادیا ہے۔ اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟“	۲۴۹
”للذکر“ کے معنی	۲۴۹
قرآن مجید کو آسان کرنے کی تفصیل	۲۵۰
حدیث کی تشریح	۲۵۰
باب: ﴿أَعْجَازُ نَخْلٍ مُنْقَعِرٍ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ﴾ الآية [۲۰-۲۱]	۲۵۱
باب: ”وہ کھجور کے اُکھڑے ہوئے درخت کے تنے ہوں۔ اب سوچو کہ میرا عذاب اور میری تنبیہات کیسی تھیں؟“	۲۵۱

عنوان	صفحہ
(۳) باب: ﴿فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ الآية [۳۱۔۳۲]	۲۵۲
باب: "جیسے کانٹوں کی روندی ہوئی باڑھ ہوتی ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنادیا ہے۔ اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟"۔	۲۵۲
(۴) باب: ﴿وَلَقَدْ صَبَّحَهُمْ بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ﴾ الآية [۳۸ ۔ ۳۹]	۲۵۲
باب: "اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنادیا ہے۔ اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟"۔	۲۵۲
﴿وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ [۵۱].	۲۵۲
ترجمہ: اور ہم تمہارے ہم مشرب لوگوں کو پہلے ہی ہلاک کر چکے ہیں۔ اب بتاؤ، ہے کوئی جو نصیحت حاصل کرے؟	۲۵۲
گذشتہ اقوام پر عذابِ الٰہی کا بیان	۲۵۲
(۵) باب قَوْلِهِ: ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ﴾ الآية [۴۵]	۲۵۴
اس ارشاد کا بیان: "اس جمعیت کو عنقریب شکست دیں گے۔"	۲۵۴
(۶) باب قوله: ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَى وَأَمَرُّ﴾ [۴۶]	۲۵۴
اس ارشاد کا بیان: "یہی نہیں، بلکہ ان کے اصل وعدے کا وقت تو قیامت ہے، اور قیامت اور زیادہ مصیبت اور کہیں زیادہ کڑوی ہوگی۔"	۲۵۴
(۵۵) سورة الرَّحمٰن	۲۵۶
سورۂ رحمٰن کا بیان	۲۵۶
رحمٰن کی مادی نعمتوں کا ذکر	۲۵۶
ترجمہ وتشریح	۲۵۸
(۱) بابُ قوله: ﴿وَمِنْ دُونِهِمَا جَنَّتَانِ﴾ [۶۲]	۲۶۱
اس ارشاد کا بیان: "اور ان دو باغوں سے کچھ کم درجے کے دو باغ ہوں گے۔"	۲۶۱
آیت کی تفسیر حدیث کی روشنی میں	۲۶۲
(۲) بابٌ: ﴿حُورٌ مَقْصُورَاتٌ فِي الْخِيَامِ﴾ [۷۲]	۲۶۲
باب: "وہ حوریں جنہیں خیموں میں حفاظت سے رکھا گیا ہوگا!"۔	۲۶۲
(۵۶) سورة الواقعة	۲۶۴
سورۂ واقعہ کا بیان	۲۶۴
سورت کی وجہ تسمیہ اور احوال قیامت	۲۶۴
ترجمہ وتشریح	۲۶۵

عنوان	صفحہ
(۱) بابُ قولہ: ﴿وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ﴾ [۳۰]	۲۶۷
اس ارشاد کا بیان: ''اور دُور تک پھیلے ہوئے سائے ہیں۔''	۲۶۷
(۵۷) سورۃ الحدید	۲۶۹
سورۂ حدید کا بیان	۲۶۹
سورت کی وجہ تسمیہ اور پس منظر	۲۶۹
ترجمہ وتشریح	۲۷۰
(۵۸) سورۃ المجادلۃ	۲۷۱
سورۂ مجادلہ کا بیان	۲۷۱
وجہ تسمیہ اور آیات احکام	۲۷۱
(۵۹) سورۃ الحشر	۲۷۳
سورۂ حشر کا بیان	۲۷۳
سورت کی وجہ تسمیہ اور غزوۂ بنونضیر کا پس منظر	۲۷۳
(۱) بابٌ:	۲۷۴
یہ باب بلا عنوان ہے۔	۲۷۴
(۲) بابُ قولہ: ﴿ما قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ﴾ [۵]	۲۷۵
اس ارشاد کا بیان: ''تم نے کھجور کے جو درخت کاٹے۔''	۲۷۵
درختوں کے جلانے اور کاٹنے پر نزول آیات	۲۷۵
رسول اللہ ﷺ کا حکم درحقیقت اللہ کا حکم ہے	۲۷۶

عنوان	صفحہ
اجتہادی اختلاف کی صورت میں کسی کو گناہ نہیں	۲۷۶
(۳) بابٌ: ﴿مَا أَفَاءَ اللهُ عَلَى رَسُوْلِهِ﴾ [۷]	۲۷۶
باب: ''اللہ اپنے رسول کو جو مال بھی فیٔ کے طور پر دلوادے۔''	۲۷۶
مال غنیمت اور مال فیٔ	۲۷۷
(۴) بابٌ: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ﴾ [۷]	۲۷۸
باب: ''اور رسول تمہیں جو کچھ دیں، وہ لے لو۔''	۲۷۸
رسول اللہ ﷺ کا ہر حکم واجب تعمیل	۲۷۸
(۵) بابٌ: ﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالْإِيْمَانَ﴾ [۹]	۲۸۱
باب: ''(اور یہ مالِ فیٔ) اُن لوگوں کا حق ہے جو اس جگہ (یعنی مدینہ میں) ایمان کے ساتھ مقیم ہیں۔''	۲۸۱
انصارِ مدینہ کے فضائل	۲۸۱
(۶) بابُ قولہ: ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ﴾ الآية [۹]	۲۸۲
اس ارشاد کا بیان: ''اور اُن کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں۔''	۲۸۲
انصار کا مہاجرین پر ایثار	۲۸۲
ترجمہ وتشریح	۲۸۲
قابل ذکر بات	۲۸۳
آیت کی تشریح	۲۸۳

عنوان	صفحہ
(٦٠) سورة الممتحنة	۲۸۵
سورۂ ممتحنہ کا بیان	۲۸۵
کفار سے تعلقات کی حدود اور مہاجرات کے متعلق حکم	۲۸۵
(۱) باب: ﴿لا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ﴾ [۱]	۲۸۷
باب: "میرے دُشمنوں اور اپنے دُشمنوں کو دوست مت بناؤ۔"	۲۸۷
کفار سے دوستی اور خیر کی کوئی توقع نہیں	۲۸۷
(۲) بابُ: ﴿إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ﴾ [۱۰]	۲۸۹
باب: "جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں۔"	۲۸۹
ہجرت کر کے آنے والی عورتوں کے امتحان کا حکم	۲۸۹
(۳) بابُ: ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ﴾ [۱۲]	۲۹۰
باب: "جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں اس بات پر بیعت کرنے آئیں۔"	۲۹۰
تشریح	۲۹۱
ایک اشکال اور اس کا جواب	۲۹۱
خواتین کا حضور اقدس ﷺ سے بیعت لینا	۲۹۳
(٦١) سورة الصف	۲۹۵
سورۂ صف کا بیان	۲۹۵
سورت کا پس منظر اور وجہ تسمیہ	۲۹۵
(۱) بابُ: ﴿مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ﴾	۲۹۶
باب: "میرے بعد، جس کا نام احمد ہے۔"	۲۹۶
(٦٢) سورة الجمعة	۲۹۸
سورۂ جمعہ کا بیان	۲۹۸
معاشی سرگرمیوں میں جمعہ کے احکام اور وجہ تسمیہ	۲۹۸
(۱) بابُ قوله: ﴿وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ﴾ [۳]	۲۹۸
اس ارشاد کا بیان: "اور (یہ رسول جن کی طرف بھیجے گئے ہیں) ان میں کچھ اور بھی ہیں جو ابھی ان کے ساتھ آ کر نہیں ملے۔"	۲۹۸
آیت کا مصداق	۲۹۹
(۲) بابُ: ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا﴾ [۱۱]	۳۰۰
باب: "اور جب کچھ لوگوں نے کوئی تجارت یا کوئی کھیل دیکھا۔"	۳۰۰
حدیث کی تشریح	۳۰۱
(٦٣) سورة المنافقين	۳۰۲
سورۂ منافقون کا بیان	۳۰۲
شانِ نزول اور پس منظر	۳۰۲

عنوان	صفحہ
(۱) بابُ قوله: ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللهِ﴾ الآية [۱]	۳۰۳
اس ارشاد کا بیان: "جب منافق لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔"	۳۰۳
عبداللہ بن ابی کا قومیت اور عصبیت پر اُبھارنا	۳۰۴
(۲) بابٌ: ﴿اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً﴾ [۲]	۳۰۵
باب: "انہوں نے اپنی قسموں کو ایک ڈھال بنا رکھا ہے۔"	۳۰۵
تشریح	۳۰۶
وطنیت پر اُکسانا دشمنانِ اسلام کا حربہ	۳۰۸
(۳) بابُ قوله: ﴿ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ﴾ [۳]	۳۰۸
اس ارشاد کا بیان: "یہ ساری باتیں اس وجہ سے ہیں کہ یہ (شروع میں بظاہر) ایمان لے آئے، پھر انہوں نے کفر اپنالیا، اسلئے انکے دِلوں پر مہر لگادی گئی، نتیجہ یہ کہ یہ لوگ (حق بات) سمجھتے ہی نہیں ہیں۔"	۳۰۸
بابٌ: ﴿وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ﴾ الآية [۴]	۳۰۹
باب: "جب تم ان کو دیکھو تو ان کے ڈیل ڈول تمہیں بہت اچھے لگیں، اور اگر وہ بات کریں تو ان کی باتیں سنتے رہ جاؤ۔"	۳۰۹
تشریح	۳۱۰
(۴) بابُ قوله: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللهِ لَوَّوْا رُءُوسَهُمْ﴾ إلى قوله ﴿مُسْتَكْبِرُونَ﴾ [۵]	۳۱۰
اس ارشاد کا بیان: "اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ، اللہ کے رسول تمہارے حق میں مغفرت کی دعاء کریں، تو یہ اپنے سروں کو مٹکاتے ہیں، اور تم انہیں دیکھو گے کہ وہ بڑے گھمنڈ کے عالم میں بے رُخی سے کام لیتے ہیں۔"	۳۱۰
آیت کی تشریح	۳۱۱
(۵) بابُ قوله: ﴿سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ﴾ الآية [۶]	۳۱۲
اس ارشاد کا بیان: "(اے پیغمبر!) ان کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں، چاہے تم ان کے لئے مغفرت کی دعاء کرو۔"	۳۱۲
رئیس المنافقین کی ہٹ دھرمی	۳۱۲
(۶) بابُ قوله: ﴿هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلَىٰ مَنْ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ حَتَّىٰ يَنْفَضُّوا﴾ [۷]	۳۱۳
اس ارشاد کا بیان: "یہی تو ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں اُن پر کچھ خرچ نہ کرو، یہاں تک کہ یہ خود ہی منتشر ہو جائیں۔"	۳۱۳

عنوان	صفحہ
باب: ﴿وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمٰوَاتِ وَالاَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَايَفْقَهُوْنَ﴾	۳۱۴
باب: "حالانکہ آسمانوں اور زمین کے تمام خزانے اللہ ہی کے ہیں، لیکن منافق لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔"	۳۱۴
انصار کیلئے رسول اللہ ﷺ کی دعاءِ مغفرت	۳۱۵
(۷) باب: ﴿يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَجَعْنَا اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ﴾ الآية [۸]	۳۱۵
باب: "کہتے ہیں کہ: اگر ہم مدینہ کو لوٹ کر جائیں گے تو جو عزت والا ہے، وہ وہاں سے ذلت والے کو نکال باہر کرے گا۔"	۳۱۵
قومیت کا بدبودار نعرہ	۳۱۶
(۶۴) سورۃ التغابن	۳۱۷
سورۂ تغابن کا بیان	۳۱۷
وجہ تسمیہ	۳۱۷
ترجمہ وتشریح	۳۱۷
(۶۵) سورۃ الطلاق	۳۱۸
سورۂ طلاق کا بیان	۳۱۸
متوازن خاندانی نظام کی تفسیر	۳۱۸
تین ماہ کی عدت کا حکم	۳۱۹
(۱) باب:	۳۱۹
یہ باب بلاعنوان ہے۔	۳۱۹
حدیث سے ثابت ہونے والے احکام	۳۲۰
(۲) باب: ﴿وَاُولَاتُ الْاَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا﴾ [۴]	۳۲۱
باب: "اور جو عورتیں حاملہ ہوں، اُن کی (عدت کی) میعاد یہ ہے کہ وہ اپنے پیٹ کا بچہ جن لیں، اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا، اللہ اُسکے کام میں آسانی پیدا کردے گا۔"	۳۲۱
عدتِ وضع حمل	۳۲۳
(۶۶) سورۃ التحریم	۳۲۴
سورۂ تحریم کا بیان	۳۲۴
سورت کا مرکزی موضوع اور وجہ تسمیہ	۳۲۴
(۱) باب: ﴿يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ الآية [۱]	۳۲۴
باب: "اے نبی! جو چیز اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہے، اُسے کیوں حرام کرتے ہو؟"	۳۲۴
آیاتِ تحریم کے نزول کا سبب	۳۲۴
نامناسب قسم کو توڑنے کا حکم	۳۲۵
(۲) باب: ﴿تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ﴾ [۲]	۳۲۶
باب: "تاکہ تم اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل	

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
کرسکو، اور اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔ اللہ نے تمہاری قسموں سے نکلنے کا طریقہ مقرر کردیا ہے۔"	۳۲۶	(٦٧) سورة تبارک الذی بیده الملک	۳۳۵
واقعہ تحریم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبانی	۳۲۷	سورۂ ملک کا بیان	۳۳۵
حسن معاشرت اور عورتوں کے حقوق	۳۲۸	ترجمہ وتشریح	۳۳۵
(۳) باب: ﴿وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا﴾ إلى ﴿الْخَبِيرُ﴾ [۳]	۳۳۰	(٦٨) سورة نٓ والقلم	۳۳٦
باب: "اور یاد کرو جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے راز کے طور پر ایک بات کہی تھی۔"	۳۳۰	سورۂ قلم کا بیان	۳۳٦
(۴) باب: ﴿إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا﴾ [۴]	۳۳۱	کفار کے مطاعن کا جواب	۳۳٦
باب: "(اے نبی کی بیویو!) اگر تم اللہ کے حضور توبہ کرلو (تو یہی مناسب ہے) کیونکہ تم دونوں کے دِل مائل ہوگئے ہیں۔"	۳۳۱	ترجمہ وتشریح	۳۳۷
ترجمہ وتشریح	۳۳۲	(۱) باب: ﴿عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيمٍ﴾ [۱۳]	۳۳۷
آیت کی تفسیر	۳۳۲	باب: "بدمزاج ہے، اور اس کے علاوہ نچلے نسب والا بھی۔"	۳۳۷
اپنے اہل خانہ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ	۳۳۳	(۲) باب: ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾ [۴۲]	۳۳۸
(۵) باب: ﴿عَسَى رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجاً خَيْرًا مِنْكُنَّ﴾ الآية [۵]،	۳۳۴	باب: "جس دن ساق (پنڈلی) کھول دی جائے گی۔"	۳۳۸
باب: "اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو تمہارے پروردگار کو اس بات میں دیر نہیں لگے گی کہ وہ اُن کو (تمہارے) بدلے میں ایسی بیویاں عطاء فرمادیں۔"	۳۳۴	پنڈلی کھولنے سے مراد	۳۳۹
		(٦٩) سورة الحاقة	۳۴۰
		سورۂ الحاقہ کا بیان	۳۴۰
		سورت کا موضوع اور وجہ تسمیہ	۳۴۰
		ترجمہ وتشریح	۳۴۰

عنوان	صفحہ
(۷۰) سورة سأل سائل	۳۴۲
سورۂ معارج کا بیان	۳۴۲
الفاظ کا ترجمہ وتشریح	۳۴۲
(۷۱) سورة نوح	۳۴۳
سورۂ نوح کا بیان	۳۴۳
ترجمہ وتشریح	۳۴۳
(۱) باب: ﴿وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ﴾ [۲۳]	۳۴۴
باب: "نہ وَدّ اور سواع کو کسی صورت میں چھوڑنا، اور نہ یغوث اور یعوق کو چھوڑنا۔"	۳۴۴
بت پرستی کا آغاز	۳۴۴
(۷۲) سورة قل أوحي إليّ	۳۴۶
سورۂ جن کا بیان	۳۴۶
سورت کا پس منظر	۳۴۶
حدیث کی تشریح	۳۴۷
(۷۳) سورة المزمل	۳۴۹
سورۂ مزمل کا بیان	۳۴۹
زمانہ فترت کے بعد وحی کا آغاز اور سورۂ مزمل کا نزول	۳۴۹
ترجمہ وتشریح	۳۵۰

عنوان	صفحہ
(۷۴) سورة المدثر	۳۵۱
سورۂ مدثر کا بیان	۳۵۱
(۱) باب:	۳۵۱
یہ باب بلا عنوان ہے۔	۳۵۱
سورت کے نزول کا واقعہ	۳۵۱
باعتبارِ نزول سورۂ مزمل اور مدثر	۳۵۲
سورت میں نازل ہونے والے چند احکامات کی تفصیل	۳۵۲
تشریح	۳۵۵
(۲) باب قوله: ﴿قُمْ فَأَنْذِرْ﴾	۳۵۵
اس ارشاد کا بیان: "اٹھو اور لوگوں کو خبردار کرو۔"	۳۵۵
(۳) باب قوله: ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ [۳]	۳۵۶
اس ارشاد کا بیان: "اور اپنے پروردگار کی تکبیر کہو۔"	۳۵۶
(۴) باب: ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ [۴]	۳۵۷
باب: "اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔"	۳۵۷
تشریح	۳۵۷
(۵) باب: ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ [۵]	۳۵۸
باب: "اور گندگی سے کنارہ کرلو۔"	۳۵۷
(۷۵) سورة القيامة	۳۵۹
سورۂ قیامہ کا بیان	۳۵۹
(۱) باب وقوله: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ﴾ [۱۶]	۳۶۰

عنوان	صفحہ
اس ارشاد کا بیان: "(اے پیغمبر!) تم اس قرآن کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان ہلایا نہ کرو۔"	۳۶۰
تشریح	۳۶۰
باب: ﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾ [۱۷]	۳۶۰
باب: "یقین رکھو کہ اس کو یاد کرانا اور پڑھوانا ہماری ذمہ داری ہے۔"	۳۶۰
تشریح	۳۶۰
(۲) بابٌ: ﴿فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ [۱۸]	۳۶۱
باب: "پھر جب ہم اسے (جبرئیل کے واسطے سے) پڑھ رہے ہوں تو تم اسکے پڑھنے کی پیروی کرو۔"	۳۶۱
قرآن پڑھنے کیلئے تجوید وقرأت ضروری ہے	۳۶۱
(۷۶) سورة ﴿هل أتى على الانسان﴾	۳۶۴
سورۂ دھر کا بیان	۳۶۴
انسان کی پیدائش حقیر نطفہ سے	۳۶۴
بچہ کی مشابہت ماں یا باپ سے	۳۶۵
(۷۷) سورة والمرسلات	۳۶۶
سورۂ مرسلات کا بیان	۳۶۶
ترجمہ وتشریح	۳۶۶
(۱) بابٌ:	۳۶۷
یہ باب بلا عنوان ہے۔	۳۶۷
(۲) باب قوله: ﴿إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ﴾ [۳۲]	۳۶۸
اس ارشاد کا بیان: "وہ آگ تو محل جیسے بڑے بڑے شعلے پھینکے گی۔"	۳۶۸
آیت کی دو قرأتیں	۳۶۸
(۳) بابُ قوله: ﴿كَأَنَّهُ جِمَالَاتٌ صُفْرٌ﴾ [۳۳]	۳۶۹
اس ارشاد کا بیان: "ایسا لگے گا جیسے وہ زرد رنگ کے اُونٹ ہوں۔"	۳۶۹
تشریح	۳۶۹
(۷۸) سورة عمّ يتساءلون	۳۷۰
عمّ یتساءلون۔ یعنی سورۂ نباء کا بیان	۳۷۰
کفار کے روزِ قیامت پر اشکالات کے جواب	۳۷۰
ترجمہ وتشریح	۳۷۰
(۱) بابٌ: ﴿يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجًا﴾ [۱۸]	۳۷۱
باب: "وہ دن جب صور پھونکا جائے تو تم سب فوج در فوج چلے آؤ گے۔"	۳۷۱
(۷۹) سورة والنازعات	۳۷۲
سورۂ نازعات کا بیان	۳۷۲
انسان کی موت ونزع اور فرشتوں کی قسم وذکر	۳۷۲
ترجمہ وتشریح	۳۷۳

عنوان	صفحہ
(۱) باب:	۳۷۳
یہ باب بلا عنوان ہے۔	۳۷۳
تشریح	
(۸۰) سورة عبس	۳۷۵
سورۂ عبس کا بیان	۳۷۵
شان نزول اور وجہ تسمیہ	۳۷۵
ترجمہ وتشریح	۳۷۶
قرآن مجید پڑھنے کا دُہرا اجر	۳۷۶
(۸۱) سورة إذا الشمس كورت	۳۷۸
سورۂ تکویر کا بیان	۳۷۸
سورت کی وجہ تسمیہ	۳۷۸
ترجمہ وتشریح	۳۷۸
پانچ سیارے	۳۷۹
(۸۲) سورة إذا السماء انفطرت	۳۸۱
سورۂ انفطار کا بیان	۳۸۱
ترجمہ وتشریح	۳۸۱
(۸۳) سورة ويل للمطففين	۳۸۲
سورۂ مطففین کا بیان	۳۸۲
مرکزی موضوع اور وجہ تسمیہ	۳۸۲
ترجمہ وتشریح	۳۸۲
باب: ﴿يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [۶]،	۳۸۳
باب: "جس دن سب لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔"	۳۸۳
(۸۴) سورة إذا السماء انشقت	۳۸۴
سورۂ انشقاق کا بیان	۳۸۴
وجہ تسمیہ	۳۸۴
(۱) باب: ﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَاباً يَسِيراً﴾ [۸]	۳۸۴
باب: "اُس سے تو آسان حساب لیا جائے گا۔"	۳۸۴
اہلِ ایمان پر روزِ قیامت اللہ ﷻ کی رحمت وشفقت	۳۸۵
(۲) باب: ﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقاً عَنْ طَبَقٍ﴾ [۱۹]	۳۸۶
باب: "کہ تم سب ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف چڑھتے جاؤ گے۔"	۳۸۶
انسانی وجود میں بیشمار انقلابات اور دائمی سفر اور اس کی آخری منزل	۳۸۶
(۸۵) سورة البروج	۳۸۸
سورۂ بروج کا بیان	۳۸۸
اصحاب الاخدود کا قصہ اور وجہ تسمیہ	۳۸۸
(۸۶) سورة الطارق	۳۹۰
سورۂ طارق کا بیان	۳۹۰
سورت کا پس منظر	۳۹۰
وجہ تسمیہ	۳۹۰
(۸۷) سورة سبح اسم ربك الأعلى	۳۹۲
سورۂ اعلیٰ کا بیان	۳۹۲
تشریح	۳۹۳

عنوان	صفحہ
(۸۸) سورۃ ھل اتاک	۳۹۴
سورۂ غاشیہ کا بیان	۳۹۴
ترجمہ وتشریح	۳۹۴
تبلیغ دین کا ایک بنیادی اصول	۳۹۴
(۸۹) سورۃ والفجر	۳۹۶
سورۂ فجر کا بیان	۳۹۶
فجر سے مراد	۳۹۶
ترجمہ وتشریح	۳۹۷
(۹۰) سورۃ لااُقسم	۳۹۹
سورۂ بلد کا بیان	۳۹۹
ترجمہ وتشریح	۳۹۹
انسانی زندگی مشقتوں سے پُر رہی	۴۰۰
(۹۱) سورۃ والشمس وضحاھا	۴۰۱
سورۂ شمس کا بیان	۴۰۱
وجہ تسمیہ اور نفس انسانی کی تخلیق	۴۰۱
ترجمہ وتشریح	۴۰۱
حدیث میں عاداتِ شنیعہ کا ذکر	۴۰۲
(۹۲) سورۃ واللیل إذا یغشی	۴۰۴
سورت اللیل کا بیان	۴۰۴
ترجمہ وتشریح	۴۰۴
(۱) بابُ: ﴿والنَّهارِ إِذَا تَجَلّٰى﴾ [۲]	۴۰۴
باب: ”اور دن کی قسم! جب اُس کا اُجالا پھیل جائے۔“	۴۰۴
(۲) بابُ: ﴿وماخَلَقَ الذَّكَرَ والأُنثٰى﴾	۴۰۴

عنوان	صفحہ
[۳] باب: ”اور قسم اُس ذات کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا۔“	۴۰۵
عبداللہ بن مسعود اور ابوالدرداء کی قرأت	۴۰۶
(۳) بابُ قوله: ﴿فَأَمّا مَنْ اعطٰى واتّقٰى﴾ [۵]	۴۰۶
اس ارشاد کا بیان: ”اب جس کسی نے (اللہ کے راستے میں مال) دیا، اور تقویٰ اختیار کیا۔“	
سعی وعمل کے اعتبار سے انسانوں کے دوگروہ	۴۰۶
بابُ قوله: ﴿وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى﴾ [۶]	۴۰۶
اس ارشاد کا بیان: ”اور سب سے اچھی بات کو دل سے مانا۔“	
(۴) بابُ: ﴿فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرٰى﴾ [۷]	۴۰۹
باب: ”تو ہم اُس کو آرام کی منزل تک پہنچنے کی تیاری کرادیں گے۔“	۴۰۹
(۵) بابُ قوله: ﴿واَمّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى﴾ [۸]	۴۱۰
اس ارشاد کا بیان: ”رہا وہ شخص جس نے بخل سے کام لیا، اور (اللہ سے) بے نیازی اختیار کی۔“	۴۱۰
(۶) بابُ قوله: ﴿وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى﴾ [۹]	۴۱۰
اس ارشاد کا بیان: ”اور سب سے اچھی بات کو جھٹلایا۔“	۴۱۰
(۷) بابُ: ﴿فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرٰى﴾	

عنوان	صفحہ
[۱۰]	۴۱۱
باب: ''تو ہم اُس کو تکلیف کی منزل تک پہنچنے کی تیاری کرادیں گے۔''	۴۱۱
آیت کا مفہوم	۴۱۱
(۹۳) سورۃ والضحی	۴۱۳
سورت الضحیٰ کا بیان	۴۱۳
وجہ تسمیہ	۴۱۳
(۱) باب قوله: ﴿ما ودّعک ربّک وما قلی﴾ [۳]	۴۱۳
اس ارشاد کا بیان: ''کہ تمہارے پروردگار نے نہ تمہیں چھوڑا ہے، اور نہ ناراض ہوا ہے۔''	۴۱۳
(۲) باب قوله: ﴿ما ودّعک ربّک وما قلی﴾ [۳]	۴۱۳
اس ارشاد کا بیان: ''کہ تمہارے پروردگار نے نہ تمہیں چھوڑا ہے، اور نہ ناراض ہوا ہے۔''	۴۱۳
(۹۴) سورۃ ألم نشرح	۴۱۵
سورۂ انشراح کا بیان	۴۱۵
ترجمہ وتشریح	۴۱۵
﴿مَعَ العُسرِ یُسرًا﴾ کی لطیف تشریح	۴۱۵
خلوت میں عبادت کی ترغیب	۴۱۵
(۹۵) سورۃ والتین	۴۱۷
سورت التین کا بیان	۴۱۷
زیتون، انجیر اور بلد امین کا ذکر	۴۱۷
(۱) باب:	۴۱۷
یہ باب بلاعنوان ہے۔	۴۱۷
(۹۶) سورۃ اقرأ باسم ربک الذی خلق	۴۱۹
سورت العلق کا بیان	۴۱۹
وحی کی ابتداء اور سورۂ علق کا نزول	۴۱۹
ترجمہ وتشریح	۴۲۰
(۱) بابٌ:	۴۲۰
یہ باب بلاعنوان ہے۔	۴۲۰
رؤیائے صادقہ	۴۲۰
کتابِ ہدیٰ کا پہلا سبق	۴۱۲
(۲) بابُ قوله: ﴿خَلَقَ الإِنسانَ مِنْ عَلَقٍ﴾ [۲]	۴۲۴
اس ارشاد کا بیان: ''اُس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔''	۴۲۴
انسان کی تخلیق کا ذکر کرنے کی وجہ	۴۲۴
(۳) بابُ قوله: ﴿اقْرَأْ وَرَبُّکَ الأَکْرَمُ﴾ [۳]	۴۲۴
اس ارشاد کا بیان: ''پڑھو، اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کرم والا ہے۔''	۴۲۴
''اقراء'' کو مکرر لانے کا مقصد	۴۲۴
بابُ: ﴿الَّذِي عَلَّمَ بِالقَلَمِ﴾ [۴]	۴۲۵
باب: ''جس نے قلم سے تعلیم دی۔''	۴۲۵
علم کی اہمیت اور مقام	
(۴) بابُ قوله تعالی: ﴿کَلَّا لَئِنْ لَمْ یَنْتَهِ	

عنوان	صفحہ
﴿لَنَسْفَعَنْ بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ﴾ [۱۵-۱۶]	۴۲۶
اس ارشادِ باری تعالیٰ کا بیان: ”خبردار! اگر وہ باز نہ آیا، تو ہم (اُسے) پیشانی کے بال سے پکڑ کر گھسیٹیں گے، اُس پیشانی کے بال جو جھوٹی ہے، گنہگار ہے۔“	۴۲۶
(۹۷) سورة إنّا انزلناه	۴۲۷
سورۂ قدر کا بیان	۴۲۷
سورت کا شانِ نزول	۴۲۷
لیلۃ القدر کے معنی	۴۲۷
(۹۸) سورة لم يكن	۴۲۹
سورۂ بینہ کا بیان	۴۲۹
مقصدِ بعثت	۴۲۹
حضرت ابی بن کعب ﷺ کی فضیلت	۴۳۰
(۲) باب:	۴۳۰
یہ باب بلاعنوان ہے۔	۴۳۰
(۳) باب:	۴۳۱
یہ باب بلاعنوان ہے۔	۴۳۱
(۹۹) سورة إذا زلزلت	۴۳۲
سورت الزلزلات کا بیان	۴۳۲
(۱) بابُ قوله: ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَّرَهُ﴾ [۷]	۴۳۳
اس ارشاد کا بیان: ”چنانچہ جس نے ذرّہ برابر کوئی اچھائی کی ہوگی، وہ اُسے دیکھے گا۔“	۴۳۲
خیر اور شر کا مصداق	۴۳۲
(۱۰۰) سورة والعاديات	۴۳۵
سورت العادیات کا بیان	۴۳۵
سورت میں گھوڑوں کا ذکرا ورا۔ کا پس منظر	۴۳۵
(۱۰۱) سورة القارعة	۴۳۷
سورت القارعہ کا بیان	۴۳۷
(۱۰۲) سورة الهاكم	۴۳۸
سورت التکاثر کا بیان	۴۳۸
(۱۰۳) سورة والعصر	۴۳۹
سورۂ عصر کا بیان	۴۳۹
(۱۰۴) سورة ويل لكل همزة	۴۴۰
سورت الھمزہ کا بیان	۴۴۰
تین گناہوں پر سخت وعید وعذاب	۴۴۰
(۱۰۵) سورة ألم تر	۴۴۱
سورت الفیل کا بیان	۴۴۱
اصحاب الفیل کا واقعہ	۴۴۱
ترجمہ وتشریح	۴۴۲
(۱۰۶) سورة لإيلاف قريش	۴۴۳
سورۂ قریش کا بیان	۴۴۳
سورت کا پس منظر	۴۴۳
(۱۰۶) سورة أرأيت	۴۴۵
سورت الماعون کا بیان	۴۴۵
سورت میں بیان کردہ افعالِ قبیحہ اور جہنم کی وعید	

عنوان	صفحہ
ترجمہ وتشریح	۴۴۵
(۱۰۸) سورۃ إنا أعطیناک الکوثر	
سورۂ کوثر کا بیان	۴۴۷
شانِ نزول	۴۴۷
(۱) باب:	۴۴۷
یہ باب بلاعنوان ہے۔	۴۴۷
حوضِ کوثر	۴۴۸
(۱۰۹) سورۃ قل یا أیہا الکافرون	۴۵۰
سورت الکافرون کا بیان	۴۵۰
شانِ نزول	۴۵۰
(۱۱۰) سورۃ إذا جاء نصر اللہ	۴۵۲
سورت النصر کا بیان	۴۵۲
سورت کا پس منظر	۴۵۲
قرآن کی آخری سورت	۴۵۲
(۱) باب:	۴۵۲
یہ باب بلاعنوان ہے۔	۴۵۲
(۲) باب:	۴۵۳
یہ باب بلاعنوان ہے۔	۴۵۳
تشریح	۴۵۳
(۳) بابُ قولہ: ﴿وَرَأَیْتَ النَّاسَ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللهِ أَفْوَاجاً﴾ [۲]،	۴۵۴
اس ارشاد کا بیان: ”اور تم لوگوں کو دیکھ لو کہ وہ فوج درفوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔“	۴۵۴
آیت کی تشریح	۴۵۴

عنوان	صفحہ
(۴) بابُ قولہ: ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ کَانَ تَوَّاباً﴾ [۳]	۴۵۵
اس ارشاد کا بیان: ”تو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرو، اور اُس سے مغفرت مانگو۔ یقین جانو وہ بہت معاف کرنے والا ہے۔“	۴۵۵
(۱۱۱) سورۃ تبت یدا أبی لهب	۴۵۷
سورۂ لہب کا بیان	۴۵۷
ابولہب کی نسبت کرنے کی وجہ	۴۵۷
(۱) باب:	۴۵۷
یہ باب بلاعنوان ہے۔	۴۵۷
(۲) بابُ قولہ: ﴿وَتَبَّ ما أغنى عَنْهُ مالُهُ وَماکَسَبَ﴾ [۲]	۴۵۹
اس ارشاد کا بیان: ”اور وہ خود برباد ہو چکا ہے۔ اُس کی دولت اور اُس نے جو کمائی کی تھی، وہ اُس کے کچھ کام نہیں آئی۔“	۴۵۹
(۳) بابُ قولہ: ﴿سَیَصْلَى ناراً ذَاتَ لَهَبٍ﴾ [۳]	۴۶۰
اس ارشاد کا بیان: ”وہ بھڑکتے ہوئے شعلوں والی آگ میں داخل ہوگا۔“	۴۶۰
(۴) بابُ قولہ: ﴿وَامْرَأَتُهُ حَمّالَةَ الحَطَبِ﴾ [۴]	۴۶۰
اس ارشاد کا بیان: ”اور اُس کی بیوی بھی، لکڑیاں ڈھوتی ہوئی۔“	۴۶۰

عنوان	صفحہ
ابولہب اور اسکی بیوی کا عبرت ناک انجام	
﴿فی جیدها حبل من مسد﴾ کی تشریح	۴۶۱
(۱۱۲) سورة قل هو الله احد	۴۶۳
سورۂ اخلاص کا بیان	۴۶۳
وجہ تسمیہ	۴۶۳
سورت کا شانِ نزول	۴۶۳
سورۂ اخلاص کے فضائل	۴۶۴
(۱) باب:	۴۶۴
یہ باب بلا عنوان ہے۔	۴۶۴
(۲) بابُ قوله: ﴿اللهُ الصَّمَدُ﴾،	۴۶۵
اس ارشاد کا بیان: "اللہ ہی ایسا ہے کہ سب اُس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔"	۴۶۵
"الصمد" کی تفصیل	۴۶۵
(۱۱۳) سورة قل أعوذ برب الفلق	۴۶۶
سورۂ فلق کا بیان	۴۶۶
شانِ نزول	۴۶۷
معوذتین کی خصوصیات	۴۶۸
(۱۱۴) سورة قل أعوذ برب الناس	۴۶۹
سورت الناس کا بیان	۴۶۹
حضرت ابن مسعود ﷺ کے قول صحیح تطبیق	۴۶۹
۶۶ - كتاب فضائل القرآن	۴۷۳
(۱) بابُ كيف نزول الوحي وأوّل مانزل؟	۴۷۳
باب: وحی کیسے نازل ہوئی اور سب سے پہلے کیا نازل ہوا؟	۴۷۳
وحی کی ضرورت	۴۷۳
وحی کا مفہوم	۴۷۴
وحی کی تعلیمات	۴۷۷
وحی کی اقسام	۴۷۸
حضور ﷺ پر وحی کے طریقے	۴۷۹
(۲) بابُ نزل القرآن بلسان قريش والعرب	۴۸۲
باب: قرآن قریش اور عرب کی زبان میں نازل ہوا۔	۴۸۲
قرآن کا رسم الخط لغت قریش ہے	۴۸۲
(۳) باب جمع القرآن	۴۸۵
قرآن مجید کے جمع کرنے کا بیان	۴۸۵
تشریح	۴۸۷
ملحدین اور روافض کا اعتراض	۴۸۷
اعتراض کا جواب	۴۸۷
عہد نبوی ﷺ میں کتابتِ قرآن	۴۸۷
عہد صدیقی میں جمع قرآن	۴۸۸
جمع قرآن کا طریقہ کار	۴۸۹
حدیث کی تشریح	۴۹۱
حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں جمع قرآن کا مرحلہ	۴۹۱
دوسری بار جمع قرآن کی ترتیب اور خصوصیات	۴۹۶
مصحف عثمانی کی خصوصیات	۴۹۷

عنوان	صفحہ
(۴) باب کاتب النبی ﷺ	۴۹۸
نبی کریم ﷺ کے کاتب کا بیان	۴۹۸
حفاظتِ قرآن کتابت کے ذریعے	۴۹۸
سورہ توبہ کی آخری آیت	۴۹۹
(۵) باب أُنزل القرآن علی سبعة احرف	۵۰۱
قرآن مجید کے سات حروف میں نازل ہونے کا بیان	۵۰۱
سبعہ احرف کی تشریح	۵۰۲
امام طحاوی رحمہ اللہ کا قول	۵۰۷
سب سے بہتر قول	۵۰۷
سبعہ احرف کی ترتیب	۵۰۹
(۶) باب تألیف القرآن	۵۰۹
قرآن مجید کی ترتیب کا بیان	۵۰۹
قرآن کریم کا تدریجی نزول	۵۰۹
ترتیب نزول اور موجودہ ترتیب	۵۱۱
حدیث کی تشریح	۵۱۴
حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے نزدیک مفصل سورتیں	۵۱۶
(۷) باب کان جبریل یعرض القرآن علی النبی ﷺ	۵۱۶
جبرائیل علیہ السلام کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ قرآن کے دور کرنے کا بیان	۵۱۶
(۸) باب القراء من أصحاب النبی ﷺ	۵۱۷
اصحاب نبی ﷺ میں سے قراء صحابہ کا بیان	۵۱۷
تشریح	۵۱۹

عنوان	صفحہ
حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا مقام	۵۱۹
تشریح	۵۲۰
(۹) بابُ فضل فاتحة الکتاب	۵۲۱
فاتحة الکتاب/سورة الفاتحہ کی فضیلت کا بیان	۵۲۱
(۱۰) باب فضل سورة البقرة	۵۲۲
سورة البقرة کی فضیلت کا بیان	۵۲۲
(۱۱) باب فضل الکهف	۵۲۳
سورة الکهف کی فضیلت کا بیان	۵۲۳
(۱۲) باب فضل سورة الفتح	۵۲۴
سورة الفتح کی فضیلت کا بیان	۵۲۴
(۱۳) باب فضل ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾	۵۲۵
﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ﴾ کی فضیلت کا بیان	۵۲۵
(۱۴) باب فضل المعوذات	۵۲۶
معوذات/سورة الفلق اور سورة الناس کی فضیلت کا بیان	۵۲۶
(۱۵) باب نزول السکینة والملائکة عند قراءة القرآن	۵۲۷
قرآن مجید کے قرأت کے وقت سکینہ اور فرشتوں کے اترنے کا بیان	۵۲۷
ایک سوال اور اس کا جواب	۵۲۸
(۱۶) باب من قال: لم یترک النبی ﷺ إلا ما بین الدفتین	۵۲۹
باب: جلد قرآن کے درمیان جو کچھ ہے اس کے علاوہ نبی کریم ﷺ نے کچھ ترکہ نہیں چھوڑا۔	۵۲۹

عنوان	صفحہ
روافض کے نظریہ کی تردید	۵۲۹
(۱۷) باب فضل القرآن علی سائر الکلام	۵۳۰
قرآن مجید کی تمام دوسرے کلام پر فضیلت کا بیان	۵۳۰
(۱۸) باب الوصاۃ بکتاب اللہ عزّوجلّ	۵۳۱
کتاب اللہ پر عمل کرنے کی وصیت کا بیان	۵۳۱
قران پر عمل کرنے کی وصیت	۵۳۱
(۱۹) بابُ من لم یتغنّ بالقرآن، وقولہ تعالیٰ: ﴿أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَى عَلَيْهِمْ﴾	۵۳۲
باب: جو قرآن مجید کو خوش الحانی نہ سے پڑھے، اور ارشادِ باری تعالیٰ: "بھلا کیا ان کے لئے یہ (نشانی) کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب اُتاری ہے جو ان کو پڑھ کر سنائی جارہی ہے؟"	۵۳۲
"تغنی" کے معنی	۵۳۳
استغناء سے مراد	۵۳۳
(۲۰) باب اغتباط صاحب القرآن	۵۳۴
قرآن مجید پڑھنے والے پر رشک کرنے کا بیان	۵۳۴
(۲۱) بابُ خیرُکم من تعلّم القُرآن وعلّمہ	۵۳۵
باب: تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔	۵۳۵
(۲۲) باب القراءۃ عن ظهر القلب	۵۳۶
قرآن مجید کو زبانی پڑھنے کا بیان	۵۳۶

عنوان	صفحہ
(۲۳) باب استذکار القرآن وتعاهده	۵۳۷
قرآن مجید کو ہمیشہ پڑھتے رہنے اور یاد کرنے کا بیان	۵۳۷
تشریح	۵۳۸
(۲۴) باب القراءۃ علی الدابۃ	۵۳۹
سواری کی حالت میں قرأت کا بیان	۵۳۹
(۲۵) باب تعلیم الصبیان القرآن	۵۳۹
بچوں کو قرآن کی تعلیم دینے کا بیان	۵۳۹
مفصل اور محکم	۵۴۰
(۲۶) باب نسیان القرآن، وهل یقول: نسیت آیۃ کذا وکذا؟ وقول اللہ تعالیٰ: ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰ إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ﴾ [الاعلی: ۶]	۵۴۰
قرآن مجید کو بھلا دینے کا بیان اور کیا اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ میں نے فلاں فلاں آیت بھلا دی؟ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: "البتہ ہم پڑھائیں گے تم کو پھر تم نہ بھولوگے"۔	۵۴۰
آیت کی تفسیر	۵۴۱
منشاء امام بخاریؒ	۵۴۲
تشریح	۵۴۳
(۲۷) باب من لم یر باسا ان یقول: سورۃ البقرۃ، وسورۃ کذا وکذا	۵۴۴
باب: جن کے نزدیک سورۃ البقرہ یا فلاں فلاں سورت (نام کے ساتھ) کہنے میں کوئی حرج	

عنوان	صفحہ
نہیں۔	۵۴۴
(۲۸) باب الترتيل فى القراءة،	۵۴۵
قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا بیان	۵۴۵
صحیح مفہوم ومراد	۵۴۷
(۲۹) باب مدّ القراءة	۵۴۷
قرأت میں کھینچ کر پڑھنے کا بیان	۵۴۷
(۳۰) باب الترجيع	۵۴۸
ترجیع رحلق میں آواز گھما کر پڑھنے کا بیان	۵۴۸
(۳۱) باب حسن الصوت بالقراءة للقرآن	۵۴۸
خوش الحانی کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرنے کا بیان	۵۴۸
(۳۲) باب من احب أن يستمع القرآن من غيره	۵۴۸
کسی دوسرے شخص سے قرآن سننے کو پسند کرنے کا بیان	۵۴۸
(۳۳) باب قول المقرئ للقارى: حسبک	۵۴۹
باب: قرآن سننے والے کا پڑھنے والے کو کہنا کہ: بس کافی ہے۔	۵۴۹
(۳۴) باب: فى كم يقرأ القرآن؟	۵۴۹
قرآن کی قرأت کتنی مدت میں ختم کرنی چاہئے؟	۵۴۹
طرزِ معاشرت میں میانہ روی کا سبق	۵۵۲
(۳۵) باب البكاء عند قراءة القرآن	۵۵۳
تلاوت قرآن کے وقت رونے کا بیان	۵۵۳
(۳۶) باب إثم من راءى بقراءة القرآن، أو تأكل به، أو فجر به،	۵۵۴
دکھاوے، مال کھانے کے واسطے، یا فخر کرنے کے لئے قرآن کریم کی تلاوت کرنے کا بیان	۵۵۴
(۳۷) بابٌ اقرؤوا القرآن ما ائتلف عليه قلوبكم	۵۵۶
باب: "قرآن اس وقت تک پڑھتے رہو جب تک تمہارا دل اس کی طرف مائل ہو"۔	۵۵۶
عبادت میں بشاشت کا حکم	۵۵۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله و كفى و سلام على عباده الذين اصطفى .

عرض مرتب

اساتذۂ کرام کی درسی تقاریر کو ضبط تحریر میں لانے کا سلسلہ زمانۂ قدیم سے چلا آرہا ہے ابنائے دارالعلوم دیوبند وغیرہ میں **فیض الباری ، فضل الباری ، أنوار الباری ، لامع الدراری ، الکوکب الدری ، الحل المفهم لصحیح مسلم ، کشف الباری** ،تقریر بخاری شریف اور درس بخاری جیسی تصانیف اکابر کی ان درسی تقاریر ہی کی زندہ مثالیں ہیں اور علوم نبوت کے طالبین ہر دور میں ان تقاریر دل پذیر سے استفادہ کرتے رہیں اور کرتے رہیں گے۔

جامعہ دارالعلوم کراچی میں صحیح بخاری کی مسند تدریس پر رونق آراء شخصیت شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم (سابق جسٹس شریعت اپیلٹ بینچ سپریم کورٹ آف پاکستان) علمی وسعت ،فقیہانہ بصیرت، فہم دین اور شگفتہ طرز تفہیم میں اپنی مثال آپ ہیں، درس حدیث کے طلبہ اس بحر بے کنار کی وسعتوں میں کھو جاتے ہیں اور بحث ونظر کے نئے نئے افق ان کے نگاہوں کو خیرہ کر دیتے ہیں، خاص طور پر جب جدید تمدن کے پیدا کردہ مسائل سامنے آتے ہیں تو شرعی نصوص کی روشنی میں ان کا جائزہ، حضرت شیخ الاسلام کا وہ میدان بحث ونظر ہے جس میں ان کا ثانی نظر نہیں آتا۔

آپ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند کی دعاؤں اور تمناؤں کا مظہر بھی ہیں، کیونکہ انہوں نے آخر عمر میں اس تمنا کا اظہار فرمایا تھا کہ میرا جی چاہتا ہے کہ میں انگریزی پڑھوں اور یورپ پہنچ کر ان دانایان فرنگ کو بتاؤں کہ حکمت وہ نہیں جسے تم حکمت سمجھ رہے ہو بلکہ حکمت وہ ہے جو انسانوں کے دل ودماغ کو حکیم بنانے کے لئے حضرت خاتم النبیین ﷺ کے مبارک واسطے سے خدا کی طرف سے دنیا کو عطا کی گئی۔

افسوس کہ حضرتؒ کی عمر نے وفا نہ کی اور یہ تمنا تشنۂ تکمیل رہی، لیکن اللہ رب العزت اپنے پیاروں کی تمناؤں اور دعاؤں کو رد نہیں فرماتے، اللہ تعالیٰ نے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تمنا کو دور حاضر میں شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کی صورت میں پورا کر دیا کہ آپ کی علمی وعملی کاوشوں کو دنیا بھر کے مشاہیر اہل علم وفن میں سراہا جاتا ہے خصوصاً اقتصادیات کے شعبہ میں اپنی مثال آپ ہیں کہ قرآن وحدیث، فقہ وتصوف اور تدین وتقوی کی جامعیت کے ساتھ ساتھ قدیم اور جدید علوم پر دسترس اور ان کو دور حاضر کی زبان پر سمجھانے کی صلاحیت آپ کو منجانب اللہ عطا ہوئی ہے۔

جامعہ دارالعلوم کراچی کے سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جب یہ میرے پاس پڑھنے کے لئے آئے تو بمشکل ان کی عمر گیارہ/بارہ سال تھی مگر اسی وقت سے ان پر آثار ولایت محسوس ہونے لگے اور رفتہ رفتہ ان کی صلاحیتوں میں ترقی و برکت ہوتی رہی، یہ مجھ سے استفادہ کرتے رہے اور میں ان سے استفادہ کرتا رہا۔

سابق شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے مجھ سے مجلس خاص میں مولانا محمد تقی عثانی صاحب کا ذکر آنے پر کہا کہ تم محمد تقی کو کیا سمجھتے ہو، یہ مجھ سے بھی بہت اوپر ہیں اور یہ حقیقت ہے۔

ان کی ایک کتاب ''علوم القرآن'' ہے اس کی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کی حیات میں تکمیل ہوئی اور چھپی اس پر مفتی محمد شفیع صاحبؒ نے غیر معمولی تقریظ لکھی ہے۔ اکابرین کی عادت ہے کہ جب کسی کتاب کی تعریف کرتے ہیں تو جانچ تول کر بہت جچے تلے انداز میں کرتے ہیں کہ کہیں مبالغہ نہ ہو مگر حضرت مفتی صاحب قدس سرہٗ لکھتے ہیں کہ:

> یہ مکمل کتاب ماشاء اللہ ایسی ہے کہ اگر میں خود بھی اپنی تندرستی کے زمانے میں لکھتا تو ایسی نہ لکھ سکتا تھا، جس کی دو وجہ ظاہر ہیں:
>
> پہلی وجہ تو یہ کہ عزیز موصوف نے اس کی تصنیف میں جس تحقیق و تنقید اور متعلقہ کتابوں کے عظیم ذخیرہ کے مطالعہ سے کام لیا، وہ میرے بس کی بات نہ تھی، جن کتابوں سے یہ مضامین لئے گئے ہیں ان سب مأخذوں کے حوالے بقید ابواب و صفحات حاشیہ میں درج ہیں، انہی پر سرسری نظر ڈالنے سے ان کی تحقیقی کاوش کا اندازہ ہو سکتا ہے۔
>
> اور دوسری وجہ جو اس سے بھی زیادہ ظاہر ہے وہ یہ کہ میں انگریزی زبان سے ناواقف ہونے کی بناء پر مستشرقین یورپ کی ان کتابوں سے بالکل ہی ناواقف تھا، جن میں انہوں نے قرآن کریم اور علوم قرآن کے متعلق زہر آلود تلبیسات سے کام لیا ہے، برخوردار عزیز نے چونکہ انگریزی میں بھی ایم۔اے، ایل۔ ایل۔ بی اعلیٰ نمبروں میں پاس کیا، انہوں نے ان تلبیسات کی حقیقت کھول کر وقت کی اہم ضرورت پوری کردی۔

اسی طرح شیخ عبد الفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے حضرت مولانا محمد تقی عثانی صاحب مدظلہم کے بارے میں

تحریر کیا:

لقد من الله تعالى بتحقيق هذه الأمنية الغالية الكريمة ، وطبع هذا الكتاب الحديثي الفقهي العجاب ،في مدينة كراتشي من باكستان ،متوجا بخدمة علمية ممتازة ، من العلامة المحقق المحدث الفقيه الأريب الأديب فضيلة الشيخ محمد تقي العثماني ،نجل سماحة شيخنا المفتي الأكبر مولانا محمد شفيع مد ظله العالي في عافية وسرور.

فقام ذاك النجل الوارث الألمعي بتحقيق هذا الكتاب والتعليق عليه،بما يستكمل غاياته ومقاصده،ويتم فرائده و فوائده ، في ذوق علمي رفيع ،وتنسيق فني طباعي بديع، مع أبهى حلة من جمال الطباعة الحديثة الراقية فجاء المجلد الأول منه تحفة علمية رائعة. تتجلى فيها خدمات المحقق اللوذعي تفاحة باكستان فاستحق بهذا الصنيع العلمي الرائع: شكر طلبة العلم والعلماء.

کہ علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی کتاب شرح صحیح مسلم جس کا نام **فتح الملهم بشرح صحيح مسلم** اس کی تکمیل سے قبل ہی اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ تو ضروری تھا کہ آپ کے کام اور اس حسن کارکردگی کو پایۂ تکمیل تک پہنچائیں اسی بناء پر ہمارے شیخ، علامہ مفتی اعظم حضرت مولانا محمد شفیع رحمہ اللہ نے ذہین وذکی فرزند، محدث جلیل، فقیہ، ادیب واریب مولانا محمد تقی عثمانی کی اس سلسلہ میں ہمت وکوشش کو ابھارا کہ **فتح الملهم شرح مسلم** کی تکمیل کرے، کیونکہ آپ "حضرت شیخ شارح شبیر احمد عثمانیؒ" کے مقام اور حق کو خوب جانتے تھے اور پھر اس کو بھی بخوبی جانتے تھے کہ اس باکمال فرزند کے ہاتھوں ان شاء اللہ یہ خدمت کما حقہ انجام کو پہنچے گی۔

اسی طرح عالم اسلام کی مشہور فقہی شخصیت ڈاکٹر علامہ یوسف القرضاوی "**تكملة فتح الملهم**" پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وقد ادخر القدر فضل اكماله واتمامه – إن شاء الله – لعالم

جليل من أسره علم و فضل "ذرية بعضها من بعض " هو الفقيه ابن الفقيه ،صديقنا العلامة الشيخ محمد تقى العثمانى ،بن الفقيه العلامة المفتى مولانامحمدشفيع رحمه الله وأجزل مثوبته ،و تقبله في الصالحين .

وقد أتاحت لى الأقدار أن أتعرف عن كثب على الأخ الفاضل الشيخ محمد تقى، فقد التقيت به فى بعض جلسات الهيئة العليا للفتوى والرقابة الشرعية للمصارف الإسلامية ،ثم فى جلسات مجمع الفقه الإسلامى العالمى ، وهو يمثل فيه دولة باكستان، ثم عرفته أكثر فأكثر ، حين سعدت به معى عضوا فى الهيئة الشرعية لمصرف فيصل الإسلامى بالبحرين ، والذى له فروع عدة فى باكستان .

وقد لمست فيه عقلية الفقيه المطلع على المصادر،المتمكن من النظر والاستنباط،القادر على الاختيار والترجيح ،والواعى لما يدور حوله من أفكار و مشكلات – أنتجها

هذا العصرالحريص على أن تسود شريعة الاسلام وتحكم فى ديار المسلمين .

ولا ريب أن هذه الخصائص تجلت فى شرحه لصحيح مسلم ، وبعبارة أخرى : فى تكملته لفتح الملهم .

فقد وجدت فى هذا الشرح :حسن المحدث ، وملكة الفقيه ،وعقلية المعلم، وأناة القاضى،ورؤية العالم المعاصر،جنبا إلى جنب.

ومما يذكر له هنا: أنه لم يلتزم بأن يسير على نفس طريقة شيخه العلامة شبير أحمد، كما نصحه بذلك بعض أحبابه، وذلك لوجوه وجيهة ذكرها فى مقدمته.

ولا ريب أن لكل شيخ طريقته وأسلوبه الخاص، الذى يتأثر بمكانه وزمانه ولثقافته، وتيارات الحياة من حوله. ومن التكلف الذى لايحمد محاولة العالم أن يكون نسخة من غيره، وقد خلقه الله مستقلا.

لقد رأيت شروحا عدة لصحيح مسلم،قديمة وحديثة، ولكن هذا الشرح للعلامة محمد تقى هو أولاها بالتنويه ، وأوفاها بالفوائد والفرائد،وأحقهابأن يكون هو (شرح العصر) للصحيح الثانى.

فهو موسوعة بحق ،تتضمن بحوثا وتحقيقات حديثية ،وفقهية ودعوية وتربوية.وقد هيأت له معرفته بأكثر من لغة ،ومنها الإنجليزية ،وكذلك قراء ته لثقافة العصر،وإطلاعه على كثير من تياراته الفكرية،أن يعقد مقارنات شتى بين أحكام الإسلام وتعاليمه من ناحية ، وبين الديانات والفلسفات والنظريات المخالفة من ناحية أخرى وأن يبين هنا أصالة الإسلام وتميزه الخ–

انہوں نے فرمایا کہ مجھے ایسے مواقع میسر ہوئے کہ میں برادر فاضل شیخ محمد تقی کو قریب سے پہچانوں ۔بعض فتوؤں کی مجالس اور اسلامی محکموں کے نگراں شعبوں میں آپ سے ملاقات ہوئی پھر مجمع الفقہ الاسلامی کے جلسوں میں بھی ملاقات کے مواقع آتے رہے،آپ اس مجمع میں پاکستان کی نمائندگی فرماتے ہیں ۔الغرض اس طرح میں آپ کو قریب سے جانتا رہا اور پھر یہ تعارف بڑھتا ہی چلا گیا جب میں آپ کی ہمراہی سے فیصل اسلامی بینک (بحرین) میں سعادت مند ہوا آپ وہاں ممبر منتخب ہوئے تھے جس کی پاکستان میں بھی کئی شاخیں ہیں۔

تو میں نے آپ میں فقہی سمجھ خوب پائی اس کے ساتھ مصادر وماخذ فقہیہ پر بھرپور اطلاع اور فقہ میں نظر وفکر اور استنباط کا ملکہ اور ترجیح و اختیار پر خوب قدرت محسوس کی۔

اس کے ساتھ آپ کے اردگرد جو خیالات ونظریات اور مشکلات منڈلا رہی ہیں جو اس زمانے کا نتیجہ ہیں ان میں بھی سوچ سمجھ رکھنے والا پایا اور آپ ماشاء اللہ اس بات پر حریص رہتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ کی بالادستی قائم ہو اور مسلمان علاقوں میں اس کی حاکمیت کا دور دورہ ہو اور بلاشبہ آپ کی یہ خصوصیات آپ کی شرح صحیح مسلم (تکملہ فتح الملہم میں خوب نمایاں اور روشن ہے۔

میں نے اس شرح کے اندر ایک محدث کا شعور، فقیہ کا ملکہ، ایک معلم کی ذکاوت، ایک قاضی کا تدبر اور ایک عالم کی بصیرت محسوس کی۔ میں نے صحیح مسلم کی قدیم وجدید بہت سی شروح دیکھی ہیں لیکن یہ شرح تمام شروح میں سب سے زیادہ قابل توجہ اور قابل استفادہ ہے، یہ جدید مسائل کی تحقیقات میں موجودہ دور کا فقہی انسائکلو پیڈیا ہے اور ان سب شروح میں زیادہ حق دار ہے کہ اس کو صحیح مسلم کی اس زمانے میں سب سے عظیم شرح قرار دی جائے۔

یہ شرح قانون کو وسعت سے بیان کرتی ہے اور سیر حاصل ابحاث اور جدید تحقیقات اور فقہی، دعوتی، تربیتی مباحث کو خوب شامل ہے۔ اس کی تصنیف میں حضرت مؤلف کو کئی زبانوں سے ہم آہنگی خصوصاً انگریزی سے معرفت کام آئی ہے اسی طرح زمانے کی تہذیب وثقافت پر آپ کا مطالعہ اور بہت سی فکری رجحانات پر اطلاع وغیرہ میں بھی آپ کو دسترس ہے۔ ان تمام چیزوں نے آپ کے لئے آسانی کردی کہ اسلامی احکام اور اس کی تعلیمات اور دیگر عصری تعلیمات اور فلسفے اور مخالف نظریات کے درمیان فیصلہ کن رائے دیں اور ایسے مقامات پر اسلام کی خصوصیات اور امتیاز کو اجاگر کریں۔

احقر بھی جامعہ دارالعلوم کراچی کا خوشہ چین ہے اور بحمد اللہ اساتذۂ کرام کے علمی دروس اور اصلاحی مجالس سے استفادے کی کوشش میں لگا رہتا ہے اور ان مجالس کی افادیت کو عام کرنے کے لئے خصوصی انتظام کے تحت گذشتہ ستائیس (۲۷) سالوں سے ان دروس ومجالس کو آڈیو کیسٹس میں ریکارڈ بھی کر رہا ہے۔ اس وقت سمعی مکتبہ میں اکابر کے بیانات اور دروس کا ایک بڑا ذخیرہ احقر کے پاس جمع ہے، جس سے ملک و بیرون ملک وسیع پیمانے پر

استفادہ ہو رہا ہے؛ خاص طور پر درس بخاری کے سلسلے میں احقر کے پاس اپنے دو اساتذہ کے دروس موجود ہیں۔

استاذ الاساتذہ شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا درس بخاری جو دو سو کیسٹس میں محفوظ ہے اور شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ کا درس حدیث تقریباً تین سو کیسٹس میں محفوظ کر لیا گیا ہے۔

انہیں کتابی صورت میں لانے کی ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ کیسٹ سے استفادۂ عام مشکل ہوتا ہے، خصوصاً طلبا کرام کے لئے وسائل وسہولت نہ ہونے کی بناء پر سمعی بیانات کو خریدنا اور پھر حفاظت سے رکھنا ایک الگ مسئلہ ہے جب کہ کتابی شکل میں ہونے سے استفادہ ہر خاص وعام کے لئے سہل ہے۔

چونکہ جامعہ دار العلوم کراچی میں صحیح بخاری کا درس سالہا سال سے استاذ معظم شیخ الحدیث حضرت مولانا سحبان محمود صاحب قدس سرہ کے سپرد رہا۔ ۲۹ ر ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ بروز ہفتہ کو شیخ الحدیث کا حادثۂ وفات پیش آیا تو صحیح بخاری شریف کا یہ درس مؤرخہ ۲ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ بروز بدھ سے شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم کے سپرد ہوا۔ اُسی روز صبح ۸ بجے سے مسلسل ۲ سالوں کے دروس ٹیپ ریکارڈر کی مدد سے ضبط کئے۔ انہی لمحات سے استاذ محترم کی مؤمنانہ نگاہوں نے تاک لیا اور اس خواہش کا اظہار کیا کہ یہ مواد کتابی شکل میں موجود ہونا چاہئے، اس بناء پر احقر کو ارشاد فرمایا کہ اس مواد کو تحریری شکل میں لاکر مجھے دیا جائے تاکہ میں اس میں سبقاً سبقاً نظر ڈال سکوں، جس پر اس کام (انعام الباری) کے ضبط وتحریر میں لانے کا آغاز ہوا۔

دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ کیسٹ میں بات منہ سے نکلی اور ریکارڈ ہوگئی اور بسا اوقات سبقت لسانی کی بناء پر عبارت آگے پیچھے ہوجاتی ہے (فالبشر یخطیء) جن کی تصحیح کا ازالہ کیسٹ میں ممکن نہیں۔ لہٰذا اس وجہ سے بھی اسے کتابی شکل دی گئی تاکہ حتی المقدور غلطی کا تدارک ہوسکے۔ آپ کا یہ ارشاد اس حزم واحتیاط کا آئینہ دار ہے جو سلف سے منقول ہے'' کہ سعید بن جبیرؒ کا بیان ہے کہ شروع میں سیدنا حضرت ابن عباسؓ نے مجھ سے آموختہ سننا چاہا تو میں گھبرایا، میری اس کیفیت کو دیکھ کر ابن عباسؓ نے فرمایا کہ:

او لیس من نعمة اللہ علیک ان تحدث و انا شاھد فان اصبت فذاک و ان اخطات علمتک .

(طبقات ابن سعد : ص: ۱۷۹ ، ج: ۶ و تدوین حدیث: ص: ۱۵۷)

کیا حق تعالیٰ کی یہ نعمت نہیں ہے کہ تم حدیث بیان کرو اور میں موجود ہوں، اگر صحیح طور پر بیان کروگے تو اس سے بہتر بات کیا ہوسکتی ہے اور اگر غلطی کروگے تو میں تم کو بتادوں گا۔

اس کے علاوہ بعض بزرگان دین اور بعض احباب نے سمعی مکتبہ کے اس علمی اثاثے کو دیکھ کر اس خواہش

کا اظہار کیا کہ درس بخاری کو تحریری شکل میں بھی پیش کیا جائے اس سے استفادہ مزید سہل ہوگا'' درس بخاری'' کی یہ کتاب بنام'' انعام الباری'' جو آپ کے ہاتھوں میں ہے، اسی کاوش کا ثمرہ ہے۔

حضرت شیخ الاسلام حفظہ اللہ کو بھی احقر کی اس محنت کا علم اور احساس ہے اور احقر سمجھتا ہے کہ بہت سی مشکلات کے باوجود اس درس کی سمعی و نظری تجیل و تحریر میں پیش رفت حضرت ہی کی دعاؤں کا ثمرہ ہے۔

احقر کو اپنی تہی دامنی کا احساس ہے یہ مشغلہ بہت بڑا علمی کام ہے، جس کے لئے وسیع مطالعہ، علمی پختگی اور استحضار کی ضرورت ہے، جبکہ احقر ان تمام امور سے عاری ہے، اس کے باوجود ایسی علمی خدمت کے لئے کمر بستہ ہونا صرف فضل الٰہی، اپنے مشفق اساتذہ کرام کی دعاؤں اور خاص طور پر موصوف استاد محترم دامت برکاتہم کی نظر عنایت، اعتماد، توجہ، حوصلہ افزائی اور دعاؤں کا نتیجہ ہے۔

ناچیز مرتب کو مراحل ترتیب میں جن مشکلات و مشقت سے واسطہ پڑا وہ الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے اور ان مشکلات کا اندازہ اس بات سے بھی بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ کسی موضوع پر مضمون و تصنیف لکھنے والے کو یہ سہولت رہتی ہے کہ لکھنے والا اپنے ذہن کے مطابق بنائے ہوئے خاکہ پر چلتا ہے، لیکن کسی دوسرے بڑے عالم اور خصوصاً ایسی علمی شخصیت جس کے علمی تبحر و برتری کا معاصر مشاہیر اہل علم وفن نے اعتراف کیا ہو ان کے افادات اور دقیق فقہی نکات کی ترتیب و مراجعت اور تعیین عنوانات مذکورہ مرحلہ سے کہیں دشوار و کٹھن ہے۔ اس عظیم علمی اور تحقیقی کام کی مشکلات مجھ جیسے طفل مکتب کے لئے کم نہ تھیں، اپنی بے مائیگی، نااہلی اور کم علمی کی بناء پر اس کے لئے جس قدر دماغ سوزی اور عرق ریزی ہوئی اور جو محنت و کاوش کرنا پڑی مجھ جیسے نااہل کے لئے اس کا تصور بھی مشکل ہے البتہ فضل ایزدی ہر مقام پر شامل حال رہا۔

یہ کتاب'' انعام الباری'' جو آپ کے ہاتھوں میں ہے: یہ سارا مجموعہ بھی بڑا قیمتی ہے، اس لئے کہ حضرت استاذ موصوف کو اللہ تعالیٰ نے جو تبحر علمی عطا فرمایا وہ ایک دریائے ناپید کنارہ ہے، جب بات شروع فرماتے ہیں تو علوم کے دریا بہنا شروع ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے آپ کو وسعت مطالعہ اور عمق فہم دونوں سے نوازا ہے، اس کے نتیجہ میں حضرت استاذ موصوف کے اپنے علوم و معارف جو بہت ساری کتابوں کے چھاننے کے بعد خلاصہ وعطر ہے وہ اس مجموعہ انعام الباری میں دستیاب ہے، اس لئے آپ دیکھیں گے کہ جگہ جگہ استاذ موصوف کی فقہی آراء و تشریحات، ائمۂ اربعہ کی موافقات و مخالفات پر محققانہ مدلل تبصرے علم و تحقیق کی جان ہیں۔

یہ کتاب (صحیح بخاری)'' کتاب بدء الوحی سے کتاب التوحید'' تک مجموعی کتب ۹۷، احادیث ''۷۵۶۳'' اور ابواب'' ۳۹۳۰'' پر مشتمل ہے، اسی طرح ہر حدیث پر نمبر لگا کر احادیث کے مواضع و مکررہ کی نشان دہی کا بھی التزام کیا ہے کہ اگر کوئی حدیث بعد میں آنے والی ہے تو حدیث کے آخر میں [انظر] نمبروں کے ساتھ اور اگر حدیث گزری ہے تو [راجع] نمبروں کے ساتھ نشان لگا دیئے ہیں۔

بخاری شریف کی احادیث کی تخریج **الکتب التسعة** (بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابوداؤد، ابن ماجہ، موطاء مالک، سنن الدارمی اور مسند احمد) کی حد تک کردی گئی ہے، کیونکہ بسا اوقات ایک ہی حدیث کے الفاظ میں جو تفاوت ہوتا ہے ان کے فوائد سے حضرات اہل علم خوب واقف ہیں، اس طرح انہیں آسانی ہوگی۔

قرآن کریم کی جہاں جہاں آیات آئی ہیں ان کے حوالہ معہ ترجمہ، سورۃ کا نام اور آیتوں کے نمبر ساتھ ساتھ دیدیئے گئے ہیں۔ شروح بخاری کے سلسلے میں کسی ایک شرح کو مرکز نہیں بنایا بلکہ حتی المقدور بخاری کی مستند اور مشہور شروح کو پیش نظر رکھا گیا، البتہ مجھ جیسے مبتدی کے لئے **عمدة القاری** اور **تکملة فتح الملهم** کا حوالہ بہت آسان ثابت ہوا۔ اس لئے جہاں **تکمله فتح الملهم** کا کوئی حوالہ مل گیا تو اسی کو حتمی سمجھا گیا۔

رب متعال حضرت شیخ الاسلام کا سایہ عاطفت عافیت وسلامت کے ساتھ عمر دارز عطا فرمائے، جن کا وجود مسعود بلاشبہ اس وقت ملت اسلامیہ کے لئے نعمت خداوندی کی حیثیت رکھتا ہے اور امت کا عظیم سرمایہ ہے اور جن کی زبان وقلم سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن وحدیث اور اجماع امت کی صحیح تعبیر وتشریح کا اہم تجدیدی کام لیا ہے۔

رب کریم اس کاوش کو قبول فرما کر احقر اور اس کے والدین اور جملہ اساتذۂ کرام کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے، جن حضرات اور احباب نے اس کام میں مشوروں، دعاؤں یا کسی بھی طرح سے تعاون فرمایا ہے، مولائے کریم اس محنت کو ان کے لئے فلاح دارین کا ذریعہ بنائے اور خاص طور پر استاد محترم شیخ القراً حافظ قاری مولانا عبدالملک صاحب حفظہ اللہ کو فلاح دارین سے نوازے جنھوں نے ہمہ وقت کتاب اور حل عبارات کے دشوار گزار مراحل کو احقر کے لئے سہل بنا کر لائبریری سے بے نیاز رکھا۔

صاحبان علم کو اگر اس درس میں کوئی ایسی بات محسوس ہو جو ان کی نظر میں صحت وتحقیق کے معیار سے کم ہو اور ضبط ونقل میں ایسا ہونا ممکن بھی ہے تو اس نقص کی نسبت احقر کی طرف کریں اور از راہ عنایت اس پر مطلع بھی فرمائیں۔

دعا ہے کہ اللہ ﷻ اسلاف کی ان علمی امانتوں کی حفاظت فرمائے، اور ''انعام الباری'' کے باقی ماندہ حصوں کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائے تاکہ علم حدیث کی یہ امانت اپنے اہل تک پہنچ سکے۔

آمین یا رب العالمین . و ما ذلک علی اللہ بعزیز

بندہ: محمد انور حسین عفی عنہ

فاضل ومتخصص جامعہ دار العلوم کراچی ۱۴

۱۳ رر جب المرجب ۱۴۴۰ھ بمطابق ۲۱ ر مارچ ۲۰۱۹ء، بروز جمعرات

كتاب التفسير

– حصه دوم –

(۲۵) سورة الفرقان

سورۃ الفرقان کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ستتر آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

عقائد کا اثبات اور اعتراضات کا جواب

یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی اور اس کا بنیادی مقصد اسلام کے بنیادی عقائد کا اثبات اور ان کے بارے میں کفار مکہ کے مختلف اعتراضات کا جواب دینا ہے۔

نیز اللہ ﷻ نے کائنات میں انسان کیلئے جو بیشمار نعمتیں پیدا فرمائی ہیں، انہیں یاد دلا کر اللہ ﷻ کی فرماں برداری، اسکی توحید کے اقرار اور شرک سے علیحدگی کی طرف دعوت دی گئی ہے۔

سورت کے آخر میں اللہ ﷻ کے نیک بندوں کی خصوصیات بیان فرمائی گئی ہیں اور ان کے صلے میں اللہ ﷻ نے اُن کے لئے آخرت میں جو اجر وثواب رکھا ہے، اس کا بیان فرمایا گیا ہے۔

وقال ابن عباس: ﴿هَبَاءً مَّنْثُوراً﴾: ماتسفی به الريح. ﴿مَدَّالظِّلَّ﴾: مابين طلوع الفجر الى طلوع الشمس.

﴿ساكناً﴾: دائما. ﴿عَلَيْهِ دَلِيلاً﴾: طلوع الشمس. ﴿خِلْفَةً﴾: من فاته من الليل عمل أدركه بالنهار، أو فاته بالنهار أدركه بالليل.

وقال الحسن: ﴿هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ﴾: فی طاعة الله، وما شیء أقر لعين المؤمن من أن يرى حبيبه فی طاعة الله.

وقال ابن عباس: ﴿ثُبُوراً﴾: ويلا. وقال غيره: السعير مذكر. والتسعير والاضطرام: التوقد الشديد.

﴿تُمْلَى عَلَيْهِ﴾: تقرأ عليه، من أمليت وأمللت. ﴿الرَّسِّ﴾: المعدن، جمعه رساس. ﴿مَا يَعْبَأُ﴾ يقال: ما عبأت به شيئا، لايعتد به.

﴿غَرَاماً﴾: هلاكا. وقال مجاهد: ﴿وَعَتَوْا﴾: طغوا. وقال ابن عيينة: ﴿عَاتِيَةٍ﴾ عتت على الخزان.

ترجمہ وتشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرماتے ہیں کہ "هَبَاءً مَّنْثُوراً" کے معنی وہ چیز جو ہوا اڑا کر لے یعنی گرد وغبار۔

"مَدَّ الظِّلَّ" سے مراد وہ سایہ ہے جو طلوع آفتاب تک رہتا ہے۔

"ساكناً" بمعنی "دائما" یعنی اگر اللہ چاہتا تو اس سایہ کو ہمیشہ رکھتا کہ نہ سورج نکلتا نہ سایہ زائل ہوتا۔

﴿عَلَيْهِ دَلِيلاً﴾ سے مراد سورج کا نکلنا ہے یعنی سایہ کے حصول پر طلوع آفتاب علامت ودلیل ہے۔

"خِلْفَةً" کا مطلب یہ ہے کہ جس کا رات کا کوئی عمل نہ ہوسکا تو وہ دن کو پورا کرے اور جس نے دن کو کوئی عمل فوت کردیا تو رات کو پورا کرے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے اس آیت ﴿هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ﴾ کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ آیت میں "قُرَّةَ أَعْيُنٍ" کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ﷻ کی اطاعت میں دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوں، مؤمن کی آنکھ کی ٹھنڈک اس سے زیادہ کسی بات میں نہیں ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے محبوب کو اللہ ﷻ کی اطاعت میں دیکھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "ثُبُوراً" کے معنی ہیں "ويلا" یعنی موت، ہلاکت۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ "السعير" کا لفظ مذکر ہے۔"التسعير" اور "الاضطرام" کے معنی ہیں آگ کا بھڑکنا، خوب مشتعل ہونا۔

﴿تُمْلَى عَلَيْهِ﴾ بمعنی "تقرأ عليه" یعنی اس پر پڑھ کر سنائے جاتے ہیں، اور یہ "أمليت وأمللت" سے ماخوذ ہے اور "املا واملال" دونوں کے معنی ایک ہیں یعنی لکھنا اور لکھوانا۔

"الرَّسّ" بمعنی "المعدن" یعنی کان اسکی جمع "رساس" ہے۔

"مَا يَعْبَأُ" اہل عرب کہتے ہیں "ما عبات به شيئا، لا يعتد به" یعنی میں نے اس کی کچھ پرواہ نہیں کی، اس کی کوئی گنتی نہیں، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

"غَرَاماً" کے معنی ہیں ہلاکت، تباہی۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ "وَعَتَوْا" بمعنی "طغوا" یعنی انہوں نے سرکشی کی، سرتابی میں حد

سے گذر گئے۔

حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے کہا کہ آیت میں "عَاتِيَةٍ" کے معنی ہیں ایسی ہوا جس نے خزانہ دار فرشتوں سے سرکشی کی۔

(۱) باب قوله: ﴿الَّذِيْنَ يُحْشَرُوْنَ عَلَى وُجُوْهِهِمْ إِلَى جَهَنَّمَ﴾ الآية [۳۴]

اس ارشاد کا بیان: "جن لوگوں کو گھیر کر منہ کے بل دوزخ کی طرف لے جایا جائے گا۔"

۴۷۶۰ ـ حدثنا عبدالله بن محمد: حدثنا يونس بن محمد البغدادي: حدثنا شيبان، عن قتادة: حدثنا أنس بن مالك ﷺ: أن رجلا قال: يا نبي الله! يحشر الكافر على وجهه يوم القيامة؟ قال: ((أليس الذي أمشاه على الرجلين في الدنيا قادرا على أن يمشيه على وجهه يوم القيامة؟)) قال قتادة: بلى وعزة ربنا. [أنظر: ۶۵۲۳] ¹

دوزخی منہ کے بل چل کر میدانِ حشر میں آئیں گے

حضرت انس بن مالک ﷺ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آکر عرض کرنے لگا اے اللہ کے رسول! کیا قیامت کے دن کافر سر کے بل دوزخ میں لیکر جایا جائے گا؟

آپ ﷺ نے فرمایا جو ذات دنیا میں لوگوں کو پاؤں پر چلاتی ہے وہ قیامت کے دن منہ کے بل چلانے پر قادر ہے۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یقیناً ہمارے رب کی عزت کی قسم! ایسا ہی ہوگا۔

(۲) باب قوله: ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللهِ إِلٰهاً آخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ﴾ الآية [۶۸]

اس ارشاد کا بیان: "اور جو اللہ کے ساتھ کسی بھی دوسرے معبود کی عبادت نہیں کرتے، اور (ناحق) قتل نہیں کرتے۔"

---

¹ وفي صحيح مسلم، كتاب صفة القيامة والجنة والنار، باب يحشر الكافر على وجهه، رقم: ۲۸۰۶، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند أنس بن مالك رضي الله عنه، رقم: ۱۲۷۰۸، ۱۳۳۹۲

شرک اور قتل ناحق بدترین عمل

﴿وَالَّذِيْنَ لَايَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ﴾ اس جگہ معصیت ونافرمانی کے اُصول مہمہ کا بیان ہے اور یہ گناہوں میں سے بڑے بڑے اور سخت گناہوں کا بیان ہے۔

جن میں پہلی چیز عقیدہ سے متعلق ہے کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کو عبادت میں شریک نہیں کرتے، اللہ کے مقبول بندے ان جھوٹے معبودوں کے پاس نہیں جاتے ہیں۔

اس آیت سے شرک کا سب سے بڑا گناہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

﴿وَلَايَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ﴾ اور کسی ناحق کو قتل نہیں کرتے ہیں یعنی جس شخص کے قتل کرنے کو اللہ تعالیٰ نے قواعد شرعیہ کی رو سے حرام فرمایا ہے، اس کو قتل نہیں کرتے۔

ہاں! مگر حق پر یعنی جب قتل کے وجوب یا اباحت کا کوئی سبب شرعی پایا جائے تو اس وقت الگ بات۔

﴿يَلْقَ أَثَامًا﴾: العقوبة.

ترجمہ: "يَلْقَ أَثَامًا" بمعنی "عقوبة" یعنی سزا ہے۔

۴۷۶۱ - حدثنا مسدد: حدثنا يحيى، عن سفيان قال: حدثني منصور وسليمان، عن أبي وائل، عن أبي ميسرة، عن عبدالله، قال: وحدثني واصل، عن أبي وائل، عن عبدالله ﷺ قال: سألت أو سئل رسول الله ﷺ: أي الذنب عند الله أكبر؟ قال: ((أن تجعل لله ندا وهو خلقک)). قلت: ثم أي؟ قال: ((ثم أن أقتل ولدک خشية أن يطعم معک)). قلت: ثم أي؟ قال: ((أن تزاني بحليلة جارک)). قال: ونزلت هذه الآية تصديقا لقول رسول الله ﷺ: ﴿وَالَّذِيْنَ لَايَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا آخَرَ وَلَايَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَايَزْنُوْنَ﴾. [راجع: ۴۴۷۷]

ترجمہ: ابووائل رحمہ اللہ، حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے سوال کیا، یا اللہ کے رسول ﷺ سے سوال کیا گیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ تم کسی کو اللہ کے برابر قرار دے دو، حالانکہ اسی نے سب کو پیدا کیا ہے۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد پھر کون سا گناہ بڑا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ پھر یہ گناہ کہ تم اپنی اولاد کو اس اندیشہ سے مارڈالو کہ ان کو کھلانا پڑے گا اور ان کی پرورش کرنی پڑے گی۔ میں نے پھر سوال کیا کہ اس کے بعد پھر بڑا گناہ کیا ہے؟ فرمایا اپنے ہمسایہ کی بیوی کے ساتھ زنا کرنا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے بیان کیا کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کی

تصدیق کیلئے نازل ہوئی کہ ﴿وَالَّذِينَ لَا يَدْعُونَ مَعَ اللهِ إِلٰهاً آخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ﴾۔

۴۷۶۲ - حدثنا إبراهيم بن موسى: أخبرنا هشام بن يوسف: أن ابن جريج أخبرهم قال: أخبرني القاسم بن أبي بزة أنه سأل سعيد بن جبير: هل لمن قتل مؤمنا متعمدا من توبة؟ فقرأت عليه ﴿وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ فقال سعيد: قرأتها على ابن عباس رضي الله عنهما كما قرأتها علي، فقال هذه مكية نسختها آية مدنية التي في سورة النساء. [راجع: ۳۸۵۵]

ترجمہ: قاسم بن ابی بزۃ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے سوال کیا کہ اگر کسی شخص نے کسی مسلمان کو قصداً قتل کر دیا تو کیا اُس کے اس گناہ کی توبہ قبول ہو جائے گی؟ (حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے کہا کہ اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔) پھر میں نے انکے سامنے یہ آیت پڑھی ﴿وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾۔ تو حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے بھی اس آیت کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے پڑھا جس طرح تم نے میرے سامنے پڑھا ہے تو انہوں نے کہا کہ یہ آیت مکی ہے اور اس کو سورۃ النساء کی مدنی آیت نے منسوخ کر دیا ہے۔

۴۷۶۳ - حدثنا محمد بن بشار: حدثنا غندر: حدثنا شعبة، عن المغيرة بن النعمان، عن سعيد بن جبير قال: اختلف أهل الكوفة في قتل المؤمن، فدخلت فيه إلى ابن عباس فقال: نزلت في آخر ما نزل ولم ينسخها شيء. [راجع: ۳۸۵۵]

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ کوفہ کے لوگوں کا کسی مسلمان کو قصداً قتل کرنے کے معاملے میں اختلاف ہوگیا، تو میں (یہ مسئلہ دریافت کرنے کی غرض سے) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس سفر کر کے گیا تو انہوں نے کہا کہ اس سلسلے میں سب سے آخر میں (سورہ نساء کی آیت) نازل ہوئی اور اس کو کسی دوسری آیت سے منسوخ نہیں کیا۔

۴۷۶۴ - حدثنا آدم: حدثنا شعبة: حدثنا منصور، عن سعد بن جبير قال: سألت ابن عباس رضي الله عنهما عن قوله تعالى: ﴿فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ﴾ قال: لا توبة له. وعن قوله جل ذكره: ﴿لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللهِ إِلٰهًا آخَرَ﴾ قال: كانت هذه في الجاهلية. [راجع: ۳۸۵۵]

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا ﴿فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ﴾۔ انہوں نے کہا کہ اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ اور اس ارشاد باری تعالیٰ کے بارے میں پوچھا ﴿لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللهِ إِلٰهًا آخَرَ﴾ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ ان

لوگوں کے متعلق ہے جنہوں نے زمانہ جاہلیت میں قتل کئے۔

(۳) باب قولہ: ﴿يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا﴾ [۶۹]

اس ارشاد کا بیان: ''قیامت کے دن اُس کا عذاب بڑھا بڑھا کر دُگنا کر دیا جائے گا، اور وہ ذلیل ہو کر اُس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔''

کفار کیلئے دگنا اور ہمیشگی کا عذاب

﴿يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ﴾ آیت کے سیاق وسباق سے یہ بات متعین ہے کہ یہ عذاب کفار کے لئے مخصوص ہے جنہوں نے شرک وکفر بھی کیا اور اس کے ساتھ قتل وزناء میں بھی مبتلاء ہوئے۔

کیونکہ اول تو ﴿يُضَاعَفْ لَهُ الْعَذَابُ﴾ کے الفاظ مسلمان گناہگاروں کے لئے نہیں ہوسکتے کیونکہ اُن کے ایک گناہ پر ایک ہی سزاء کا وعدہ قرآن وسنت میں منصوص ہے۔

سزاء میں "تضاعف" یعنی کیفیت یا کمیت میں زیادتی مؤمنین کے لئے نہیں ہوگی۔ یہ کفار کی خصوصیت ہے کہ کفر پر جو عذاب ہونا تھا اگر کفر کے ساتھ اور گناہ بھی کئے تو عذاب دوہرا ہوگا۔

اور دوسرا اس آیت میں یہ بھی مذکور ہے کہ ﴿وَيَخْلُدْ فِيهِ مُهَانًا﴾ یعنی ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اس عذاب میں ذلیل وخوار ہو کر۔

کوئی مؤمن ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں نہیں رہے گا، کتنا بڑا ہی گناہگار ہو اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ شرک وکفار میں مبتلاء ہوئے اور قتل وزناء میں بھی، ان کا عذاب مضاعف یعنی دوہرا، شدید بھی ہوگا اور پھر یہ عذاب دائمی بھی رہے گا۔ [۷]

توبہ سے تبدل سیئات

﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلًا صَالِحًا﴾ اس آیت میں یہ بیان ہے کہ ایسے سخت مجرم جن کا

---

[۷] ان المشرک اذا ارادا ارتکب المعاصی مع الشرک یعذب علی الشرک وعلی المعاصی جمیعاً. عمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۱۴۶، وفتح الباری، ج: ۸، ص: ۴۹۵

عذاب یہاں مذکور ہوا ہے اگر وہ توبہ کرلیں اور ایمان لا کر نیک عمل کرنے لگیں تو اللہ تعالیٰ ان کے سیئات کو حسنات سے یعنی بُرائیوں کو بھلائیوں سے تبدیل کردیں گے۔

مطلب یہ ہے کہ اس توبہ کے بعد ان کے اعمال نامہ میں حسنات ہی حسنات رہ جائیں گے کیونکہ شرک وکفر سے توبہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کا وعدہ یہ ہے کہ بحالتِ شرک وکفر جتنے گناہ کئے ہوں اسلام وایمان قبول کر لینے سے وہ پچھلے سب گناہ معاف ہو جاتے ہیں، اس لئے پچھلے زمانے میں جو ان کا نامہ اعمال سیئات اور معاصی ہی سے لبریز تھا اب ایمان لانے سے وہ سب تو معاف ہو گئے آگے ان معاصی اور سیئات کی جگہ ایمان اور اس کے بعد اعمالِ صالحہ نے لے لی۔

درج ذیل روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سیئات کو حسنات میں تبدیل کرنے کی تفسیر منقول ہے، جبکہ حضرت حسن بصری، حضرت سعید بن جبیر، حضرت مجاہد وغیرہ رحمہم اللہ اجمعین سے بھی یہی تفسیر منقول ہے۔ [۳]

۴۷۶۵ - حدثنا سعد بن حفص: حدثنا شيبان، عن منصور، عن سعيد بن جبير قال: قال ابن أبزى: سئل ابن عباس عن قوله تعالى: ﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِناً مُتَعَمِّداً فَجَزَوُهُ جَهَنَّمُ﴾ وقوله: ﴿لَايَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ حتى بلغ ﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ﴾ فسألته فقال: لما نزلت قال أهل مكة: فقد عدلنا بالله وقتلنا النفس التي حرم الله إلا بالحق، وأتينا الفواحش، فأنزل الله ﴿إِلَّامَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحاً﴾ إلى قوله: ﴿غَفُوْراً رَحِيْماً﴾. [راجع: ۳۸۵۵]

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ ان سے عبدالرحمٰن بن ابزی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت **﴿وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِناً مُتَعَمِّداً فَجَزَوُهُ جَهَنَّمُ﴾** اور سورہ فرقان کی آیت **﴿لَايَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ إِلَّا بِالْحَقِّ﴾** سے لیکر **﴿إِلَّامَنْ تَابَ وَآمَنَ﴾** تک، میں نے ان سے اس آیت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو اہل مکہ نے کہا کہ پھر تو ہم نے اللہ ﷻ کے ساتھ شریک بھی ٹھہرایا اور ناحق ایسے قتل بھی کئے ہیں، جنہیں اللہ ﷻ نے حرام قرار دیا تھا، اور ہم نے بدکاریوں کا بھی ارتکاب کیا ہے، اس پر اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل کی **﴿إِلَّا مَنْ تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ عَمَلاً صَالِحاً﴾** تا ارشادِ الٰہی **﴿غَفُوْراً رَحِيْماً﴾**۔

---

[۳] تفسير القرطبي، ج: ۱۳، ص: ۷۷، وروح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، ج: ۱۰، ص: ۴۹

(۵) باب: ﴿فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا﴾ [۷۷]

باب: ''تو یہ جھٹلانا تمہارے گلے میں پڑ کر رہے گا۔''

هَلَكَةً.

آخرت کی ہلاکت۔

۴۷۶۷ - حدثنا عمر بن حفص بن غياث: حدثنا أبي: حدثنا الأعمش: حدثنا مسلم، عن مسروق قال: قال عبدالله: خمس قد مضين: الدخان، والقمر، والروم، والبطشة، واللِّزامُ ﴿فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا﴾. [راجع: ۱۰۰۷]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (قیامت کی) پانچ علامتیں گزر چکی ہیں۔ دھواں، چاند کا پھٹنا، روم، اللہ کی پکڑ، لزام، ﴿فَسَوْفَ يَكُونُ لِزَامًا﴾۔

پانچوں علامات کی تفصیل

الدخان۔ پہلی علامت دھواں ہے، اس سے مراد وہ دھواں ہے جو قریش مکہ کو بھوک کی شدت کی وجہ سے دھواں سا محسوس ہوتا تھا۔

لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے بعض حضرات کہتے ہیں کہ قیامت کے قریب ایک دھواں اٹھے گا جو تمام لوگوں کو گھیر لیگا، نیک آدمی کو اس کا اثر خفیف پہنچے گا، جس سے زکام سا ہو جائے گا اور کافر ومنافق کے دماغ میں گھس کر بے ہوش کر دیگا۔

القمر۔ دوسری علامت ''شق القمر'' ہے، جو ہجرت سے پہلے ہوا تھا۔

الروم۔ تیسری علامت ''روم'' ہے یعنی روم کا کسریٰ فارس پر غالب آجانا۔

بطشة۔ چوتھی علامت ''پکڑ'' ہے، اس پکڑ سے مراد غزوۂ بدر کے روز جو کفار کا قتل ہے۔

اللِّزام۔ پانچویں علامت ''لزام'' ہے، اس سے مراد کفار کا قید وبند اور گرفتار ہونا ہے۔

(۲۶) سورة الشعراء

سورت الشعراء کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں دوسو ستائیس آیتیں اور گیارہ رکوع ہیں۔

شعراء کی وجہ تسمیہ

کفار مکہ آنحضرت ﷺ کو کبھی کاہن کہتے تھے، کبھی جادوگر اور کبھی آپ کو شاعر کا نام دیتے تھے۔

سورت کے آخری رکوع میں ان باتوں کی مدلل تردید فرمائی گئی ہے اور کاہنوں وشاعروں کی خصوصیات بیان کر کے جتایا گیا ہے کہ ان میں سے کوئی بات آنحضرت ﷺ میں نہیں پائی جاتی۔ اسی ضمن میں [آیت نمبر ۲۲۷ میں] شعراء کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ اسی وجہ سے سورت کا نام **"شعراء"** رکھا گیا ہے۔

معجزات مطالبہ ومشاہدہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت کے مطابق یہ سورت سورۂ واقعہ (سورت نمبر ۵۶) کے بعد نازل ہوئی تھی۔ [۱]

یہ حضور اکرم ﷺ کی مکی زندگی کا وہ زمانہ تھا، جس میں کفار مکہ آپ کی دعوت کی بڑے زور وشور سے مخالفت کرتے ہوئے آپ سے اپنی پسند کے معجزات دکھانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔

اس سورت کے ذریعے آنحضرت ﷺ کو تسلی بھی دی گئی ہے اور کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ ﷻ کی قدرت کی نشانیوں کی طرف توجہ دلا کر اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی کے دل میں انصاف ہو اور وہ سچے دل سے حق کی تلاش کرنا چاہتا ہو تو اس کے لئے اللہ ﷻ کی قدرت کی یہ نشانیاں اس کی توحید کو ثابت کرنے کیلئے کافی ہیں اور اسے کسی اور معجزے کی تلاش کی ضرورت نہیں ہے۔

---

[۱] وعند السخاوی: نزلت بعد سورة الواقعة، وقبل سورة النمل. عمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۱۴۸.

اسی ضمن میں پچھلے انبیاء کرام علیہم السلام اور انکی امتوں کے واقعات یہ بیان کرنے کے لئے سنائے گئے ہیں کہ ان کی قوموں نے جو معجزات مانگے تھے، انہیں وہی معجزات دکھائے گئے، لیکن وہ پھر بھی نہ مانے جس کے نتیجے میں انہیں عذاب الٰہی کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ اللہ ﷻ کی سنت یہ ہے کہ جب منہ مانگے معجزا - دیکھنے کے باوجود کوئی قوم ایمان نہیں لاتی تو اسے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔

اس بنا پر کفار مکہ کو مہلت دی جارہی ہے کہ وہ نت نئے معجزات کا مطالبہ کرنے کے بجائے توحید ورسالت کے دوسرے دلائل پر کھلی آنکھوں سے غور کر کے ایمان لائیں اور ہلاکت سے بچ جائیں۔

وقال مجاهد: ﴿تَعْبَثُوْنَ﴾: تبنون. ﴿هَضِيْمٌ﴾: يتفتت إذا مس. مُسَحَّرِين: مسحورين. الليكة و﴿الأيكة﴾: جمع ايكة. وهي جمع الشجر.

﴿يَوْمِ الظُّلَّةِ﴾: اظلال العذاب اياهم. ﴿مَوْزُوْنٍ﴾: معلوم. ﴿كَالطَّوْدِ﴾: الجبل. وقال غيره: ﴿لَشِرْذِمَةٌ﴾ الشرذمة: طائفة قليلة.

﴿فِي السَّاجِدِيْنَ﴾: المصلين. قال ابن عباس: ﴿لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ﴾ كأنكم، الريع: الأيفاع من الأرض وجمعه ريعة وأرياع، واحده الريعة.

﴿مَصَانِعَ﴾: كل بناء فهو مصنعة. ﴿فَرِهِيْنَ﴾: مرحين، ﴿فَارِهِيْنَ﴾ بمعناه، ويقال فارهين: حاذقين.

﴿تَعْثَوْا﴾: هو أشد الفساد، عاث يعيث عيثا، ﴿الجِبِلَّةَ﴾: الخلق. جبل: خلق، ومنه جُبُلًا و جِبِلًا و جُبْلًا يعني الخلق، قاله ابن عباس.

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت میں "تَعْبَثُوْنَ" بمعنی "تبنون" یعنی بلاضرورت اونچے اونچے مینار بناتے ہو جس سے کوئی فائدہ نہیں عبث خرچ کرتے ہو۔

"هَضِيْمٌ" کے معنی ہے وہ چیز جو چھونے سے ریزہ ریزہ ہو جائے۔

"مُسَحَّرِين" بمعنی "مسحورين" ہے جس پر جادو کر دیا گیا ہو۔

"الليكة" اور "الأيكة" یہ دونوں الفاظ جمع ہیں "ايكة" کی اور "ايكة" شجر کی جمع ہے یعنی درختوں کے جھنڈ، جنگل۔

"يَوْمِ الظُّلَّةِ" سے مراد یہ ہے کہ جس روز عذاب ان لوگوں پر سایہ کرے گا۔

"مَوْزُوْنٍ" کے معنی ہیں "معلوم"- وزن اسم مفعول ہے، جانچی ہوئی چیز یعنی معلوم ومعین ۔

"كَالطَّوْدِ" کے معنی پہاڑ کے ہیں ۔

"الشرذمة" کے معنی ہیں چھوٹا سا گروہ رقلیل جماعت ۔

"السَّاجِدِيْنَ" بمعنی "مصلين" یعنی نماز پڑھنے والے ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ﴿لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُوْنَ﴾ کے معنی ہیں "كانكم تخلدون" جیسے کہ تم ہمیشہ رہو گے یعنی "لعل" یہاں تشبیہ کیلئے ہے ۔

"الـريع" کے معنی ہیں بلند زمین، اونچا مقام جیسے ٹیلہ اور اس کی جمع "رِيَعَة وأرياع" ہے اور اس کا واحد "رِيَعَةٌ" ہے ۔

"مَصَانِعَ" ہر طرح کی عمارت کو "مصنعة" کہتے ہیں ۔ "مصانع" جمع ہے "مصنعة" کی جسکے معنی ہیں محل ۔

"فَرِهِيْنَ" کے معنی ہیں "مرحين" یعنی اترانے والا، غرور کے ساتھ خوش ہونے والا اور "فَارِهِيْنَ" کا بھی یہی معنی ہیں، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ "فارهين" کے معنی ہیں "حاذقين" یعنی ماہر، تجربہ کار ۔

"تَعْثَوْا" مصدر کے معنی میں ہیں، سخت فساد مچانا اور یہی معنی ہیں "عاث - يعيث - عيثا" کے ۔

"الجِبِلَّةَ" بمعنی "الخلق" یعنی مخلوقات کے ہیں ۔

"جُبِلَ" بمعنی "خُلِقَ" مجہول استعمال ہوتا ہے، یعنی پیدا کیا گیا، اور "جُبُلا - جِبِلا - جُبْلا" اسی سے ماخوذ ہے یعنی یہ تینوں "الخَلْقَ" کے معنی ہیں، یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ۔

(۱) باب: ﴿وَلَا تُخْزِنِي يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ﴾ [۸۷]

باب: "اور اُس دن مجھے رُسوا نہ کرنا جس دن لوگوں کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔"

۴۷۶۸ - وقال ابراهيم بن طهمان، عن ابي ذئب، عن سعيد بن ابي سعيد المقبري، عن أبيه عن ابي هريرة ﷺ عن النبي ﷺ قال: ((إن ابراهيم ﷺ يرى أباه يوم القيامة عليه الغبرة والقترة)). والغبرة هي القترة. [راجع: ۳۳۴۹]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ابراہیم ﷺ اپنے والد آزر کو قیامت کے دن دیکھیں گے کہ اس پر گرد و غبار اور سیاہی ہے ۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ "غبرة" اور "قترة" کا ایک ہی مفہوم ہے ۔

۴۷۶۹ - حدثنا اسماعیل: حدثنا اخی، عن ابی ذئب، عن سعید المقبری، عن ابی هریرة رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال: ((یلقی ابراهیم اباه فیقول: یارب إنک وعدتنی أن: لاتخزنی یوم یبعثون، فیقول الله: إنی حرمت الجنة علی الکافرین)). [راجع: ۳۳۴۹]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والد سے قیامت کے دن ملیں گے، تو اللہ ﷻ سے عرض کریں گے اے رب! آپ نے وعدہ کیا تھا کہ آپ مجھے اس دن رسوا نہیں کریں گے، جب سب اٹھائے جائیں گے، پھر اللہ ﷻ جواب دیں گے کہ میں نے جنت کو کافروں پر حرام کر دیا ہے۔

(۲) باب: ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْأَقْرَبِيْنَ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ﴾ [۲۱۴-۲۱۵]

باب: ”اور (اے پیغمبر!) تم اپنے قریب ترین خاندان کو خبردار کرو۔ انکساری کے ساتھ اپنی شفقت کا بازو جھکا دو۔“

الن جانبک.

امام بخاری رحمہ اللہ ”**وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ**“ کے متعلق فرما رہے ہیں کہ اس سے مراد ”**الن جانبک**“ یعنی اپنے بازو نرم رکھئے۔

اقرباء کو دین کی دعوت پہنچانے کی تاکید اور حکمت

”**عشیرہ**“ کے معنی کنبہ اور خاندان، ”**اقربین**“ کی قید سے ان میں سے بھی قریبی رشتہ دار مراد ہیں۔

یہاں یہ بات غور طلب ہے کہ رسول اللہ ﷺ پر تبلیغ رسالت اور انذار پوری امت کے لئے فرض ہے اس جگہ خاندان کے لوگوں کی تخصیص میں کیا حکمت ہے؟

غور کیا جائے تو اس میں تبلیغ و دعوت کے آسان اور مؤثر بنانے کا ایک خاص طریقہ بتلایا گیا ہے، جس کے آثار دُور رس ہیں وہ یہ کہ اپنے کنبہ اور خاندان کے لوگ اپنے سے قریب ہونے کی بناء پر اسکے حق دار بھی ہیں کہ ہر خیر اور اچھے کام میں اُن کو دوسروں سے مقدم کیا جائے، باہمی تعلقات اور ذاتی واقفیت کی بناء پر ان میں کوئی جھوٹا دعویدار نہیں کھپ سکتا اور جس کی سچائی اور اخلاقی برتری خاندان کے لوگوں میں معروف ہے، اس کی سچی دعوت قبول کر لینا ان کے لئے آسان بھی ہے۔

اور قریبی رشتہ دار جب کسی اچھی تحریک کے حامی بن گئے تو ان کی اخوت وامداد بھی پختہ بنیاد پر قائم ہوتی ہے وہ خاندان جمیعت کے اعتبار سے بھی انکی تائید واخوت پر مجبور ہو جاتے ہیں، اور جب قریبی رشتہ داروں، عزیزوں کا ایک ماحول حق وصداقت کی بنیادوں پر تیار ہو گیا تو روزمرہ کی زندگی کی زندگی میں ہر ایک کو دین کے احکام پر عمل کرنے میں بہت سہولت ہو جاتی ہے، اور پھر ایک مختصر سی طاقت تیار ہو کر دوسروں تک دعوت وتبلیغ کے پہنچانے میں مدد ملتی ہے۔

قرآن کریم کی ایک دوسری آیت میں ہے ﴿قُوا أَنفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا﴾[التحریم: ٦] یعنی اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اس میں اہل وعیال کے جہنم سے بچانے کی ذمہ داری خاندان کے ہر ہر فرد پر ڈالدی گئی ہے جو اصلاح اعمال واخلاق کا آسان اور سیدھا راستہ ہے۔

اور غور کیا جائے تو کسی انسان کا خود اعمال واخلاق صالحہ کا پابند ہونا اور پھر اس پر قائم رہنا اس وقت تک عادۃً ممکن نہیں ہوتا جب تک اس کا ماحول اس کیلئے سازگار نہ ہو، سارے گھر میں اگر ایک آدمی نماز کی پوری پابندی کرنا چاہے تو اس پکے نمازی کو بھی اپنے حق کی ادائیگی میں مشکلات حائل ہونگی۔

آج کل جو حرام چیزوں سے بچنا دشوار ہو گیا اس کی وجہ سے یہ نہیں کہ فی الواقع اس کا چھوڑنا کوئی بڑا مشکل کام ہے بلکہ سبب یہ ہے کہ سارا ماحول، ساری برادری جب ایک گناہ میں مبتلاء ہے تو اکیلے آدمی ایک آدمی کو بچنا دشوار ہو جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ پر جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ نے تمام خاندان کے لوگوں کو جمع فرما کر پیغام حق سُنایا اس وقت اگرچہ لوگوں نے قبول حق سے انکار کیا مگر رفتہ رفتہ خاندان کے لوگوں میں اسلام وایمان داخل ہونا شروع ہو گیا اور آپ کے چچا حضرت حمزہ ؓ کے اسلام لانے سے اسلام کو ایک بڑی قوت حاصل ہوگئی۔ [۲]

۴۷۷۰ - حدثنا عمر بن حفص بن غياث، حدثنا أبي: حدثنا الأعمش: حدثني عمرو بن مرة، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: لما نزلت ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ صعد النبي ﷺ على الصفا فجعل ينادي: ((يا بني فهر، يا بني عدي))، لبطون قريش حتى اجتمعوا فجعل الرجل إذا لم يستطع أن يخرج أرسل رسولا لينظر ما هو، فجاء أبو لهب وقريش فقال: ((أرأيتكم لو أخبرتكم أن خيلاً بالوادي تريد أن تغير عليكم أكنتم مصدقي؟)) قالوا: نعم ما جربنا عليك إلا صدقا. قال: ((فإني نذير لكم

---

[۲] تفسیر القرطبی، ج: ۱۳، ص: ۱۴۴، ۱۴۵، معارف القرآن، ج:٦، ص:۵۵۲، ۵۵۳، آسان ترجمۂ قرآن، الشعراء: ۲۱۴، حاشیہ: ۵۰، ج:۲، وفتح الباری، ج: ۸، ص: ۵۰۱

بين يدى عذاب شديد))، فقال ابو لهب: تبا لک سائر اليوم، ألهذا جمعتنا؟ فنزلت ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ مَا أَغْنَى عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ﴾. [راجع: ۱۳۹۴]

ترجمہ: سعید بن جبیر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب یہ آیت ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ کوہ صفا پر چڑھ گئے اور آواز دینے لگے اے بنی فہر اور اے بنی عدی! قریش کے دوسرے لوگوں کو بھی آواز دی۔ تمام لوگ اس آواز پر سب جمع ہوگئے اگر کوئی کسی وجہ سے نہ آسکا تو اس نے اپنا نمائندہ بھیج دیا تاکہ معلوم ہو کہ کیا معاملہ ہوا ہے، ابولہب بھی قریش کے دوسرے لوگوں کے ساتھ آیا۔ پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم لوگوں کا کیا خیال ہے اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ وادی میں پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر ہے اور وہ تم پر حملہ کرنا چاہتا ہے، تو کیا تم لوگ میری بات سچ مانو گے؟ سب نے کہا کہ ہاں! ہم آپ کی تصدیق کریں گے ہم نے آپ کو ہمیشہ سچا پایا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا تو پھر سنو میں تمہیں اس سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمہارے سامنے ہے۔ یہ سن کر ابولہب نے بولا کہ تجھ پر سارے دن تباہی نازل ہو، کیا تم نے ہمیں اسلئے یہاں جمع کیا تھا؟ اس پر یہ سورت نازل ہوئی ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ مَا أَغْنَى عَنْهُ مَالُهُ وَمَا كَسَبَ﴾۔

۴۷۷۱ ـ حدثنا ابو اليمان: أخبرنا شعيب، عن الزهرى قال: أخبرنى سعيد بن المسيب وابو سلمة بن عبدالرحمن: أن اباهريرة قال: قام رسول الله ﷺ حين انزل الله ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ قال: ((يا معشر قريش -أو كلمة نحوها- اشتروا أنفسكم، لاأغنى عنكم من الله شيئا. يابنى عبدمناف، لاأغنى عنكم من الله شيئا. يا عباس بن عبدالمطلب، لا أغنى عنک من الله شيئا. و ياصفية عمة رسول الله، لا أغنى عنک من الله شيئا. و يا فاطمة بنت محمد ﷺ، سلينى ماشئت من مالى، لاأغنى عنک من الله شيئا)).

تابعه أصبغ، عن ابن وهب، عن يونس، عن ابن شهاب. [راجع: ۲۷۵۳]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ ؓ نے بیان کیا کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ اس آیت ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ کے نزول کے بعد کھڑے ہوئے، تو ارشاد فرمایا اے گروہ قریش! - یا اسی جیسا کوئی اور کلمہ ارشاد فرمایا - تم اپنی جان کو خرید لو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے یہاں میں تمہارے کسی کام نہیں آسکتا ہوں۔ اے بنی عبد مناف! اللہ کے ہاں میں تمہارے کسی کام نہیں آسکتا۔ اے عباس بن عبد المطلب! میں اللہ کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آسکتا۔ اے صفیہ، اللہ کے رسول کی پھوپھی! میں خدا کے سامنے تمہارے کسی کام نہیں آسکتا۔ اے فاطمہ بنت محمد! میرے مال میں سے جو چاہے مجھ سے مانگ لو، خدا کے سامنے میں تمہارے کسی کام نہیں آسکتا۔

اس روایت میں اصبغ بواسطہ ابن وہب، وہ یونس سے، انہوں نے ابن شہاب سے، متابعت کی ہے۔

اصلاح وتبلیغ کا آغاز اپنے گھر وخاندان سے کریں

حضرت ابو ہریرہ ؓ نے بیان کیا کہ جب اللہ ﷻ نے یہ آیت ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ نازل فرمائی تو رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمانے لگے اے جماعت قریش! یا اسی طرح کا کوئی اور کلمہ آپ نے ارشاد فرمایا، تم اپنی جان کو خرید لو یعنی عذاب الٰہی سے اپنی جانوں کو بچاؤ اور ایمان لے آؤ، اگر تم شرک وکفر سے باز نہ آئے تو میں اللہ ﷻ کی بارگاہ میں تمہارے کام نہیں آؤں گا۔

اے بنی عبد مناف! میں اللہ ﷻ کے سامنے تمہارے کسی کام نہ آؤں گا۔

اے عباس بن عبد المطلب! اللہ ﷻ کی بارگاہ میں میں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔

اے صفیہ رسول اللہ کی پھوپھی! میں اللہ ﷻ کے یہاں تمہیں کچھ فائدہ نہ پہنچا سکوں گا۔

اے فاطمہ محمد ﷺ! میرے مال میں سے جو چاہے مجھ سے مانگ لو، لیکن اللہ ﷻ کی بارگاہ میں، میں تمہیں کوئی فائدہ نہ پہنچا سکوں گا۔

﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ - یعنی اوروں سے پہلے اپنے اقارب کو تنبیہ کیجئے کہ خیر خواہی میں ان کا حق مقدم ہے اور ویسے بھی آدمی کی صداقت وحقانیت اقارب کے معاملہ سے پرکھی جاتی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری آنحضرت ﷺ نے سارے قریش کو پکار کر سنا دیا اور اپنی پھوپھی تک اور اپنی بیٹی تک اور چچا تک کہہ سنایا کہ اللہ ﷻ کے ہاں اپنی فکر کرو، خدا کے ہاں میں تمہارا کچھ نہیں کر سکتا۔

(۲۷) سورة نمل

سورہ نمل کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ترانوے آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ

"نمل" کے معنی چیونٹی کے ہوتے ہیں اور چونکہ اس سورت کی آیت نمبر ۱۸ میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ چیونٹیوں کی وادی کے پاس سے گذرے تھے، اس لئے، اسکا نام **"سورۃ نمل"** رکھا گیا ہے۔

دولت و بادشاہت احکامات پر عمل کرنے سے مانع نہیں بنی

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت کے مطابق یہ سورت پچھلی سورت یعنی سورۂ شعراء کے فوراً بعد نازل ہوئی تھی۔

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس کا موضوع بھی اسلام کے بنیادی عقائد کا اثبات اور کفر کے برے نتائج کا بیان ہے۔[1]

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت صالح علیہ السلام کے واقعات کی طرف مختصراً اشارہ کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ انکی قوموں نے اس بنا پر ان کی بات نہیں مانی کہ انہیں اپنی دولت اور اپنے سماجی رتبے پر گھمنڈ تھا۔ اسی طرح کفار مکہ بھی گھمنڈ میں مبتلا ہو کر آنحضرت ﷺ کی رسالت کا انکار کر رہے تھے۔

دوسری طرف حضرت سلیمان علیہ السلام کو اللہ جل جلالہ نے ہر طرح کی دولت اور بے نظیر بادشاہت سے نوازا تھا، لیکن یہ دولت اور بادشاہت ان کے لئے اللہ جل جلالہ کے احکامات پر عمل کرنے سے مانع نہیں ہوئی۔

---

[1] ذکره القرطبی وغیره أنها مکیة بلاخلاف. تفسیر القرطبی، ج: ۱۳، ص: ۱۵۴، و عمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۱۵۵

اسی طرح سبأ کی ملکہ بلقیس بھی بہت دولت مند تھی، لیکن حق واضح ہونے کے بعد اس نے اس کو فوراً قبول کر لیا۔ اس سیاق میں حضرت سلیمان علیہ السلام اور ملکہ سبا کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اس کے بعد کائنات میں پھیلی ہوئی قدرت خداوندی کی نشانیوں کو بڑے مؤثر انداز میں ذکر فرمایا گیا ہے جن سے اللہ جل جلالہ کی وحدانیت ثابت ہوتی ہے۔

﴿الخَبْءَ﴾: ما خبأت. ﴿لاقِبَلَ﴾: لاطاقة. ﴿الصَّرْحَ﴾: كل ملاط اتخذ من القوارير، و﴿والصَّرحَ﴾: القصر، وجماعته صروح.

وقال ابن عباس: ﴿وَلَهَا عَرْشٌ﴾: سرير كريم، حسن الصنعة وغلاء الثمن. ﴿يَأْتُوْنِىْ مُسْلِمِيْنَ﴾: طائعين. ﴿رَدِفَ﴾: اقترب.

﴿جَامِدَةً﴾: قائمة. ﴿أَوْزِعْنِي﴾: اجعلني. وقال مجاهد: ﴿نَكِّرُوْا﴾ غيروا. ﴿وأُوْتِيْنَا العِلْمَ﴾: يقوله سليمان.

﴿الصَّرْحَ﴾: بركة ماء ضرب عليها سليمان قوارير ألبسها إياه.

ترجمہ وتشریح

"**الخَبْءَ**" کے معنی ہیں پوشیدہ چیز، چھپی ہوئی چیز۔

"**لاقِبَلَ**" کے معنی ہیں ان میں مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔

"**الصَّرْحَ**" بمعنی ہر وہ گارا ہے جو شیشوں سے بنایا جائے اور "**الصَّرحَ**" کے معنی محل بھی ہے اسکی جمع "**صروح**" ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "**وَلَهَا عَرْشٌ**" کا معنی ہے کہ اس کا تخت نہایت عمدہ اچھی کاریگری والا اور بیش قیمت ہے۔

"**يَأْتُوْنِىْ مُسْلِمِيْنَ**" کا معنی ہیں "**طائعين**" یعنی مطیع وتابعدار۔

"**رَدِفَ**" کے معنی ہیں "**اقترب**" یعنی قریب آپہنچا ہو۔

"**جَامِدَةً**" کے معنی ہیں "**قائمة**" یعنی ہمیشہ قائم رہیں گے، کبھی جنبش نہ کریں گے، حالانکہ قیامت کے روز یہ روئی کے گالوں کی طرح فضا میں اڑتے پھریں گے۔

"**أَوْزِعْنِي**" بمعنی "**اجعلني**" یعنی مجھ کو کر دے، مجھے جما دے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ "**نَكِّرُوْا**" بمعنی "**غيروا**" یعنی اس کی صورت بدل دو۔

"وَأُوتِينَا الْعِلْمَ" یہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا مقولہ ہے۔

حوض سلیمانؑ اور بلقیس

"الصَّرْحَ" سے مراد "بركة ماء ضرب عليها سليمان قوارير ألبسها إياه" یعنی پانی کا وہ حوض یا تالاب ہے جس کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے شیشوں سے پاٹ دیا تھا اور شیشوں سے اسکو چھپا دیا تھا۔ چونکہ حوض میں مچھلی وغیرہ دریائی جانور بھی تھے اور اوپر بلوری شیشے اتنے صاف شفاف کہ شیشہ نظر نہ آتا تھا دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ پانی ہی پانی ہے۔

چنانچہ جب بلقیس کو محل میں داخل ہونے کو کہا گیا تو بلقیس نے کپڑے اوپر اٹھا کر پنڈلیاں کھول دیں، حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس کی طرف دیکھا تو پنڈلیاں اور قدم بہت ہی خوبصورت دکھائی دیئے، البتہ پنڈلیوں پر بال تھے، پھر حضرت سلیمان علیہ السلام نے دیکھ کر نظریں پھیر لیں۔

علماء نے اس جگہ سے یہ مطلب اخذ کیا کہ اگر اجنبی عورت کو نکاح کا پیام دینا ہو تو اسکو دیکھ لینا جائز ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا تم میں سے جب کوئی کسی عورت کو نکاح کا پیام دے اور وہ حصہ بدن چہرہ وغیرہ دیکھنا ممکن ہو جس کو دیکھ کر نکاح کر سکے تو ایسا کر لے۔ [۲]

---

[۲] وفسر ((الصرح)) المذكور بقوله: ((بركة ماء)) . . . الى آخره، وكذا أخرجه الطبري من طريق ابن أبي نجيح عن مجاهد مثله، ثم قال: وكانت هلباء شعراء، ومن وجه آخر عن مجاهد: كشفت بلقيس عن ساقيها فاذا هما شعراوان، فأمر سليمان بالنورة فصنعت. عمدة القاري، ج: ۱۹، ص: ۱۵۸

(۲۸) سورة قصص

سورۂ قصص کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ سورت مکی ہے اور اس میں اٹھاسی آیتیں اور نو رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ اور سورت کا مرکزی موضوع

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی ایک روایت میں ہے کہ یہ سورت سورۂ نمل (سورت نمبر ۲۷) کے بعد نازل ہوئی تھی اور مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری سورت ہے جو مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے نازل ہوئی، کیونکہ اسکی آیت نمبر ۵۸ اس وقت نازل ہوئی تھی جب آنحضرت ﷺ ہجرت کی غرض سے مدینہ منورہ کیلئے روانہ ہو چکے تھے۔[۱]

سورت کا مرکزی موضوع حضور اقدس ﷺ کی رسالت اور آپ کی دعوت کی سچائی کو ثابت کرنا ہے۔

سورت کی پہلی ۴۴ آیتوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ابتدائی زندگی کی وہ تفصیلات بیان فرمائی گئی ہیں جو کسی اور سورت میں بیان نہیں ہوئیں۔

اس واقعے کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمانے کے بعد [آیات ۴۴ تا ۴۷] میں اللہ جل جلالہ نے اشارہ فرمایا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ان واقعات کو اتنی تفصیل سے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، اس کے باوجود جب آپ یہ واقعات بیان فرمارہے ہیں تو اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ آپ پر اللہ جل جلالہ کی طرف سے وحی آتی ہے۔

کفار مکہ کی طرف سے آپ کی نبوت اور رسالت پر جو اعتراضات کئے جاتے تھے، ان کا شافی جواب بھی اس سورت میں دیا گیا ہے اور آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ جو لوگ ضد پر اڑے ہوئے ہیں، ان کے طرز عمل کی کوئی ذمہ داری آپ پر عائد نہیں ہوتی۔

---

[۱] تفسیر القرطبی، ج: ۱۳، ص: ۲۴۷

پھر کفار مکہ جن جھوٹے خداؤں پر ایمان رکھتے تھے، ان کی تردید کی گئی ہے۔

قریش کے بڑے بڑے سردار اپنی دولت پر غرور کی وجہ سے بھی آپ کی دعوت کو قبول کرنے سے الکار کرتے تھے۔ ان کی عبرت کیلئے [آیات ۷۶ تا ۸۲] میں قارون کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں سب سے زیادہ دولت مند شخص تھا، لیکن اس کی دولت اسے تباہی سے نہ بچا سکی جو غرور اور ضد کے نتیجے میں اس پر آ کر رہی۔

سورت کے آخر میں حضور اقدس ﷺ سے وعدہ کیا گیا ہے کہ اگر چہ اس وقت آپ بے سروسامانی کی حالت میں مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور ہو رہے ہیں، لیکن اللہ ﷻ آپ کو فاتح کی حیثیت سے دوبارہ مکہ مکرمہ واپس آنے کا موقع عنایت فرمائیگا۔

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ إلا ملكه، ويقال: إلا ما أريد وجه الله. وقال مجاهد: فعميت عليهم ﴿الأنباءُ﴾: الحجج.

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ﴾ ہر شئے فنا ہونے والی ہے کے معنی ہیں، "**أي ملكه**" یعنی بجز اس کی سلطنت کے۔

بعض حضرات نے اس سے مراد وہ اعمال صالحہ لئے ہیں جو اللہ ﷻ کی رضا و خوشنودی کے لئے کئے گئے ہوں، یعنی نیک اعمال سے مقصود اللہ ﷻ کا تقرب اور رضاء الٰہی ہو، ریا کاری وغیرہ نہ ہو۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ "**الأنباءُ**" سے مراد "**حُجج**" دلائل کے ہیں، یعنی ان منکرین کے پاس کوئی حجۃ و دلیل نہ ہوگی۔

(۱) باب قوله: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَن يَشَاءُ﴾ [۵۶]

اس ارشاد کا بیان: "(اے پیغمبر!) حقیقت یہ ہے کہ تم جس کو خود چاہو، ہدایت تک نہیں پہنچا سکتے، بلکہ اللہ جس کو چاہتا ہے ہدایت تک پہنچا دیتا ہے۔"

۴۷۷۲ - حدثنا أبو اليمان: أخبرنا شعيب، عن الزهري قال: أخبرني سعيد بن المسيب، عن أبيه قال: ((لما حضرت أبا طالب الوفاة جاءه رسول الله ﷺ فوجد عنده أبا جهل وعبدالله بن أبي أمية بن المغيرة. فقال: ((أي عم قل: لا إله إلا الله، كلمة أحاج لك بها عند الله)) فقال أبو جهل وعبدالله بن أبي أمية: أترغب عن ملة عبدالمطلب؟ فلم

يزل رسول الله ﷺ يعرضها عليه ويعيدانه بتلك المقالة حتى قال أبو طالب آخر ما كلمهم: على ملة عبدالمطلب، وأبى أن يقول: لا إله إلا الله. قال: فقال رسول الله ﷺ: ((والله لاستغفرن لك مالم انه عنك))، فأنزل الله ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ﴾ وأنزل الله في أبي طالب فقال لرسول الله ﷺ: ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللهَ يَهْدِيْ مَنْ يَشَاءُ﴾. [راجع: ۱۳۶۰]

ترجمہ: سعید بن میسب رحمہ اللہ اپنے والد حضرت میسب بن حزن ﷺ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ جب ابو طالب کی وفات کا وقت قریب ہوا تو رسول اللہ ﷺ ان پاس کے تشریف لائے، تو وہاں ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بن مغیرہ پہلے سے موجود تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے چچا! آپ صرف کلمہ "لاالٰہ الااللہ" پڑھ لیجئے تا کہ اس کلمہ کے ذریعہ سے اللہ ﷻ کی بارگاہ میں آپ کی شفاعت کرسکوں۔ اس پر ابو جہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بولے کیا تم عبدالمطلب کے مذہب سے پھر جاؤ گے؟ رسول اللہ ﷺ بار بار ان سے یہی کہتے رہے اور یہ دونوں بھی اپنی بات ان کے سامنے بار بار دہراتے رہے۔ آخر ابو طالب کی زبان سے جو آخری کلمہ نکلا وہ یہی تھا کہ وہ عبدالمطلب کے مذہب پر قائم ہیں، انہوں نے "لاالٰہ الااللہ" پڑھنے سے انکار کر دیا۔

راوی (حضرت میسب بن حزن ﷺ) نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ کی قسم! میں آپ کے لئے مغفرت طلب کرتا رہوں گا یہاں تک کہ مجھے اس سے روک نہ دیا جائے، پھر اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل کی ﴿مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا أَنْ يَسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ﴾ یہ بات نہ تو نبی کو زیب دیتی ہے، اور نہ دوسرے مؤمنوں کو کہ وہ مشرکین کے لئے مغفرت کی دُعا کریں۔ اور خاص ابو طالب کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی، جس میں رسول اللہ ﷺ سے کہا گیا ہے کہ ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ أَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللهَ يَهْدِيْ مَنْ يَشَاءُ﴾۔

طبعی محبت اور میلانِ خاطر غیر اختیاری ہے

آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کے واسطے بہت سعی کی کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ لیں، لیکن انہوں نے قبول نہ کیا، اس پر یہ آیت اتری یعنی جس سے تم کو طبعی محبت ہو یا دل چاہتا ہو کہ فلاں کو ہدایت ہو جائے لازم نہیں کہ ایسا ضرور ہو کر رہے۔ آپ کا کام صرف رستہ بتانا ہے آگے یہ کہ کون رستہ پر چل کر منزل مقصود تک پہنچتا ہے اور کون سارا رستہ نہیں پہنچتا یہ آپ کے قبضہ اختیار سے خارج ہے، اللہ ﷻ کو اختیار ہے جسے چاہے قبول حق اور وصول الی المطلوب کی توفیق بخشے۔

اس سے زائد اس مسئلہ میں کلام کرنا اور ابو طالب کے ایمان و کفر کو خاص موضوع بحث بنالینا غیر ضروری

ہے، بہتر یہی ہے کہ اس قسم کی غیر ضروری اور پر خطر مباحث میں کف لسان کیا جائے۔

قال ابن عباس: ﴿أُولِي الْقُوَّةِ﴾: لا يرفعها العصبة من الرجال. ﴿لَتَنُوءُ﴾: لتثقل. ﴿فَارِغًا﴾ إلا من ذكر موسى. ﴿الْفَرِحِينَ﴾: المرحين. ﴿قُصِّيهِ﴾: اتبعي أثره.

وقد يكون أن يقص الكلام ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ﴾. ﴿عَنْ جُنُبٍ﴾: عن بعد، وعن جنابة واحد، وعن اجتناب أيضا. نَبْطِشُ ونَبْطُشُ. ﴿يَأْتَمِرُونَ﴾: يتشاورون. العدوان والعداء والتعدي واحد.

﴿آنَسَ﴾: أبصر. ﴿الْجَذْوَةُ﴾: قطعة غليظة من الخشب ليس فيها لهب والشهاب فيه لهب. والحيات: أجناس: الجان، والأفاعي، والاساود. ﴿رِدْءًا﴾: معينا.

قال ابن عباس: ﴿يُصَدِّقُنِي﴾. وقال غيره: ﴿سَنَشُدُّ﴾: سنعينك. كلما عززت شيئا فقد جعلت له عضدا. ﴿مَقْبُوحِينَ﴾: مهلكين.

﴿وَصَّلْنَا﴾: بيناه وأتممناه. ﴿يُجْبَى﴾: يجلب. ﴿بَطِرَتْ﴾: اشرت. ﴿فِي أُمِّهَا رَسُولًا﴾. أم القرى مكة وما حولها.

﴿تُكِنُّ﴾: تخفي، أكننت الشيء: أخفيته، وكننه: أخفيته واظهرته. ﴿وَيْكَأَنَّ اللَّهَ﴾: مثل ألم تر أن الله يبسط الرزق لمن يشاء ويقدر: يوسع عليه ويضيق عليه.

ترجمہ وتشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت کریمہ ﴿أُولِي الْقُوَّةِ﴾ سے مراد یہ ہے کہ قارون کے خزانے کی کنجیوں کو طاقتور مردوں کی ایک جماعت بھی نہیں اٹھا پاتی تھی۔

"لَتَنُوءُ" بمعنی "لتثقل" یعنی بوجھل کر دیتی تھیں، بوجھ سے جھکا دیتی تھیں۔

"فَارِغًا" کا مطلب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ ﷤ کی والدہ کا دل ہر فکر وغم سے خالی تھا، سوائے حضرت موسیٰ ﷤ کے ذکر سے۔

"الْفَرِحِينَ" بمعنی "المرحين" اترانے والے، مارے خوشی کے پھول جانے والے۔

"قُصِّيهِ" کے معنی ہیں اس کے پیچھے پیچھے چلی جا۔

اور کبھی یہ لفظ کلام وقصہ بیان کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے، جب لفظ "قص" کا صلہ "علی" آتا ہے جیسا کہ سورہ یوسف میں ﴿نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ﴾۔

"عَنْ جُنُبٍ" بمعنی "عن بعد" اور "عن جنابة" یعنی دور سے، اور اسی طرح "عن اجتنابٍ" کے بھی یہی معنی ہیں۔

"نَبْطِشُ و نَبْطُشُ" بمعنی پکڑنا، اس دو قرائتیں ہیں "نَبْطِشُ" یعنی طاء کے کسرہ کے ساتھ از باب ضرب یضرب، اور "نَبْطُشُ" یعنی طاء کے ضمہ کے ساتھ از باب نصر ینصر۔

اور یہ بھی فرمایا کہ ایک نسخہ بالیاء "یبطش" ہے، اور یہی آیت قرآنی کے موافق ہے۔

"یَأْتَمِرُوْنَ" کے معنی ہیں "یتشاورون" یعنی باہم مشورہ کر رہے ہیں۔

"عدوان - عداء - تعدی" سب کے معنی ایک ہیں یعنی زیادتی، ظلم، حق سے تجاوز کرنا۔

"آنَسَ" بمعنی "ابصر" یعنی دیکھا۔

"الجَذْوَةُ" لکڑی کا موٹا ٹکڑا، انگارہ، جس میں شعلہ نہ ہو اور "الشهاب" وہ انگارہ جس میں شعلہ ہو۔

"الحیات: أجناس" یعنی سانپوں کی مختلف قسمیں ہیں، جان، افاعی اور اساود۔

"رِدْءاً" کے معنی ہیں معین و مددگار۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "یُصَدِّقُنِیْ" کے معنی ہیں حضرت ہارون علیہ السلام کو میرا معین و مددگار بنا کر بھیجئے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ میری مدد کریں اس طرح کہ اپنی فصیح زبان سے میری تقریر کو کھول کھول کر بیان کر دیں، تصدیق سے یہ مقصد نہیں کہ حضرت ہارون علیہ السلام میری تقریر کے بعد یہ کہیں کہ آپ نے سچ کہا، درست کہا، یا قوم سے کہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صحیح فرمایا۔ بلکہ تصدیق کا مقصد یہ ہے کہ میری تقریر کو اپنی زبان فصیح میں مفصل اور مدلل کر کے سمجھا دیں اور منکرین سے مباحثہ کر کے ان کے شبہات کو دور کر دیں۔

"سَنَشُدُّ" بمعنی "سنعینک" یعنی ہم تمہاری مدد کریں گے۔

آیت کریمہ ﴿قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَکَ﴾ کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "عضداً" کے معنی یہ ہیں کہ "کلما عززت شیئا فقد جعلت له عضداً" یعنی جس چیز کو بھی تم قوت پہنچاؤ تو تم اسکے بازو بن جاتے ہو۔

"مَقْبُوْحِیْنَ" کے معنی ہیں "مھلکین" یعنی ہلاکت ہو یا لعنت، مراد دوزخی ہیں۔

"وَصَّلْنَا" بمعنی "بیناه واتممناه" یعنی ہم نے اس کلام کو ان لوگوں کیلئے پے در پے بھیجا تا کہ یہ لوگ بار بار سننے سے نصیحت مانیں۔

"یُجْبیٰ" کے معنی ہیں "یجلب" یعنی کھینچ کر لائے جاتے ہیں۔

"بَطِرَتْ" کے معنی ہیں "اشرت" یعنی تکبر کیا، شرارت کی۔

﴿فِیْ أُمِّهَا رَسُوْلاً﴾ آیت مذکورہ میں "أُمِّهَا" سے مراد وادی ام القریٰ یعنی مکہ مکرمہ اور اس کے

اطراف ہیں۔

"تُكِنُّ" بمعنی "تخفی" یعنی پوشیدہ رکھتے ہیں، چھپاتے ہیں۔ عرب لوگ کہتے ہیں "اكننت الشيء" میں نے اس کو چھپالیا بمعنی "أخفيتُهٗ"۔

اور "كَنَنْتُهٗ" از باب نصر بمعنی "خفيته واظهرته" مطلب یہ ہے کہ یہ الفاظ اضداد میں سے ہے یعنی ضدین میں مستعمل ہے۔

آیت کریمہ ﴿وَيْكَأَنَّ اللهَ﴾ کا معنی یہ ہے کہ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ ﷻ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا اس کے لئے رزق کو کھول دیتا ہے یعنی جس کیلئے چاہتا ہے روزی، روٹی کو وسیع کر دیتا ہے اور جس کیلئے چاہتا ہے رزق میں تنگی کر دیتا ہے۔

(۲) باب: ﴿إِنَّ الَّذِيْ فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ﴾ [۸۵]

باب: "(اے پیغمبر!) جس ذات نے تم پر اس قرآن کی ذمہ داری ڈالی ہے"۔

۴۷۷۳ - حدثنا محمد بن مقاتل: أخبرنا يعلى: حدثنا سفيان العصفري، عن عكرمة، عن ابن عباس ﴿لَرَادُّكَ إِلٰى مَعَادٍ﴾ قال: الى مكة. [۲۱]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ ﴿لَرَادُّكَ إِلٰى مَعَادٍ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو پھر مکہ لائے گا۔

مکہ معظمہ واپس لوٹانے کا وعدہ

الی معاد ۔ معاد سے مراد "مکہ معظمہ" ہے، چنانچہ اس وعدہ کے مطابق اللہ ﷻ نے فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ کو مکہ میں لوٹا بھی دیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے کہ کسی شخص کا "معاد" اس کا شہر ہوتا ہے، جہاں وہ لوٹ کر آتا ہے، یہی وہ جگہ ہے جہاں اللہ کے رسول، اللہ ﷻ کے دشمنوں پر غالب آئے، کفر کو شکست ہوئی اور اسلام کا بول بالا ہوا۔

---

[۲۱] انفرد به البخاري.

بغوی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ جب مکہ چھوڑ کر مدینہ کی طرف جانے کیلئے غار ثور سے نکلے تو تعاقب کے اندیشہ سے عام راستہ کو چھوڑ کر دوسرے راستہ پر چل دیئے، پھر جب کوئی اندیشہ نہ رہا تو اصل راستہ پر آگئے اور جحفہ کے مقام پر پہنچے جو مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک مقام تھا، یہاں سے مکہ کو بھی راستہ جاتا تھا اور مدینہ کو بھی، مکہ کی جانب والا راستہ دیکھ کر آپ کو مکہ کا شوق پیدا ہوا۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کیا آپ کے دل میں اپنے شہر اور جنم بھومی کا شوق پیدا ہو گیا، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا جی ہاں! حضرت جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ اللہ جل جلالہ فرماتا ہے ﴿إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ﴾ چنانچہ فتح مکہ کے دن اللہ جل جلالہ نے آپ کو لوٹا کر مکہ پہنچا دیا۔ [۳]

لفظ "معاد" کے بارے میں اقوال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ "معاد" سے مراد "موت" ہے، میں کہتا ہوں کہ موت اصلی حالت کی طرف واپس ہونے کا نام ہے، اسی لئے "معاد" موت ہے۔

اللہ جل جلالہ نے فرمایا ہے ﴿كُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ﴾ تم بے جان تھے، اللہ جل جلالہ نے تم کو جاندار بنایا پھر وہ تم کو بے جان کر دے گا۔

امام زہری اور حضرت عکرمہ رحمہما اللہ نے کہا کہ "معاد" سے مراد "قیامت" ہے۔

بعض نے کہا کہ اس سے مراد "جنت" ہے۔ کیونکہ اللہ جل جلالہ نے جب صراحت فرما دی کہ عاقبت یعنی اچھا انجام متقیوں کیلئے خاص ہے تو نیکوکاروں کو ثواب دینے اور بدکاروں کو عذاب دینے کا وعدہ کر کے اسکی تائید وتاکید کر دی اور دونوں جہاں میں ان کے اچھے انجام کا وعدہ فرما لیا۔ [۴]

حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ نے ان اقوال میں بہت عمیق ولطیف تطبیق دی ہے، یعنی "معاد" سے مراد اس جگہ "مکہ معظمہ" ہے، مگر فتح مکہ علامت تھی "قرب اجل" کی، جیسا حضرت ابن عباس اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ آگے اجل کے بعد "حشر" حشر کے بعد "آخرت" اور آخرت کی انتہائی منزل "جنت" ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ اللہ جل جلالہ اول آپ کو نہایت شاندار طریقہ سے لوٹا کر "مکہ معظمہ" میں لائے گا، اس کے

---

[۳] تفسیر البغوی، ج:۳، ص: ۵۴۸

[۴] تفسیر القرطبی، ج:۱۳، ص: ۳۲۱، فتح الباری، ج: ۸ ص: ۵۱۰، رقم: ۴۷۷۳، وعمدۃ القاری، ج: ۱۹، ص: ۱۶۴

چند روز بعد ''اجل'' واقع ہوگی، پھر ارض شام کی طرف ''حشر'' ہوگا، پھر ''آخرت'' میں بڑی شان وشوکت سے تشریف لائیں گے اور اخیر میں ''جنت'' کے سب سے اعلیٰ مقام پر ہمیشہ کے لئے پہنچ جائیں گے۔ [۵]

[۵] تفسیر ابن کثیر، سورۃ القصص/۸۵، ج: ۶، ص: ۲۳۳

(۲۹) سورة العنكبوت

سورہ عنکبوت کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں انہتر آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ

"عنکبوت" عربی میں مکڑی کو کہتے ہیں اور اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشرکین کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے مکڑی کے جالے پر بھروسہ کر رکھا ہو، اس لئے اس سورت کا نام سورۂ عنکبوت ہے۔

اسباب نزول

یہ سورت مکہ مکرمہ کے اس دور میں نازل ہوئی تھی جب مسلمانوں کو ان کے دشمنوں کے ہاتھوں طرح طرح کی تکلیفیں اُٹھانی پڑ رہی تھیں، بعض مسلمان ان تکلیفوں کی شدت سے بعض اوقات پریشان ہوتے اور ان کی ہمت ٹوٹنے لگتی تھی۔

اس سورت میں اللہ ﷻ نے ایسے مسلمانوں کو بڑی قیمتی ہدایات عطا فرمائی ہیں۔

اول تو سورت کے بالکل شروع میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ ﷻ نے مؤمنوں کیلئے جو جنت تیار فرمائی ہے، وہ اتنی سستی نہیں ہے کہ کسی تکلیف کے بغیر حاصل ہو جائے۔ ایمان لانے کے بعد انسان کو مختلف آزمائشوں سے گذرنا ہی پڑتا ہے۔

دوسرے یہ تسلی بھی دی گئی ہے کہ یہ ساری تکلیفیں عارضی نوعیت کی ہیں اور آخر کار ایک وقت آنے والا ہے جب ظالموں کو ظلم کرنے کی طاقت نہیں رہی گی اور غلبہ اسلام اور مسلمانوں ہی کو حاصل ہوگا۔

اسی پس منظر میں اللہ ﷻ نے اس سورت میں پچھلے کئی انبیاء کرام علیہم السلام کے واقعات سنائے ہیں جن میں سے ہر واقعے میں یہی ہوا کہ شروع میں ایمان لانے والوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آخر کار اللہ ﷻ نے ظالموں کو برباد کیا اور مظلوم مؤمنوں کو فتح عطا فرمائی۔

مکی زندگی کے اسی زمانے میں کئی واقعات ایسے پیش آئے کہ اولاد مسلمان ہوگئی اور والدین کفر پر بضد رہے اور اپنی اولاد کو واپس کفر اختیار کرنے پر مجبور کرنے لگے۔ ان کا کہنا تھا کہ والدین ہونے کی وجہ سے ان کی اولاد کو دین ومذہب کے معاملے میں بھی ان کی فرماں برداری کرنی چاہئے۔ اس سورت (کی آیت نمبر: ۸) میں اللہ ﷻ نے اس سلسلے میں یہ معتدل اور برحق اصول بیان فرمایا کہ والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ انسان کا فرض ہے، لیکن اگر وہ کفر یا اللہ ﷻ کی نافرمانی کا حکم دیں تو ان کی اطاعت جائز نہیں ہے۔

جن مسلمانوں کیلئے مکہ مکرمہ کے کافروں کا ظلم وستم ناقابل برداشت ہورہا تھا، ان کو اس سورت میں نہ صرف اجازت بلکہ ترغیب دی گئی ہے کہ وہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے کسی ایسی جگہ چلے جائیں جہاں وہ اطمینان کے ساتھ اپنے دین پر عمل کرسکیں۔

بعض کافر لوگ مسلمانوں پر زور دیتے تھے کہ دین اسلام کو چھوڑ دو اور اگر اسکے نتیجے میں تم پر اللہ ﷻ کی طرف سے کوئی سزا آئی تو تمہاری طرف سے ہم اسے بھگت لیں گے، اس سورت (کی آیات نمبر: ۱۲، ۱۳) میں اس لغو پیشکش کی حقیقت واضح کردی گئی کہ آخرت میں کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا۔

اس کے علاوہ توحید، رسالت اور آخرت کے دلائل بھی اس سورت میں بیان ہوئے ہیں اور اس سلسلے میں جو اعتراضات کافروں کی طرف سے اُٹھائے جاتے تھے، ان کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

قال مجاهد: ﴿مُسْتَبْصِرِيْنَ﴾: ضللة. وقال غيره ﴿الْحَيَوَانُ﴾ والحي واحد.
﴿فَلَيَعْلَمَنَّ اللهُ﴾: علم الله ذلك إنما هي بمنزلة فليميز الله كقوله: ﴿لِيَمِيْزَ اللهُ الْخَبِيْثَ﴾.
﴿أَثْقَالاً مَعَ أَثْقَالِهِمْ﴾: أوزاراً مع أوزارهم.

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "مُسْتَبْصِرِيْنَ" کے معنی ہیں وہ گمراہ تھے اور اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتے تھے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ "مُسْتَبْصِرِيْنَ" کے معنی ہیں اپنی ضلالت اور گمراہی پر خوش ونازاں تھے۔

"**الْحَيَوَانُ والحي**" دونوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی جاندار۔

"**فَلَيَعْلَمَنَّ اللهُ**" کے معنی ہیں کہ اللہ ﷻ کو ہر دو فریق کا علم ہے اور یہ بمنزلہ "**ليميز الله**" کے ہے یعنی اللہ ﷻ کھول کر بتادے گا، علیحدہ وجدا کردے گا۔ جیسے کہ ارشاد باری ہے ﴿**لِيَمِيْزَ اللهُ الْخَبِيْثَ**﴾۔

﴿**أَثْقَالاً مَعَ أَثْقَالِهِمْ**﴾ اس آیت میں "**أَثْقَالاً**" معنی ہیں "**أوزاراً**" یعنی اپنے بوجھوں کے ساتھ دوسرے بہت سے بوجھ بھی، یعنی ایک بوجھ خود گمراہ ہونے کا اور دوسرا بوجھ دوسروں کا گمراہ کرنے کا۔

(۳۰) سورة الروم

سورۂ الروم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ساٹھ آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

سورت کا تاریخی پس منظر

اس سورت کا ایک خاص تاریخی پس منظر ہے جو حضور نبی کریم ﷺ اور قرآن کریم کی سچائی اور حقانیت کا ناقابل انکار ثبوت فراہم کرتا ہے۔ جس وقت آپ ﷺ کو نبوت عطا ہوئی، اس وقت دنیا میں دو بڑی طاقتیں تھیں:

ایک ایران کی حکومت جو مشرق کے علاقے میں پھیلی ہوئی تھی اور اسکے ہر بادشاہ کو کسریٰ کہا جاتا تھا، یہ لوگ آتش پرست تھے یعنی آگ کو پوجتے تھے۔

دوسری بڑی طاقت روم کی تھی جو مکہ مکرمہ کے شمال اور مغرب میں پھیلی ہوئی تھی۔ شام، مصر، ایشیائے کوچک اور یورپ کے علاقے اسی سلطنت کے ماتحت تھے اور اس کے ہر بادشاہ کو قیصر کہا جاتا تھا اور انکی اکثریت عیسائی مذہب پر تھی۔ [۱]

جس زمانے میں یہ سورت نازل ہوئی ہے، اس وقت ان دونوں طاقتوں کے درمیان شدید جنگ ہو رہی تھی اور اس جنگ میں ایران کا پلہ ہر لحاظ سے بھاری تھا اور اسکی فوجوں نے ہر محاذ پر روم کی افواج کو شکست دیکر انکے بڑے بڑے شہر فتح کر لئے تھے، یہاں تک کہ بیت المقدس میں عیسائیوں کا مقدس ترین کلیسا تباہ کر کے رومیوں کو مسلسل پیچھے دھکیلتی جارہی تھیں اور روم کے بادشاہ ہرقل کو جائے پناہ تلاش کرنا مشکل ہو رہا تھا۔

ایران کی حکومت چونکہ آتش پرست تھی، اس لئے مکہ مکرمہ کے بت پرستوں کی ہمدردیاں اسکے ساتھ تھیں اور جب کبھی ایران کی کسی فتح کی خبر آتی تو مکہ کے بت پرست اس پر نہ صرف خوشی مناتے، بلکہ مسلمانوں کو چڑاتے کہ عیسائی لوگ جو آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، مسلسل شکست کھاتے جارہے ہیں اور ایران کے

---

[۱] انعام الباری شرح صحیح البخاری، کتاب بدء الوحی، ج: ۱، ص: ۲۴۹، وعمدۃ القاری، ج: ۱، ص: ۱۳۱

لوگ جو ہماری طرح کسی پیغمبر یا آسمانی کتاب کو نہیں مانتے، انہیں برابر فتح نصیب ہو رہی ہے۔

اس موقع پر یہ سورت نازل ہوئی اور اس کے بالکل شروع میں یہ پیشینگوئی کی گئی کہ روم کے لوگ اگرچہ اس وقت شکست کھا گئے ہیں، لیکن چند سالوں میں وہ فتح حاصل کر کے ایرانیوں پر غالب آ جائینگے اور اس دن مسلمان اللہ ﷻ کی مدد سے خوش ہونگے۔

اس طرح اس سورت کے شروع میں بیک وقت دو پیشینگوئیاں کی گئیں:

ایک یہ کہ روم کے جو لوگ شکست کھا گئے ہیں، وہ چند سالوں میں ایرانیوں پر غالب آ جائینگے۔

دوسرے یہ کہ مسلمان جو اس وقت مکہ مکرمہ کے مشرکین کے ہاتھوں ظلم وستم کا شکار ہیں، اس دن وہ بھی مشرکین پر فتح منائینگے۔

یہ دونوں پیشین گوئیاں اس وقت کے ماحول میں اتنی بعید از قیاس تھیں کہ کوئی بھی شخص جو اس وقت کے حالات سے واقف ہو، ایسی پیشگوئی نہیں کر سکتا تھا۔ مسلمان اس وقت جس طرح کافروں کے ظلم وستم میں دبے اور پسے ہوئے تھے، اسکے پیش نظر بظاہر کوئی امکان نہیں تھا کہ وہ اپنی فتح کی خوشی منائیں۔ دوسری طرف سلطنت روما کا حال بھی یہ تھا کہ اس کے ایرانیوں کے مقابلے میں ابھرنے کا دور دور کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

چنانچہ سلطنت روما کا مشہور مؤرخ ایڈورڈ گبن اس پیشینگوئی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ”جس وقت مبینہ طور پر یہ پیشینگوئی کی گئی اس وقت کسی بھی پیشینگوئی کا پورا ہونا اس سے زیادہ بعید نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے کہ قیصر ہرقل کی حکومت کے پہلے بارہ سالوں میں یہ بات کھل کر سامنے آ گئی تھی کہ رومی سلطنت کا خاتمہ بالکل قریب آ چکا ہے“۔ ؎

چنانچہ مکہ مکرمہ کے مشرکین نے اس پیشینگوئی کا بہت مذاق اُڑایا، یہاں تک کہ ان کے ایک مشہور سردار ابی بن خلف نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے یہ شرط لگالی کہ اگر آئندہ نو سال کے درمیان روم کے لوگ ایرانیوں پر غالب آ گئے تو وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو سو اونٹ دیگا اور اگر اس عرصے میں وہ غالب نہ آئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کو سو اونٹ دینگے (اس وقت تک اس قسم کی دو طرفہ شرط لگانا حرام نہیں کیا گیا تھا)۔

چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی ایرانیوں کی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا، یہاں تک کہ وہ قیصر کے پائیہ تخت قسطنطنیہ کی دیواروں تک پہنچ گئے، اور انہوں نے قیصر ہرقل کی طرف سے صلح کی ہر پیشکش کو ٹھکرا کر یہ جواب دیا کہ انہیں ہرقل کے سر کے سوا کوئی اور پیشکش منظور نہیں ہے۔

؎ (Gibbon, The Decline & Fall of the Roman Empire, chapter 46, volume 2, p# 125, Great Books, v. 38, University of Chicago 1990)

جس کے نتیجے میں ہرقل تیونس کی طرف بھاگنے کا منصوبہ بنانے لگا لیکن اس کے فوراً بعد حالات نے عجیب وغریب پلٹا کھایا، ہرقل نے مجبور ہو کر ایرانیوں پر عقب سے حملہ کیا جس میں اسے ایسی کامیابی حاصل ہوئی جس نے جنگ کا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا۔

اس پیشینگوئی کو ابھی سات سال گذرے تھے کہ رومیوں کی فتح کی خبر عرب تک پہنچ گئی۔

جس وقت یہ خبر پہنچی، یہ ٹھیک وہ وقت تھا جب بدر کے میدان میں سردار دو عالم ﷺ نے قریش مکہ کے لشکر کو عبرتناک شکست دی تھی اور مسلمانوں کو اس فتح پر غیر معمولی خوشی حاصل ہوئی تھی۔ اس طرح قرآن کریم کی دونوں پیشینگوئیاں کھلی آنکھوں اس طرح پوری ہوئیں جن کا بظاہر حالات کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا اور اس سے آنحضرت ﷺ اور قرآن کریم کی سچائی روز روشن کی طرح واضح ہو گئی۔

اس وقت ابی بن خلف جس نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے شرط لگائی تھی، مر چکا تھا، لیکن اسکے بیٹوں نے شرط کے مطابق سو اونٹ حضرت ابوبکر ؓ کو ادا کئے اور چونکہ اس وقت جوئے کی حرمت آ چکی تھی اور دو طرفہ شرط جوئے ہی کی ایک شکل ہے، اس لئے آنحضرت ﷺ نے حضرت صدیق اکبر ؓ کو حکم دیا کہ وہ یہ اونٹ خود استعمال کرنے کے بجائے صدقہ کر دیں۔

اس پیشین گوئی کے علاوہ اس سورت میں اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت کو مختلف دلائل سے ثابت کیا گیا ہے اور مخالفین کی تردید کی گئی ہے۔

﴿فَلَا يَرْبُوْ﴾ من اعطى عطية يبتغى افضل، فلا أجر له فيها. قال مجاهد: ﴿يُحْبَرُوْنَ﴾: ينعمون. ﴿يَمْهَدُوْنَ﴾: يسوون المضاجع. ﴿الْوَدْقَ﴾: المطر.

قال ابن عباس ﴿هَلْ لَكُمْ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ فى الآلهة. وفيه: تخافونهم: أن يرثوكم كما يرث بعضكم بعضا. ﴿يَصَّدَّعُوْنَ﴾: يتفرقون. فاصدع.

وقال غيره: ضعف وضعف لغتان. وقال مجاهد: ﴿السُّوآى﴾ الاساءة، جزاء المسيئين.

ترجمہ وتشریح

﴿فَلَا يَرْبُوْ﴾ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ "**من اعطى عطية يبتغى افضل، فلا أجر له فيها**"
یعنی کوئی شخص کسی ہدیہ اس غرض سے دے کہ بدلے میں وہ بھی مجھے میرے ہدیہ سے زیادہ ہدیہ دے گا تو اس صورت میں ہدیہ دینے کا کوئی اجر وثواب اس شخص کو نہیں ملے گا۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی اس تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ربا سے یہاں صرف سود و بیاج مراد نہیں بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی کسی کو کچھ دے، جیسا کہ شادی کے موقع پر ہدیہ وغیرہ رسوم دنیویہ میں اکثر دیا جاتا ہے، اس غرض سے کہ وہ اس سے بڑھ کر احسان کا بدلہ کرے گا تو یہ دینا عنداللہ موجب برکت وثواب نہیں، گو مباح ہے اور پیغمبر کے حق میں تو مباح بھی نہیں۔ [۵]

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "**يُحْبَرُونَ**" کے معنی ہیں نعمتیں دی جائیں گی۔

"**يَمْهَدُونَ**" کے معنی ہیں بستر ے، بچھونے بچھاتے ہیں قبر میں یا جنت میں۔

"**الْوَدْقَ**" کے معنی ہیں بارش، مینہ۔ [۶]

توحید کی طرف مائل کرنے کیلئے مملوک مخلوق کی مثال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت کریمہ **﴿هَلْ لَّكُمْ مِّمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾** اللہ ﷻ اور ان جھوٹے معبودوں یعنی بتوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

اور اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کیا تم اپنے غلاموں اور مملوکوں سے یہ خوف کرتے ہو کہ وہ تمہارے وارث بن جائیں گے جیسے تم آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہوتے ہو؟

یعنی شرک کا قبح وبطلان سمجھانے کیلئے اللہ ﷻ نے خود تمہارے ہی احوال میں سے ایک مثال نکال کر بیان فرماتا ہے، وہ یہ کہ تمہارے ہاتھ کا مال یعنی لونڈی یا غلام جن کے تم محض ظاہری اور مجازی مالک ہو۔ ان کی روزی اور مال ومتاع میں جو حق تعالیٰ نے تمہیں دے رکھا ہے۔

تو کیا تم ان کو برابر کا شریک تسلیم کر سکتے ہو جس طرح مشترک اموال و جائیداد میں اپنے بھائی بند حصہ دار ہوتے ہیں؟ اور کیا ہر وقت تمہیں اس بات کا کھٹکا رہتا ہے کہ مشترک چیز میں تصرف کرنے پر برہم ہو جائیں یا تقسیم کرانے لگیں، یا کم از کم سوال کر بیٹھیں کہ ہماری اجازت اور مرضی کے بدون فلاں کام کیوں کیا؟

کیا ایسا ہی کھٹکا ایک آقا کو اپنے غلام یا نوکر کی طرف سے ہوتا ہے؟

اگر نہیں تو سمجھنا چاہئے کہ جب ایک جھوٹے مالک کا یہ حال ہے تو اس سچے مالک کو اپنے غلام کی کیا پرواہ

---

[۵] هو الرجل يعطي الرجل العطية ويهدي اليه الهدية لياخذ اكثر منها، فهذا ربا حلال ليس فيه اجر ولا وزر فهذا للناس عامة، وفي حق النبي ﷺ، حرام عليه ان يعطي شيئاً فياخذ اكثر منه، لقوله تعالىٰ : ﴿وَلَا تَمْنُن تَسْتَكْثِرُ﴾ [المدثر:

[۶] عمدة القاری، ج: ۱۹، ص ۱۶۶

ہوسکتی ہے، جس کو تم حماقت سے اس کا ساجھی گنتے ہو، ایک غلام تو آقا میں ملک میں شریک نہ ہوسکے، حالانکہ دونوں خدا کی مخلوق ہیں اور اسی کی دی ہوئی روزی کھاتے ہیں، مگر ایک مخلوق، بلکہ مخلوق در مخلوق، خالق کی خدائی میں شریک ہوجائے؟ ایسی مہمل بات کوئی عقلمند قبول نہیں کرسکتا۔ ؎

"**يَصَّدَّعُونَ**" کے معنی ہیں "**يتفرقون**" یعنی سب متفرق ومنتشر ہوجائیں گے، مطلب یہ ہے کہ حساب کے بعد جنت اور دوزخ کی طرف الگ الگ چلے جائیں گے۔

بعض حضرات نے کہا کہ "**ضُعف و ضَعف**" دو لغتیں ہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "**السُّوآى**" بمعنی "**الاساءة**" برائی یعنی برا کرنے والوں کو بدلہ برا ہی ملے گا۔

۴۷۷۴ - حدثنا محمد بن كثير: حدثنا سفيان: حدثنا منصور والأعمش، عن أبي الضحى، عن مسروق قال: ((بينما رجل يحدث في كندة فقال: يجيء دخانٌ يوم القيامة فيأخذ بأسماع المنافقين وأبصارهم. يأخذ المؤمن كهيئة الزكام، ففزعنا فأتيت ابن مسعود وكان متكئا فغضب، فجلس فقال: من علم فليقل ومن لم يعلم فليقل: الله أعلم، فإن من العلم أن يقول لما لايعلم: لاأعلم. فإن الله قال لنبيه ﷺ: ﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ وإن قريشا أبطؤا عن الإسلام فدعا عليهم النبي ﷺ فقال: ((اللّٰهم أعنّي عليهم بسبع كسبع يوسف))، فأخذتهم سنة حتى هلكوا فيها وأكلوا الميتة والعظام، ويري الرجل ما بين السماء والأرض كهيئة الدخان، فجاءه أبوسفيان فقال: يا محمد جئت تأمرنا بصلة الرحم وإن قومك قد هلكوا فادع الله. فقرأ ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِيْنٍ﴾ إلى قوله ﴿عَائِدُوْنَ﴾ أفيكشف عنهم عذاب الآخرة إذا جاء ثم عادوا إلى كفرهم؟ فذلك قوله تعالىٰ: ﴿يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرىٰ﴾ يوم بدر. ﴿وَلِزَاماً﴾ يوم بدر. ﴿الم غُلِبَتِ الرُّوْمُ﴾ إلى ﴿سَيَغْلِبُوْنَ﴾ والروم قد مضى)). [راجع:۱۰۰۷]

لاعلمی کا اعتراف؛ علم کا حسن ہے

مسروق رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے قبیلہ کندہ میں حدیث بیان کرتے ہوئے کہا کہ قیامت

؎ عمدة القاري، ج: ۱۹، ص: ۱۶۷

کے دن ایک دھواں اٹھے گا جو منافقوں کی قوت سماعت و بصارت کو ختم کر دے گا، لیکن مؤمن پر اس کا اثر صرف زکام جیسا ہوگا۔ ہم اس کی بات سے بہت گھبرا گئے۔

پھر میں حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ کی خدمت میں حاضر ہوا اور انہیں ان صاحب کی حدیث سنائی آپ اس وقت ٹیک لگائے ہوئے تھے، اسے سن کر بہت غصہ ہوئے اور سیدھے بیٹھ گئے پھر فرمایا کہ اگر کسی کو کسی بات کا واقعی علم ہے تو پھر اسے بیان کرنا چاہئے، لیکن اگر علم نہیں ہے تو کہہ دینا چاہیئے **"اللہ اعلم"**۔

یعنی لاعلمی کا اعتراف کرنا چاہئے اور یہ کہہ دینا چاہئے اللہ ﷻ زیادہ جاننے والے ہیں یہ بھی علم ہے کہ آدمی اپنی لاعلمی کا اعتراف کرے اور صاف کہدے کہ میں نہیں جانتا، اللہ ﷻ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا تھا **﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ﴾**۔

آپ ﷺ کی بد عاء کا ظہور

اصل میں واقعہ یہ ہے کہ قریش مکہ نے جب آپ ﷺ کو اذیتیں پہنچائیں اور اسلام قبول کرنے میں بہت تاخیر کی تو اس پر نبی کریم ﷺ نے ان کے حق میں بدعا فرمائی کہ اے اللہ! ان پر یوسف ﷤ کے زمانے جیسا قحط بھیج کر میری مدد کیجئے۔

پھر ایسا قحط پڑا کہ اس قحط میں لوگ تباہ ہوئے اور مردار اور ہڈیاں کھانے لگے کوئی اگر آسمان وزمین کے درمیان یعنی فضا میں دیکھتا تو فاقہ کی وجہ سے دھویں جیسا نظر آتا۔

پھر آنحضرت ﷺ کے پاس ابوسفیان آئے اور کہا کہ اے محمد! آپ ہمیں صلہ رحمی کا حکم دیتے ہیں، لیکن آپ کی قوم تباہ ہو رہی ہے اللہ ﷻ سے دعا کیجئے کہ ان کی یہ مصیبت دور ہو۔

اس پر آنحضرت ﷺ نے یہ آیت پڑھی **﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾** تا **﴿عَائِدُونَ﴾**۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ نے بیان کیا کہ قحط کا یہ عذاب تو آنحضرت ﷺ کی دعا کے نتیجہ میں ختم ہو گیا تھا، لیکن کیا آخرت کا عذاب بھی ان سے ٹل جائے گا؟

چنانچہ قحط ختم ہونے کے بعد پھر وہ کفر سے باز نہ آئے، یہی مطلب ہے اللہ ﷻ کے اس ارشاد **﴿يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ﴾** کا، یہ غزوہ بدر کے موقع پر نازل ہوئی تھی۔

اور **﴿وَلِزَامًا﴾** یعنی قید سے اشارہ بھی معرکہ بدر ہی کی طرف ہے۔

﴿الم غُلِبَتِ الرُّومُ﴾ تا **﴿سَيَغْلِبُونَ﴾** روم کا واقعہ بھی گذر چکا ہے۔

(۱) باب: ﴿لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللهِ﴾ [۳۰]

باب: ''اللہ کی تخلیق میں کوئی تبدیلی نہیں لائی جاسکتی۔''

لدين الله. ﴿خُلُقُ الْأَوَّلِيْنَ﴾: دين الأولين، والفطرة: الاسلام.

ترجمہ: ''لِخَلْقِ اللهِ'' سے مراد اللہ کا دین ہے، اسی طرح سورۃ الشعراء میں ﴿خُلُقُ الْأَوَّلِيْنَ﴾ سے مراد ''دين الأولين'' پہلا دین، یعنی اللہ کا دین ہے۔ اور ''فطرة'' سے مراد اسلام ہے۔

۴۷۷۵ - حدثنا عبدان: أخبرنا عبدالله: أخبرنا يونس، عن الزهري قال: أخبرني أبو سلمة بن عبدالرحمن: أن أباهريرة ﷺ قال: ((قال رسول الله ﷺ: ما من مولود إلا يولد على الفطرة فأبواه يُهَوِّدانِهِ أو يُنَصِّرانِهِ أو يُمَجِّسانِهِ، كما تنتج البهيمة بهيمة جمعاء هل تحسون فيها من جدعاء؟ ثم يقول ﴿فِطْرَةَ اللهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾)). [راجع: ۱۳۵۸]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہر پیدا ہونے والا بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے، لیکن اسکے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنالیتے ہیں، اسکی مثال ایسی ہے جیسے جانور کا بچہ صحیح سالم پیدا ہوتا ہے کیا تم انہیں ناک، کان کٹا دیکھتے ہو، اس کے بعد آپ ﷺ نے یہ تلاوت فرمائی ﴿فِطْرَةَ اللهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾۔

حدیث وآیت کی تشریح

اس آیت میں دین اسلام کا مطابق اور مقتضائے فطرت ہونا یوں بیان کیا گیا ہے کہ ﴿فِطْرَةَ اللهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللهِ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾۔

آنحضرت ﷺ کو یا عام مخاطب کو حکم دیا ہے کہ جب شرک کا نامعقول اور ظلم عظیم ہونا ثابت ہوگیا تو آپ سب خیالات مشرکانہ چھوڑ کر اپنا رُخ صرف دین اسلام کی طرف پھیر لیجئے ﴿فَأَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا﴾۔

فطرت سے مراد

فطرت کے معاملے میں مفسرین کے متعدد اقوال منقول ہیں، ان میں دو قول زیادہ مشہور ہیں۔

اول قول یہ کہ فطرت سے مراد اسلام ہے اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان اپنی فطرت اور جبلت کے اعتبار سے مسلمان پیدا کیا ہے۔ اگر اس کو گردوپیش اور ماحول میں کوئی خراب کرنے والا خراب نہ کردے تو ہر پیدا ہونے والا بچہ مسلمان ہی ہوگا۔

مگر عادۃً ہوتا یہ ہے کہ ماں باپ اس کو بعض اوقات اسلام کے خلاف چیزیں سکھا دیتے ہیں، جس کے سبب وہ اسلام پر قائم نہیں رہتا ہے۔

اس حدیث میں یہی بات مذکور ہے اور یہی جمہور سلف کا قول بھی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ فطرت سے مراد استعداد ہے یعنی تخلیق انسانی میں اللہ تعالیٰ نے یہ خاصیت رکھی ہے کہ ہر انسان میں اپنے خالق کو پہچاننے اور اس کو ماننے کی صلاحیت واستعداد موجود ہے، جس کا اثر اسلام کا قبول کرنا ہوتا ہے۔ بشرطیکہ اس استعداد سے کام لے۔ ۵

احادیثِ صحیحہ کے مطابق فقہاءِ امت کے نزدیک بچہ بالغ ہونے سے پہلے ماں باپ کا تابع سمجھا جاتا ہے، اگر ماں باپ کافر ہوں تو بچے کو بھی کافر قرار دیا جائے گا، اسکی تجہیز وتکفین اسلامی طرز پر نہیں کی جائے گی۔

﴿لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ﴾ اس جملے کا مطلب واضح ہوگیا کہ اللہ کی دی ہوئی فطرت یعنی حق کو پہچاننے کی صلاحیت واستعداد میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکتا۔ اس کو غلط ماحول کافر تو بنا سکتا ہے مگر اس کی استعدادِ قبولِ حق کو بالکل فنا نہیں کرسکتا۔

اور اسی سے اُس آیت کا مفہوم بھی واضح ہو جاتا ہے جس میں ارشاد ہے کہ **﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾** یعنی ہم نے جن اور انسان کو اور کسی کام کیلئے نہیں پیدا کیا، بجز اس کے کہ وہ ہماری عبادت کیا کریں۔

مطلب یہ ہے کہ ان کی فطرت میں ہم نے عبادت کی رغبت اور استعداد رکھ دی ہے، اگر وہ اس استعداد سے کام لیں تو بجز عبادت کے کوئی دوسرا کام اس کے خلاف ہرگز سرزد نہ ہو۔ ٦

---

۵ تفسیر القرطبی، ج: ۱۴، ص: ۲۴

٦ معارف القرآن، ج:٦، ص ۷۴۸، ۷۴۷

(۳۱) سورة لقمان

سورۂ لقمان کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چونتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں۔

سورت کی وجہ تسمیہ اور لقمان علیہ السلام کی نصیحتوں کا گلدستہ

یہ سورت بھی مکہ مکرمہ کے اس دور میں نازل ہوئی جب آنحضرت ﷺ اور قرآن کے بارے میں کفار مکہ کی مخالفت اپنے شباب پر تھی اور کافروں کے سردار حیلوں، بہانوں اور پرتشدد کارروائیوں سے اسلام کی نشر واشاعت کا راستہ روکنے کی کوششیں کر رہے تھے۔

قرآن کریم کا اثر انگیز اسلوب جب لوگوں کے دلوں پر اثر انداز ہوتا تو وہ ان کی توجہ اس سے ہٹانے کیلئے انہیں قصے کہانیوں اور شعروشاعری میں الجھانے کی کوشش کرتے تھے جس کا تذکرہ اس سورت کے شروع میں کیا گیا ہے۔

حضرت لقمان اہل عرب کے یہاں ایک بڑے عقل منداور دانشور کی حیثیت سے مشہور تھے۔ انکی حکیمانہ باتوں کو اہل عرب بڑا وزن دیتے تھے، یہاں تک کہ شاعروں نے اپنے اشعار میں ان کا ایک حکیم کی حیثیت سے تذکرہ کیا ہے۔

قرآن کریم نے اس سورت میں یہ واضح فرمایا ہے کہ لقمان جیسے حکیم اور دانشور جن کی عقل وحکمت کا تم بھی لوہا مانتے ہو، وہ بھی توحید کے قائل تھے اور انہوں نے اللہ ﷻ کے ساتھ کوئی شریک ماننے کو ظلم عظیم قرار دیا تھا اور اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی کہ تم کبھی شرک مت کرنا۔ اس ضمن میں اس سورت نے ان کی اور بھی کئی قیمتی نصیحتیں ذکر فرمائی ہیں جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں۔

دوسری طرف مکہ مکرمہ کے مشرکین کا حال یہ تھا کہ وہ اپنی اولاد کو توحید اور نیک عمل کی نصیحت تو کیا کرتے، انہیں شرک پر مجبور کرتے تھے اور اگر انکی اولاد میں سے کوئی مسلمان ہو جاتا تو اس پر دباؤ ڈالتے تھے کہ وہ دوبارہ شرک کو اختیار کر لے۔

اسی مناسبت سے حضرت لقمان علیہ السلام کی نصیحتوں کے درمیان (آیات نمبر ۱۴، ۱۵ میں) اللہ جل جلالہ نے ایک بار پھر وہ اصول بیان فرمایا ہے جو پیچھے سورۂ عنکبوت (آیت نمبر ۸، ۹) میں بھی گذرا ہے کہ والدین کی عزت اور اطاعت اپنی جگہ، لیکن اگر وہ اپنی اولاد کو شرک اختیار کرنے کیلئے دباؤ ڈالیں تو انکا کہنا ماننا جائز نہیں۔

اس کے علاوہ یہ سورت توحید کے دلائل اور آخرت کی یاددہانی کے مؤثر مضامین پر مشتمل ہے۔

(۱) باب: ﴿لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ [۱۳]

باب: ''اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا۔ یقین جانو شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔''

۴۷۷۶ ۔ حدثنا قتیبة بن سعید: حدثنا جریر، عن الأعمش، عن ابراهیم، عن علقمة، عن عبدالله رضی اللہ عنہ قال: ((لما نزلت هذه الآیة ﴿الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا إِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ شق ذلک علی اصحاب رسول الله ﷺ فقالوا: أينا لم يلبس إيمانه بظلم؟ فقال رسول الله ﷺ: ((إنه ليس بذاک، ألا تسمع إلى قول لقمان لابنه: ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾)). [راجع: ۳۲]

آیتِ مذکورہ کے نازل ہونے پر صحابہ رضی اللہ عنہم کو تشویش

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی:

﴿الَّذِيْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا إِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾

ترجمہ: جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمان میں شرک نہیں ملایا۔

تو اصحاب رسول اللہ ﷺ پر شاق ہوا یعنی صحابہ رضی اللہ عنہم گھبرا اٹھے اور کہنے لگے یہ تو بڑی مشکل ہے، ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے اپنے ایمان کے ساتھ ظلم کی آمیزش نہیں کی؟

اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ آیت میں ظلم سے یہ مراد نہیں، کیا تم نے لقمان علیہ السلام کی وہ نصیحت نہیں سنی جو انہوں نے اپنے بیٹے کو کی تھی کہ ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾۔

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں پر ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ اس لئے لیکر آئے ہیں کہ ظلم کے ساتھ جو عظیم کا لفظ ہے وہ دلالت کر رہا ہے کہ ظلم کے مختلف مراتب ہیں۔ ان میں سے عظیم ترین ظلم، شرک ہے جو انسان کو

ملت سے خارج کردیتا ہے۔اور اس سے نیچے جو مراتب ہیں وہ ملت سے نکالنے والے نہیں ہیں۔ [1]

(۲) باب قوله: ﴿إِنَّ اللهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ [۳۴]
اس ارشاد کا بیان: ''یقیناً (قیامت کی) گھڑی کا علم اللہ ہی پاس ہے۔''

۴۷۷۷ ۔ حدثني اسحاق، عن جرير، عن أبي حيان، عن أبي زرعة، عن أبي هريرة ﷺ: ((أن رسول الله ﷺ كان يوما بارزا للناس إذ أتاه رجل يمشي فقال: يا رسول الله، ما الإيمان؟ قال: ((الإيمان أن تؤمن بالله وملائكته ورسله، ولقائه وتؤمن بالبعث الآخر. قال: يا رسول الله، ما الإسلام؟ قال: الإسلام أن تعبد الله ولاتشرك به شيئا، وتقيم الصلاة، وتؤتي الزكاة المفروضة، وتصوم رمضان)). قال: يارسول الله ما الإحسان؟ قال: ((الإحسان أن تعبد الله كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك)). قال: يارسول الله، متى الساعة؟ قال: ما المسؤل عنها بأعلم من السائل، ولكن سأحدثك عن أشراطها. إذا ولدت المرأة ربتها فذاك من أشراطها، وإذا كان الحفاة العراة رؤس الناس فذاك من أشراطها، في خمس لايعلمهن إلا الله ﴿إِنَّ اللهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ﴾ ثم انصرف الرجل فقال: ((رُدُّوا عليَّ))، فأخذوا ليردد فلم يروا شيئا. فقال: ((هذا جبريل جاء ليعلم الناس دينهم)). [راجع: ۵۰]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ مجمع عام میں تشریف فرما تھے، اتنے میں ایک شخص پیدل چلتا ہوا حاضر خدمت ہوا اور پوچھا اے اللہ کے رسول! ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تم اللہ ﷻ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں اور آخرت میں اس کی ملاقات پر ایمان لاؤ اور مرکر جی اٹھنے پر ایمان لاو۔ اس نے پھر سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! اسلام کیا ہے؟ ارشاد فرمایا اسلام یہ ہے کہ تم اللہ ﷻ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، نماز قائم کرو اور زکوٰۃ مفروضہ اداء کرو اور رمضان کے روزے رکھو۔ اس نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! احسان کیا ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا احسان یہ ہے کہ تم اللہ ﷻ کی عبادت اس طرح دل لگا کر کرو گویا کہ تم اس کو دیکھ رہے ہو، اگر ایسا نہ ہو تو یہ خیال رکھو کہ وہ تمہیں ضرور دیکھ رہا ہے۔

---

[1] تفصیل کیلئے مراجعت فرمائیں: انعام الباری شرح صحیح البخاری، ج: ۱، ص: ۴۷۴

اس نے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس سے پوچھا جارہا ہے وہ بھی پوچھنے والے سے زیادہ نہیں جانتا، البتہ میں تجھ کو اس کی نشانیاں بتائے دیتا ہوں، جب عورت اپنے آقا کو جنے یہ اس کی نشانیوں میں سے ہے اور جب ننگے پاؤں، ننگے جسم والے لوگ لوگوں پر حاکم ہو جائیں تو یہ قیامت کی علامتوں میں سے ہے قیامت کا وقت معین ان پانچ چیزوں میں سے ہے، جنہیں اللہ ﷻ کے سوا کوئی نہیں جانتا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے ﴿إِنَّ اللهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ﴾ ۔ پھر وہ شخص یعنی سائل واپس لوٹ گیا تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کو میرے پاس واپس بلا لاؤ، لوگوں نے کوشش کی مگر کسی کو بھی وہ شخص نظر نہیں آیا، پھر آپ ﷺ نے فرمایا یہ جبریل علیہ السلام تھے لوگوں کو ان کا دین سکھانے آئے تھے۔

علم غیب

﴿إِنَّ اللهَ عِندَهُ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ
وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ الخ﴾

ایک روایت میں ہے کہ وارث بن عمر بدوی نے آپ ﷺ سے انہی پانچ چیزوں کے متعلق دریافت کیا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی، جن میں ان پانچوں کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ [۲]

ان پانچ چیزوں کے علاوہ جن غائبات کا علم آنحضرت ﷺ کو حاصل ہوا وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور وحی دیا گیا تھا، اس لئے وہ علمِ غیب کی تعریف میں شامل نہیں۔ کیونکہ انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی اور اولیاء کو بذریعہ الہام جو غیب کی خبریں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیدی جاتی ہیں وہ حقیقت کے اعتبار سے علمِ غیب نہیں، جس کی بناء پر ان کو عالم الغیب کہا جاسکے بلکہ وہ انباء الغیب یعنی غیب کی خبریں ہیں۔

اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے اور جتنا چاہتا ہے اپنے فرشتوں اور رسولوں اور مقبول بندوں کو عطاء فرمادیتا ہے۔ قرآن کریم میں ان کو انباء الغیب فرمایا گیا ہے ﴿ذَٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ﴾۔

اس لئے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ان پانچ چیزوں کو تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے ساتھ ایسا مخصوص فرمایا ہے کہ بطور انباء غیب کے بھی فرشتے اور رسول کو اس کا علم نہیں دیا گیا۔

اس کے علاوہ بہت سے مغیبات کا علم بہت کچھ انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی دیدیا جاتا ہے۔ [۳]

---

[۲] روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ج: ۱۱، ص: ۱۰۷

[۳] معارف القرآن، ج: ۷، ص: ۵۳، ۵۲، وعمدۃ القاری، ج: ۱۹، ص: ۱۲۱

(۳۲) سورة السجدة

سورۂ سجدہ کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وجہ تسمیہ اور مرکزی موضوع

اس سورت کا مرکزی موضوع اسلام کے بنیادی عقائد، یعنی توحید، آنحضرت ﷺ کی رسالت اور آخرت کا اِثبات ہے۔

نیز جو کفارِ عرب ان عقائد کی مخالفت کرتے تھے، اس سورت میں اُن اعتراضات کا جواب بھی دیا گیا ہے، اُن کا انجام بھی بتایا گیا ہے۔

چونکہ اس سورت میں آیتِ سجدہ ہے یعنی جو شخص بھی اس کی تلاوت کرے یا سنے، اس پر سجدۂ تلاوت کرنا واجب ہے، اس لئے اس کا نام **"تنزیل السجدہ"** یا **"الم السجدہ"** یا صرف **"سورة السجدة"** رکھا گیا ہے۔

وقال مجاهد: ﴿مَهِينٍ﴾: ضعيف. نطفة الرجل.

﴿ضَلَلْنَا﴾: هلكنا.

وقال ابن عباس: ﴿الْجُرُزُ﴾ التي لا تمطر إلا مطرا لا يغني عنها شيئا.

﴿يَهْدِ﴾: يبين.

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت میں "**مَهِينٍ**" بمعنی ضعیف / بے قدر پانی، مرد کا نطفہ مراد ہے۔

"**ضَلَلْنَا**" کے معنی "**هلكنا**" یعنی تباہ ہو گئے، مٹی ہو گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "**الجُرُزُ**" کا معنی ہے وہ زمین جہاں بہت کم بارش ہوتی ہو، جس سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا یعنی خشک زمین۔

"**يَهْدِ**" بمعنی "**يبين**" یعنی کیا بیان نہیں کر دیا ہے۔

(۱) باب قوله: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾ [۱۷]

اس ارشاد کا بیان: ''چنانچہ کسی متنفس کو کچھ پتہ نہیں ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان چھپا کر رکھا گیا ہے۔''

۴۷۷۹ ـ حدثنا علي بن عبدالله: حدثنا سفيان، عن أبي الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة ﷺ عن رسول الله ﷺ قال: ((قال الله تبارک وتعالىٰ: أعددت لعبادي الصالحين مالا عين رأت، ولا أذن سمعت، ولا خطر على قلب بشر)). قال أبو هريرة: اقرؤا إن شئتم ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾.

وحدثنا سفيان: حدثنا أبو الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة قال: ((قال الله......)) مثله. قيل لسفيان: رِوايةً؟ قال: فأيُّ شيءٍ؟ وقال ابو معاوية عن الأعمش، عن أبي صالح، قرأ، قرأ أبو هريرة: قُرَّات أعين. [راجع: ۳۲۴۴]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ ﷻ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے نیک بندوں کیلئے وہ چیز تیار رکھی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا نہ کسی کان نے سنا ہوگا اور نہ کسی انسان کے دل میں خیال وگمان گذرا ہوگا۔ پھر حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم چاہو تو اس آیت کو پڑھ لو **﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾**۔

علی بن عبداللہ مدینی نے بیان کیا کہ ہم سے سفیان نے بیان کیا، ان سے ابوالزناد نے بیان کیا، ان سے اعرج نے اور ان سے حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے، پہلی حدیث کی طرح۔ سفیان سے پوچھا گیا کہ یہ آپ ﷺ کی حدیث روایت کر رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ تو پھر اور کیا ہے؟ ابو معاویہ نے بیان کیا، ان سے اعمش نے اور ان سے صالح نے کہ حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے ''**قُرَّات اعین**'' (صیغہ جمع کے ساتھ) پڑھا ہے۔

۴۷۸۰ ـ حدثنا إسحاق بن نصر: حدثنا أبو أسامة، عن الأعمش: حدثنا أبو صالح، عن أبي هريرة ﷺ عن النبي ﷺ: ((يقول الله تعالىٰ: أعددت لعبادي الصالحين ما لا عين رأت، ولا أذن سمعت، ولا خطر على قلب بشر. ذخراً، من بله ما أُطلعتم عليه)). ثم قرأ ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُمْ مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾. [راجع: ۳۲۴۴]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اللہ ﷻ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں

نے اپنے نیک بندوں کیلئے وہ چیز تیار رکھی ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے دیکھا ہوگا نہ کسی کان نے سنا ہوگا اور نہ کسی انسان کے دل میں خیال وگمان گذرا ہوگا۔ اللہ کی ان نعمتوں سے واقفیت اور آگاہی تو الگ رہی (ان کا کسی کو گمان وخیال بھی پیدا نہیں ہوا)۔ پھر آنحضرت ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ أُخْفِيَ لَهُم مِّن قُرَّةِ أَعْيُنٍ جَزَآءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾۔

تاریک راتوں کی عبادت اور پوشیدہ نعمتیں

حدیث قدسی ہے، رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے عبادت گزار بندوں کے لئے ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں کہ نہ کسی نے دیکھا ہوگا، نہ سنا ہوگا، نہ ان کا گمان ہوگا یعنی جس طرح راتوں کی تاریکی میں اللہ کے ان نیک بندوں نے لوگوں سے چھپ کر بے ریاء عبادت کی۔ اُس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ جو نعمتیں چھپا رکھی ہیں ان کی پوری کیفیت کسی کو معلوم نہیں، جس وقت دیکھیں گے تو آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی۔

(۳۳) سورة الأحزاب

سورۂ اُحزاب کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ سورت مدنی ہے، اور اس میں تہتر آیتیں اور نو رکوع ہیں۔

پس منظر اور سورت میں بیان کردہ واقعات

یہ سورت حضور سرور دو عالم ﷺ کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد چوتھے اور پانچویں سال کے درمیان نازل ہوئی ہے۔

اس کے پس منظر میں چار واقعات خصوصی اہمیت رکھتے ہیں جن کا حوالہ اس سورت میں آیا ہے:

پہلا واقعہ جنگ احزاب

دوسرا واقعہ جنگ قریظہ

تیسرا واقعہ منہ بولے بیٹے کا حکم

چوتھا واقعہ ازواج مطہرات کا نفقے میں اضافے کا مطالبہ۔

ان چار واقعات کا تعارف وتفصیل درج ذیل ہے:

پہلا اہم واقعہ جنگ احزاب کا ہے، جس کے نام پر اس سورت کا نام رکھا گیا ہے۔

بدر واحد کی ناکامیوں کے بعد قریش کے لوگوں نے عرب کے دوسرے قبائل کو بھی آنحضرت ﷺ کے خلاف اُکسایا اور ان کا ایک متحدہ محاذ بنا کر مدینہ منورہ پر حملہ کیا۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت سلمان فارسی ؓ کے مشورے پر مدینہ منورہ کے دفاع کیلئے شہر کے گرد ایک خندق کھودی تا کہ دشمن اسے عبور کر کے شہر تک نہ پہنچ سکے۔ اسی لئے اس جنگ کو جنگ خندق بھی کہا جاتا ہے۔ اس جنگ کے اہم واقعات اس سورت میں بیان ہوئے ہیں اور اس موقع پر مسلمانوں کو جس شدید آزمائش سے گذرنا پڑا، اس کی تفصیل بھی بیان فرمائی گئی ہے۔

دوسرا اہم واقعہ جنگ قریظہ کا ہے، بنو قریظہ یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو مدینہ منورہ کے مضافات میں آباد تھا۔ آنحضرت ﷺ نے ہجرت کے بعد ان سے امن کا ایک معاہدہ کیا تھا جس کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ مسلمان اور

یہودی ایک دوسرے کے دشمنوں کی مدد نہیں کرینگے، لیکن قریظہ کے یہودیوں نے معاہدے کی دوسری خلاف ورزیوں کے علاوہ جنگ احزاب کے نازک موقع پر خفیہ ساز باز کر کے پشت سے مسلمانوں کے خنجر گھونپنا چاہا۔ اس لئے جنگ احزاب سے فراغت کے بعد اللہ ﷻ کا حکم ہوا کہ آپ فوراً بنو قریظہ پر حملہ کر کے ان آستین کے سانپوں کا قلع قمع فرمائیں۔

چنانچہ آپ ﷺ نے ان کا محاصرہ فرمایا جس کے نتیجے میں انکے بہت سے افراد قتل اور بہت سے گرفتار ہوئے۔ اس واقعے کی بھی کچھ تفصیل اس سورت میں آئی ہے۔

تیسرا اہم واقعہ منہ بولے بیٹے کا حکم، واقعہ دراصل یہ تھا کہ اہل عرب جب کسی کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیتے تو اسے ہر معاملے میں سگے بیٹے کا درجہ دیتے تھے، یہاں تک کہ وہ میراث بھی پاتا تھا اور اس کے منہ بولے باپ کیلئے جائز نہیں سمجھا جاتا تھا کہ وہ اس کی بیوہ یا مطلقہ بیوی سے نکاح کرے، بلکہ اس کو بدترین معیوب عمل سمجھا جاتا تھا، حالانکہ اللہ ﷻ کی طرف سے اس کی کوئی ممانعت نہیں تھی۔

عرب کی یہ جاہلانہ رسمیں دلوں میں ایسا گھر کر گئی تھیں کہ ان کا خاتمہ صرف زبانی نصیحت سے نہیں ہو سکتا تھا، اس لئے آنحضرت ﷺ نے ایسی رسموں کا خاتمہ کرنے کے لئے سب سے پہلے خود علی الاعلان ان رسموں کے خلاف عمل فرمایا، تا کہ یہ بات واضح ہو جائے کہ اگر اس کام میں ذرا بھی کوئی خرابی ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس کے پاس بھی نہ جاتے۔ اس کی بہت سی مثالیں آپ کی سیرت طیبہ میں موجود ہیں۔

منہ بولے بیٹے کے بارے میں جو رسم تھی، اس کے سدباب کیلئے بھی اللہ ﷻ نے آنحضرت ﷺ کو حکم دیا کہ آپ اپنے ایک منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہ ؓ کی مطلقہ بیوی حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمائیں۔ واضح رہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کی قریبی رشتہ دار تھیں اور حضرت زید ؓ سے ان کا نکاح خود آپ نے کروایا تھا، اس لئے اگرچہ اب ان سے نکاح کرنا آپ کے لئے ایک صبر آزما عمل تھا، لیکن آپ نے اللہ ﷻ کے حکم اور دینی مصلحت کے آگے سر جھکا دیا اور ان سے نکاح کر لیا۔

اسی نکاح کے ولیمے میں حجاب کے احکام پر مشتمل آیات نازل ہوئیں جو اس سورت کا حصہ ہیں۔

چوتھا اہم واقعہ ازواج مطہرات کا نفقے میں اضافے کا مطالبہ، تفصیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات نے اگرچہ ہر طرح کے سرد و گرم حالات میں آنحضرت ﷺ کا بھرپور ساتھ دیا، لیکن جب آپ کے پاس مختلف فتوحات کے نتیجے میں مالی طور پر وسعت ہوئی تو انہوں نے اپنے نفقے میں اضافے کا مطالبہ کر دیا۔ یہ مطالبہ عام حالات میں کسی بھی طرح کوئی ناجائز مطالبہ نہیں تھا، لیکن پیغمبر اعظم ﷺ کی زوجیت کا شرف رکھنے والی ان مقدس خواتین کا مقام بلند اس قسم کے مطالبات سے بالاتر تھا۔

اس لئے اس سورت میں اللہ ﷻ نے ازواج مطہرات کو یہ اختیار دیا ہے کہ اگر وہ دنیا کی زیب وزینت

چاہتی ہیں تو آنحضرت ﷺ انہیں اعزاز و اکرام کے ساتھ علیحدہ کرنے کو تیار ہیں اور اگر وہ پیغمبر اعظم ﷺ کے مشن کی ساتھی ہیں اور آخرت کے انعامات کی طلبگار ہیں تو پھر اس قسم کے مطالبے ان کو زیب نہیں دیتے۔

چونکہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کے واقعے پر کفار اور منافقین نے آپ کے خلاف اعتراضات کئے تھے، اس لئے اسی سورت میں حضور سرور عالم ﷺ کا مقام بلند بتایا گیا ہے اور آپ کی تعظیم وتکریم اور اطاعت کا حکم دیکر یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ آپ جیسی عظیم شخصیت پر نادانوں کے یہ اعتراضات آپ کے مقام بلند میں ذرہ برابر کمی نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ ازواج مطہرات کے ساتھ آپ کے طرز عمل اور اس سے متعلق بعض تفصیلات بھی اسی سورت میں بیان ہوئی ہیں۔[1]

وقال مجاهد: ﴿صَيَاصِيهِمْ﴾: قصورهم. معروفاً في الكتاب.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ "صَيَاصِيهِمْ" بمعنی "قصورهم" یعنی ان کے قلعے۔

اشارہ ہے اس آیت کی طرف ﴿وَأَنْزَلَ الَّذِينَ ظَاهَرُوهُمْ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ مِنْ صَيَاصِيهِمْ وَقَذَفَ﴾ ۔ اہل کتاب یعنی یہود بنی قریظہ میں سے جن لوگوں نے ان مشرکین کی مدد کی تھی اللہ جل جلالہ نے ان کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا رُعب ڈال کر ان کے مضبوط قلعوں سے، جن میں وہ محصور تھے انہیں نیچے اتار دیا اور ان کے اموال اور دار و دیار کا مسلمانوں کو وارث بنا دیا۔

(۱) باب:

یہ باب بلا عنوان ہے۔

۴۷۸۱ ـ حدثني ابراهيم بن المنذر: حدثنا محمد بن فليح: حدثنا أبي، عن هلال بن علي، عن عبدالرحمن بن أبي عمرة عن أبي هريرة ﷺ عن النبي ﷺ قال: ((مامن مؤمن إلا وأنا أولى الناس به في الدنيا والآخرة، اقرؤا إن شئتم ﴿النَّبِيُّ أَوْلَى بِالْمُؤْمِنِينَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ فأيما مؤمن ترك مالاً فليرثه عصبته من كانوا. فإن ترك ديناً أو ضياعاً فليأتني وأنا مولاه)). [راجع: ۲۲۹۸]

---

[1] التفسير القرطبي، ج: ۱۴، ص: ۱۱۳، وروح المعاني، ج: ۱۱، ص: ۱۴۰، تفسير ابن كثير، ج: ٦، ص: ۳۳۵، وآسان ترجمہ قرآن، سورۃ الاحزاب، ج: ۳، ص: ۱۲۲۸۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷛ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کوئی مومن ایسا نہیں جس کیلئے میں دنیا کے سارے انسانوں سے زیادہ اولیٰ اور اقرب نہ ہوں، اگر تمہارا دل چاہے تو یہ آیت پڑھ لو، ﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ پس جو بھی مؤمن مرنے کے بعد مال و دولت چھوڑے اس کے عصبہ یعنی عزیز و اقارب وارث ہوں گے، لیکن اگر کسی مومن نے قرض چھوڑا ہے یا اولاد چھوڑی ہے تو وہ میرے پاس آ جائیں تو ان کا ذمہ دار ہوں ۔ ؎

نبی ﷺ مؤمنین پر سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں

﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ﴾ کا حاصل یہ ہے کہ آپ ﷺ کا حکم ہر مسلمان کے لئے اپنے ماں باپ سے

؎ مؤمن کا ایمان اگر غور سے دیکھا جائے تو ایک شعاع ہے اس نور اعظم کی جو آفتاب نبوت سے پھیلتا ہے، آفتاب نبوت پیغمبر ﷺ ہوئے، بنابریں مؤمن [من حیث ھو مؤمن] اگر اپنی حقیقت سمجھنے کیلئے حرکت فکری شروع کرے تو اپنی ایمانی ہستی سے پیشتر اس کو پیغمبر ﷺ کی معرفت حاصل کرنی پڑیگی، اس اعتبار سے کہہ سکتے ہیں کہ نبی کا وجود مسعود خود ہماری ہستی سے بھی زیادہ اہم ہے، اور اگر اس روحانی تعلق کی بناء پر کہدیا جائے کہ مؤمنین کے حق میں نبی بمنزلہ باپ کے بلکہ اس سے بھی بمراتب بڑھ کر ہے، تو بالکل بجا ہوگا۔

چنانچہ سنن ابی داؤد میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ "انما انا لکم بمنزلۃ الوالد" یعنی میں تم لوگوں کیلئے بمنزلہ والد یا باپ کے ہوں ۔[سنن ابی داؤد، کتاب الطھارۃ، باب کراھیۃ استقبال القبلۃ عند قضاء الحاجۃ، رقم: ۸]

اور حضرت ابی بن کعب ﷛ وغیرہ کی قرأت میں آیت ہذا ﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ کے ساتھ "ھو اب لھم" کا جملہ اسی حقیقت کو ظاہر کرتا ہے۔

باپ بیٹے کے تعلق میں غور کرو تو اس کا حاصل یہ ہی نکلے گا کہ بیٹے کا جسمانی وجود باپ کے جسم سے نکلا ہے اور باپ کی تربیت و شفقت اوروں سے بڑھ کر ہے، لیکن نبی اور امتی کا تعلق کیا اس سے کم ہے؟ یقیناً امتی کا ایمانی و روحانی وجود روحانیت کبری کا ایک پرتو اور ظل ہوتا ہے، اور جو شفقت و تربیت نبی کی طرف سے ظہور پذیر ہوتی ہے ماں باپ تو کیا تمام مخلوق میں اس کا نمونہ نہیں مل سکتا، باپ کے ذریعہ سے اللہ ﷻ نے ہم کو دنیا کی عارضی حیات عطا فرمائی تھی، لیکن نبی کے طفیل ابدی اور دائمی حیات ملتی ہے۔ نبی کریم ﷺ ہماری وہ ہمدردی اور خیر خواہانہ شفقت و تربیت فرماتے ہیں، جو خود ہمارا نفس بھی اپنی نہیں کرسکتا، اسی لئے پیغمبر کو ہماری جان و مال میں تصرف کرنے کا وہ حق پہنچتا ہے، جو دنیا میں کسی کو حاصل نہیں۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ نبی نائب ہے اللہ ﷻ کا، اپنی جان و مال میں اپنا تصرف نہیں چلتا جتنا نبی کا چلتا ہے۔ اپنی جان، بکتی آگ میں ڈالنا روا نہیں، اور اگر نبی حکم دیدے تو فرض ہو جائے، ان ہی حقائق پر نظر کرتے ہوئے احادیث میں فرمایا کہ تم میں کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک میں اس کے نزدیک باپ، بیٹے اور سب آدمیوں بلکہ اس کی جان سے بھی بڑھ کر محبوب نہ ہو جاؤں۔ تفسیر عثمانی، سورہ احزاب، آیت ۶، فائدہ ۶۔

بھی زیادہ واجب التعمیل ہے، اگر ماں باپ آپ ﷺ کے کسی حکم کے خلاف کہیں تو ان کا کہنا ماننا جائز نہیں، اسی طرح خود اپنے نفس کی تمام خواہشات پر بھی آپ کے حکم کی تعمیل مقدم ہے۔

اس حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"مامن مؤمن إلا وأنا أولی الناس به فی الدنیا والآخرة"

یعنی کوئی مومن ایسا نہیں جس کیلئے میں دنیا کے سارے انسانوں سے زیادہ اولیٰ اور اقرب نہ ہوں۔

اور اگر تمہارا دل چاہے تو یہ آیت پڑھ لو اور پھر مذکورہ آیت تلاوت فرمائی۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ میں ہر مسلمان پر ساری دنیا سے زیادہ شفیق ومہربان ہوں اور یہ ظاہر ہے کہ اس کا لازمی اثر یہ ہونا چاہئے کہ ہر مؤمن کو آنحضرت ﷺ کی محبت سب سے زیادہ ہو۔

دوسری جگہ یعنی صحیح بخاری، کتاب الایمان میں بھی یہ ارشاد فرمایا کہ

"لایؤمن احدکم حتیٰ اکون أحب الیه من والده وولده والناس أجمعین"

یعنی تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک اسکے دل میں میری محبت اپنے باپ، بیٹے اور سب انسانوں سے زیادہ نہ ہوجائے۔ [۳]

(۲) باب: ﴿ادْعُوهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ﴾ [۵]

باب: "تم ان (منہ بولے بیٹوں) کو ان کے اپنے باپوں کے نام سے پکارو۔ یہی طریقہ اللہ کے نزدیک پورے انصاف کا ہے۔"

متبنّیٰ بیٹے کے احکام

یہ ان معاشرتی اور عائلی مسائل میں سے ہیں جن کی اسلام میں خاص اہمیت ہے۔ متبنّیٰ بیٹے کا اثر بہت

---

[۳] تفسیر القرطبی، ج: ۱۴، ص: ۱۲۱، مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری شرح صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب حب الرسول ﷺ من الایمان، رقم: ۱۴، ۱۵، ج: ۱، ص: ۳۸۰

سے معاملات پر پڑتا ہے۔اس لئے یہ حکم نافذ کردیا گیا کہ متبنیٰ بیٹے کو پکار دیا اس کا ذکر کرو تو اس کے اصلی (حقیقی) باپ کی طرف منسوب کر کے ذکر کرو۔ جس نے بیٹا بنالیا ہے اس کا بیٹا کہہ کر خطاب نہ کرو کیونکہ اس سے بہت سے معاملات میں اشتباہ اور التباس پیدا ہو جانے کا خطرہ ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے ہم زید بن حارثہ کو زید بن محمد کہتے تھے، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے انکو متبنیٰ بنایا تھا، اس آیت کے نزول کے بعد ہم نے یہ عادت چھوڑ دی۔ ۴

مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ اکثر آدمی جو دوسروں کے بچوں کو بیٹا کہہ کر پکارتے ہیں جبکہ محض شفقت سے ہو متبنیٰ قرار دینے کی وجہ سے نہ ہو تو یہ اگرچہ جائز ہے مگر پھر بھی بہتر نہیں کہ صورۃً ممانعت میں داخل ہے۔ ۵

۴۷۸۲ - حدثنا معلّى بن أسد: حدثنا عبدالعزيز بن المختار: حدثنا موسىٰ بن عقبة قال: حدثني سالم، عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما: أن زيد بن حارثة مولى رسول الله ﷺ ماكنا ندعوه إلا زيد بن محمد حتى نزل القرآن ﴿ٱدْعُوهُمْ لِآبَآئِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ ٱللَّهِ﴾. ۶

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو ہم لوگ ہمیشہ زید بن محمد کہہ کر پکارا کرتے تھے، یہاں تک کہ قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی ﴿ٱدْعُوهُمْ لِآبَآئِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ ٱللَّهِ﴾۔

---

۴ قوله تعالى: ﴿ٱدْعُوهُمْ لِآبَآئِهِمْ﴾ نزلت في زيد بن حارثه على ما تقدم بيانه. وفي قول ابن عمر: ما كنا ندعو زيد بن حارثه إلا زيد بن محمد دليل على أن التبني كان معمولا به في الجاهلية والإسلام يتوارث به ويتناصر إلى أن نسخ الله ذلك بقوله: ﴿ٱدْعُوهُمْ لِآبَآئِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِندَ ٱللَّهِ﴾ اي أعدل. فرفع الله حكم التبني ومنع من إطلاق لفظه وارشد بقوله إلى ان الأولى والأعدل ان ينسب الرجل إلى أبيه نسبا. تفسير القرطبي، ج: ۱۴، ص: ۱۱۹

۵ وفي حواشي الخفاجي على تفسير البيضاوي النبوة وإن صح فيها التأويل كالإخوة لكن نهى عنها بالتشبه بالكفرة والنهي للتنزيه النهي، ولعله لم يرد بهذا النهي ما تدل عليه الآية المذكورة فإن ما تدل عليه نهي التحريم عن الدعوة على الوجه الذي كان في الجاهلية، والأولى أن يقال في تعليل النهي: سدا لباب التشبه بالكفرة بالكلية، وهذا الذى ذكره الخفاجي من كراهة قول الشخص لولد غيره يا ابني. روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، ج: ۱۱، ص: ۱۴۷

۶ وفي صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة رضي الله تعالىٰ عنهم، باب فضائل زيد بن حارثة وأسامة بن زيد رضي الله عنهما، رقم: ۴۴۲۵، وسنن الترمذي، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة الاحزاب، رقم: ۳۲۰۹، وأبواب المناقب، باب مناقب زيد بن حارثة رضي الله عنه، رقم: ۳۸۱۴، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند عبدالله بن عمر رضي الله عنهما، رقم: ۵۴۷۹

حقیقی نسبت کی حفاظت

انصاف کی بات یہ ہے کہ ہر شخص کی نسبت اسکے حقیقی باپ کی طرف کی جائے، اگر کسی نے لے پالک بنالیا تو وہ واقعتا اس کا حقیقی باپ نہیں بن گیا۔ یوں شفقت ومحبت سے کوئی کسی کو مجازاً بیٹا یا باپ کہہ کر پکار لے وہ دوسری بات ہے۔ غرض یہ ہے کہ نسبی تعلقات اوران کے احکام میں اشتباہ والتباس واقع نہ ہونے پائے۔

ابتدائے اسلام میں نبی کریم ﷺ نے زید بن حارثہ ؓ کو آزاد کر کے متبنّٰی کرلیا تھا۔ چنانچہ دستور کے موافق لوگ انہیں زید بن محمد کہہ کر پکارنے لگے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی سب زید بن حارثہ کہنے لگے۔

(۳) باب: ﴿فَمِنْهُمْ مَنْ قَضَى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا﴾

باب: ''پھر اُن میں سے کچھ وہ ہیں جنہوں نے اپنا نذرانہ پورا کردیا، اور کچھ وہ ہیں جو ابھی انتظار میں ہیں، اور اُنہوں نے (اپنے ارادوں میں) ذرا سی بھی تبدیلی نہیں کی۔''

عہد کرنے والوں سے کون لوگ مراد ہیں؟

ان مؤمنین میں کچھ ایسے بھی ہیں کہ انہوں نے جس بات کا اللہ سے عہد کیا تھا اس میں سچے اترے۔

اس تقسیم کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بعض مسلمانوں نے عہد کیا اور سچے نہیں اُترے بلکہ یہ تقسیم اس بناء پر ہے کہ بعض نے عہد ہی نہیں تھا اور بلا عہد ہی ثابت قدم رہے۔ ان معاہدین کے ذکر کی تصریح اس آیت سے پچھلی آیت میں ہے جو منافقین کے حق میں ہے یعنی یہ آیت ﴿وَلَقَدْ كَانُوا عَاهَدُوا اللَّهَ الخ......﴾۔

ان معاہدین سے مراد حضرت انس بن نضر اوران کے رفقاء ؓ ہیں۔ یہ حضرات اتفاق سے غزوۂ بدر میں شریک نہیں ہو پائے تھے، تو ان کو افسوس ہوا اور عہد کیا کہ اگر اب کوئی جہاد ہوتو اس میں ہماری جان توڑ کوشش دیکھ لی جائے گی، مطلب یہ تھا کہ منہ نہ موڑیں گے یہاں تک کہ شہید ہو جائیں۔

پھر ان معاہدین میں دو قسمیں ہوگئیں:

بعض وہ لوگ ہیں جو اپنی نذر پوری کر چکے ہیں، مراد اس عہد کے جو نذر کی طرح واجب ہے۔ مطلب یہ کہ شہید ہو چکے اور اخیر دم تک منہ نہیں موڑا، چنانچہ انس بن نضر ؓ شہید ہو گئے تھے، اسی طرح مصعب بن عمیر ؓ۔

بعض ان میں اس ایفاء کے آخری اثر یعنی شہادت کے مشتاق ہیں، یعنی ابھی شہید نہیں ہوئے اور اب

تک انہوں نے ذرا تغیر وتبدل نہیں کیا اور اپنے عزم پر قائم ودائم ہیں۔

﴿نَحْبَهُ﴾ : عهده. ﴿أَقْطَارِهَا﴾ : جوانبها. ﴿الفِتْنَةَ لَآتَوْهَا﴾ : لأعطوها.

ترجمہ: "نَحْبَهُ" کے معنی ہیں عہد واقرار۔ "أَقْطَارِهَا" یعنی اس کے اطراف وجوانب۔ "الفِتْنَةَ لَآتَوْهَا" کے معنی ہیں اس کو اجازت دے دی۔

۴۷۸۳ ۔ حدثني محمد بن بشار: حدثنا محمد بن عبدالله الأنصاري قال: حدثني أبي، عن ثمامة، عن أنس بن مالك ﷺ قال: نرى هذه الآية نزلت في أنس بن النضر ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعَاهَدُوْا اللهَ عَلَيْهِ﴾. [راجع:۲۸۰۵]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ نے بیان کیا کہ ہمارے خیال میں یہ آیت ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوْا اللهَ عَلَيْهِ﴾ حضرت انس بن نضر ﷺ کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔

۴۷۸۴ ۔ حدثنا أبو اليمان: أخبرنا شعيب، عن الزهري قال: أخبرني خارجة بن زيد ابن ثابت، أن زيد بن ثابت قال: لما نسخنا الصحف في المصاحف فقدت آية من سورة الأحزاب كنت أسمع رسول الله ﷺ يقرؤها لم أجدها مع أحد إلا مع خزيمة الأنصاري الذي جعل رسول الله ﷺ شهادته شهادة رجلين. ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعَاهَدُوْا اللهَ عَلَيْهِ﴾. [راجع:۲۸۰۷]

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت ﷺ نے بیان کیا کہ جب ہم قرآن مجید کو مصحف کی صورت میں جمع کر رہے تھے تو مجھے سورۂ احزاب کی ایک آیت کہیں لکھی ہوئی نہیں ملی جس کو میں رسول اللہ ﷺ کو پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا، اس آیت کو میں نے حضرت خزیمہ انصاری ﷺ کے پاس پایا جنکی شہادت کو رسول اللہ ﷺ نے دو مؤمن مردوں کی شہادت کے برابر قرار دیا تھا، وہ آیت یہ تھی ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعَاهَدُوْا اللهَ عَلَيْهِ﴾۔

اللہ سے اپنے عہد کو پورا کرنے والے

حضرت زید بن ثابت ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے سورۂ احزاب کی ایک آیت نہیں ملی جس وقت ہم قرآن لکھ رہے تھے اس آیت کو میں نے حضور کریم ﷺ کو پڑھتے ہوئے سنا یعنی جب حضرت ابو بکر ﷺ کے دورِ خلافت میں پہلی مرتبہ جب قرآن کو لکھ رہے تو یہ آیت لکھی ہوئی نہیں لیکن پڑھتے تھے، پھر یہ آیت ہمیں حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری ﷺ کے پاس سے ملی۔ اس آیت کریمہ میں شہدائے احد کی تعریف کی گئی ہے۔

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ الخ﴾ یعنی مؤمنوں میں سے بعض وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس عہد کو سچا کر دکھایا جو

انہوں نے اللہ کے ساتھ کیا تھا اور شہید ہو گئے جیسے حضرت حمزہ اور مصعب بن عمیر و دیگر شہدائے اُحد رضی اللہ عنہم۔

﴿وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ﴾ اور بعض وہ ہیں جو انتظار میں بیٹھے ہیں کہ کب اللہ تعالیٰ یہ مرتبہ عطا فرماتے ہیں جیسے حضرت عثمان وطلحہ اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم۔

(۴) باب قوله: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا﴾ [۲۸]

باب: ''اے نبی! اپنی بیویوں سے کہو کہ: ''اگر تم دُنیوی زندگی اور اُس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ، میں تمہیں کچھ تحفے دے کر خوبصورتی سے رخصت کر دوں۔'' [۷]

---

[۷] آنحضرت ﷺ کی ازواج نے دیکھا کہ لوگ آسودہ ہو گئے ہیں چاہا کہ ہم بھی آسودہ ہوں، ان میں سے بعض نے آنحضرت ﷺ سے گفتگو کی کہ ہم کو مزید نفقہ اور سامان دیا جائے، جس سے عیش وترفہ کی زندگی بسر کر سکیں، آپ ﷺ کو یہ باتیں شاق گذریں، قسم کھالی کہ ایک مہینہ گھر میں نہ جائیں گے۔ مسجد کے قریب ایک بالا خانہ میں علیحدہ فروکش ہو گئے، صحابہ مضطرب تھے، حضرت ابو بکر وعمر رضی اللہ عنہما اس فکر میں ہوئے کہ کسی طرح یہ گتھی سلجھ جائے، انہیں زیادہ فکر اپنی اپنی صاحبزادیوں حضرت عائشہ وحفصہ رضی اللہ عنہما کی تھی، پیغمبر کو طول کر کے اپنی عاقبت نہ خراب کر بیٹھیں، دونوں نے دونوں کو دھمکایا اور سمجھایا، پھر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ انس اور بے تکلفی کی باتیں کیں، آپ قدرے منشرح ہوئے۔

ایک ماہ بعد یہ آیت تخییر اتری کہ اپنے ازواج سے صاف صاف کہہ دو دو راستوں میں سے ایک انتخاب کر لیں، اگر دنیا کی عیش وبہار اور امیرانہ ٹھاٹھ چاہتی ہیں، تو کہہ دو کہ میرا ساتھ تمہارا نباہ نہیں ہو سکتا۔ آؤ کہ میں کچھ دے دلا کر یعنی کپڑوں کا جوڑا جو مطلقہ کو دیا جاتا تھا، تم کو خوبصورتی کے ساتھ رخصت کر دوں، یعنی شرعی طلاق دیدوں اور اگر اللہ ورسول کی خوشنودی اور آخرت کے اعلیٰ مراتب کی طلب ہے تو پیغمبر کے پاس رہنے میں اسکی کمی نہیں، جو آپ کی خدمت میں صلاحیت سے رہے گی، اللہ ﷻ کے یہاں اس کیلئے بہت بڑا اجر تیار ہے، اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ جنت کے سب سے اعلیٰ مقام میں پیغمبر ﷺ کے ساتھ رہیں، نزول آیت کے بعد آنحضرت ﷺ گھر میں تشریف لائے اول حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو خدا کا حکم سنایا، انہوں نے اللہ ورسول کی مرضی اختیار کی، پھر سب ازواج نے ایسا ہی کیا، دنیا کے عیش وعشرت کا تصور دلوں سے نکال ڈالا، آنحضرت ﷺ کے ہاں ہمیشہ اختیاری فقر وفاقہ رہتا تھا، جو آتا سب اٹھا دیتے تھے، پھر قرض لینا پڑتا اسی زندگی پر ازواج مطہرات راضی تھیں اور یہ جو فرمایا کہ ''جو نیکی پر رہیں ان کو بڑا ثواب ہے''۔ حضور ﷺ کے ازواج سب نیک ہی رہیں "الطيبات للطيبين" مگر اللہ ﷻ قرآن میں صاف خوشخبری کسی کو نہیں دیتا تھا تا کہ نڈر نہ ہو جائے، خاتمہ کا زرلگار ہے یہی بہتر ہے۔

آگے ان عورتوں کو خطاب ہے جو نبی کی معیت اختیار کر لیں کہ ان کا درجہ اس نسبت کی وجہ سے بہت بلند ہے، چاہئے کہ ان کی اخلاقی اور روحانی زندگی اس معیار پر ہو جو اس مقام رفیع کے مناسب ہے، کیونکہ علاوہ ان کی ذاتی بزرگی وہ امہات المؤمنین ہیں، مائیں اپنی اولاد کی بڑی حد تک ذمہ دار ہوتی ہیں، لازم ہے کہ ان کے اعمال واخلاق امت کے لئے اسوۂ حسنہ بنیں۔ تفسیر عثمانی، سورہ احزاب، آیت: ۲۸، فائدہ: ۲۔

وقال معمر: التبرج: أن تخرج محاسنها. ﴿سُنَّةَ اللّٰہِ﴾ : استنها: جعلها.

ترجمہ: حضرت معمر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "التبرج" یہ ہے کہ عورت اپنے حسن کا اظہار کرے۔ "سُنَّةَ اللّٰہِ" سے مراد وہ طریقہ اور معمول ہے جو اللہ تعالیٰ نے جاری فرما دیا، مقرر فرما دیا ہے۔

۴۷۸۵ ۔ حدثنا أبو الیمان: أخبرنا شعیب، عن الزهری قال: أخبرنی أبو سلمة ابن عبد الرحمٰن: أن عائشة رضی اللہ عنہا زوج النبی ﷺ أخبرته: أن رسول اللہ ﷺ جاء ها حین أمر اللہ أن یخیر أزواجه فبدأ بی رسول اللہ ﷺ فقال: ((إنی ذاکر لک أمراً فلا علیک أن تستعجلی حتی تستأمری أبویک))، وقد علم أن أبوی لم یکونا یأمرانی بفراقه. قالت: ثم قال: ((إن اللہ قال: ﴿یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ﴾)) الی تمام الآیتین. فقلت له: ففی أی هذا أستأمر أبوی؟ فإنی أرید اللہ ورسوله والدار الآخرة. [أنظر: ۴۷۸۶] ٥

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ اپنی ازواج کو (آپ کے ساتھ رہنے یا آپ سے علیحدگی کا) اختیار دیں تو رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ میں تم سے ایک بات کہتا ہوں، مگر جواب میں جلدی مت کرنا اور اپنے والدین سے اچھی طرح دریافت کر کے جواب دینا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ اچھی طرح جانتے

---

٥ وفی صحیح مسلم، کتاب الصیام، باب الشهر یکون تسعاً وعشرین، رقم: ۱۰۸۳، وکتاب الطلاق، باب بیان أن تخییر امرأته لا یکون طلاقاً الا بالنیة، رقم: ۱۴۷۵، ۱۴۷۷، وسنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی الخیار، رقم: ۲۲۰۳، وسنن الترمذی، أبواب الطلاق واللعان، باب ما جاء فی الخیار، رقم: ۱۱۷۹، وأبواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة الأحزاب، رقم: ۳۲۰۴، وسنن النسائی، کتاب الجنائز، کم الشهر وذکر الاختلاف علی الزهری فی الخبر عن عائشة، رقم: ۲۱۳۱، وکتاب النکاح، ما افترض اللہ عزوجل رسوله علیه السلام وحرمه علی خلقه لیزیده ان شاء اللہ قربة الیه، رقم: ۳۲۰۱، ۳۲۰۲، ۳۲۰۳، وکتاب الطلاق، باب التوقیت فی الخیار، رقم: ۳۴۳۹، ۳۴۴۰، وباب فی المخیرة تختار زوجها، رقم: ۳۴۴۱، ۳۴۴۵، وسنن ابن ماجه، کتاب الطلاق، باب الرجل یخیر امرأته، رقم: ۲۰۵۲، ۲۰۵۳، وباب الایلاء، رقم: ۲۰۶۰، ومسند أحمد، مسند المکثرین من الصحابة، مسند عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنهما، رقم: ۴۸۶۳، ومسند الصدیقة عائشة بنت الصدیق رضی اللہ عنها، رقم: ۲۳۰۵۰، ۲۳۱۸۱، ۲۴۲۰۸، ۲۴۴۸۷، ۲۴۶۵۳، ۲۴۷۲۱، ۲۴۷۴۳، ۲۵۱۹۳، ۲۵۲۹۹، ۲۵۳۰۱، ۲۵۳۷۶، ۲۵۳۰۱، ۲۵۳۷۶، ۲۵۴۰۱، ۲۵۵۱۷، ۲۵۶۶۶، ۲۵۷۰۳، ۲۵۷۷۰، ۲۶۱۴۳، ۲۶۰۳۶، ۲۶۰۶۶، ۲۶۱۷۱، وسنن الدارمی، ومن کتاب الطلاق، باب فی الخیار، رقم: ۲۳۱۵

تھے کہ میرے والدین کبھی آپ سے جدائی کا مشورہ نہیں دے سکتے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ فرماتا ہے ﴿یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ﴾ آخر آیت تک۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے کہا کہ میں والدین سے کیا پوچھوں میں تو آخرت کے عیش اور اللہ و رسول کو پسند کرتی ہوں۔

ازواجِ مطہرات کو اختیار

ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی ازواجِ مطہراتؓ یوں تو ہر قسم کے سرد و گرم حالات میں بڑی استقامت کے ساتھ آپ کا ساتھ دیتی آئی تھیں، لیکن جنگِ احزاب اور جنگ بنو قریظہ میں فتوحات کے بعد مسلمانوں کو کچھ مالی خوش حالی حاصل ہوئی، تو اُن کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ جس تنگی ترشی میں وہ اب تک گذارہ کرتی رہی ہیں، اب اُس میں کچھ تبدیلی آنی چاہئے۔

چنانچہ ایک مرتبہ اُنہوں نے آنحضرت ﷺ سے اس خیال کا ذکر بھی کر دیا، اور یہ مثال دی کہ قیصر و کسریٰ کی بیگمات بڑی سج دھج سے رہتی ہیں، اُن کی خدمت کیلئے کنیزیں موجود ہیں، اب جبکہ مسلمانوں میں خوشحالی آچکی ہے، ہمارے نفقے میں بھی اضافہ ہونا چاہئے۔

اگرچہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے دِل میں مالی وسعت کی خواہش پیدا ہونا کوئی گناہ کی بات نہیں تھی، لیکن اوّل تو پیغمبرِ اعظم ﷺ کی ازواج ہونے کی حیثیت سے یہ مطالبہ اُن کے شایانِ شان نہیں سمجھا گیا، دوسرے شاید بادشاہوں کی بیگمات کی مثال دینے سے آنحضرت ﷺ کو تکلیف پہنچی کہ وہ اپنے آپ کو ان بیگمات پر قیاس کر رہی ہیں۔

اس لئے قرآن کریم کی ان آیات نے آنحضرت ﷺ کو ہدایت دی کہ آپ ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے یہ بات اچھی طرح صاف کرلیں کہ اگر پیغمبر کے ساتھ رہنا ہے تو اپنے سوچنے کا یہ انداز بدلنا ہوگا، دوسری عورتوں کی طرح ان کا مطمحِ نظر دُنیا کی سج دھج نہیں ہونی چاہئے، بلکہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت اور اُس کے نتیجے میں آخرت کی بھلائی ہونی چاہئے۔

اور ساتھ ہی اُن پر یہ بات بھی واضح کر دی گئی کہ اگر وہ دُنیا کی زیب و زینت کو پسند کریں گی تو پیغمبر اعظم ﷺ کی طرف سے ان کو کھلا اِختیار ہے کہ وہ آپ سے علیحدگی اِختیار کرلیں۔ اس صورت میں بھی آنحضرت ﷺ اُنہیں کسی تلخی کے ساتھ نہیں، بلکہ سنت کے مطابق جوڑوں وغیرہ کے تحفے دے کر خوش اُسلوبی سے رُخصت فرمائیں گے۔

چنانچہ ان آیات کے اَحکام کے مطابق آپ ﷺ نے ازواجِ مطہرات کو یہ پیشکش فرمائی اور تمام ازواج

نے اسکے جواب میں آپ ﷺ کے ساتھ رہنے ہی کو پسند کیا، خواہ اُس کیلئے کیسی تنگی ترشی برداشت کرنی پڑے۔ ۹

(۵) باب قوله: ﴿وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللهَ وَرَسُوْلَهُ وَالدَّارَ الآخِرَةَ فَإِنَّ اللهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنكُنَّ أَجْراً عَظِيْماً﴾ [۲۹]

اس ارشاد کا بیان: ''اور اگر تم اللہ اور اُس کے رسول اور عالمِ آخرت کی طلبگار ہو، تو یقین جانو اللہ نے تم میں سے نیک خواتین کیلئے شاندار انعام تیار کر رکھا ہے۔''

و قال قتادة: ﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللهِ وَالْحِكْمَةِ﴾ [۳۴]: القرآن والسنة.

ترجمہ: حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ **﴿وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلَى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ آيَاتِ اللهِ وَالْحِكْمَةِ﴾** سے قرآن وسنت مراد ہے۔

یعنی ازواج مطہرات سے خطاب ہے کہ قرآن وسنت میں جو اللہ ﷻ کے احکام اور دانائی کی باتیں ہیں، انہیں سیکھو، یاد کرو، دوسروں کو سکھاؤ اور اللہ ﷻ کے احسان عظیم کا شکر ادا کرو کہ تم کو ایسے گھر میں رکھا جو حکمت کا خزانہ اور ہدایت کا سرچشمہ ہے۔

۴۷۸۶ ۔ وقال الليث: حدثني يونس، عن ابن شهاب قال: أخبرني أبو سلمة بن عبد الرحمن: أنّ عائشة زوج النبي ﷺ قالت: لمّا أمر رسول الله ﷺ بتخيير أزواجه بدأ بي فقال: ((إني ذاكر لك أمراً فلا عليك أن لا تعجلي حتى تستأمري أبويك)) قالت: وقد علم أن أبوي لم يكونا يأمراني بفراقه. قالت ثم قال: ((إن الله جل ثناؤه قال: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا﴾ إلى ﴿أَجْراً عَظِيْماً﴾ قالت: فقلت: ففي أي هذا أستأمر أبوي؟ فإني أريد الله ورسوله والدار الآخرة. قالت: ثم فعل أزواج النبي ﷺ مثل ما فعلت.

تابعه موسى بن أعين، عن معمر، عن الزهري، قال: أخبرني أبو سلمة. وقال عبد الرزاق وأبو سفيان المعمري، عن معمر، عن الزهري، عن عروة، عن عائشة. [راجع: ۴۷۸۵]

---

۹ آسان ترجمہ قرآن، سورہ احزاب، حاشیہ: ۲۳، ج: ۳، ص: ۱۲۹۲،۱۲۹۳

ترجمہ: ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا کہ اپنی ازواج کو (آپ کے سامنے رہنے یا آپ سے علیحدگی کا) اختیار دیں تو رسول اللہ ﷺ سب سے پہلے میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ میں تم سے ایک بات کہتا ہوں، مگر جواب میں جلدی مت کرنا اور اپنے والدین سے اچھی طرح دریافت کر کے جواب دینا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ اچھی طرح جانتے تھے کہ میرے والدین کبھی آپ سے جدائی کا مشورہ نہیں دے سکتے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ جل جلالہ فرماتا ہے ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا﴾ تا ﴿أَجْرًا عَظِيمًا﴾ تلاوت فرمائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے کہا کہ میں اس معاملہ کو اپنے والدین سے کیوں پوچھوں؟ جب کہ میں تو اللہ و رسول اور آخرت کو پسند کرتی ہوں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر یہی بات حضور ﷺ نے دوسری ازواج سے فرمائی، اور ان سب نے بھی یہی جواب دیا۔

اس کی متابعت موسیٰ بن اعین نے معمر کے واسطہ سے کی ان سے زہری نے بیان کیا کہ انہیں ابوسلمہ نے خبر دی اور عبدالرزاق اور ابوسفیان معمری نے معمر کے واسطہ سے بیان کیا ان سے زہری نے ان سے عروہ نے اور ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے۔

ازواجِ مطہرات کا اللہ، رسول اور آخرت کو فوقیت دینا

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے اسکے اظہار و اعلان کی ابتداء مجھ سے فرمائی۔

آیت سنانے سے پہلے آپ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ میں تم سے ایک بات کہنے والا ہوں، مگر تم اسکے جواب میں جلدی نہ کرنا بلکہ اپنے والدین سے مشورہ کر کے جواب دینا۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ مجھ پر خاص عنایت تھی کہ مجھے والدین سے مشورہ کے اظہار رائے سے آپ نے منع فرمایا، کیونکہ آپ ﷺ کو یقین تھا کہ میرے والدین مجھے کبھی یہ رائے نہیں دیں گے کہ میں رسول اللہ ﷺ سے مفارقت اختیار کروں۔

فرماتی ہیں کہ جب میں نے یہ آیت سنی تو فوراً عرض کیا کہ کیا میں اس معاملے میں والدین سے مشورہ لینے جاؤں؟!! میں تو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور آخرت کو اختیار کرتی ہوں۔

پھر میرے بعد سب ازواج مطہرات کو قرآن کا یہ حکم سنایا گیا، سب نے وہی کہا جو میں نے اول کہا تھا،

یعنی کسی نے بھی دنیا کی فراخی کو رسول اللہ ﷺ کی زوجیت کے مقابلے میں قبول نہ کیا۔

(۶) باب قوله: ﴿وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ﴾. [۳۷]

اس ارشاد کا بیان: ''اورتم اپنے دِل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھول دینے والا تھا، اورتم لوگوں سے ڈرتے تھے، حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو۔''

۴۷۸۷ ۔ حدثنا محمد بن عبدالرحیم: حدثنا معلی بن منصور، عن حماد بن زید: حدثنا ثابت، عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ: أن هذه الآية ﴿وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ﴾ نزلت في شأن زينب ابنة جحش وزيد بن حارثة. [أنظر: ۷۴۲۰] [۱۱]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت ﴿وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ﴾ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا اور زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔

زینب بنت جحش اور زید بن حارثہ ۔ نکاح، مقام و کفو

﴿وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ﴾ نزلت في شأن زينب ابنة جحش وزيد بن حارثة.

اس سے مراد یعنی اس آیت کے نزول کا مشہور واقعہ جمہور مفسرین کے نزدیک حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زینب بن جحش رضی اللہ عنہا کے نکاح کا قصہ ہے۔

حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ پر اللہ تعالیٰ کا یہ احسان تو یہ تھا کہ اُنہیں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچایا، اور اسلام کی توفیق دی، یہاں تک کہ یہ اُن چار خوش نصیب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ہیں جو سب سے پہلے اسلام لائے اور آنحضرت ﷺ کے ان پر احسان کی تفصیل یہ ہے کہ یہ آٹھ سال کی عمر میں اپنی والدہ کے ساتھ اپنے ننھیال میں گئے تھے، وہاں قبیلہ قین کے لوگوں نے حملہ کرکے انہیں غلام بنایا اور عکاظ کے میلے میں لیجا کر حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بیچ دیا، انہوں نے یہ غلام اپنی پھوپی حضرت خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ کو دے دیا۔

---

[۱۱] وفي سنن الترمذي، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة الأحزاب، رقم: ۳۲۱۲، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند أنس بن مالک رضی اللہ عنہ، رقم: ۱۲۵۱۱

اس کے بعد جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے حضور سرورِ عالم ﷺ کا نکاح ہوا تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے انہیں آپ کی خدمت میں پیش کر دیا، جبکہ اُن کی عمر پندرہ سال تھی۔

کچھ عرصے بعد ان کے والد اور چچا کو معلوم ہوا کہ ان کا بچہ مکہ مکرمہ میں ہے تو وہ آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ آپ جو معاوضہ چاہیں، ہم سے لے لیں، اور یہ بچہ ہمارے حوالے کر دیں۔ آپ ﷺ نے جواب دیا کہ اگر وہ بچہ آپ کے ساتھ جانا چاہے تو میں کسی معاوضہ کے بغیر ہی اُسے آپ کے حوالے کر دوں گا، البتہ اگر وہ نہ جانا چاہے تو میں زبردستی اُسے نہیں بھیج سکتا، وہ لوگ یہ سن کر بہت خوش ہوئے، اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بلایا گیا، اور آپ نے انہیں اختیار دیا کہ اگر وہ اپنے والد اور چچا کے ساتھ جانا چاہیں تو جا سکتے ہیں، لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ نے یہ حیرت انگیز جواب دیا کہ میں حضرت محمد ﷺ کو چھوڑ کر کہیں نہیں جا سکتا۔ ان کے والد اور چچا بڑے حیران ہوئے کہ ان کا بیٹا آزادی پر غلامی کو اور اپنے باپ اور چچا پر بالکل ایک غیر شخص کو ترجیح دے رہا ہے۔ لیکن حضرت زید نے فرمایا کہ میں نے اس آقا کا جو طرزِ عمل دیکھا ہے، اُس کے بعد دُنیا کے کسی شخص کو اُن پر ترجیح نہیں دے سکتا۔ (واضح رہے کہ یہ واقعہ اُس وقت کا ہے جب آنحضرت ﷺ کو ابھی تک نبوت عطا نہیں ہوئی تھی)۔

اس پر اُن کے والد اور چچا بھی مطمئن ہو کر چلے گئے اور آنحضرت ﷺ نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو فوراً آزاد کر دیا، اور حرمِ مکی میں جا کر قریش کے لوگوں کے سامنے اعلان فرما دیا کہ آج سے میں نے انہیں اپنا بیٹا بنا لیا ہے۔ اسی بنا پر لوگ انہیں زید بن محمد کہا کرتے تھے۔

حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا، امیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی یعنی نبی کریم ﷺ کی پھوپھی زاد اور قریش کے اعلیٰ خاندان سے تھیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نکاح ہو تو گیا تھا، لیکن حضرت زید رضی اللہ عنہ کو یہ شکایت رہتی تھی کہ اُن کی اہلیہ کے دِل سے اپنے خاندانی فوقیت کا احساس مٹا نہیں، اور شاید اُسی وجہ سے بعض اوقات وہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ تیز زبانی کا بھی مظاہرہ کرتی تھیں۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ کی یہ شکایت اتنی بڑھی کہ انہوں نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کے لئے آنحضرت ﷺ سے مشورہ کیا۔

آپ ﷺ نے اُن سے فرمایا کہ اپنی بیوی کو طلاق نہ دو، بلکہ اپنے پاس رکھو، اور اللہ سے ڈرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو طلاق پسند نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے بیوی کے جو حقوق رکھے ہیں، انہیں ادا کرو۔

حضور نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے حضرت زید رضی اللہ عنہ کے مشورہ لینے سے پہلے ہی یہ بتا دیا تھا کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ کسی وقت حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دیں گے، اور اُس کے بعد اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت آپ کو اُن سے نکاح کرنا ہوگا، تاکہ عرب میں منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنے کو جو معیوب سمجھا جاتا ہے، اُس رسم کا عملی طور پر خاتمہ ہو۔

آنحضرت ﷺ کیلئے یہ بڑی آزمائش تھی، اوّل تو حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کا یہ نکاح آپ نے بڑے

اصرار سے کرایا تھا، دوسرے اُن کے طلاق دینے کے بعد اُن سے آپ کا نکاح ہونے سے مخالفین کو باتیں بنانے کا موقع ملے گا کہ انہوں نے اپنی منہ بولی بہو سے نکاح کرلیا۔

لہذا جب حضرت زید ﷺ نے آپ سے طلاق دینے کے بارے میں مشورہ کیا تو آپ ﷺ نے یہ سوچا ہوگا کہ جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حتمی حکم آجائے گا، اُس وقت تو سر تسلیم خم کرنا ہی ہوگا، لیکن جب تک حتمی حکم نہیں آتا، اُس وقت تک مجھے حضرت زید ﷺ کو وہی مشورہ دینا چاہئے جو میاں بیوی کے اختلاف کے موقع پر عام طور سے دیا جاتا ہے کہ طلاق سے حتی الامکان بچو، اور اللہ تعالیٰ سے ڈر کر ایک دوسرے کے حقوق ادا کرو۔

چنانچہ آپ ﷺ نے یہی مشورہ دیا اور یہ بات ظاہر نہیں فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر رکھا ہے کہ کسی وقت زید اپنی اہلیہ کو طلاق دیں گے، اور پھر وہ آپ کے نکاح میں آئیں گی۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یوں بیان فرمایا ہے کہ: **''اور تم اپنے دل میں وہ بات چھپائے ہوئے تھے جسے اللہ کھول دینے والا تھا''**۔

صحیح روایات کی روشنی میں اس آیت کی یہی تفسیر صحیح ہے۔

بعض دُشمنانِ اسلام نے کچھ واہی تباہی راویتوں کی بنا پر اس کا جو مطلب نکالا ہے وہ سراسر غلط ہے، اور جو انتہائی کمزور روایتیں اس سلسلے میں پیش کی گئی ہیں، وہ قطعی طور پر غیر معقول اور نا قابل توجہ ہیں۔

باقی جو لغو اور دور از کار قصے اس مقام پر حاطب اللیل مفسرین و مؤرخین نے درج کردئے ہیں ان کی نسبت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ **"لا ینبغی التشاغل بها"** اور حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ **"احببنا ان نضرب عنها صفحاً لعدم صحتها فلا نوردها"**۔ [۱۱]

(۷) باب قوله: ﴿تُرْجِیْ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِیْ إِلَیْکَ مَنْ تَشَآءُ وَمَنِ ابْتَغَیْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیْکَ﴾ [۵۱]

اس ارشاد کا بیان: ''ان بیویوں میں سے تم جس کی باری چاہو، ملتوی کردو، اور جس کو چاہو، اپنے پاس رکھو، اور جن کو تم نے الگ کردیا ہو، اُن میں سے اگر کسی کو واپس بلانا چاہو تو اس میں بھی تمہارے لئے کوئی گناہ نہیں ہے۔''

---

[۱۱] تفسیر ابن کثیر، ج: ۶، ص: ۳۷۸، آسان ترجمہ قرآن، ج:۳، ص: ۱۲۹۷، حاشیہ: ۳۲، ۳۳، ۳۴، وفتح الباری، ج: ۸، ص: ۵۲۴.

قال ابن عباس: ﴿تُرْجِئُ﴾: تؤخر، أرجه: أخره.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ **"تُرْجِئُ"** کے معنی ہیں پیچھے رکھیں، مؤخر کریں، اور اسی لفظ سے سورۂ اعراف میں ہے **"ارجه"** بمعنی **"اخره"** یعنی اس کو ڈھیل دے۔

نبی کریم ﷺ کیلئے مخصوص حکم

مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اختیار ہے کہ ازواج مطہرات میں سے جس کو چاہیں مؤخر کر دیں، جس کو چاہیں اپنے قریب کریں۔ یہ رسول اللہ ﷺ کا مخصوص حکم ہے۔

عام امت کے لوگوں کیلئے جب متعدد بیویاں ہوں تو سب میں برابری کرنا ضروری ہے، اس کے خلاف کرنا حرام ہے۔ برابری سے مراد نفقہ کی برابری اور شب باشی میں برابری ہے کہ جتنی راتیں ایک بیوی کے ساتھ گذاریں، اتنی ہی دوسری اور تیسری بیوی کے ساتھ گذارنا چاہئے، کمی بیشی ناجائز ہے۔

مگر نبی کریم ﷺ کو اس معاملے میں مکمل اختیار دیدیا گیا، سب ازواج میں برابری کے حکم سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے۔ آخر آیت میں یہ بھی اختیار دیدیا کہ جس بی بی سے ایک مرتبہ اجتناب کا ارادہ کرلیا، پھر اگر چاہیں تو اس کو پھر قریب کر سکتے ہیں **﴿وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكَ﴾** کا یہی مطلب ہے۔

حق تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو یہ اعزاز بخشا کہ ازواج مطہرات میں برابری کرنے کے حکم سے مستثنیٰ فرما دیا لیکن رسول اللہ ﷺ نے اس استثناء و اجازت کے باوجود اپنے عمل میں ہمیشہ برابری کرنے کا التزام ہی فرمایا۔

حدیث کی روایت یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ اس آیت کے نزول کے بعد بھی ازواج مطہرات میں برابری کی رعایت ہمیشہ رکھتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی یہ روایت متعدد کتب حدیث میں منقول ہے:

"كان رسول الله ﷺ يقسم فيعدل فيقول اللهم هذا قسمي فيما أملك فلا تلمني فيما لا املك قال ابو داؤد يعني القلب". [۱۲]

---

[۱۲] احكام القرآن للجصاص، ومن سورة النور، باب في اباء احد الزوجين اللعان، ج: ۳، ص: ۳۸۴، ومعارف القرآن، ج: ۷، ص: ۱۹۱، وسنن ابي داؤد، كتاب النكاح، باب في القسم بين النساء، رقم: ۲۱۳۴، وسنن الترمذي، ابواب النكاح، باب ماجاء في التسوية بين الضرائر، رقم: ۱۱۴۰، وسنن النسائي، كتاب عشرة النساء، باب: ميل الرجل الى بعض نسائه دون بعض، رقم: ۳۹۴۳، و مسند أحمد، مسند الصديقة عائشة بنت الصديق رضي الله عنهما، رقم: ۲۵۱۱۱

یعنی رسول اللہ ﷺ سب ازواج مطہرات میں نہ صرف یہ کہ برابری فرماتے تھے، اور یہ دعاء کرتے تھے کہ یااللہ! جس چیز میں میرا اختیار ہے اس میں تو میں نے برابری کرلی ہے یعنی نفقہ اور شب باشی وغیرہ میں۔

مگر جس میں میرا اختیار نہیں اس معاملہ میں مجھے ملامت نہ فرمائے، مراد دل کی محبت ہے کہ کسی سے زیادہ اور کسی سے کم ہونا اسکا اختیار نہیں۔

اور آگے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک دوسری روایت بھی آرہی ہے جس میں فرمایا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس آیت **﴿تُرْجِيْ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِيْ إِلَيْكَ مَنْ الـــخ﴾** کے نازل ہونے کے بعد بھی کہ اگر آپ ﷺ (ازواج مطہرات) میں سے کسی کی باری میں کسی دوسری بیوی کے پاس جانا چاہتے تو جن کی باری ہوتی ان سے اجازت لیتے تھے، حالانکہ اس آیت میں بیویوں کے درمیان برابری کرنے کا فرض آپ سے معاف کردیا گیا تھا۔

۴۷۸۸ ۔ حدثنا زکریا بن یحیی: حدثنا أبو أسامة قال: هشام حدثنا، عن أبيه، عن عائشة رضي الله عنها قالت: كنت أغار على اللاتي وهبن أنفسهن لرسول الله ﷺ وأقول: أتهب المرأة نفسها؟ فلما أنزل الله تعالىٰ ﴿تُرْجِيْ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِيْ إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكَ﴾ قلت: ما أرى ربك إلا يسارع في هواك. [أنظر: ۵۱۱۳] ؎۱۳

ترجمہ: ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ جن عورتوں نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے لئے ہبہ کردیا تھا، مجھے ان پر بہت غیرت وشرم آتی تھی۔ پھر جب اللہ ﷻ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی **﴿تُرْجِيْ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِيْ إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكَ﴾** تو میں نے کہا کہ میں تو سمجھتی ہوں کہ آپ کا رب آپ کی مراد بلا تاخیر پوری کردینا چاہتا ہے۔

۴۷۸۹ ۔ حدثنا حبان بن موسى: أخبرنا عبدالله: أخبرنا عاصم الأحول، عن معاذة، عن عائشة رضي الله عنها: أن رسول الله ﷺ كان يستأذن في يوم المرأة منا بعد أن أنزلت هذه

؎۱۳ وفي صحيح مسلم، كتاب الحج، باب جواز هبتها نوبتها لضرتها، رقم: ۱۴۶۳، وسنن النسائي، كتاب النكاح، ذكر أمر رسول الله ﷺ في النكاح وأزواجه، وما أباح الله عزوجل لنبيه ﷺ، وحظره على خلقه، زيادة في كرامة، وتنبيها لفضيلة، رقم: ۳۱۹۹، وسنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب التي وهبت نفسها لنبي ﷺ، رقم: ۲۰۰۰، ومسند أحمد، مسند الصديقة عائشة بنت الصديق رضي الله عنها، رقم: ۲۵۰۲۶، ۲۵۲۵۱، ۲۶۲۵۱

الآية ﴿تُرْجِيْ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِيْ إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكَ﴾ فقلت لها: ما كنت تقولين؟ قالت: كنت أقول له: إن كان ذلك إليّ فإني لا أريد يارسول الله أن أوثر عليك أحداً. تابعه عباد بن عباد: سمع عاصماً۔ [۱۲]

ترجمہ: معاذہ روایت کرتی ہیں کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس آیت ﴿تُرْجِيْ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِيْ إِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلاَ جُنَاحَ عَلَيْكَ﴾ کے نازل ہونے کے بعد بھی کہ اگر آپ ﷺ (ازواج مطہرات) میں سے کسی کی باری میں کسی دوسری بیوی کے پاس جانا چاہتے تو جن کی باری ہوتی ان سے اجازت لیتے تھے۔

(راوی حدیث معاذہ نے بیان کیا کہ) میں نے اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ ایسی صورت میں آپ آنحضرت ﷺ سے کیا کہتی تھیں؟ انہوں نے فرمایا کہ میں تو یہ عرض کر دیتی تھی کہ اے اللہ کے رسول! اگر یہ اجازت آپ مجھ سے لے رہے ہیں تو میں تو اپنی باری کا کسی دوسرے پر ایثار نہیں کر سکتی۔ اس روایت کی متابعت عباد بن عباد نے کی، انہوں نے عاصم سے سنا۔

(۸) باب قوله: ﴿لاَ تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ إِلاَّ أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَى طَعَامٍ﴾ الى قوله: ﴿إِنَّ ذَلِكَ كَانَ عِنْدَ اللهِ عَظِيْماً﴾. [۵۳-۵۴]

اس ارشاد کا بیان: ''نبی کے گھروں میں (بلا اجازت) داخل نہ ہو، اِلا یہ کہ تمہیں کھانے پر آنے کی اجازت دے دی جائے -تا- یہ اللہ کے نزدیک بڑی سنگین بات ہے۔''

يقال: ﴿إناهُ﴾: إدركه، انى يأنى أناة فهو آنٍ.

﴿لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُوْنُ قَرِيْباً﴾ إذا وصفت صفة المؤنث قلت: قريبة، وإذا جعلته ظرفاً وبدلاً. ولم ترد الصفة نزعت الهاء من المؤنث. وكذلك لفظها في الواحد والاثنين والجمع للذكر والأنثى.

---

[۱۲] وفي صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب بيان أن تخيير امرأته لايكون طلاقاً الا بالنية، رقم: ۱۴۷۶، وسنن ابي داؤد، كتاب النكاح، باب في القسم بين النساء، رقم: ۲۱۳۲، مسند أحمد، مسند الصديقة عائشة بنت الصديق رضي الله عنها، رقم: ۲۳۳۷۶

ترجمہ وتشریح

کہتے ہیں "إناهُ" بمعنی "إدرَكه" یعنی اس کا پکنا، تیار ہونا، اور یہ "أنى يأنى أناةً فهو آن" از "باب رمى يرمى" سے ہے۔

﴿لَعَلَّ السَّاعَةَ تَكُونُ قَرِيباً﴾ اس آیت میں ایک اشکال ہوتا ہے کہ یہاں پر "السَّاعَةَ" مؤنث ہے تو اسی مناسبت سے آگے "قَرِيباً" بھی مؤنث ہونا چاہئے تھا یعنی "قَرِيبَة"۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "قَرِيباً" اس وقت مؤنث استعمال ہوتا ہے جب یہ کسی مؤنث کے لئے صفت واقع ہو، البتہ اگر یہ صفت نہ ہو بلکہ ظرف یا بدل واقع ہو رہا ہو تو اس وقت "قَرِيباً" مذکر استعمال کریں گے، اور اس میں مذکر، مؤنث، واحد، تثنیہ، جمع سب برابر ہوتے ہیں۔

۴۷۹۰ ـ حدثنا مسدد، عن يحيى، عن حميد، عن أنس قال: قال عمر ﷛: قلت: يارسول الله، يدخل عليك البر والفاجر، فلوأمرت أمهات المؤمنين بالحجاب، فأنزل الله آية الحجاب. [راجع: ۴۰۲]

ترجمہ: حضرت انس ﷛ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر ﷛ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کے پاس اچھے اور برے ہر طرح کے لوگ آتے ہیں کاش آپ امہات المومنین / ازواج مطہرات کو پردہ کا حکم دیدیں، پھر اللہ ﷻ نے آیت حجاب نازل فرمائی۔

حضرت عمر ﷛ کی خواہش اور آیت حجاب کا نزول

عورتوں کے پردہ کے متعلق اس آیت کے شان نزول میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت انس ﷛ کی روایت نقل کی ہے۔

حضرت انس بن مالک ﷛ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب ﷛ نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ کے پاس نیک و بد ہر طرح کے آدمی آتے جاتے ہیں، اگر آپ ازواج مطہرات کو پردہ کرنے کا حکم دیدیں تو بہتر معلوم ہوتا ہے، اس پر یہ آیت حجاب نازل ہوئی۔

یعنی حضرت عمر ﷛ نے اپنی سمجھ سے ایک رائے دی اور اللہ ﷻ نے بعد میں ان کی تائید میں آیت نازل فرمادی جس میں ایک آیت یہ ہے کہ جس میں ازواج مطہرات کو حجاب کا حکم دیا گیا ہے، اس کے علاوہ بھی کئی مرتبہ حضرت عمر ﷛ کی موافقت میں آیات نازل ہوئیں۔

۴۷۹۱ - حدثنا محمد بن عبدالله الرقاشي: حدثنا معتمر ابن سليمان قال: سمعت أبي يقول: حدثنا أبو مجلز، عن أنس بن مالك رضي الله عنه قال: لما تزوج رسول الله ﷺ زينب ابنة جحش دعا القوم فطعموا ثم جلسوا يتحدثون. وإذا هو كأنه يتهيأ للقيام فلم يقوموا فلما رأى ذلك قام فلما قام قام من قام وقعد ثلاثة نفر، فجاء النبي ﷺ ليدخل فإذا القوم جلوس، ثم إنهم قاموا. فانطلقت فجئت فأخبرت النبي ﷺ أنهم قد انطلقوا فجاء حتى دخل. فذهبت أدخل فالقى الحجاب بيني وبينه، فأنزل الله ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَاتَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِي﴾ الآية. [أنظر: ۴۷۹۲، ۴۷۹۳، ۴۷۹۴، ۵۱۵۴، ۵۱۶۳، ۵۱۶۶، ۵۱۶۸، ۵۱۷۰، ۵۱۷۱، ۵۴۶۶، ۶۲۳۸، ۶۲۳۹، ۶۲۷۱، ۷۴۲۱] [۱۵]

ترجمہ: حضرت انس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ نکاح کیا تو قوم کو آپ نے دعوت ولیمہ دی، کھانا کھانے کے بعد لوگ (گھر کے اندر ہی) بیٹھے (دیر تک) باتیں کرتے رہے۔ آنحضرت ﷺ نے ایسا کیا گویا آپ اٹھنا چاہتے ہیں لیکن کوئی بھی نہیں اٹھا، جب آپ ﷺ نے دیکھا کہ کوئی نہیں اٹھتا تو آپ کھڑے ہوگئے۔

جب آپ کھڑے ہوئے تو دوسرے لوگ بھی کھڑے ہوگئے، لیکن تین آدمی اب بھی بیٹھے رہ گئے۔ آنحضرت ﷺ جب باہر سے اندر جانے کیلئے آئے تو دیکھا کہ وہ اب بھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد وہ لوگ بھی اٹھ گئے تو میں نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر خبر دی کہ وہ لوگ بھی چلے گئے ہیں تو آپ اندر تشریف لائے۔ میں نے بھی چاہا کہ اندر جاؤں، لیکن آنحضرت ﷺ نے اپنے اور میرے بیچ میں دروازہ کا پردہ گرا لیا، اس کے بعد اللہ ﷻ نے آیت حجاب نازل فرمائی ﴿يَاأَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَاتَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِي﴾۔

---

[۱۵] وفي صحيح مسلم، كتاب النكاح، باب فضيلة اعتاقه امته، ثم يتزوجها، رقم: ۱۳۶۵، وكتاب النكاح، باب زواج زينب بنت جحش، ونزول الحجاب، واثبات وليمة العرس، رقم: ۱۴۲۸، وسنن الترمذي، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة الأحزاب، رقم: ۳۲۱۷، ۳۲۱۸، ۳۲۱۹، وسنن النسائي، كتاب النكاح، صلاة المرأة اذا خطبت استخارتها ربها، رقم: ۳۲۵۱، ۳۳۵۲، والهدية لمن عرس، رقم: ۳۳۸۷، وسنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب الوليمة، رقم: ۱۹۰۸، ومسند احمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند انس بن مالك رضي الله تعالىٰ عنه، رقم: ۱۱۹۴۳، ۱۲۰۴۳، ۱۲۳۶۶، ۱۲۶۶۹، ۱۲۷۱۶، ۱۲۷۵۹، ۱۳۹۲۵، ۱۳۰۷۲، ۱۳۳۶۱، ۱۳۳۷۸، ۱۳۳۷۹، ۱۳۳۷۸، ۱۳۴۹۳، ۱۳۶۳۸، ۱۳۷۱۹

مہمان کیلئے دعوت کے آداب

یعنی کھانے سے فارغ ہوکر اپنے اپنے گھر کا راستہ لینا چاہئے، وہاں مجلس جمانے سے میزبان اور دوسرے مکان والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔

یہ باتیں گو نبی کریم ﷺ کے مکانوں کے متعلق فرمائی ہیں، کیونکہ شان نزول کا تعلق ان ہی سے تھا۔ مگر مقصود ایک عام ادب سکھلانا ہے۔

اسی طرح بے دعوت کسی کے یہاں کھانا کھانے کی غرض سے جا بیٹھنا، یا طفیلی یعنی بن بلایا مہمان بن کر جانا، یا کھانے سے قبل یوں ہی مجلس جمانا، یا فارغ ہونے کے بعد گپ شپ لڑانا، یہ تمام باتیں مہمان کیلئے درست نہیں ہیں۔

آیت حجاب کا نزول

پردہ سے متعلق حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آیتِ حجاب کی حقیقت سے میں سب سے زیادہ واقف ہوں، کیونکہ میں اس واقعہ میں حاضر تھا جب کہ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا نکاح کے بعد رخصت ہوکر حرم نبوی ﷺ میں داخل ہوئیں اور مکان میں آپ ﷺ کے ساتھ موجود تھیں۔

آپ ﷺ نے ولیمہ کے لئے کچھ کھانا پکوایا اور لوگوں کو دعوت دی، کھانے کے بعد کچھ لوگ وہیں جم کر آپس میں باتیں کرنے کے لئے بیٹھ گئے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ بھی وہیں تشریف رکھتے تھے اور ام المؤمنین زینب رضی اللہ عنہا بھی اسی جگہ موجود تھیں جو حیاء کی وجہ سے دیوار کی طرف اپنا رخ پھیرے ہوئے بیٹھی تھیں۔

ان لوگوں کے اس طرح دیر تک بیٹھنے سے رسول اللہ ﷺ کو تکلیف ہوئی، آپ گھر سے باہر تشریف لائے اور دوسری ازواج مطہرات کے پاس ملاقات وسلام کے لئے تشریف لے گئے، جب آپ پھر گھر میں واپس آئے تو یہ لوگ وہیں موجود تھے۔ آپ ﷺ کے لوٹنے کے بعد ان لوگوں کو احساس ہوا تو منتشر ہو گئے۔

وہ لوگ بھی چلے گئے ہیں تو آپ اندر تشریف لائے۔ تھوڑا سا وقت گذرا تھا کہ آپ پھر باہر تشریف لائے، میں وہاں موجود تھا، میں نے چاہا کہ میں بھی اندر جاؤں، لیکن آنحضرت ﷺ نے اپنے اور میرے بیچ میں دروازہ کا پردہ گرالیا۔

اس کے بعد اللہ ﷻ نے آیت حجاب نازل فرمائی آپ ﷺ نے یہ آیت حجاب پڑھ کر سنائی:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ﴾ - [۱۷]

۴۷۹۲ - حدثنا سليمان بن حرب: حدثنا حماد بن زيد، عن ايوب، عن أبي قلابة: قال أنس بن مالك: أنا أعلم الناس بهذه الآية آية الحجاب، لما أهديت زينب بنت جحش رضي الله عنها إلى رسول الله ﷺ كانت معه في البيت صنع طعاماً، ودعا القوم فقعدوا يتحدثون فجعل النبي ﷺ يخرج ثم يرجع وهم قعود يتحدثون فأنزل الله تعالى ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ﴾ إلى قوله: ﴿مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ﴾ فضرب الحجاب وقام القوم. [راجع: ۴۷۹۱]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ نے فرمایا کہ میں اس آیت یعنی آیت حجاب کے متعلق سب سے زیادہ جانتا ہوں۔ جب حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا دلہن بنا کر رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجی گئیں اور وہ آپ کے ساتھ گھر ہی میں تھیں تو آپ ﷺ نے کھانا تیار کروایا اور قوم کو کھانے کی دعوت (ولیمہ) دی، بعض لوگ (کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بھی) بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ تو نبی کریم ﷺ باہر تشریف لے جاتے اور پھر اندر آتے لیکن وہ لوگ بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اس پر اللہ ﷻ نے (ادب سکھانے کیلئے) یہ آیت نازل فرمائی ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَدْخُلُوا بُيُوتَ النَّبِيِّ إِلَّا أَنْ يُؤْذَنَ لَكُمْ إِلَىٰ طَعَامٍ غَيْرَ نَاظِرِينَ إِنَاهُ﴾ اس آیت تک: ﴿مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ﴾۔ اس کے بعد پردہ ڈال دیا گیا اور لوگ اٹھ گئے۔

۴۷۹۳ - حدثنا أبو معمر: حدثنا عبد الوارث: حدثنا عبد العزيز بن صهيب، عن

---

[۱۷] في رواية الزهري عن انس كما سيأتي في الاستئذان قال: ((أنا أعلم الناس بشأن الحجاب وكان في مبنى رسول الله ﷺ بزينب بنت جحش، اصبح بها عروسا فدعا القوم)). وفي رواية أبي قلابة عن انس قال: ((أنا اعلم الناس بهذه الآية الحجاب. لما اهديت زينب بنت جحش الى النبي ﷺ صنع طعاماً)). وفي رواية عبدالعزيز بن صهيب عن انس انه كان الداعي الى الطعام قال: ((فيجيء قوم فيأكلون ويخرجون، ثم يجيء قوم فيأكلون ويخرجون، قال فدعوت حتى ما اجد احداً)). وفي رواية حميد ((فاشبع المسلمين خبزاً ولحماً)) ووقع في رواية الجعد بن عثمان عن انس عند مسلم، وعلقه البخاري قال: ((تزوج النبي ﷺ فدخل باهله، فصنعت له ام سليم حيسا، فذهبت به الى النبي ﷺ فقال: ادع لي فلانا وفلانا، وذهبت فدعوتهم زهاء ثلاثمائة رجل)). فذكر الحديث في اطعامهم من ذلك، وقد تقدمت الاشارة اليه في ((علامات النبوة)) ويجمع بينه وبين رواية حميد بانه ﷺ اولم عليها باللحم والخبز، وارسلت اليه ام سليم الحيس. وفي رواية سليمان بن المغيرة عن ثابت عن أنس ((لقد رأيت رسول الله ﷺ اطعمنا عليها الخبز واللحم حتى امتد النهار)). فتح الباري، ج: ۸، ص: ۵۲۹

انس ﷺ قال: بُني على النبي ﷺ بزينب ابنة جحش بخبز ولحم، فأرسلت على الطعام داعياً فيجيء قوم فيأكلون ويخرجون، ثم يجيء قوم فيأكلون ويخرجون فدعوت حتى ما أجد أحداً أدعو. فقلت: يا نبي الله ما أجد أحداً أدعوه، قال: ((ارفعوا طعامكم)) وبقيٰ ثلاثة رهط يتحدثون في البيت. فخرج النبي ﷺ فانطلق إلى حجرة عائشة، فقال: السلام عليكم أهل البيت ورحمة الله))، فقالت: وعليك السلام ورحمة الله، كيف وجدت أهلك؟ بارك الله لك. فتقرىٰ حجرنسائه كلهن يقول لهن كما يقول لعائشة ويقلن له كما قالت عائشة. ثم رجع النبي ﷺ فإذا ثلاثة رهط في البيت يتحدثون، وكان النبي ﷺ شديدالحياء فخرج منطلقا نحو حجره عائشة، فماأدرى آخبرته أوأخبر أن القوم خرجوا، فرجع حتى إذا وضع رجله في أسكفة الباب داخلة وأخرى خارجة أرخى الستر بيني وبينه، وأنزلت آية الحجاب. [راجع: ۴۷۹۱]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد (بطور ولیمہ) گوشت اور روٹی تیار کروائی اور کھانے پر لوگوں کو بلانے کیلئے مجھے بھیجا، کچھ لوگ آتے اور کھانا کھا کر واپس چلے جاتے، پھر دوسرے لوگ آتے اور کھانا کھا کر واپس چلے جاتے ہیں، میں لوگوں کو بلاتا رہا، یہاں کہ کوئی ایسا شخص بھی باقی نہیں رہا جس کو دعوت نہ دی گئی ہو، تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے نبی! اب کوئی بھی شخص بلانے کیلئے باقی نہیں رہا، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب دسترخوان اٹھالو۔ اور گھر تین آدمی باقی رہ گئے جو بیٹھے باتیں کررہے تھے۔ پھر نبی کریم ﷺ باہر تشریف لے آئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی طرف چل دیئے اور فرمایا السلام علیکم اے گھر والو! اللہ کی رحمت ہو تم پر۔ جواب میں عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ! آپ نے اپنی اہل کو کیسا پایا؟ اللہ ﷻ برکت عطا فرمائے۔ یوں آپ نے اپنی تمام ازواج مطہرات کے حجروں کا چکر لگایا، جس طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا اسی طرح سب سے فرمایا اور تمام ازواج نے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرح جواب دیا۔ اسکے بعد نبی کریم ﷺ واپس تشریف لائے تو وہ تین آدمی اب بھی گھر میں بیٹھے باتیں کررہے تھے۔ نبی کریم ﷺ بہت زیادہ حیادار تھے، (یہ دیکھ کر کہ لوگ اب بھی بیٹھے ہوئے ہیں) آپ ﷺ دوبارہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ کی طرف چل دیئے۔ مجھے اب یاد نہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو اطلاع دی تھی یا کسی اور نے اطلاع دی تھی کہ وہ لوگ گھر میں سے چلے گئے ہیں آنحضرت ﷺ واپس تشریف لائے اور دروازہ کے چوکھٹ پر پاؤں رکھا ابھی آپ کا ایک پاؤں اندر تھا اور ایک پاؤں باہر کہ آپ نے اپنے اور میرے درمیان پردہ گرالیا اور پردہ کی آیت نازل ہوئی۔

۴۷۹۴ - حدثنا إسحاق بن منصور: أخبرنا عبدالله بن بكر السهمي: حدثنا حميد،

عن انس ﷺ قال: أولم رسول الله ﷺ حين بنى بزينب ابنة جحش فأشبع الناس خبزا ولحما. ثم خرج إلى حجر امهات المؤمنين كما كان يصنع صبيحة بنائه فيسلم عليهن ويدعو لهن ويسلمن عليه ويدعون له. فلما رجع إلى بيته راى رجلين جرى بهما الحديث فلما رآهما رجع عن بيته فلما راى الرجلان نبي الله ﷺ رجع عن بيته وثبا مسرعين، فما ادرى أنا اخبرته بخروجهما أم أخبر فرجع حتى دخل البيت وأرخى الستر بيني وبينه وأنزلت آية الحجاب. [راجع: ۴۷۹۱]

وقال ابن ابي مريم: اخبرنا يحيٰ: حدثني حميد: سمع أنساً عن النبي ﷺ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے نکاح پر دعوت ولیمہ کی اور لوگوں کو گوشت اور روٹی کھلائی۔ پھر آپ ﷺ امہات المومنین کے حجروں کی طرف تشریف لے گئے جیسا کہ آپ کا معمول تھا کہ نکاح کی صبح کو آپ جایا کرتے تھے، آپ انہیں سلام کرتے اور انکے حق میں دعا کرتے اور امہات المومنین بھی آپ کو سلام کرتیں اور آپ کیلئے دعا کرتیں۔ امہات المومنین کے حجروں سے آپ جب اپنے حجرے میں تشریف لائے تو آپ نے دیکھا کہ دو آدمی آپس میں گفتگو کر رہے ہیں جب آپ ﷺ نے انہیں بیٹھے ہوئے دیکھا تو پھر آپ حجرہ سے نکل گئے ان دونوں حضرات نے جب دیکھا کہ اللہ کے نبی اپنے حجرہ سے واپس چلے گئے تو بڑی جلدی جلدی وہ اٹھ کر باہر نکل گئے۔ مجھے یاد نہیں کہ میں نے آپ ﷺ کو انکے چلے جانے کی اطلاع دی یا کسی اور نے، پھر حضور ﷺ واپس آئے اور گھر میں آتے ہی پردہ گرالیا اور آیت حجاب نازل ہوئی۔

اور سعید ابن ابی مریم نے بیان کیا کہ ہم کو یحیٰ ابن کثیر نے خبر دی، کہا مجھ سے حمید طویل نے بیان کیا اور انھوں نے حضرت انس ﷺ سے سنا، انھوں نے نبی کریم ﷺ سے نقل کیا۔

۴۷۹۵ - حدثني زكريا بن يحيیٰ: حدثنا أبو أسامة، عن هشام، عن ابيه، عن عائشة رضي الله عنها قالت: خرجت سودة بعدما ضرب الحجاب لحاجتها وكانت امرأة جسيمة لاتخفى على من يعرفها. فرآها عمر بن الخطاب فقال: يا سودة، أما والله ما تخفين علينا فانظري كيف تخرجين؟ قالت: فانكفأت راجعة ورسول الله ﷺ في بيتي وإنه ليتعشى وفي يده عرق، فدخلت فقالت: يارسول الله، إني خرجت لبعض حاجتي فقال لي عمر كذا وكذا، قالت: فأوحى الله إليه، ثم رفع عنه وإن العرق في يده ما وضعه فقال: ((إنه قد أذن لكن أن تخرجن لحاجتكن)). [راجع: ۱۴۶]

ترجمہ: حضرت ہشام رحمہ اللہ اپنے والد (حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ ام المومنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہا پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد کسی حاجت کی غرض سے نکلیں اور وہ بہت بھاری بھرکم عورت تھیں، جو انہیں پہچانتا تھا اس سے وہ پوشیدہ نہیں رہ سکتیں تھیں۔ راستہ میں انہیں حضرت عمر بن خطاب ﷛ نے دیکھ لیا اور کہا کہ اے سودہ اللہ کی قسم! آپ ہم سے اپنے آپ کو نہیں چھپا سکتیں، دیکھئے تو آپ کس طرح باہر نکلی ہیں؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا وہاں سے الٹے پاؤں واپس لوٹیں، اور رسول اللہ ﷺ اس وقت میرے حجرہ میں تشریف فرما تھے اور رات کا کھانا کھا رہے تھے، آپ ﷺ کے ہاتھ میں اس وقت گوشت کی ایک ہڈی تھی۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے داخل ہوتے ہی کہا اے اللہ کے رسول! میں کسی حاجت کیلئے نکلی تھی تو عمر نے مجھ سے یہ باتیں کیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ آپ ﷺ پر وحی کا نزول شروع ہو گیا اور تھوڑی دیر بعد یہ کیفیت ختم ہوئی، ہڈی اب بھی آپ کے ہاتھ میں تھی، آپ نے اسے رکھا نہیں تھا پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہیں حاجت کیلئے باہر جانے کی اجازت دیدی گئی ہے۔

(۹) باب قوله: ﴿إِنْ تُبْدُوا شَيْئاً أَوْ تُخْفُوهُ فَإِنَّ اللهَ كَانَ﴾ إلى قوله: ﴿شَهِيداً﴾ [۵۴-۵۵]

اس ارشاد کا بیان: ”چاہے تم کوئی بات ظاہر کرو، یا اُسے چھپاؤ، اللہ ہر چیز کا پورا پورا علم رکھتے ہے۔“

۴۷۹۶ - حدثنا أبو اليمان: أخبرنا شعيب، عن الزهري: حدثني عروة بن الزبير، ان عائشة رضي الله عنها قالت: استاذن على أفلح أخو أبي القعيس بعد ما أنزل الحجاب فقلت: لاآذن له حتى أستاذن فيه النبي ﷺ فإن أخاه أبا القعيس ليس هو أرضعني ولكن أرضعتني امرأة أبي القعيس. فدخل علي النبي ﷺ فقلت له: يارسول الله، إن أفلح أخا أبي القعيس استاذن فأبيت ان آذن حتى أستاذنك، فقال النبي ﷺ: ((وما منعك أن تأذنين؟ عمك)) قلت: يارسول الله أن الرجل ليس هو أرضعني ولكن ارضعتني امرأة أبي القعيس. فقال: ((ائذني له فإنه عمك، تربت يمينك)) قال عروة: فلذلك كانت عائشة تقول: حرموا من الرضاعة ما تحرمون من النسب. [راجع: ۲۶۴۴]

نسب سے جو حرمت ہوتی ہے، رضاعت سے بھی وہی حرمت ہوتی ہے

عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پردہ کا حکم نازل ہونے کے بعد ابوقعیس کے بھائی افلح ﷺ نے مجھ سے ملنے کی اجازت چاہی تو میں نے کہہ دیا کہ جب تک اس سلسلے میں رسول اللہ ﷺ سے معلوم نہ کرلوں اجازت نہیں دے سکتی، میں نے سوچا کہ انکے بھائی ابوقعیس نے مجھے تھوڑا ہی دودھ پلایا تھا مجھے دودھ پلانے والی تو ابوقعیس کی بیوی تھیں۔

پھر نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو میں نے آپ سے عرض کیا اے اللہ رسول! ابوقعیس کے بھائی افلح نے مجھ سے ملنے کی اجازت چاہی، لیکن میں نے یہ کہلوادیا کہ جب تک آپ سے اجازت نہ لےلوں ان سے ملاقات نہیں کرسکتی، اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا تم نے اپنے چچا کو اندر آنے کی اجازت کیوں نہیں دی؟ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ رسول! ابوقعیس نے مجھے تھوڑا ہی دودھ پلایا تھا، دودھ پلانے والی تو انکی بیوی تھیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں، انہیں اندر آنے کی اجازت دیدو وہ تمہارے چچا ہیں۔

حضرت عروہ رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اسی وجہ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رضاعت سے بھی وہ چیزیں (یعنی نکاح وغیرہ) حرام ہوجاتی ہیں جو نسب کی وجہ سے حرام ہوتی ہیں۔

(۱۰) باب قوله: ﴿إِنَّ اللهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ﴾ الآية [۵۶]

اس ارشاد کا بیان: ”بے شک اللہ اور اُس کے فرشتے نبی پر دُرود بھیجتے ہیں۔“

قال أبو العالية: صلاة الله ثناؤه عليه عند الملائكة. وصلاة الملائكة الدعاء. وقال ابن عباس: يصلّون: يبركون. لنغرينك: لنسلطنّك.

ترجمہ: ابوالعالیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ”صلوٰۃ“ کی نسبت اگر اللہ ﷻ کی طرف ہو تو فرشتوں کے سامنے حضور ﷺ کی مدح وثنا ہے اور اگر ”صلوٰۃ“ کی نسبت ملائکہ کی طرف ہو تو دعا مراد ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت مبارکہ ”**يصلّون**“ بمعنی ”**يبركون**“ یعنی آپ ﷺ کیلئے برکت کی دعا مانگتے ہیں۔

”**لنغرينك**“ بمعنی ”**لنسلطنّك**“ یعنی ضرور ہم آپ کو مسلط کردیں گے۔

اشارہ ہے آیت کریمہ ﴿وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِينَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ﴾ [الآية: ۶۰] یعنی جو لوگ

مدینہ میں افواہیں (جھوٹی خبریں) اڑایا کرتے ہیں اگر اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ہم ضرور آپ کو ان پر مسلط کر دیں گے۔

صلوۃ وسلام سے مراد

امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو العالیہ رحمہ اللہ سے یہ نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صلوۃ سے مراد آپ ﷺ کی تعظیم اور فرشتوں کے سامنے مدح وثناء ہیو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ ﷺ کی تعظیم دنیا میں تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کو بلند مرتبہ عطاء فرمایا ہے کہ اکثر مواقع اذان واقامت وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کے ساتھ آپ صلی ﷺ کا ذکر شامل کر دیا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے دین کو دنیا بھر میں پھیلا دیا اور غالب کیا اور آپ ﷺ کی شریعت پر قیامت تک عمل جاری رکھا۔ اسکے ساتھ آپ ﷺ کی شریعت کو محفوظ رکھنے کا ذمہ حق تعالیٰ نے لے لیا۔ آخرت میں آپ ﷺ کی تعظیم یہ ہے کہ آپ کا مقام تمام خلائق سے بلند وبالا کیا اور جس وقت کسی پیغمبر اور فرشتے کو شفاعت کی مجال نہ تھی اس حال میں آپ ﷺ کو مقامِ شفاعت عطاء فرمایا، جس کو مقامِ محمود کہا جاتا ہے۔

۴۷۹۷ ــ حدثنی سعید بن یحییٰ: حدثنا أبی: حدثنا مسعر، عن الحکم، عن ابن أبی لیلی، عن کعب بن عجرۃ ﷺ، قیل: یارسول اللہ أما السلام علیک فقد عرفناہ، فکیف الصلاۃ علیک؟ قال: ((قولوا: اللّٰھم صلّ علی محمد وعلیٰ آل محمد، کما صلیت علی آل إبراھیم إنک حمید مجید، اللّٰھم بارک علی محمد، وعلیٰ آل محمد، کما بارکت علی آل إبراھیم انک حمید مجید)). [راجع: ۳۳۷۰]

ترجمہ: ابن أبی لیلی رحمہ اللہ حضرت کعب بن عجرۃ ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم آپ پر سلام بھیجنے کا طریقہ تو جانتے ہیں، مگر آپ پر صلوٰۃ ودرود کیسے بھیجیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم اس طرح کہا کرو "**اللّٰھم صلّ علی محمد وعلیٰ آل محمد، کما صلیت علی آل إبراھیم إنک حمید مجید، اللّٰھم بارک علی محمد، وعلیٰ آل محمد، کما بارکت علی آل إبراھیم انک حمید مجید**" یعنی اے اللہ! ہمارے محبوب رسول حضرت محمد ﷺ پر اپنی رحمتیں نازل فرما اور آپ کی اولاد پر بھی، جس طرح تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور انکی اولاد پر رحمتیں نازل کی ہیں، بیشک تو تعریف کیا گیا بزرگ ہے۔ اے اللہ! محمد ﷺ پر برکتیں نازل فرما اور آپ کی اولاد پر بھی، جیسی برکتیں تو نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر نازل کی ہیں بیشک تو تعریف کیا گیا بزرگ ہے۔

۴۷۹۸ ــ حدثنا عبداللہ بن یوسف: حدثنا اللیث قال: حدثنی ابن الهاد، عن

عبداللہ بن خباب، عن أبی سعید الخدری قال: قلنا: یا رسول اللہ، هذا التسلیم فکیف نصلی علیک؟ قال: ((قولوا: اللّٰهم صل علی محمد عبدک ورسولک کما صلیت علی آل ابراهیم، وبارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراهیم)).

قال أبو صالح، عن اللیث: ((علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی آل ابراهیم)). حدثنا إبراهیم بن حمزة: حدثنا ابن ابی حازم والدراوردی عن یزید، وقال: ((کما صلیت علی إبراهیم، وبارک علی محمد وآل محمد کما بارکت علی ابراهیم وآل ابراهیم)). [أنظر: ۶۳۵۸] ۱۷

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! ہم سلام بھیجنا تو جانتے ہیں، مگر ہم آپ پر درود کیسے بھیج سکتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم صلوٰۃ اس طرح بھیجا کرو **اللّٰهم صل علی محمد عبدک ورسولک کما صلیت علی آل ابراهیم، وبارک علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی ابراهیم۔**

اس حدیث کو ابوصالح، لیث سے یوں روایت کرتے ہیں **علی محمد وعلی آل محمد کما بارکت علی آل ابراهیم**۔ ابراہیم بن حمزہ نے بیان کیا، کہا ہم سے ابن ابی حازم اور دراوردی نے بیان کیا، اور ان سے یزید نے اور انہوں نے اس طرح بیان کیا کہ **کما صلیت علی إبراهیم، وبارک علی محمد وآل محمد کما بارکت علی ابراهیم وآل ابراهیم۔**

ایک شبہ کا جواب

اس پر یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ روایت میں آپ ﷺ کے ساتھ آپ کے آل واصحاب کو بھی شامل کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور مدح وثناء میں آپ ﷺ کے سواء کسی کو کیسے شریک کیا جاسکتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ تعظیم اور مدح وثنا وغیرہ کے درجات بہت ہیں، رسول اللہ ﷺ کو اس کا اعلیٰ درجہ حاصل ہے اور ایک درجہ میں آل واصحاب اور عام مؤمنین بھی شامل ہیں۔ ۱۸

---

۱۷ وفی سنن النسائی، کتاب السهو، نوع آخر، رقم: ۱۲۹۳، وسنن ابن ماجه، کتاب اقامة الصلاة والسنة فیها، باب الصلاة علی النبی ﷺ، رقم: ۹۰۳، ومسند أحمد، مسند المکثرین من الصحابة، مسند أبی سعید الخدری رضی اللہ عنہ، رقم: ۱۱۴۳۳

۱۸ روح المعانی فی تفسیر القرآن والسبع المثانی، ج: ۱۱، ص: ۲۶۰

درود شریف کی مذکورہ روایت سے معلوم ہوا کہ مختلف الفاظ سے منقول ہیں اور الفاظ کی کمی وبیشی سے بھی منقول ہیں اسی طرح سب جائز و درست ہے۔

(۱۱) باب: ﴿لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ آذَوْا مُوسَىٰ﴾ [۶۹]

باب: ''اُن لوگوں کی طرح نہ بن جانا جنہوں نے موسیٰ کو ستایا تھا''

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ اور امت محمدیہ کو تنبیہ

اس آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے، جس میں ان کی قوم نے ان کو ایذاء پہنچائی تھی، واقعہ کو ذکر کر کے مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ تم لوگ ایسا نہ کرنا۔ اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ مسلمانوں سے کوئی ایسا کام سرزد ہوا ہو بلکہ حفظ ماتقدم کے طور پر ان کو یہ قصہ سُنا کر ہدایت کی گئی ہے۔

ایک روایت میں جو قصہ بعض صحابہ کا منقول ہے، اس کا محمل بھی یہی ہے کہ ان کو اس وقت اس طرف توجہ نہ ہوئی ہوگی کہ یہ کلمہ آنحضرت ﷺ کی ایذاء کا موجب ہے، بالقصد ایذاء کا پہنچانے کا کسی صحابی سے امکان نہیں، جتنے قصے بالقصد ایذاء کے ہیں وہ سب منافقین کے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قصہ خود رسول اللہ ﷺ نے بیان فرما کر اس آیت کی تفسیر فرمادی ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بہت حیاء کرنے والے اور اپنے بدن کو چھپانے والے تھے، ان کے بدن کو کوئی نہ دیکھتا تھا، جب غسل کی ضرورت ہوتی تو پردہ کے اندر غسل کرتے تھے، ان کی قوم بنی اسرائیل میں عام طور پر یہ رواج تھا کہ مرد سب کے سامنے ننگے ہو کر نہاتے تھے۔ تو بنی اسرائیل کے بعض لوگ کہنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام جو کسی کے سامنے نہیں نہاتے اس کا سبب یہ ہے کہ ان کے بدن میں کوئی عیب ہے، یا تو برص ہے یا خصیتین بہت بڑھے ہوئے ہیں، یا کوئی اور آفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس طرح کے عیوب سے برأت کا اظہار فرمادیں۔

ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خلوت میں غسل کرنے کے لئے اپنی کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھ دیئے، جب غسل سے فارغ ہو کر اپنے کپڑے لینا چاہا تو یہ پتھر، بحکم خداوندی حرکت میں آگیا اور لیکر بھاگنے لگا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی لاٹھی اُٹھا کر پتھر کے پیچھے یہ کہتے ہوئے چلے **''ثوبی حجر، ثوبی حجر''** یعنی اے پتھر میرے کپڑے! اے پتھر میرے کپڑے! مگر پتھر چلتا رہا یہاں تک کہ یہ پتھر ایسی جگہ جا کر ٹھہرا جہاں بنی اسرائیل کا ایک مجمع تھا، اس وقت بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سر سے پاؤں تک ننگا دیکھا تو بہترین صحیح وسالم بدن

دیکھا، جس میں ان کا منسوب کیا ہوا کوئی عیب نہ تھا۔

اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی برأت ان عیوب سے پاک سب کے سامنے ظاہر فرمادی۔

پتھر یہاں پہنچ کر ٹھہر گیا تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کپڑے اٹھا کر پہن لئے، پھر موسیٰ علیہ السلام نے پتھر کو لاٹھی سے مارنا شروع کیا، خدا کی قسم! اس پتھر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ضرب سے تین یا چار یا پانچ اثر قائم ہوگئے۔

یہ واقعہ بیان فرما کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن کی اس آیت کا یہی مطلب ہے یعنی آیت مذکورہ ﴿كَالَّذِيْنَ آذَوْا مُوْسىٰ﴾ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جس ایذاء کا ذکر ہے اس کی تفسیر اس قصہ میں خود رسول اللہ ﷺ سے منقول ہے۔ [۱]

۴۷۹۹ - حدثنا اسحاق بن ابراهيم: أخبرنا روح بن عبادة: حدثنا عوف، عن الحسن ومحمد وخلاس، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: قال رسول الله ﷺ: ((إن موسىٰ كان رجلا حيياً. وذلك قوله تعالىٰ: ﴿يا أيها الذين آمنوا لا تكونوا كالذين آذوا موسىٰ فبرّأه الله مما قالوا وكان عند الله وجيهاً﴾)). [راجع: ۲۷۸]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے باحیا شخص تھے، اسی کے متعلق اللہ جل جلالہ کا یہ ارشاد ہے **﴿يا أيها الذين آمنوا لا تكونوا كالذين آذوا موسىٰ فبرّأه الله مما قالوا وكان عند الله وجيهاً﴾**۔

نبی کی وجاہت وعصمت اور عیوب سے برأت

تم ایسا کوئی کام یا کوئی بات نہ کرنا جس سے تمہارے نبی کو ایذا پہنچے، نبی کا تو کچھ بگڑے گا نہیں، کیونکہ اللہ جل جلالہ کے ہاں ان کی بڑی آبرو ہے وہ سب اذیت دہ باتوں کو رد کردیگا ہاں تمہاری عاقبت خراب ہوگی، دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت لوگوں نے کیسی اذیت دہ باتیں کیں، مگر اللہ جل جلالہ نے ان کی وجاہت ومقبولیت کی وجہ سے سب کا ابطال فرمادیا اور موسیٰ علیہ السلام کا بے خطا اور بے داغ ہونا ثابت کردیا۔

---

[۱] عمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۱۹۳۔

(۳۴) سورۃ سبأ

سورۂ سباء کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چون آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ اور سورت کا بنیادی مضمون

اس سورت کا بنیادی موضوع اہل مکہ اور دوسرے مشرکین کو اسلام کے بنیادی عقائد کی دعوت دینا ہے۔ اس سلسلے میں انکے اعتراضات اور شبہات کا جواب بھی دیا گیا ہے اور ان کو نافرمانی کے برے انجام سے بھی ڈرایا گیا ہے۔

اسی مناسبت سے ایک طرف حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی اور دوسری طرف قوم سبا کی عظیم الشان حکومتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔

حضرت داود اور حضرت سلیمان علیہما السلام کو ایسی زبردست سلطنت سے نوازا گیا جس کی کوئی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی، لیکن ان برگزیدہ پیغمبروں کو کبھی اس سلطنت پر ذرہ برابر غرور نہیں ہوا اور وہ اس سلطنت کو اللہ ﷻ کا انعام سمجھ کر اللہ ﷻ کے حقوق ادا کرتے رہے اور اپنی حکومت کو نیکی کی ترویج اور بندوں کی فلاح و بہبود کے کاموں میں استعمال کیا، چنانچہ وہ دنیا میں بھی سرخرو رہے اور آخرت میں بھی اونچا مقام پایا۔

دوسری طرف قوم سبا کو جو یمن میں آباد تھی، اللہ ﷻ نے ہر طرح کی خوشحالی سے نوازا، لیکن انہوں نے ناشکری کی روش اختیار کی اور کفر و شرک کو فروغ دیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر اللہ ﷻ کا عذاب آیا اور ان کی خوشحالی ایک قصۂ پارینہ بن کر رہ گئی۔

ان دونوں واقعات کو ذکر فرما کر سبق یہ دیا گیا ہے کہ اللہ ﷻ کی طرف سے کوئی اقتدار حاصل ہو یا دنیوی خوشحالی نصیب ہو تو اس میں مگن ہو کر اللہ ﷻ کو بھلا بیٹھنا تباہی کو دعوت دینا ہے۔ اس سے مشرکین کے ان سرداروں کو متنبہ کیا گیا ہے جو اپنے اقتدار کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر دین حق کے راستے میں روڑے اٹکا رہے تھے۔

یقال: ﴿مُعَاجِزِيْنَ﴾: مسابقين، ﴿بِمُعْجِزِيْنَ﴾[الانعام:۱۳۴]: بفائتين. معاجزي:

مسابقين، ﴿سَبَقُوا﴾ [الأنفال: ۵۹] فاتوا. ﴿لَا يُعْجِزُونَ﴾: لا يفوتون.

﴿يَسْبِقُونَا﴾: يعجزونا. قوله: ﴿بِمُعْجِزِينَ﴾: بفائتين، ومعنى ﴿مُعَاجِزِينَ﴾ مغالبين. يريد كل واحد منهما أن يظهر عجز صاحبه.

﴿مِعْشَارَ﴾: عُشر. يقال الأُكل: الثمر. ﴿بَاعِدْ﴾ وبعد واحد. وقال مجاهد: ﴿لَا يَعْزُبُ﴾: لا يغيب.

﴿سَيْلَ الْعَرِمِ﴾: السّد، ماءٌ أحمر أرسله في السّد فشقّه وهدمه وحفر الوادي فارتفعتا عن الجنبتين وغاب عنهما الماءُ فيبستا ولم يكن الماءُ الأحمر من السّد ولكن كان عذاباً أرسله الله عليهم من حيث شاء.

وقال عمرو بن شرحبيل: ﴿الْعَرِمِ﴾: المسناة بلحن أهل اليمن. وقال غيره: ﴿الْعَرِمِ﴾: الوادي.

﴿السَّابِغَاتُ﴾: الدروع. وقال مجاهد: ﴿يُجَازَى﴾: يعاقب. ﴿أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ﴾: بطاعة الله. ﴿مَثْنَى وَفُرَادَى﴾: واحد واثنين.

﴿التَّنَاوُشُ﴾: الرد من الآخرة إلى الدنيا. ﴿وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ﴾: من مال أو ولد أو زهرة. ﴿بِأَشْيَاعِهِمْ﴾: بأمثالهم.

وقال ابن عباس: ﴿كَالْجَوَابِ﴾: كالجوبة من الأرض. الخمط: الأراك. والأثل: الطرفاءُ. ﴿الْعَرِمِ﴾: الشديد.

ترجمہ وتشریح

"مُعَاجِزِينَ" بمعنی "مسابقين" یعنی آگے بڑھنے والے، مقابل کو ہرا دینے والے۔

"بِمُعْجِزِينَ" بمعنی "بفائتين" یعنی عاجز کرنے والے اور فوت کرنے والے۔

اسی طرح "معاجزیٌ، مسابقیٌ" دونوں کے معنی ہی یہی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ لفظ صرف عجز مادہ کی مناسبت سے یہاں ذکر کیا ہے۔

"سَبَقُوا" بمعنی "فاتوا" یعنی ہاتھ سے نکل گئے، فوت ہوگئے۔

"لَا يُعْجِزُونَ" بمعنی "لا يفوتون" یعنی وہ فوت نہیں ہوں گے۔

"يَسْبِقُونَا" بمعنی "يعجزونا" یعنی ہیں ہم کو عاجز کریں، اسی طرح "بِمُعْجِزِينَ" بمعنی

"**مُعاجِزِینَ**" یہاں اس کی تفسیر دوبارہ فرمارہے ہیں اور "**مُعَاجِزِيْنَ**" بمعنی "**مغالبین**" یعنی ایک دوسرے پر غلبہ ڈھونڈنے والے۔ ان میں سے ہر ایک لفظ عجز ظاہر کرنے کیلئے استعمال ہوتا۔

"**مِعْشَارَ**" بمعنی "**عُشر**" یعنی دسواں حصہ مراد ہے۔

"**الْأُكُل**" کہتے ہیں "**الثمر**" کو یعنی پھل۔

"**بَاعِدْ**" مشہور قرأت اور ابن کثیر رحمہ اللہ کی قرأت "**بَعِّدْ**" دونوں کا معنی ایک ہے کہ دوری کردے۔

اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے کہ "**لَا يَعْزُبُ**" بمعنی "**لا يغيب**" یعنی غائب نہیں ہوسکتا۔

"**سَيْلَ الْعَرِمِ**" بمعنی "**السّد**" یعنی بند/ڈیم، فرماتے ہیں کہ سرخ پانی جس کو اللہ ﷻ نے بند پر بھیجا، جس نے اس بند کو پھاڑ کر گرادیا اور وادی کو کھود کر رکھ دیا چنانچہ باغ دونوں طرف سے اٹھ گئے یعنی دونوں طرف سے اکھڑ گئے اور جب پانی غائب ہوا تو سوکھ گئے اور یہ سرخ پانی بند کا نہیں تھا بلکہ اللہ ﷻ کا عذاب تھا ان لوگوں پر اور اللہ ﷻ نے جہاں سے چاہا بھیجا۔

عمر بن شرحبیل رحمہ اللہ نے کہا کہ "**الْعَرِمِ**" اہل یمن کی زبان میں بند کو کہتے ہیں۔

اور بعض دوسرے حضرات نے کہا ہے کہ "**الْعَرِمِ**" وادی/نالہ کو کہتے ہیں۔

"**السَّابِغَاتُ**" کے معنی ہیں "**الدروع**" یعنی زرہیں، لمبی چوڑی زرہیں، جو کشادہ ہوں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا "**يُجَازَى**" بمعنی "**يعاقب**" یعنی ہم سزا دیتے ہیں۔

"**أَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ**" کے معنی ہیں "**بطاعة الله**" یعنی تم کو اللہ کی اطاعت کرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔

"**مَثْنَى وَفُرَادَى**" کے معنی ہیں دو دو اور ایک ایک کے۔

"**التَّنَاوُشُ**" کے معنی ہیں آخرت سے لوٹ کر دنیا میں آنا۔

﴿**وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُونَ**﴾ یعنی ان کے درمیان ایک آڑ کردی جائے گی، اس سے مراد یہ ہے کہ جن چیزوں کو وہ چاہتے ہیں پسند کرتے ہیں مال ہو، یا اولاد ہو، یا دنیاوی زیب وزینت کی چیزیں وہ ان کے درمیان آڑ کردی جائیں گی۔

"**بِأَشْيَاعِهِمْ**" کے معنی ہیں "**بأمثالهم**" اور ہم مشرب لوگ ہیں، ان جیسے دوسرے لوگ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "**كالجوابي**" کے معنی ہیں زمین کا گڑھا یعنی حوض۔

"**الخمط**" بمعنی "**الأراك**" یعنی پیلو جس کی ٹہنی سے مسواک کی جاتی ہے۔

"**والأثل**" بمعنی "**الطرفاء**" جھاؤ کا درخت۔

"**الْعَرِمِ**" بمعنی شدید، سخت، یہاں لغوی معنی مراد ہے۔

(۱) باب: ﴿حَتّٰى إِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوبِهِمْ قَالُوا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ﴾ [۲۳]

باب: ''یہاں تک کہ جب اُن کے دِلوں سے گھبراہٹ دُور کردی جاتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ: تمہارے ربّ نے کیا فرمایا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ: حق بات ارشاد فرمائی، اور وہی ہے جو بڑا عالیشان ہے۔''

۴۸۰۰ - حدثنا الحميدي: حدثنا سفيان: حدثنا عمرو قال: سمعت عكرمة يقول: سمعت أبا هريرة يقول: إن نبي الله ﷺ قال: ((إذا قضى الله الأمر في السماء ضربت الملائكة بأجنحتها خضعانا لقوله كأنه سلسلة على صفوان فإذا فزع عن قلوبهم قالوا: ماذا قال ربكم؟ قالوا للذي قال: الحق، وهو العلي الكبير. فيسمعها مسترق السمع ومسترقو السمع هكذا بعضه فوق بعض - ووصفه سفيان بكفه فحرفها وبدد بين أصابعه - فيسمع الكلمة فيلقيها الى من تحته ثم يلقيها الآخر الى من تحته حتى يلقيها على لسان الساحر أو الكاهن. فربما أدرك الشهاب قبل أن يلقيها، وربما ألقاها قبل أن يدركه فيكذب معها مائة كذبة فيقال: أليس قد قال لنا يوم كذا وكذا: كذا وكذا؟ فيصدق بتلك الكلمة التي سمعت من السماء)). [راجع: ۴۷۰۱]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے بیان کیا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ ﷻ آسمانوں پر فرشتوں کو کوئی حکم دیتا ہے تو وہ عاجزی کے ساتھ اپنے پر مارنے لگتے ہیں ارشادِ باری تعالیٰ کے جیسے چکنے پتھر پر زنجیر کی آواز ہو۔ پھر جب فرشتے حکم الٰہی کے خوف سے کچھ بے غم ہو جاتے ہیں تو آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے کیا حکم دیا ہے؟ تو دوسرے، جن سے پوچھا گیا تھا، وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ فرمایا وہ حق ہے اور اللہ ﷻ بڑا بلند و برتر ہے۔ پس چوری چھپے سننے والے (شیاطین) فرشتوں کی باتیں چُرا لے آتے ہیں اور یہ شیطان ایک کے اوپر دوسرا یعنی اوپر تلے رہتے ہیں۔ اور سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے اشارہ کرتے ہوئے اپنے دائیں ہاتھ کی انگلیاں کھول کر ایک پر ایک کر کے بتایا، پھر وہ شیاطین کوئی ایک کلمہ سن لیتے ہیں اور اپنے نیچے والے کو بتاتے ہیں۔ اسی طرح وہ کلمہ ساحر یا کاہن تک پہنچتا ہے۔ پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اس سے پہلے کہ وہ یہ کلمہ اپنے سے نیچے والے کو بتائیں آگ کا گولہ انہیں آدبوچتا ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ جب وہ بتا لیتے ہیں تو آگ کا گولہ ان پر پڑتا ہے۔ اس کے بعد کاہن اس میں سو جھوٹ ملا کر لوگوں سے بیان کرتا ہے (ایک بات جب اس

کاہن کی صحیح ہو جاتی ہے تو ان کے ماننے والوں کی طرف سے) کہا جاتا ہے کہ کیا اسی طرح ہم سے فلاں دن کاہن نہیں کہا تھا، اسی ایک کلمہ کی وجہ سے جو آسمان پر شیاطین نے سنا تھا کاہنوں اور ساحروں کی بات کو لوگ سچا جاننے لگتے ہیں۔

(۲) باب: ﴿إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُم بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ﴾ [۴۶]

باب: ''وہ تو ایک سخت عذاب کے آنے سے پہلے تمہیں خبردار کر رہے ہیں۔''

۴۸۰۱ - حدثنا علی بن عبداللہ: حدثنا محمد بن حازم: حدثنا الأعمش، عن عمرو بن مرة، عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال: صعد النبی ﷺ الصفا ذات یوم فقال: ((یا صباحاہ)) فاجتمعت الیہ قریش، قالوا: ما لک؟ قال: ((رایتم لواخبرتکم ان العدو یصبحکم اویمسیکم اما کنتم تصدقونی؟)) قالوا: بلی، قال: ((فانی نذیرلکم بین یدی عذاب شدید)) فقال أبولهب: تباً لک، ألهذا جمعتنا؟ فانزل اللہ ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ﴾. [راجع: ۱۳۹۴]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ایک دن نبی کریم ﷺ کوہ صفا پر چڑھے اور پکارا یا صباحاہ! (اے لوگ دوڑو!) اس آواز کو سن کر قریش جمع ہو گئے اور پوچھا کہ کیا بات ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا اگر میں تمہیں اس بات سے خبردار کردوں کہ دشمن صبح کے وقت یا شام کے وقت حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم لوگ میری بات کی تصدیق نہیں کرو گے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! ہم آپ کی تصدیق کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا پھر میں تم کو سخت ترین عذاب سے پہلے ڈرانے والا ہوں۔ تو ابولہب یہ سن کر بولا تو ہلاک ہو جا، کیا تو نے اس بات کے ہمیں جمع کیا تھا؟ اس پر اللہ ﷻ نے ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ﴾ نازل فرمائی۔

کفارِ مکہ کو دعوت

إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُم بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ

یعنی تعصب و عناد چھوڑ کر انصاف و اخلاص کے ساتھ اللہ ﷻ کے نام پر اٹھ کھڑے ہو اور کئی کئی مل کر بحث و مشورہ کرلو اور الگ الگ تنہائی میں غور کر کے سوچو کہ یہ تمہا[illegible] رسول اللہ ﷺ جو چالیس برس سے زیادہ تمہاری آنکھوں کے سامنے رہا، جس کے بچپن سے لے کر کہولت [illegible] کے ذرہ ذرہ حالات تم نے دیکھے جس

کی امانت ودیانت، صدق وعفاف اور فہم ودانش کے تم برابر قائل رہے، کبھی کسی معاملہ میں نفسانیت یا غرض پرستی کا الزام تم نے اس پر نہیں رکھا۔

ان کی عقل ودانش اور کردار وعمل سے سارا مکہ اور سب قریش واقف ہیں۔ ان کی عمر کے چالیس سال اپنی قوم کے درمیان گذرے، بچپن سے جوانی تک کے سارے حالات ان کے سامنے ہیں، کبھی کسی نے ان کے قول وفعل کو عقل ودانش اور سنجیدگی وشرافت کے خلاف نہیں پایا، صرف ایک کلمہ **لا إلـــه إلا الله** جس کی یہ دعوت دیتے ہیں اس کے سواء آج بھی کسی کو ان کے کسی قول وفعل پر یہ گمان نہیں ہوسکتا کہ یہ عقل ودانش کے خلاف ہے۔ ان حالات میں تو یہ ظاہر ہوگیا کہ یہ مجنون نہیں ہوسکتے۔

پوری قوم کو معلوم ہے، یہ تو تمہارے شہر کے رہنے والے تمہاری برادری سے اور دن رات کے تمہارے ساتھی ہیں، جن کی کوئی حالت وکیفیت تم سے مخفی نہیں اور تم نے بھی کبھی اس سے پہلے ان پر اس طرح کا کوئی شبہ نہیں کیا۔

کیا تم واقعی گمان کرسکتے ہو کہ العیاذ باللہ اسے بیٹھے بٹھائے جنون ہوگیا ہے، جو خواہ مخواہ اس نے ایک طرف سے سب کو دشمن بنالیا۔ کیا کہیں دیوانے ایسی حکمت کی باتیں کیا کرتے ہیں یا کوئی مجنون اپنی قوم کی اس قدر خیر خواہی اور ان کی اخروی فلاح ودنیوی ترقی کا اتنا زبردست لائحہ عمل پیش کرسکتا ہے، وہ تم کو سخت مہلک خطرات اور تباہی انگیز مستقبل سے آگاہ کررہا ہے، قوموں کی تاریخیں سناتا ہے، دلائل وشواہد سے تمہارا بھلا برا سمجھاتا ہے یہ کام دیوانوں کے نہیں، ان اولوالعزم پیغمبروں کے ہوتے ہیں، جنہیں احمقوں اور شریروں نے ہمیشہ دیوانہ کہا ہے۔

اسی کو قرآن کریم میں اس طرح بیان فرمایا ہے کہ **﴿إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ لَّكُم بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ﴾** یعنی آپ کا حال اس کے سوا نہیں کہ وہ لوگوں کو قیامت کے آنے والے عذاب شدید سے بچانے کے لئے اس سے ڈرانے والے ہیں۔[۱]

---

[۱] تفسیر القرطبی، ج: ۱۴، ص: ۳۱۱، تفسیر عثمانی، سورہ سبا، فائدہ: ۲، ومعارف القرآن، ج: ۷، ص: ۳۱۱۔

(۳۵) سورة الملائکة

سورۂ ملائکہ یعنی سورۂ فاطر کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وجہ تسمیہ

سورت کا نام **"فاطر"** بالکل پہلی آیت سے لیا گیا ہے جس کے معنی ہیں پیدا کرنے والا۔ اسی سورت کا دوسرا نام سورۂ ملائکہ بھی ہے، کیونکہ اسکی پہلی آیت میں فرشتوں کا بھی ذکر آیا ہے۔

کفار ومشرکین کو ایمان اور غور وفکر کی دعوت

اس سورت میں بنیادی طور پر مشرکین کو توحید وآخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔

ساتھ ہی یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ اس کائنات میں اللہ ﷻ کی قدرتِ کاملہ اور حکمتِ بالغہ کی جو نشانیاں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں، ان پر سنجیدگی سے غور کرنے سے اول تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جس قادرِ مطلق نے یہ کائنات پیدا فرمائی ہے، اسے اپنی خدائی کا نظام چلانے میں کسی شریک یا مددگار کی ضرورت نہیں ہے۔

دوسرے یہ کہ وہ یہ کائنات کسی مقصد کے بغیر فضول پیدا نہیں کرسکتا، یقیناً اس کا کوئی مقصد ہے!

اور وہ مقصد یہ ہے کہ جو لوگ یہاں اس کے احکام کے مطابق نیک زندگی گذاریں، انہیں انعامات سے نوازا جائے، اور جو نافرمانی کریں، ان کو سزا دی جائے، جس کیلئے آخرت کی زندگی ضروری ہے۔

تیسرے یہ کہ جو ذات کائنات کے اس عظیم الشان کارخانے کو عدم سے وجود میں لے کر آئی ہے اس کیلئے اس کو ختم کر کے نئے سرے سے آخرت کا عالم پیدا کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے، جسے ناممکن سمجھ کر اس کا انکار کیا جائے۔

جب یہ حقیقتیں مان لی جائیں تو اس سے خود بخود یہ بات ثابت ہوسکتی ہے کہ جب اللہ ﷻ کو یہ منظور ہے کہ اس دنیا میں انسان اس کی مرضی کے مطابق زندگی گذارے تو ظاہر ہے کہ اپنی مرضی لوگوں کو بتانے کے لئے اس نے رہنمائی کا کوئی سلسلہ ضرور جاری فرمایا ہوگا، اسی سلسلے کا نام رسالت، نبوت یا پیغمبری ہے اور نبی کریم ﷺ

اسی سلسلے کے آخری نمائندے ہیں۔

اس سورت میں آپ ﷺ کو یہ تسلی بھی دی گئی ہے کہ اگر کافر لوگ آپ کی بات نہیں مان رہے ہیں تو اس میں آپ پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، بلکہ آپ کا فریضہ صرف اتنا ہے کہ لوگوں تک حق کا پیغام واضح طریقے سے پہنچادیں، آگے ماننا نہ ماننا ان کا کام ہے، وہی اس کیلئے جواب دہ ہیں۔

القطمير: لفافة النواة. ﴿مُثْقَلَةٌ﴾: مثقلة. وقال غيره: ﴿الحَرُوْرُ﴾ بالنهار مع الشمس. وقال ابن عباس: الحرور بالليل. والسموم بالنهار. ﴿وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ﴾: اشد سواداً، الغربيب.

ترجمہ: "**القطمير**" بمعنی "**لفافة النواة**" یعنی کھجور کی گٹھلی کے اوپر کی باریک جھلی / چھلکا۔

"**مُثْقَلَةٌ**" بمعنی "**مُثَقَّلَةٌ**" یعنی بوجھ سے لدا ہوا، اسم مفعول کا صیغہ ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ "**الحَرُوْرُ**" دن کی گرمی کو کہتے ہیں جب سورج نکلا ہوا ہوتا ہے، جبکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "**الحَرُوْرُ**" رات کی گرمی کو کہتے ہیں، اور "**السموم**" دن کی گرمی کو کہتے ہیں۔

﴿وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ﴾ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ "**اشد سواداً**" کے معنی میں ہے، اور یہ کہتے ہیں اس سیاہ چیز کو جس کے اندر سیاہ رنگت کی شدت پائی جاتی ہو۔

جبکہ "**غرابيب**" جمع ہے اور اس کا مفرد "**الغربيب**" آتا ہے۔

(۳۶) سورۃ یٰسٓ

سورۂ یٰس کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں تراسی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں۔

اللہ ﷻ کی قدرت وحکمت کی نشانیاں اور منکرین حق کا انجام

اس سورت میں اللہ ﷻ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی وہ نشانیاں بیان فرمائی ہیں جو نہ صرف پوری کائنات میں بلکہ خود انسان کے اپنے وجود میں پائی جاتی ہیں۔

اللہ ﷻ کی قدرت کے ان مظاہر سے ایک طرف یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو ذات اتنی قدرت اور حکمت کی مالک ہے، اس کو اپنی خدائی کا نظام چلانے کیلئے نہ کسی شریک کی ضرورت ہے، نہ کسی مدد گار کی، اس لئے وہ اور صرف وہ عبادت کے لائق ہے۔

دوسری طرف قدرت کی ان نشانیوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جس ذات نے یہ کائنات اور اس کا محیر العقول نظام پیدا فرمایا ہے، اس کیلئے یہ بات کچھ بھی مشکل نہیں ہے کہ وہ انسانوں کے مرنے کے بعد انہیں دوسری زندگی عطا فرمائے۔

اس طرح قدرت کی ان نشانیوں سے توحید اور آخرت کا عقیدہ واضح طور پر ثابت ہو جاتا ہے۔

حضور اقدس ﷺ لوگوں کو یہی دعوت دینے کیلئے تشریف لائے ہیں کہ وہ ان نشانیوں پر غور کر کے اپنا عقیدہ اور عمل درست کریں۔ اس کے باوجود اگر کچھ لوگ اس دعوت کو قبول نہیں کر رہے ہیں تو وہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں، کیونکہ اس کے نتیجے میں وہ اللہ ﷻ کی طرف سے عذاب کے مستحق بن رہے ہیں۔

اسی سلسلے میں (آیات نمبر ۳۱ سے ۹۲ تک) ایک ایسی قوم کا واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے جس نے حق کی دعوت کو قبول نہ کیا، بلکہ حق کے داعیوں کے ساتھ ظلم و بربریت کا معاملہ کیا جس کے نتیجے میں حق کے داعی کا انجام تو بہترین ہوا، لیکن حق کے یہ منکر اللہ ﷻ کے عذاب کی پکڑ میں آ گئے۔

سورۂ یٰس؛ قرآن مجید کا دل

چونکہ اس سورت میں اسلام کے بنیادی عقائد کو بڑے فصیح و بلیغ اور جامع انداز میں بیان فرمایا گیا ہے، اس لئے نبی کریم ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے اس سورت کو ''قرآن کا دل'' قرار دیا ہے۔ [۱]

وقال مجاهد: ﴿فَعَزَّزْنَا﴾: شددنا. ﴿يَاحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ﴾: وكان حسرة عليهم استهزاؤهم بالرسل. ﴿أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ﴾: لايستر ضوء أحدهما ضوء الآخر، ولاينبغي لهما ذلك، ﴿سَابِقُ النَّهَارِ﴾: يتطالبان حثيثين.

﴿نَسْلَخُ﴾: نخرج أحدهما من الآخر ويجري كل واحد منهما من مثله من الانعام.

﴿فَكِهُوْنَ﴾: معجبون.

﴿جُنْدٌ مُحْضَرُوْنَ﴾ عند الحساب. ويذكر عن عكرمة: ﴿الْمَشْحُوْنِ﴾: الموقر.

وقال ابن عباس: ﴿طَائِرُكُمْ﴾: مصائبكم. ﴿يَنْسِلُوْنَ﴾: يخرجون. ﴿مَرْقَدِنَا﴾: مخرجنا. ﴿أَحْصَيْنَاهُ﴾: حفظناه. ﴿مَكَانَتِهِمْ﴾ ومكانهم واحد.

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ ''فَعَزَّزْنَا'' کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ بمعنی ''شددنا'' ہے یعنی ہم نے قوت پہنچائی، تائید کی۔

﴿يَاحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ﴾ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں حسرت کو جو ذکر ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہ حسرت خود ان لوگوں یعنی کافروں کو ہوگی جنہوں نے دنیا میں انبیاء کرام علیہم السلام کا مذاق اُڑایا تھا اور ان کو جھٹلایا تھا۔

﴿أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ﴾ آیت کریمہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ سورج اور چاند دونوں میں سے کوئی ایک بھی دوسرے کی روشنی نہیں چھپاتا ہے، نہ ہی یہ بات دونوں کیلئے کسی صورت بھی ممکن ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک کیلئے ایک مقررہ حد ہے، جس سے آگے وہ نکل نہیں

---

[۱] قال رسول الله ﷺ: ((ان لكل شيء قلبا، وقلب القرآن يس الخ)) تفسير القرطبي، ج: ۱۵، ص: ۱۰، ومن الترمذي، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء في فضل يس، رقم: ۲۸۸۷

مطلب یہ ہے کہ نہ سورج کی مجال ہے کہ چاند کو پکڑے یعنی سورج کے بس میں نہیں ہے کہ وقت سے پہلے طلوع ہو کہ رات کو ہٹا کر دن بنا دے، اور نہ رات دن پر سبقت لے جاسکتی ہے یعنی رات کی مجال نہیں کہ دن کے مقررہ وقت کے ختم ہونے سے پہلے آسکے جیسے دن بھی رات کے زمانہ مقررہ کے ختم ہونے سے پہلے نہیں آسکتا اور یہ سب اس لئے ہے کہ چاند اور سورج ایک ایک دائرہ میں حساب سے اس طرح چل رہے ہیں۔

﴿سَابِقُ النَّهَارِ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے پیچھے رواں دواں ہیں۔

﴿نَسْلَخُ﴾ امام بخاری رحمہ اللہ اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہم ان دونوں میں سے ایک کو دوسرے سے کھینچ کر نکالتے ہیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک اپنے معمول کے مطابق چل رہے ہیں۔

"من مثله" سے جانور اور چوپایہ مراد ہے۔

"فَكِهُوْنَ" بمعنی "معجبون" یعنی اہل جنت خوش ہوں گے۔

﴿جُنْدٌ مُّحْضَرُوْنَ﴾ سے مراد "عندالحساب" یعنی جو حساب کے وقت حاضر کئے جائیں گے۔

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں "الْمَشْحُوْنِ" بمعنی "الموقر" یعنی لدا ہوا، بھرا ہوا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "طَائِرُكُمْ" سے مراد "مصائبكم" ہے یعنی تمہاری مصیبتیں تمہارے ساتھ ہیں۔

"يَنْسِلُوْنَ" بمعنی "يخرجون" یعنی جلدی جلدی نکل پڑیں گے۔

"مَرْقَدِنَا" سے مراد "مخرجنا" یعنی ہماری قبریں۔

"أَحْصَيْنَاهُ" بمعنی "حفظناه" ہم نے ہر چیز کو محفوظ کرلیا۔

"مَكَانَتِهِمْ" اور "مكانهم" ان کو معنی ایک ہی ہیں۔

(۱) باب قوله: ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ﴾ [۳۸]

اس ارشاد کا بیان: "اور سورج اپنے ٹھکانے کی طرف چلا جارہا ہے۔ یہ سب اُس ذات کا مقرر کیا ہوا نظام ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کا علم بھی کامل ہے۔"

۴۸۰۲ - حدثنا أبو نعيم: حدثنا الأعمش، عن ابراهيم التيمي، عن أبيه، عن أبي ذر ﷺ قال: كنت مع النبي ﷺ في المسجد عند غروب الشمس فقال: ((يا أبا ذر، أتدري أين تغرب الشمس؟)) قلت: الله ورسوله أعلم، قال: ((فإنها تذهب حتى تسجد تحت

العرش، فذلک قوله تعالیٰ: ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ﴾.
[راجع: ۳۱۹۹]

ترجمہ: حضرت ابوذر ﷺ فرماتے ہیں کہ آفتاب غروب ہونے کے وقت میں مسجد کے اندر نبی اکرم ﷺ کے ساتھ موجود تھا، تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اے ابوذر! کیا تمہیں معلوم ہے یہ آفتاب کہاں غروب ہوتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ اللہ اور اسکے رسول کو زیادہ علم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا آفتاب چلتا رہتا ہے یہاں تک کہ عرش کے نیچے سجدہ کرتا ہے، یہی مطلب ہے اس ارشاد باری تعالیٰ کا ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ﴾۔

۴۸۰۳ ـ حدثنا الحمیدی: حدثنا وکیع: حدثنا الأعمش، عن ابراهیم التیمی، عن أبیه، عن ابی ذر قال: سألت النبی ﷺ عن قوله تعالیٰ: ﴿والشَّمْسُ تَجْرِی لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا﴾ قال: ((مستقرها تحت العرش)). [راجع: ۳۱۹۹]

ترجمہ: حضرت ابوذر ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی اکرم ﷺ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بارے میں پوچھا ﴿والشَّمْسُ تَجْرِی لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا﴾۔ تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اس کا ٹھکانہ عرش کے نیچے ہے۔

تشریح

﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ﴾......

سورج کی چال اور رستہ مقرر ہے اسی پر چلا جاتا ہے ایک انچ یا ایک منٹ اس سے اِدھر اُدھر نہیں ہوسکتا جس کام پر لگا دیا ہے ہر وقت اس میں مشغول ہے کسی دم قرار نہیں۔ رات دن کی گردش اور سال بھر کے چکر میں جس جس ٹھکانہ پر اسے پہنچنا ہے پہنچتا ہے پھر وہاں سے باذن خداوندی نیا دورہ شروع کرتا ہے، قرب قیامت تک اسی طرح کرتا رہیگا۔ تا آنکہ ایک وقت آئیگا جب اس کو حکم ہوگا کہ جدھر سے غروب ہوا ہے ادھر سے الٹا واپس آئے یہ ہی وقت ہے جب باب توبہ بند کر دیا جائیگا۔

بات یہ ہے کہ اس کے طلوع وغروب کا یہ سب نظام اس زبردست اور باخبر ہستی کا قائم کیا ہوا ہے جس کے انتظام کو کوئی دوسرا شکست نہیں کرسکتا، اور نہ اس کی حکمت ودانائی پر کوئی حرف گیری کرسکتا ہے وہ خود جب چاہے اور جس طرح چاہے الٹ پلٹ کرے کسی کو مجال انکار نہیں ہوسکتی۔

اس کے سمجھنے سے پہلے پیغمبرانہ تعلیمات وتعبیرات کے متعلق یہ اصولی بات سمجھ لینی ضروری ہے کہ آسمانی کتابیں اور ان کے لانے والے انبیاء علیہم السلام خلق خدا کو آسمان وزمین کی مخلوقات میں غور وفکر اور تدبر کی

طرف مسلسل دعوت دیتے ہیں، اوران سے اللہ تعالیٰ کے وجود، توحید، علم وقدرت پر استدلال کرتے ہیں، مگران چیزوں میں تدبر اُسی حد تک مطلوب شرعی ہے جس حد تک اس کا تعلق انسان کی دنیوی اور معاشرتی ضرورت سے یا دینی اوراخروی ضرورت سے ہو۔

ایسے زائد تری فلسفیانہ تدقیق اور حقائقِ اشیاء کے کھوج لگانے کی فکر میں عام خلق اللہ کو نہیں ڈالا جاتا۔ کیونکہ اوّل تو حقائقِ اشیاء کا مکمل علم خود حکماء وفلاسفہ کو بھی باوجود عمریں صرف کر کے نہیں ہوسکا، بیچارے عوام تو کس شمار میں ہیں، پھر اگر وہ حاصل بھی ہو جائے اور اس سے نہ ان کی کوئی دینی ضرورت پوری ہو اور نہ کوئی صحیح مقصد دنیوی اس سے حاصل ہو تو اس لایعنی اور فضول بحث میں دخل دینا اضاعت عمر اور اضاعت مال کے سواء کیا ہے۔

اس تمہید کے بعد اصل معاملہ پر غور کیجئے کہ آیاتِ مذکورہ میں حق تعالیٰ نے اپنے قدرت کاملہ اور حکمتِ بالغہ کے چند مظاہر کا ذکر کر کے انسان کو اللہ کی توحید اور علم وقدرت کاملہ پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے اس میں سب سے پہلے زمین کا ذکر کیا ہے، جو ہر وقت ہمارے سامنے ہے ﴿وَآيَةٌ لَّهُمُ الْأَرْضُ﴾ پھر اس پر پانی برسا کر درخت اور نباتات اُگانے ذکر کیا، جو ہر انسان دیکھتا اور جانتا ہے ﴿أَحْيَيْنَاهَا﴾ اس کے بعد آسمان اور فضائے آسمانی سے متعلق چیزوں کا ذکر شروع کر کے پہلے لیل ونہار کے روزانہ انقلاب کا ذکر فرمایا ﴿وَآيَةٌ لَّهُمُ اللَّيْلُ﴾ اس کے بعد سورج اور چاند جو سیارات وانجم میں سب سے بڑے ستارے ہیں ان کا ذکر فرمایا۔ ان میں پہلے آفتاب کے متعلق فرمایا ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا﴾ اس میں غور کیجئے کہ مقصد اس کا یہ بتلانا ہے کہ آفتاب خود بخود اپنے ارادے اور اپنی قدرت سے نہیں چل رہا بلکہ یہ ایک عزیز وعلیم یعنی قدرت والے اور جاننے والے کے مقرر کردہ نظم کے تابع چل رہا ہے۔

"یا ابا ذر، أتدری أین تغرب الشمس؟ قلت: اللہ ورسولہ أعلم" آنحضرت ﷺ نے غروب آفتاب کے قریب حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کو سوال وجواب کے ذریعے اسی حقیقت پر متنبہ ہونے کی ہدایت فرمائی۔

"قال: فإنها تذهب حتی تسجد تحت العرش، فذلک قولہ تعالیٰ: ﴿وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾" جس میں یہ بتلایا کہ آفتاب غروب ہونے کے بعد عرش کے نیچے اللہ کو سجدہ کرتا ہے اور پھر اگلا دورہ شروع کرنے کی اجازت مانگتا ہے، جب اجازت مل جاتی ہے تو حسب دستور آگے چلتا ہے اور صبح کو جانب مشرق سے طلوع ہو جاتا ہے۔

اس کا حاصل اس سے زائد نہیں کہ آفتاب کے طلوع وغروب کے وقت عالم دنیا میں ایک نیا انقلاب آتا ہے، جس کا مدار آفتاب پر ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس انقلابی وقت کو انسانی تنبیہ کیلئے موزوں سمجھ کر یہ تلقین

فرمائی کہ آفتاب کو خود مختار اپنی قدرت سے چلنے والا نہ سمجھو، یہ صرف اللہ تعالیٰ کے اذن ومشیت کے تابع چل رہا ہے، اس کا ہر طلوع وغروب اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوتا ہے۔ یہ اس کی اجازت کے تابع ہے اسکے تابع فرمان حرکت کرنے ہی کو اس کا سجدہ قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ سجدہ ہر چیز کا اسکے مناسب حال ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن نے خود تصریح فرمادی ہے ﴿كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ﴾ یعنی ساری مخلوق اللہ کی تسبیح میں مشغول ہے، مگر ہر ایک کی عبادت وتسبیح کا طریقہ الگ الگ ہے، اور ہر مخلوق کو اس کی عبادت وتسبیح کا طریقہ سکھلا دیا جاتا ہے۔ جیسے انسانوں کو اس کی نماز وتسبیح کا طریقہ بتلا دیا گیا ہے، اس لئے آفتاب کے سجدہ کے یہ معنی سمجھنا کہ وہ انسان کے سجدہ کی طرح زمین پر ماتھا ٹیکنے ہی سے ہوگا، صحیح نہیں ہے۔

اور جبکہ قرآن وسنت کی تصریحات کے مطابق عرشِ خداوندی تمام آسمانوں، سیاروں، زمینوں پر محیط ہے۔ تو یہ ظاہر ہے کہ آفتاب ہر وقت ہر جگہ زیر عرش ہی ہے اور جبکہ تجربہ شاہد ہے کہ آفتاب جس وقت ایک جگہ غروب ہو رہا ہوتا ہے تو دوسری جگہ طلوع بھی ہو رہا ہوتا ہے، اس لئے اس کا ہر لمحہ طلوع وغروب سے خالی نہیں، تو آفتاب کا زیرِ عرش رہنا بھی دائمی ہر حال میں ہے، اور غروب وطلوع ہونا بھی ہر حال میں ہے۔

اس لئے حاصل مضمون حدیث کا یہ ہوا کہ آفتاب اپنے پورے دورے میں زیر عرش اللہ کے سامنے سجدہ ریز رہتا ہے یعنی اس کی اجازت اور فرمان کے تابع حرکت کرتا ہے اور یہ سلسلہ اسی طرح قریب قیامت تک چلتا رہے گا، یہاں تک کہ قیامت کی بالکل قریبی علامت ظاہر کرنے کا وقت آجائے گا تو آفتاب کو اپنے مدار پر اگلا دورہ شروع کرنے کے بجائے پیچھے لوٹ جانے کا حکم ہوجائیگا، اور پھر وہ مغرب کی طرف سے طلوع ہو جائے گا۔ اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا، کسی کا ایمان وتوبہ اس وقت مقبول نہیں ہوگا۔ [ع]

[ع] مزید تفصیل وتشریح کیلئے ملاحظہ فرمائیں رسالہ "سجود الشمس" تالیف علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ علیہ ومعارف القرآن، ج: ۷، ص. ۳۹۰، ۳۹۱

(۳۷) سورۃ صافّات

سورۂ صافات کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں ایک سو بیاسی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں۔

توحید، رسالت وآخرت کے اثبات اور انبیاءؑ کا ذکر

سورت کا نام اس کی پہلی آیت سے مأخوذ ہے۔

مکی سورتوں میں زیادہ تر اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت کے اثبات پر زور دیا گیا ہے۔ اس سورت کا مرکزی موضوع بھی یہی ہے، البتہ اس سورت میں خاص طور پر مشرکین عرب کے اس غلط عقیدے کی تردید کی گئی ہے جس کی رو سے وہ کہا کرتے تھے کہ فرشتے اللہ ﷻ کی بیٹیاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سورت کا آغاز فرشتوں کے اوصاف سے کیا گیا ہے۔

اس کے علاوہ اس سورت میں آخرت میں پیش آنے والے حالات کی منظر کشی فرمائی گئی ہے۔ کفار کو کفر کے ہولناک انجام سے ڈرایا گیا ہے اور انہیں متنبہ کیا گیا ہے کہ ان کی تمام تر مخالفت کے باوجود اس دنیا میں بھی اسلام ہی غالب آ کر رہے گا۔

اسی مناسبت سے حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت موسیٰ، حضرت الیاس اور حضرت یونس علیہم السلام کے واقعات مختصراً اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔ خاص طور پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا جو حکم دیا گیا تھا اور انہوں نے قربانی کے جس عظیم جذبے سے اس کی تعمیل فرمائی، اس کا واقعہ بڑے مؤثر اور مفصل انداز میں اسی سورت کے اندر بیان ہوا ہے۔

وقال مجاهد: ﴿وَيَقْذِفُونَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ﴾ من كل مكان ﴿وَيُقْذَفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوراً﴾ يرمون. ﴿وَاصِبٌ﴾: دائم. ﴿لَازِبٍ﴾: لازم. ﴿تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ﴾: يعني الحق، الكفار تقوله للشيطان. ﴿غَوْلٌ﴾: وجع بطن. ﴿يُنْزَفُونَ﴾: لاتذهب عقولهم. ﴿قَرِينٌ﴾: شيطان. ﴿يُهْرَعُونَ﴾: كهيئة الهرولة. ﴿يَزِفُّونَ﴾: النسلان في

المشي. ﴿وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَباً﴾: قال كفار قريش: الملائكة بنات الله، وأمهاتهم بنات سروات الجن. وقال الله تعالى: ﴿وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ﴾ ستحضرون للحساب.

وقال ابن عباس: ﴿لَنَحْنُ الصَّافُّونَ﴾: الملائكة. ﴿صِرَاطِ الْجَحِيمِ﴾: سواء الجحيم ووسط الجحيم. ﴿لَشَوْباً﴾: يخلط طعامهم، ويساط بالحميم. ﴿مَدْحُوراً﴾: مطروداً. ﴿بَيْضٌ مَكْنُونٌ﴾: اللؤلؤ المكنون. ﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ﴾ يذكر بخير. ويقال ﴿يَسْتَسْخِرُونَ﴾: يسخرون. ﴿بَعْلاً﴾: ربّاً. ﴿الأسباب﴾: السماء.

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے سورہ سبا کی آیت ﴿وَيَقْذِفُونَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَكَانٍ بَعِيدٍ﴾ کی تفسیر میں فرمایا کہ "من كل مكان" یعنی بے تحقیق تیر چھینکتے رہے، دنیا میں دور کی جگہ سے یعنی ہر جگہ سے، پیغمبر کو کبھی کہتے شاعر، کبھی ساحر اور کبھی کاہن۔

اسی طرح دوسری آیت جو سورۂ صافات کی ہے ﴿وَيُقْذَفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُوراً﴾ حضرت مجاہد رحمہ اللہ اسکے بارے میں کہتے ہیں کہ "يُقْذَفُونَ" بمعنی "يرمون" یعنی ہر طرف سے پھینکے جاتے ہیں۔

"وَاصِبٌ" بمعنی "دائمٌ" یعنی ہمیشہ۔

"لَازِبٍ" سے مراد ہے "لازم" یعنی چپکنے والی مٹی، لیس دار گارا۔

آیت کریمہ ﴿تَأْتُونَنَا عَنِ الْيَمِينِ﴾ میں "الْيَمِين" کے معنی حق کے ہیں، یعنی کفار شیطان سے کہیں گے کہ ہم تمہارے پاس حق بات کی طرف سے آتے تھے۔

"غَوْلٌ" بمعنی "وجع بطن" یعنی پیٹ کا درد۔

"يُنْزَفُونَ" کا معنی ہے "لاتذهب عقولهم" یعنی انکی عقل نہیں جائیگی، اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ جنت کی شراب میں نہ درد سر ہوگا جیسے دنیا کی شراب میں ہوتا ہے اور نہ اس سے عقل میں فتور آئیگا۔

"قَرِينٌ" سے شیطان مراد ہے۔

"يُهْرَعُونَ" بمعنی "كهيئة الهرولة" یعنی دوڑنے کی ہیئت میں تیز تیز چلنا۔

"يَزِفُّونَ" بمعنی "النسلان في المشي" اسکے معنی ہیں نزدیک نزدیک قدم رکھ کر تیز تیز چلنا۔

﴿وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَباً﴾ اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ کفار قریش کہتے تھے کہ

ملائکہ رفرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور فرشتوں کی مائیں جن سرداروں کی بیٹیاں ہیں۔

یہ پوری آیت اس طرح ہے ﴿وَجَعَلُوْا بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَباً﴾ یعنی ان لوگوں نے اللہ اور جنات میں (بھی) رشتہ داری قرار دی ہے۔

اور اس ارشاد باری تعالیٰ ﴿وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ إِنَّهُمْ لَمُحْضَرُونَ﴾ سے مراد یہ ہے کہ عن قریب تم لوگ حساب کیلئے پیش کئے جاؤ گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "لَنَحْنُ الصَّافُّونَ" سے مراد فرشتے ہیں یعنی یہ فرشتوں کا قول ہے۔

"صِرَاطِ الْجَحِيمِ، سواء الجحيم ووَسَط الجحيم" تینوں کے معنی ایک ہیں جہنم کا راستہ۔

"لَشَوْباً" بمعنی "يخلط طعامهم" ان کا کھانا مخلوط ہوگا، "يساط بالحميم" پیپ کے ساتھ ملا ہوگا یعنی ان دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔

"مَدْحُوراً" بمعنی "مطروداً" یعنی دُور کیا ہوا، دُھتکارا ہوا، ذلیل وخوار ہو کر نکالا ہو۔

"بَيْضٌ مَكْنُونٌ" بمعنی "اللؤلؤ المكنون" چھپے ہوئے موتی مراد ہیں یعنی جنت میں حوریں چھپے ہوتی کی مانند خوبصورت، حسین وجمیل ہوں گی۔

﴿وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْآخِرِينَ﴾ بمعنی "يذكر بخير" ان کا ذکر خیر باقی رہے، یعنی ہم نے ان کے بعد آنے والے لوگوں میں یہ بات رہنے دی کہ ان پر سلام ہو۔

"يَسْتَسْخِرُونَ" کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ بمعنی "يسخرون" کے ہے یعنی وہ اس کو ہنسی مذاق میں اڑاتے ہیں۔

"بَعْلاً" بمعنی رب، پروردگار۔

"الأسباب" بمعنی آسمان۔

(۱) باب قوله: ﴿وَإِنَّ يُونُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾. [۱۳۹]

اس ارشاد کا بیان: "اور یقیناً یونس بھی پیغمبروں میں سے تھے۔"

۴۸۰۴ ـ حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا جرير، عن الأعمش، عن أبي وائل، عن عبدالله ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: ((وما ينبغي لأحد أن يكون خيراً من ابن متى)).

[راجع: ۳۴۱۲]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کسی کے لئے مناسب نہیں کہ وہ ابن متی یعنی حضرت یونس بن متی ﷺ سے بہتر ہونے کا دعویٰ کرے۔

۴۸۰۵ ـ حدثني إبراهيم بن المنذر: حدثنا محمد بن فليح: حدثني أبي، عن هلال بن علي من بني عامر بن لؤي، عن عطاء بن يسار، عن أبي هريرة ﷺ عن النبي ﷺ قال: ((من قال: أنا خير من يونس بن متى، فقد كذب)). [راجع: ۳۴۱۵]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص یہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں وہ جھوٹا ہے۔ [۱]

---

[۱] یہ حدیث کئی جگہ آئی ہے، تشریح و مفہوم کیلئے ملاحظہ فرمائیں انعام الباری شرح صحیح البخاری، کتاب احادیث الانبیاء، ج:۸، ص:۲۲۷، رقم: ۳۴۱۲

(۳۸) سورۃ صٓ

سورۂ ص کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں اٹھاسی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں۔

سورت کا شانِ نزول

یہ سورت کے نزول کا ایک خاص واقعہ ہے جو معتبر روایتوں میں بیان کیا گیا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے چچا ابو طالب اگرچہ آپ پر ایمان نہیں لائے تھے، لیکن اپنی رشتہ داری کا حق نبھانے کیلئے آپ کی مدد بہت کرتے تھے۔ ایک مرتبہ قریش کے دوسرے سردار ابو طالب کے پاس وفد کی شکل میں آئے اور کہا کہ اگر محمد ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیں تو ہم انہیں انکے اپنے دین پر عمل کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں، حالانکہ آنحضرت ﷺ ان کے بتوں کو اس کے سوا کچھ نہیں کہتے تھے کہ ان میں کوئی نفع یا نقصان پہنچانے کی کوئی طاقت نہیں ہے اور انکو خدا ماننا گمراہی ہے۔

چنانچہ جب آنحضرت ﷺ کو مجلس میں بلا کر آپ کے سامنے یہ تجویز رکھی گئی تو آپ نے ابو طالب سے فرمایا کہ چچا جان! کیا میں انہیں اس چیز کی دعوت نہ دوں جس میں انکی بہتری ہے؟ ابو طالب نے پوچھا وہ کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا میں ان سے ایک ایسا کلمہ کہلانا چاہتا ہوں جس کے ذریعے سارا عرب ان کے آگے سرنگوں ہو جائے اور یہ پورے عجم کے مالک ہو جائیں۔ اس کے بعد آپ نے کلمۂ توحید پڑھا۔

یہ سن کر تمام لوگ کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوے اور کہنے لگے کہ کیا ہم سارے معبودوں کو چھوڑ کر ایک کو اختیار کر لیں؟ یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔ اس موقع پر سورۂ ص کی آیات نازل ہوئیں۔

اسکے علاوہ اس سورت میں مختلف پیغمبروں کا بھی تذکرہ ہے، جن میں حضرت داود علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعات بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ [1]

---

[1] تفسیر القرطبی، ج:۱۵، ص: ۱۵۰

۴۸۰۶ ـ حدثنا محمد بن بشار: حدثنا غندر: حدثنا شعبة، عن العوام قال: سألت مجاهداً عن السجدة فی صٓ قال: سئل ابن عباس فقال: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾. [الانعام: ۹۰] وكان ابن عباس يسجد فيها. [راجع: ۳۴۲۱]

ترجمہ: عوام نے بیان کیا کہ میں نے مجاہد رحمہ اللہ سے سورۃ صٓ میں سجدہ کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسکے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے یہ آیت پڑھی ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سورہ میں سجدہ کیا کرتے تھے۔

تمام انبیاء کا دستورِ اساسی ایک ہے

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾

یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ ﷻ نے ہدایت دی تھی

پس آپ بھی ان ہی کی ہدایت کی اتباع کیجئے۔

"اقْتَدِهْ" ـ تمام انبیاء علیہم السلام عقائد، اصول دین اور مقاصد کلیہ میں متحد ہیں، سب کا دستور اساسی ایک ہے، ہر نبی کو اسی پر چلنے کا حکم ہے۔ آپ بھی اسی طریق مستقیم پر چلتے رہنے کے مامور ہیں، گویا اس آیت میں متنبہ کر دیا کہ اصولی طور پر آپ کا راستہ انبیاء سابقین کے راستے سے جدا نہیں، رہا فروع اختلاف وہ ہر زمانے کے مناسبت و استعداد کے اعتبار سے پہلے بھی واقعہ ہوتا رہا ہے اور آپ بھی واقع ہو تو مضائقہ نہیں۔

علمائے اصول نے اس آیت کے عموم سے یہ مسئلہ نکالا ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ کسی معاملہ میں شرائع سابقہ کا ذکر فرمائیں تو اس امت کے حق میں بھی سند ہے بشرطیکہ شارع نے اسپر کلی یا جزوی طور پر انکار نہ فرمایا ہو۔ [۲]

۴۸۰۷ ـ حدثنی محمد بن عبداللہ: حدثنا محمد بن عبید الطنافسی، عن العوام قال: سألت مجاهداً عن سجدة صٓ فقال: سألت ابن عباس: من أين سجدت؟ فقال: أو ما تقرأ: ﴿وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيْمَانَ﴾ ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾ فكان داؤد ممن أمر نبيكم ﷺ أن يقتدي به. فسجدها داؤد فسجدها رسول اللہ ﷺ. [راجع: ۳۴۲۱]

ترجمہ: عوام نے بیان کیا کہ میں نے مجاہد رحمہ اللہ سے سورہ ص میں سجدہ کے متعلق پوچھا تو آپ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا تھا کہ آپ نے کہاں سے سجدہ کیا ہے؟ (یعنی اس

---

[۲] تفسیر القرطبی، ج:۷، ص: ۳۵، وتفسیر عثمانی، سورة الانعام: ۹۰، فائدہ: ۷.

سورت میں سجدہ کرنے کی دلیل کہاں سے لی ہے) تو انہوں نے فرمایا کیا تم یہ نہیں پڑھتے؟ ﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ سُلَيْمَانَ﴾ ﴿أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾۔ پس حضرت داؤد علیہ السلام بھی ان میں سے تھے جن کی اتباع کا حکم تمہارے نبی ﷺ کو تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے سجدہ کا ذکر ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ نے بھی سجدہ کیا۔

﴿عُجَابٌ﴾: عجيب. ﴿القِطُّ﴾: الصحيفة. هو ههنا صحيفة الحسنات. وقال مجاهد: ﴿فى عِزَّةٍ﴾: معازين. ﴿المِلَّةِ الآخِرَةِ﴾: ملة قريش. الاختلاق: الكذب. ﴿الأسبابِ﴾: طرق السماء فى أبوابها.

﴿جُنْدٌ مَا هُنَالِكَ مَهْزُومٌ﴾: يعني قريشاً. ﴿أُولٰئِكَ الأحْزَابُ﴾: القرون الماضية. ﴿فَوَاقٍ﴾: رجوع. ﴿قِطَّنَا﴾: عذابنا. ﴿أتَّخَذْنَاهُمْ سِخْرِيًّا﴾: أحطنا بهم. ﴿أتْرَابٌ﴾: أمثال.

وقال ابن عباس: ﴿الأيْدِ﴾: القوة فى العباد. ﴿الأبْصَارُ﴾: البصر فى أمر الله. ﴿حُبَّ الخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّى﴾: من ذكر. ﴿طَفِقَ مَسْحاً﴾: يمسح أعراف الخيل وعراقيبها. ﴿الأصْفَادِ﴾: الوثاق.

ترجمہ وتشریح

"عُجَابٌ" بمعنی "عجيب" یعنی عجیب بات ہے۔

"القِطُّ" بمعنی "الصحيفة" یہاں صحیفہ سے نیک اعمال کا صحیفہ مراد ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "فى عِزَّةٍ" بمعنی "معازين" یعنی حصول عزت میں غلبہ چاہنے والے۔

"المِلَّةِ الآخِرَةِ" سے مراد ملتِ قریش، قریش کا دین۔

"الاختلاق" بمعنی جھوٹ، من گھڑت بات۔

"الأسبابِ" سے یہاں پر، آسمان کے دروازوں میں اس کے راستے، مراد ہیں۔

﴿جُنْدٌ ما هُنالِكَ مَهْزُومٌ﴾ اس آیت میں شکست کھانے والے لشکر سے مراد قریش مکہ ہے۔

"أولٰئكَ الأحْزَابُ" سے مراد گزشتہ امتیں ہیں۔

"فَوَاقٍ" بمعنی "رجوع" یعنی واپس لوٹنا۔

"قِطَّنا" بمعنی "عذابنا" یعنی ہمارا عذاب۔

"أَتَّخَذْنَاهُمْ سِخْرِيًّا"، بمعنی "احطنابهم" یعنی ہم نے ہنسی مذاق میں ان کا احاطہ کرلیا، انکو گھیر لیا۔
"أَتْرَابٌ" بمعنی "امثال" یعنی ہم عمر، ہم مثل، یہاں حوروں کے بارے میں فرما رہے ہیں۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "الأَيْدِ" کے معنی عبادت میں قوت کے ہیں۔ اور "الأَبْصَارُ" کے معنی اللہ جل جلالہ کے کام میں غور کرنے والے تھے۔
﴿حُبَّ الْخَيْرِ عَنْ ذِكْرِ رَبِّي﴾ یہاں پر "عن-من" کے معنی میں ہے یعنی ذکر سے غافل کر دیا۔
"طَفِقَ مَسْحًا" یعنی گھوڑوں کے پاؤں اور ایال پر محبت سے ہاتھ پھیرنا شروع کیا یا بقول بعض تلوار سے ان کو کاٹنے لگے۔
"الأَصْفَادِ" بمعنی "الوثاق" یعنی زنجیریں۔

(۱) بابٌ قوله: ﴿هَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ﴾. [۳۵]

اس ارشاد کا بیان: "مجھے ایسی سلطنت بخش دے جو میرے بعد کسی اور کیلئے مناسب نہ ہو، بیشک تیری، اور صرف تیری ہی ذات وہ ہے جو اتنی سخی داتا ہے۔"

بارِ حکومت اور حصولِ اقتدار کی دعاء

وہ زمانہ ملوک و جبارین کا تھا، اس حیثیت سے بھی یہ دعاء مذاق زمانہ کے موافق تھی اور ظاہر ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا مقصد ملک حاصل کرنے سے اپنی شوکت وحشمت کا مظاہرہ کرنا نہیں تھا بلکہ اس دین کا ظاہر و غالب کرنا اور قانون سماوی کا پھیلانا ہوتا ہے جس کے وہ حامل بنا کر بھیجے جاتے ہیں۔ لہٰذا ان کی اس دعاء کو دنیا داروں کی دعا پر قیاس نہ کیا جائے۔

یہاں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام کی کوئی دعاء اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ دعاء بھی باری تعالیٰ کی اجازت سے ہی مانگی تھی۔ اور چونکہ اس کا منشاء محض طلبِ اقتدار نہیں تھا بلکہ اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ کے احکام کو نافذ کرنے اور کلمۂ حق کو سربلند کرنے کا جذبہ کارفرما تھا، اور باری تعالیٰ کو معلوم تھا کہ حکومت ملنے کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام انہی مقاصد عالیہ کیلئے کام کریں گے۔ اور حبِّ جاہ کے جذبات ان کے دل میں جگہ نہیں پائیں گے۔ اس لئے انہیں اس دُعاء کی کی

اجازت بھی دی گئی اور اسے قبول بھی کرلیا گیا۔

لیکن عام لوگوں کیلئے از خود اقتدار کے طلب کرنے کو حدیث میں اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اس میں حبُّ جاہ ومال کے جذبات شامل ہوجاتے ہیں۔ چنانچہ جہاں انسان کو اس قسم کے جذباتِ نفسانی سے خالی ہونے کا یقین ہو اور وہ واقعۃً اعلاءِ کلمۃ الحق کے سوا کسی اور مقصد سے اقتدار بھی حاصل نہ کرنا چاہتا ہو، تو اس کے لئے حکومت کی دُعاء مانگنا جائز ہے۔ ۳

۴۸۰۸ - حدثنا إسحاق بن إبراهيم: حدثنا روح ومحمد بن جعفر، عن شعبة، عن محمد بن زياد، عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: ((إن عفريتاً من الجن تفلّت عليّ البارحة -أو كلمة نحوه- ليقطع عليّ الصلاة فأمكنني الله منه وأردت أن أربطه الى سارية من سواري المسجد حتى تصبحوا وتنظروا إليه كلكم فذكرت قول أخي سليمان: ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكاً لَايَنْبَغِيْ لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِيْ﴾)) قال روح: فرده خاسئاً. [راجع: ۴۶۱]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا گذشتہ رات ایک سرکش جن اچانک میرے پاس آیا - یا اسی طرح کا کلمہ آپ نے فرمایا - تاکہ میری نماز خراب کرے لیکن اللہ ﷻ نے مجھے اس پر قدرت دیدی اور میں نے ارادہ کیا کہ اسے مسجد کے کسی بھی کھمبے سے باندھ دوں تاکہ صبح کے وقت تم سب لوگ بھی اسے دیکھ سکو لیکن مجھے اپنے بھائی سلیمان کی بات/دعا یاد آگئی کہ ﴿رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكاً لَايَنْبَغِيْ لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِيْ﴾۔ راوی روح نے کہا کہ آپ ﷺ نے اس جن کو ذلت کے ساتھ بھگا دیا تھا۔ ۴

(۲) باب قوله: ﴿وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾. [۸۶]

اس ارشاد کا بیان: ”اور نہ میں بناوٹی لوگوں میں سے ہوں۔“

﴿وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ میں تکلف اور تصنع کر کے اپنی نبوت ورسالت اور علم وحکمت کا اظہار نہیں کر رہا، بلکہ اللہ کے احکام کو ٹھیک ٹھاک پہنچا رہا ہوں۔ اس سے معلوم ہوا کہ تکلف اور تصنع شرعاً مذموم ہے۔

---

۳ روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، ج: ۱۲، ص: ۱۹۳، ومعارف القرآن، ج: ۸، ص: ۵۱۹

۴ تشریح ملاحظہ فرمائیں انعام الباری شرح صحیح البخاری، كتاب الصلاة، ج: ۳، ص: ۲۲۱-۲۲۰

چنانچہ اس کی مذمت میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی درج ذیل حدیث ہے جس میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ "اے لوگو! تم میں سے جس شخص کو کسی بات کا علم ہو تو وہ اسے بیان کردے، اور اگر علم نہ ہو تو کہے کہ - اللہ ہی کو زیادہ علم ہے - بس یہ کہنے پر اکتفاء کرے۔ کیونکہ یہ بھی علم ہی ہے کہ جو چیز نہ جانتا ہو اس کے متعلق کہہ دے کہ اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے۔ اللہ ﷻ نے اپنے نبی ﷺ سے کہا تھا کہ ﴿قُلْ مَآ اَسْـئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾۔ ۵

۴۸۰۹ - حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا جرير، عن الأعمش، عن ابى الضحىٰ، عن مسروق قال: دخلنا على عبدالله بن مسعود قال: ياأيها الناس من علم شيئاً فليقل به، ومن لم يعلم فليقل: الله أعلم، فان من العلم أن يقول لما لا يعلم: الله أعلم، قال الله عزوجل لنبيه ﷺ: ﴿قُلْ مَآاَسْـئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَّمَآاَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾ وساحدثكم عن الدخان. إن رسول الله ﷺ دعا قريشاً إلى الإسلام فأبطؤا عليه فقال: ((اَللّٰهُمَّ اَعِنِّىْ عَلَيْهِمْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوْسُفَ))، فأخذتهم سنة فحصت كل شئ حتى أكلوا الميتة والجلود حتى جعل الرجل يرى بينه وبين السماء دخاناً من الجوع. قال الله عزوجل: ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَاْتِى السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ. يَّغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ قال: فدعوا ﴿رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ اِنَّا مُؤْمِنُوْنَ اَنّٰى لَهُمُ الذِّكْرٰى وَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مُّبِيْنٌ. ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوْا مُعَلَّمٌ مَّجْنُوْنٌ. اِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيْلًا اِنَّكُمْ عَآئِدُوْنَ﴾ [الدخان: ۱۲-۱۵] أفيكشف العذاب يوم القيامة؟ قال: فكشف ثم عادوا فى كفرهم فأخذهم الله يوم بدر، قال الله تعالىٰ: ﴿يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرٰى اِنَّا مُنْتَقِمُوْنَ﴾ [الدخان: ۱۶]. راجع: ۱۰۰۷]

ترجمہ: مسروق رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ہم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے کہا اے لوگو! جس شخص کو کسی چیز کا علم ہو تو وہ اسے بیان کرے اگر علم نہ ہو تو کہے کہ اللہ ہی کو زیادہ علم ہے کیونکہ یہ بھی علم ہی ہے کہ جو چیز نہ جانتا ہو اس کے متعلق کہہ دے کہ اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے۔ اللہ ﷻ نے اپنے نبی ﷺ سے کہا تھا کہ ﴿قُلْ مَآ اَسْـئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ﴾۔ اور میں تمہیں دخان (دھوئیں) کے بارے میں بتاؤں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے قریش کو اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے تاخیر کی پھر آنحضور ﷺ نے ان کے حق میں بددعا کی کہ اے اللہ! ان پر یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے سات سالوں کی طرح سات سالوں کا قحط بھیج کر میری مدد فرما۔ چنانچہ قحط نے ان کو پکڑا اور اتنا زبردست کہ ہر چیز کو اس قحط نے ختم کردیا

---

۵ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ج: ۱۲، ص: ۲۲۰

لوگ مردار اور کھالیں تک کھانے پر مجبور ہو گئے، بھوک کی شدت کی وجہ سے یہ حال تھا کہ کوئی آسمان کی طرف اگر نظر اٹھاتا تو دھواں ہی دھواں نظر آتا تھا۔ اسی کے متعلق اللہ ﷻ نے فرمایا ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ. يَغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ۔ بیان کیا کہ پھر قریش دعا کرنے لگے کہ ﴿رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ أَنَّى لَهُمُ الذِّكْرَىٰ وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ. ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَّجْنُونٌ. إِنَّا كَاشِفُو الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ﴾ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ پھر یہ عذاب تو ان سے دور کر دیا گیا لیکن جب وہ دوبارہ کفر میں مبتلا ہو گئے تو جنگ بدر میں اللہ نے انہیں پکڑا۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ﴿يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ إِنَّا مُنتَقِمُونَ﴾ یعنی جس دن ہماری طرف سے سب سے بڑی پکڑ ہوگی، اُس دن ہم پورا انتقام لے لیں گے ۔

(۳۹) سورة الزمر

سورۂ زمر کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وجہ تسمیہ

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں پچھتر آیتیں اور آٹھ رکوع ہیں۔ گروہوں کیلئے عربی لفظ "زمر" استعمال کیا گیا ہے اور یہی اس سورت کا نام ہے۔

باطل عقائد کی تردید اور ہجرت کا حکم

یہ سورت مکی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی تھی اور اس میں مشرکین مکہ کے مختلف باطل عقیدوں کی تردید فرمائی گئی ہے۔

مشرکین یہ مانتے تھے کہ کائنات کا خالق اللہ ﷻ ہے، لیکن انہوں نے مختلف دیوتاؤں کو گھڑ کر یہ مانا ہوا تھا کہ انکی عبادت کرنے سے وہ خوش ہونگے اور اللہ ﷻ کے پاس ہماری سفارش کرینگے اور بعض نے فرشتوں کو اللہ ﷻ کی بیٹیاں قرار دیا ہوا تھا۔

اس سورت میں ان مختلف عقائد کی تردید کر کے انہیں توحید کی دعوت دی گئی ہے۔

یہ وہ دور ہے جب مسلمانوں کو مشرکین کے ہاتھوں بدترین اذیتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، اس لئے اس سورت میں مسلمانوں کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ کسی ایسے خطے کی طرف ہجرت کر جائیں جہاں وہ اطمینان سے اللہ ﷻ کی عبادت کر سکیں۔

نیز کافروں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ اگر انہوں نے اپنی معاندانہ روش نہ چھوڑی تو انہیں بدترین سزا کا سامنا کرنا پڑیگا۔

سورت کے آخر میں نقشہ کھینچا گیا ہے کہ آخرت میں کافر کس طرح گروہوں کی شکل میں دوزخ تک لے جائے جائینگے اور مسلمانوں کو کس طرح گروہوں کی شکل میں جنت کی طرف لے جایا جائیگا۔

وقال مجاهد: ﴿يَتَّقِي بِوَجْهِهِ﴾: يجرّعلى وجهه في النار وهو قوله تعالىٰ: ﴿أَفَمَنْ يُلْقَى فِي النَّارِ خَيْرٌ أَمْ مَن يأتي آمناً يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾.

﴿ذِي عِوَجٍ﴾: لبس. ﴿وَرَجُلاً سَلَماً لِرَجُلٍ﴾: صالحا.

﴿وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ﴾: بالأوثان، ﴿خَوَّلْنَا﴾: أعطينا. ﴿وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ﴾: القرآن ﴿وَصَدَّقَ بِهِ﴾: المؤمن يجيء يوم القيامة.

وقال غيره: ﴿مُتَشَاكِسُونَ﴾، الرجل الشكس: العسر، لا يرضى بالإنصاف.

﴿وَرَجُلاً سلماً﴾. ويقال: سالماً: صالحاً.

﴿اشْمَأَزَّتْ﴾: نفرت. ﴿بِمَفَازَتِهِمْ﴾ من الفوز. ﴿حَافِّينَ﴾: أطافوا به، مطفين بحفافيه: بجوانبه.

﴿مُتَشَابِهاً﴾ ليس من الاشتباه ولكن يشبه بعضه بعضاً في التصديق.

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿يَتَّقِي بِوَجْهِهِ﴾ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس سے مراد جہنمی ہے، یعنی جب وہ منہ کے بل جہنم میں گھسیٹا جائے گا تو وہ اپنا چہرہ بچانے کی کوشش کرے گا۔

"ذِي عِوَجٍ" بمعنی "لبس" یعنی مشتبہ اور گڑبڑ کے ہیں۔

﴿وَرَجُلاً سَلَماً لِرَجُلٍ﴾ سے مراد ہے نیک آدمی۔

﴿وَيُخَوِّفُونَكَ بِالَّذِينَ مِنْ دُونِهِ﴾ اس آیت کریمہ میں "مِنْ دُونِهِ" سے مراد مشرکین مکہ کے اصنام اور بت ہیں۔

"خَوَّلْنَا" بمعنی "اعطینا" یعنی ہم نے عطاء کیا، ہم نے دیا۔

﴿وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ﴾ سے قرآن کریم مراد ہے، جبکہ ﴿وَصَدَّقَ بِهِ﴾ سے وہ مؤمن مراد ہے جو روزِ قیامت آئے گا اور یہ کہے گا کہ مجھے یہ قرآن عطاء کیا گیا تھا۔

"مُتَشَاكِسُونَ" بمعنی "الرجل الشكس" یعنی وہ بداخلاق جھگڑالو شخص جو انصاف پر رضامند نہ ہو۔

"وَرَجُلاً سلماً" بمعنی "سالماً: صالحاً" اسم فاعل اچھے آدمی کو کہتے ہیں۔

"اشْمَأَزَّتْ" بمعنی "نفرت" یعنی نفرت کی، ناپسند کیا۔

"بِمَفَازَتِهِمْ" یہ مشتق ہے "الفوز" جس کے معنی ہیں کامیابی کے۔

"حَافِّيْنَ" بمعنی "أطافوا به" یعنی وہ فرشتے عرش کے گرد طواف کر رہے ہوں، اسکے اردگرد حلقہ باندھے ہوں گے۔

"مُتَشَابِهاً" یہ اشتباہ سے نہیں لیا گیا، بلکہ اس کا مطلب ہے کہ قرآن تصدیق میں بعض بعض سے ملتا جلتا ہے، یعنی قرآن کریم کی بعض آیات دوسری بعض آیاتوں کی تصدیق کرتی ہیں، باہم ملتی جلتی ہے اور ان کے مضامین ایک جیسے ہوتے ہیں۔

(۱) باب قوله: ﴿يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَاتَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ﴾ الآية [۵۳]

اس ارشاد کا بیان: "اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کر رکھی ہے، اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو" [۱]

۴۸۱۰ — حدثني إبراهيم بن موسى: أخبرنا هشام بن يوسف: أن ابن جريج أخبرهم: قال يعلى: إن سعيد بن جبير أخبره عن ابن عباس رضي الله عنهما: أن ناساً من أهل الشرك كانوا قد قتلوا وأكثروا، وزنوا وأكثروا فأتوا محمداً ﷺ فقالوا: ان الذي تقول وتدعو اليه لحسن لو تخبرنا ان لما عملنا كفارة فنزل ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ

---

[۱] یہ آیت ارحم الراحمین کی رحمت بے پایاں اور عفو و درگذر کی شان عظیم کا اعلان کرتی ہے اور سخت سے سخت مایوس العلاج مریضوں کے حق میں اکسیر شفاء کا حکم رکھتی ہے۔ مشرک، ملحد، زندیق، مرتد، یہودی، نصرانی، مجوسی، بدعتی، بدمعاش، فاسق، فاجر کوئی ہو آیت ہذا کو سننے کے بعد خدا کی رحمت سے بالکلیہ مایوس ہو جانے اور آس توڑ کر بیٹھ جانے کی اس کیلئے کوئی وجہ نہیں، کیونکہ اللہ ﷻ جس کے چاہے سب گناہ معاف کر سکتا ہے کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑ سکتا، پھر بندہ ناامید کیوں ہو، ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے دوسرے اعلانات میں تصریح کر دی گئی کہ کفر و شرک کا جرم بدون توبہ کے معاف نہیں کرے گا ﴿ان الله يغفر الذنوب جميعا﴾ کو "لمن يشاء" کے ساتھ مقید سمجھنا ضروری ہے، کما قال تعالى: ﴿ان الله لا يغفر ان يشرك به ويغفر مادون ذلك لمن يشاء﴾ -[النساء، ركوع: ۱۸] اس تقیید سے یہ لازم نہیں آتا کہ بدون توبہ کے اللہ ﷻ کوئی چھوٹا بڑا قصور معاف ہی نہ کر سکے اور نہ یہ مطلب ہوا کہ کسی جرم کیلئے توبہ کی ضرورت ہی نہیں، بدون توبہ کے سب گناہ معاف کر دیے جائیں گے، قید صرف مشیت کی ہے اور مشیت کے متعلق دوسری آیات میں بتلا دیا گیا کہ وہ کفر و شرک سے بدون توبہ کے متعلق نہ ہوگی، چنانچہ آیت ہذا کی شان نزول بھی اس پر دلالت کرتی ہے۔ [تفسیر عثمانی، سورہ زمر، فائدہ نمبر: ۳] وتفسير القرطبي، ج: ۱۵، ص: ۲۶۷

اِلٰهاً آخَرَ وَلاَ یَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلاَ یَزْنُوْنَ﴾ ونزل ﴿یٰا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لاَ تَقْنَطُوْا مِنْ رَحْمَةِ اللهِ﴾. [الزمر:۵۳] ؎

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ مشرکین میں سے کچھ لوگوں نے قتل کا ارتکاب کیا اور کثرت سے کیا تھا اور زنا بھی بہت کیا تھا، پھر وہ محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ جو کچھ کہتے ہیں اور جس کی طرف دعوت دیتے ہیں (یعنی اسلام) یقیناً اچھی خبر ہے اگر آپ ہمیں یہ بتادیں کہ جو کچھ گناہ ہم کر چکے ہیں اس کا کفارہ ہے یعنی اسلام لانے سے سب معاف ہو جائیگا، اس پر آیت نازل ہوئی ﴿وَالَّذِیْنَ لاَیَدْعُوْنَ مَعَ اللهِ اِلٰهاً آخَرَ وَلاَیَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِیْ حَرَّمَ اللهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلاَیَزْنُوْنَ﴾ یعنی وہ لوگ جو اللہ ﷻ کے سوا اور کسی دوسرے معبود کو نہیں پکارتے اور کسی بھی جان کو قتل نہیں کرتے جن کا قتل کرنا اللہ ﷻ نے حرام کیا ہے، مگر حق کے ساتھ اور زنا نہیں کرتے۔ اور (سورۂ زمر کی) یہ آیت نازل ہوئی ﴿یٰا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ لاَتَقْنَطُوْا مِنْ رَحْمَةِ اللهِ﴾۔

توبہ ہر گناہ کو ختم کر دے گی

﴿یٰا عِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا الخ﴾ اس آیت کے ضمن میں حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے قتل ناحق کئے اور بہت کئے، اور زناء کا ارتکاب کیا اور بہت کثرت سے کیا۔

ان لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ جس دین کی طرف آپ دعوت دیتے ہیں وہ ہے تو بہت

؎ وفی صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب کون الاسلام یهدم ماقبله وکذا الهجرة والحج، رقم: ۱۲۲، وکتاب التفسیر، رقم: ۳۰۲۳، وسنن ابی داؤد، کتاب الفتن والملاحم، باب فی تعظیم قتل المؤمن، رقم: ۳۲۷۳، ۳۲۷۵، وسنن الترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة النساء، رقم: ۳۰۲۹، وسنن النسائی، کتاب تحریم الدم، تعظیم الدم، رقم: ۳۹۹۹، ۴۰۰۰، ۴۰۰۱، ۴۰۰۲، ۴۰۰۳، ۴۰۰۴، ۴۰۰۵، وکتاب القسامة، باب ماجاء فی کتاب القصاص من المجتبیٰ مما لیس فی السنن تأویل قول الله عزوجل، ﴿وَمَنْ یَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهٗ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِیْهَا﴾. رقم: ۳۸۶۳، ۳۸۶۴، ۳۸۶۵، ۳۸۶۶، وسنن ابن ماجه، کتاب الدیات، باب هل لقاتل مؤمن توبة، رقم: ۲۶۲۱، ومسند احمد، ومن مسند بنی هاشم، مسند عبدالله بن للعباس بن عبدالمطلب عن النبی ﷺ، رقم: ۱۹۳۱، ۱۹۳۲، ۲۶۸۳، ۳۳۳۵

اچھا، لیکن فکر یہ ہے کہ جب ہم اتنے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کر چکے ہیں اب اگر مسلمان بھی ہو گئے تو کیا ہماری توبہ قبول ہو سکے گی ؟!

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

خلاصہ آیت کے مضمون کا یہ ہوا کہ مرنے سے پہلے پہلے ہر بڑے سے بڑے گناہ یہاں تک کہ کفر و شرک سے بھی جو توبہ کر لے قبول ہو جاتی ہے اور سچی توبہ سے سب سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اس میں کسی کو اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہئے۔

(۲) باب قوله: ﴿وَمَا قَدَرُوا اللهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾ [۶۷]

اس ارشاد کا بیان: ”ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی قدر ہی نہیں پہچانی جیسا کہ قدر پہچاننے کا حق تھا“

۴۸۱۱ ـ حدثنا آدم: حدثنا شيبان، عن منصور، عن ابراهيم، عن عبيدة، عن عبدالله ﷺ قال: جاء حبر من الأحبار إلى رسول الله ﷺ فقال: يامحمد، إنا نجد ان الله يجعل السموات على إصبع، والأرضين على إصبع، والشجر على إصبع، والماء والثرى على إصبع، وسائر الخلائق على إصبع، فيقول: أناالملك. فضحك النبي ﷺ حتى بدت نواجذه تصديقا لقول الحبر. ثم قرأ رسول الله ﷺ ﴿وَمَا قَدَرُوا اللهَ حَقَّ قَدْرِهِ﴾. [أنظر: ۷۴۱۴، ۷۴۱۵، ۷۴۵۱، ۷۵۱۳] ؎

ترجمہ: حضرت عبداللہ ﷺ روایت کرتے ہیں کہ تورات کے عالموں میں سے ایک عالم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ اے محمد! ہم (تورات میں) پاتے ہیں کہ اللہ ﷻ آسمانوں کو ایک انگلی پر اور زمینوں کو ایک انگلی پر اور درختوں کو ایک انگلی پر اور پانی اور مٹی کو ایک انگلی پر اور تمام مخلوقات کو ایک انگلی پر اٹھا لے گا، پھر فرمائے گا کہ میں بادشاہ ہوں۔ تو نبی کریم ﷺ ہنسے یہاں تک کہ آپ کے دانت ظاہر ہو گئے، گویا اس

؎ وفي صحيح مسلم، كتاب صفة القيامة والجنة والنار، رقم: ۲۷۸۶، وسنن الترمذي، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة الزمر، رقم: ۳۲۳۸، ۳۲۴۰، ومسند أحمد، ومن مسند بني هاشم، مسند عبدالله بن العباس بن عبدالمطلب عن ﷺ، رقم: ۲۲۶۷، ۲۹۸۸، ومسند المكثرين من الصحابة، مسند عبدالله مسعود ﷺ، رقم: ۳۵۹۰، ۴۰۸۷، ۴۳۶۸.

یہودی عالم کی بات کی تصدیق کی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی ﴿وَمَا قَدَرُوا اللهَ حَقَّ قَدْرِهٖ﴾۔

(۳) باب قوله: ﴿وَالْأَرْضُ جَمِيعًا قَبْضَتُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَالسَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌ بِيَمِيْنِهٖ﴾ [۶۷]

اس ارشاد کا بیان: ''حالانکہ پوری کی پوری زمین قیامت کے دن اُس کی مٹھی میں ہوگی، اور سارے کے سارے آسمان اُس کے دائیں ہاتھ میں لپٹے ہوئے ہوں گے۔''

زمین مٹھی میں اور آسمان ہاتھ میں ہونے کا مطلب

قیامت کے روز زمین کا اللہ تعالیٰ کی مٹھی میں ہونا اور آسمانوں کا لپیٹ کر اس کے داہنے ہاتھ میں ہونا اسلاف متقدمین کے نزدیک اپنے حقیقی معنوں میں ہیں۔

مگر مضمون آیت متشابہات میں سے ہے جس کی حقیقت بجز خدائے تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں۔ عام لوگوں کو اس کی حقیقت معلوم کرنے کی کوشش بھی ممنوع ہے، بس اس پر ایمان لانا ہے کہ جو کچھ اس سے اللہ تعالیٰ کی مراد ہے وہ حق اور صحیح ہے۔

چونکہ اس آیت کے ظاہری الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی مٹھی اور داہنے ہاتھ کا ہونا معلوم ہوتا ہے جو اعضاء وجوارح جسمانی ہیں اور اللہ تعالیٰ جسم اور جسمانیت سے پاک ہے، اس کی طرف آیت کے خاتمہ میں اشارہ کر دیا کہ ان الفاظ کو اپنے اعضاء پر قیاس مت کرو، اللہ تعالیٰ ان سے پاک ہے۔

اور علماء متاخرین نے اس آیت کو ایک تمثیل ومجاز قرار دے کر یہ معنی بیان کئے ہیں کہ کسی چیز کا مٹھی میں ہونا اور داہنے ہاتھ میں ہونا کنایہ ہوتا ہے اس پر پوری طرح قبضہ وقدرت سے اور یہاں یہی مکمل قبضہ وقدرت مراد ہے۔ [۳]

۴۸۱۲ ۔ حدثنا سعيد بن عفير قال: حدثني الليث قال: حدثني عبدالرحمن بن خالد بن مسافر، عن ابن شهاب، عن أبي سلمة: أن أباهريرة قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ((يقبض الله الأرض ويطوي السماوات بيمينه ثم يقول: أنا الملك، أين ملوك

---

[۳] تفسير القرطبي، ج: ۱۵، ص: ۲۷۸، ومعارف القرآن، ج: ۷، ص: ۵۷۳

الأرض؟)). [أنظر: ۶۵۱۹، ۷۳۸۲، ۷۴۱۳] ۵

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ عزوجل زمین کو مٹھی میں لے لیگا اور آسمانوں کو اپنے دائیں ہاتھ میں لپیٹ لے گا، پھر فرمائے گا کہ میں بادشاہ ہوں، زمین کے بادشاہ کہاں ہیں؟

(۴) باب قوله: ﴿وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ﴾ الآية [۶۸]

اس ارشاد کا بیان: ”اور صور پھونکا جائے گا تو آسمانوں اور زمین میں جتنے ہیں، وہ سب بیہوش ہو جائیں گے، سوائے اُس کے جسے اللہ چاہے۔“

۴۸۱۳ - حدثني الحسن: حدثنا إسماعيل بن خليل: أخبرنا عبدالرحيم، عن زكريا ابن ابي زائدة، عن عامر، عن أبي هريرة رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: ((إني أوّل من يرفع رأسه بعد النفخة الآخرة، فإذا أنا بموسىٰ متعلق بالعرش فلا أدري أكذلك كان أم بعد النفخة؟)). [راجع: ۲۴۱۱]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آخری بار صور پھونکے جانے کے بعد سب سے پہلے اپنا سر اٹھانے والا میں ہوں گا، پھر میں دیکھوں گا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام عرش کے ساتھ لپٹے ہوئے ہیں اب مجھے نہیں معلوم کہ وہ اس طرح تھے یا دوسرے صور کے بعد مجھ سے پہلے ہوش میں آ کر عرشِ الٰہی کو تھام لیا۔

---

۵ وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الترغيب في الدعاء والذكر في آخر الليل، والاجابة فيها، رقم: ۷۵۸، وكتاب صفة القيامة والجنة والنار، رقم: ۲۷۸۷، وسنن الترمذي، أبواب الصلاة، باب ماجاء في الرب تبارك وتعالىٰ الى السماء الدنيا كل ليلة، رقم: ۴۴۲، وسنن ابن ماجه، افتتاح الكتاب في الايمان وفضائل الصحابة والعلم، باب فيما انكرت الجهمية، رقم: ۱۹۲، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي هريرة رضي الله عنه، رقم: ۷۷۲۹، ۸۸۶۳، وسنن الدارمي، ومن كتاب الرقاق، باب في شأن الساعة ونزول الرب تعالىٰ، رقم: ۲۸۴۱

۴۸۱۴ ــ حدثنا عمرو بن حفص: حدثنا أبي: حدثنا الأعمش قال: سمعت اباصالح قال: سمعت أبا هريرة عن النبي ﷺ قال: ((ما بين النفختين أربعون)). قالوا: يا أبا هريرة، أربعون يوما؟ قال: أبيت، قال: أربعون سنة؟ قال: أبيت، قال: أربعون شهرا؟ قال: أبيت ((ويبلى كل شئ من الانسان إلا عجب ذنبه فيه يركب الخلق)). [أنظر: ۴۹۳۵] ۵، ۶

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ دونوں صوروں کے پھونکے جانے کے درمیان چالیس کی مدت ہے، لوگوں نے پوچھا اے ابو ہریرہ کیا چالیس دن مراد ہیں؟ انہوں نے کہا کہ مجھے نہیں معلوم، راوی نے کہا چالیس مہینے مراد ہیں؟ انہوں نے اس کا بھی انکار کیا، اور کہا کہ انسان کی ہر چیز ریڑھ کی ہڈی کے سوا سڑ جائے گی، جس سے انسان کا تمام جسم جوڑا جائے گا۔

صور کا بیان

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ۔ ایک بار نفخ صور عالم کے فناء کا، دوسرا زندہ ہونے کا، یہ تیسرا بعد حشر کے بیہوشی کا، چوتھا خبردار ہونے کا ہے، اس کے بعد اللہ جل جلالہ کے سامنے سب کی پیشی ہوگی۔

لیکن علمائے محققین کے نزدیک کل دو مرتبہ نفخ صور ہوگا، پہلی مرتبہ میں سب کے ہوش اڑ جائیں گے، پھر زندہ ہو تو مردہ ہو جائینگے، اور جو مر چکے تھے ان کی ارواح پر بیہوشی کی کیفیت طاری ہو جائے گی، اس کے بعد دوسرا نفخہ ہوگا جس سے مردوں کے ارواح ابدان کی طرف واپس آجائیں گی، اور بے ہوشوں کو افاقہ ہوگا، اس وقت محشر کے عجیب وغریب منظر کو حیرت زدہ ہو کر تکتے رہیں گے، پھر خداوند قدوس کی پیشی میں تیزی کے ساتھ حاضر کئے جائیں گے۔

الامن شاء الله ۔ سے بعض نے جبرائیل، میکائیل، اسرافیل، اور ملک الموت مراد لئے ہیں۔

---

۵ وفي صحيح مسلم، كتاب الفتن وأشراط الساعة، باب مابين النفختين، رقم: ۲۹۵۵، وسنن ابي داؤد، كتاب السنة، باب في ذكر البعث والصور، رقم: ۴۷۴۳، وسنن النسائي، كتاب الجنائز، ارواح المؤمنين، رقم: ۲۰۷۶، وموطا مالک، كتاب الجنائز، باب جامع الجنائز، رقم: ۴۸، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند ابي هريرة رضي الله عنه، رقم: ۸۱۸۰، ۸۲۸۳، ۹۵۲۸، ۱۰۳۷۷، ۱۰۴۷۸

۶ والحديث لمعنى مطولا في أول: باب الأشخاص، ومعنى أيضا في أحاديث الانبياء عليهم السلام، باب وفاة موسى.

بعض نے ان کے ساتھ "**حملة العرش**" کو بھی شامل کیا ہے۔

بعض کے نزدیک انبیاء و شہداء مراد ہیں۔ **واللہ اعلم** ۔

بہر حال یہ استثناء اس نفخہ کے وقت ہوگا، اسکے بعد ممکن ہے ان پر بھی فنا طاری کر دی جائے۔ **﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ﴾** [۸، ۹]

---

۸ الدر المنثور، ج: ۷، ص: ۲۴۹، وعمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۲۲۲

۹ [المؤمن / غافر: ۱۶]

(۴۰) سورة المؤمن

سورۂ مؤمن کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں پچاسی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ اور عروس القرآن کا لقب

یہاں سے سورۂ احقاف تک ہر سورت "حٰم" کے حروف مقطعات سے شروع ہو رہی ہے۔ ان حروف کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ ﷻ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

چونکہ یہ سات سورتیں "حٰم" سے شروع ہو رہی ہیں، اس لئے ان کو "**حوامیم**" کہا جاتا ہے اور انکے اسلوب میں عربی بلاغت کے لحاظ سے جو ادبی حسن ہے، اس کی وجہ سے انہیں "**عروس القرآن**" یعنی قرآن کی دلہن کا لقب بھی دیا گیا ہے۔[1]

یہ تمام سورتیں مکی ہیں اور ان میں اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت کے مضامین پر زور دیا گیا ہے، کفار کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے اور کفر کے برے انجام سے خبردار کیا گیا ہے اور بعض انبیاء کرام کے واقعات کا حوالہ دیا گیا ہے۔

اس پہلی سورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے [آیت ۲۸ سے ۵۳ تک] فرعون کی قوم کے ایک ایسے مرد مؤمن کی تقریر نقل فرمائی گئی ہے جنہوں نے اپنا ایمان اب تک چھپایا ہوا تھا، لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور انکے رفقاء پر فرعون کے مظالم بڑھنے کا اندیشہ ہوا اور فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو انہوں نے اپنے ایمان کا کھلم کھلا اعلان کرتے ہوئے فرعون کے دربار میں یہ مؤثر تقریر فرمائی۔

اسی مرد مؤمن کے حوالے سے اس سورت کا نام بھی مؤمن ہے اور اسے "**سورة غافر**" بھی کہتے ہیں، "**غافر**" کے معنی ہیں معاف کرنے والا۔

---

[1] روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ج: ۱۲، ص: ۲۹۳

اس سورت کی پہلی ہی آیت میں یہ لفظ اللہ ﷻ کی صفات بیان کرتے ہوئے استعمال ہوا ہے، اس وجہ سے سورت کی پہچان کے لئے اس کا ایک نام "غافر" بھی رکھا گیا ہے۔

قال مجاهد: ﴿حٰمٓ﴾ مجازها مجاز أوائل السور ويقال: بل هو إسم، لقول شريح بن أبي أوفى العبسي:

يُذَكِّرُنِي حاميمَ والرُّمْحُ شاجِرٌ فَهَلَّا تَلا حاميمَ قَبْلَ التَّقَدُّمِ ؟

﴿الطَّوْلِ﴾: التفضل، ﴿دَاخِرِينَ﴾: خاضعين. وقال مجاهد: ﴿إِلَى النَّجَاةِ﴾: الإيمان. ﴿لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ﴾: يعني الوثن. ﴿يُسْجَرُونَ﴾: توقد بهم النار. ﴿تَمْرَحُونَ﴾: تبطرون.

وكان العلاء بن زياد يذكر النار، فقال رجل: لم تُقنِّط الناس؟ قال: وأنا أقدر أن أقنط الناس، والله عز وجل يقول: ﴿يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ﴾ ويقول: ﴿وَأَنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ﴾ ولكنكم تحبون أن تبشروا بالجنة على مساوي أعمالكم، وإنما بعث الله محمداً ﷺ مبشراً بالجنة لمن أطاعه، ومنذراً بالنار لمن عصاه.

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ "حٰمٓ" اس کا حکم اوائل سور کا حکم ہے یعنی حروف مقطعات میں سے ہیں، جو سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔

اور بعض حضرات کا قول ہے کہ "حٰمٓ" نام ہے، حروف مقطعات میں سے نہیں ہے، استدلال کے طور پر یہ حضرات، شُریح بن اُبی اُوفی عبسی کا ایک شعر پیش کرتے ہیں۔

يُذَكِّرُنِي حاميمَ والرُّمْحُ شاجِرٌ فَهَلَّا تَلا حاميمَ قَبْلَ التَّقَدُّمِ ؟

وہ مجھے حامیم یاد دلاتا ہے اس حال میں کہ نیزے چلنے والے ہیں، لڑائی میں آنے سے پہلے اس نے حامیم کیوں نہیں پڑھی تھی؟

"**الطَّوْلِ**" بمعنی "**التفضل**" یعنی صاحب فضل وانعام ہے۔

"**دَاخِرِينَ**" بمعنی "**خاضعين**" یعنی ذلیل وخوار ہونا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ ﴿**إِلَى النَّجَاةِ**﴾ کی تشریح کرتے ہیں کہ یہاں نجات سے مراد ایمان ہے۔

﴿لَيْسَ لَهُ دَعْوَةٌ﴾ اس آیت میں "لَهُ" کی ضمیر راجع ہے "الوثن"- بتوں کی طرف یعنی بت دنیا اور آخرت میں کسی کی دعاء قبول نہیں کر سکتے ہیں۔

"يُسْجَرُونَ" یعنی ان پر آگ جلائی جائے گی اور وہ جہنم کا ایندھن بن جائیں گے۔

"تَمْرَحُونَ" بمعنی "تبطرون" یعنی تم اتراتے تھے۔

صالحین کیلئے جنت کی بشارت، نافرمانوں کو جہنم کی وعید

حضرت علاء بن زیاد رحمہ اللہ لوگوں کو دوزخ یاد دلاتے تھے یعنی وعظ و بیان میں لوگوں کو جہنم کی آگ سے ڈراتے تھے، ایک آدمی نے ان سے کہا کہ آپ لوگوں کو اللہ ﷻ کی رحمت سے ناامید کیوں کرتے ہیں؟

تو اس پر انہوں نے فرمایا کہ کیا میں اسی پر قادر ہوں کہ لوگوں کو مایوس کرتا رہوں؟ اور جب اللہ ﷻ فرماتے ہیں ﴿يَـٰعِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ﴾ اور اس کے ساتھ اللہ ﷻ فرماتے ہیں ﴿وَأَنَّ الْمُسْرِفِينَ هُمْ أَصْحَابُ النَّارِ﴾۔

لیکن میں سمجھ گیا تمہارا مطلب یہ ہے کہ تمہارے برے اعمال پر بھی تمہیں جنت کی بشارت دی جاتی رہے، یاد رکھو اللہ ﷻ نے محمد رسول اللہ ﷺ کو ان لوگوں کیلئے جنت کی بشارت دیکر بھیجا تھا جو اس کی اطاعت کریں اور نافرمانوں کو دوزخ سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا۔

۴۸۱۵ - حدثنا علی بن عبداللہ: حدثنا الولید بن مسلم: حدثنا الأوزاعی قال: حدثنی یحیی بن أبی کثیر: حدثنی محمد بن إبراهیم التیمی: حدثنی عروة بن الزبیر قال: قلت لعبداللہ بن عمرو بن العاص: أخبرنی بأشد ما صنع المشرکون برسول اللہ ﷺ قال: بینا رسول اللہ ﷺ یصلی بفناء الکعبة إذ أقبل عقبة بن أبی معیط فأخذ بمنکب رسول اللہ ﷺ ولوی ثوبه فی عنقه فخنقه خنقاً شدیداً. فأقبل أبوبکر، فأخذ بمنکبه ودفع عن رسول اللہ ﷺ وقال: ﴿أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَن يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُم بِالْبَيِّنَاتِ مِن رَّبِّكُمْ﴾ [۲۸].
[راجع: ۳۶۷۸]

ترجمہ: عروہ بن زبیر رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ سے عرض کیا کہ آپ مجھ کو بتلائے جو مشرکین نے سب سے زیادہ سخت معاملہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا تھا؟ حضرت عبداللہ ؓ نے بیان کیا کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کعبہ کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے اتنے میں عقبہ بن ابی معیط آیا اور رسول اللہ ﷺ کا شانہ مبارک پکڑ کر آپ کی گردن میں اپنا کپڑا لپیٹ دیا پھر اس کپڑے سے آپ کا گلا بڑی سختی کے

ساتھ گھونٹنے لگا (یعنی اس نے آپ ﷺ کو مار ڈالنا چاہا)۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگئے اور انہوں نے اس عقبہ کا مونڈھا پکڑ کر حضور اقدس ﷺ سے جدا کیا اور فرمایا ﴿أَتَقْتُلُونَ رَجُلًا أَن يَقُولَ رَبِّيَ اللَّهُ وَقَدْ جَاءَكُم بِالْبَيِّنَاتِ مِن رَّبِّكُمْ﴾۔ [۱۲]

رجل صالح سے مراد اور آنحضرت ﷺ کو تسلی

یہ صاحب کون تھے؟ ان کا نام قرآنِ کریم نے نہیں لیا، بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ یہ فرعون کے چچا زاد بھائی تھے اور ان کا نام شمعان تھا۔ [۱۳]

سورت میں جا بجا منکرین توحید و رسالت کی وعید و تہدید کے ضمن میں کفار کا خلاف و عناد مذکور ہوا ہے جس سے طبعی طور پر رسول اللہ ﷺ کو حزن و ملال ہوتا تھا۔ آپ کی تسلی کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا قصہ ذکر کیا گیا ہے۔

---

[۱۲] یعنی ایک مردِ مؤمن جس نے فرعون اور اس کی قوم سے اپنا ایمان ابھی تک مخفی رکھا تھا" **ذرونی اقتل موسیٰ** " کے جواب میں بول اٹھا کیا تم ایک شخص کا ناحق خون کرنا چاہتے ہو اس بات پر کہ وہ صرف ایک اللہ جل جلالہ کو اپنا رب کیوں کہتا ہے، حالانکہ وہ اپنے دعوے کی صداقت کے کھلے کھلے نشان تم کو دکھلا چکا ہے، اور اس کے قتل کی تم کو کچھ ضرورت بھی نہیں، بلکہ ممکن ہے کہ تمہارے لئے مضر ہو، فرض کرو! وہ اپنے دعوے میں جھوٹا ثابت ہوا تو اتنے بڑے جھوٹ پر اللہ جل جلالہ اس کو ہلاک یا رسوا کر کے چھوڑے گا، خدا کی عادت نہیں کہ وہ ایسے کاذب کو برابر پھولنے پھلنے دے۔ دنیا کو التباس سے بچانے کے لئے یقیناً ایک روز اس کی قلعی کھول دی جائے گی، ایسے حالات بروئے کار آئیں گے کہ دنیا اعلانیہ اس کی رسوائی و ناکامی اور کذب و دروغ کا تماشہ دیکھ لے گی، اور تم کو خواہی نخواہی اس کے خون میں ہاتھ رنگنے کی ضرورت نہ رہے گی، اور اگر واقع میں وہ سچائی پر ہے تو دنیا و آخرت کے جس عذاب سے وہ اپنے مکذبین کو ڈراتا ہے یقیناً اس کا کچھ نہ کچھ حصہ تم کو ضرور پہنچ کر رہے گا، لہٰذا پہلی شق پر اس کے قتل میں جلدی کرنے کی ضرورت نہیں، اور دوسری شق پر اس کا قتل کرنا سراسر موجب نقصان و خسران ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ "یعنی اگر جھوٹا ہے تو جس پر جھوٹ بولتا ہے وہ ہی سزا دے رہے گا، اور شاید سچا ہو تو اپنی فکر کرو۔

تنبیہ: یہ تقریر اس صورت میں ہے کہ جب کسی مفتری کا کذب صریحاً ظاہر نہ ہوا ہو، اور اگر مدعی نبوت کا کذب و افتراء دلائل و براہین سے روشن ہو جائے تو بلاشبہ واجب القتل ہے، اس زمانہ میں جب کہ پیغمبر عربی ﷺ کا خاتم النبیین ہونا دلائل قطعیہ سے ثابت ہو چکا، اگر کوئی شخص مدعی نبوت بن کر کھڑا ہوگا تو چونکہ اس کا دعویٰ ایک قطعی الثبوت عقیدہ کی تکذیب کرتا ہے، لہٰذا اس کے متعلق کسی قسم کے تامل و تردد اور امہال و انتظار کی گنجائش نہ ہوگی۔ تفسیر عثمانی، سورہ مؤمن، آیت: ۲۸، فائدہ ۵۔

[۱۳] **تفسیر القرطبی، ج: ۱۵، ص: ۳۰۶**

(۴۱) سورة حٰمٓ السجدة

سورۂ حم سجدہ کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں چوّن آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

سورت کی وجہ تسمیہ

یہ سورت اس مجموعے کا ایک حصہ ہے جسے حوامیم کہا جاتا ہے۔ اس سورت کے مضامین بھی دوسری مکی سورتوں کی طرح اسلام کے بنیادی عقائد کے اثبات اور مشرکین کی تردید وغیرہ پر مشتمل ہیں۔

اس سورت کی آیت نمبر ۳۸ آیت سجدہ ہے، یعنی اسکے پڑھنے اور سننے سے سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے، اس لئے اس کو "حٰم السجدة" کہا جاتا ہے۔

اس کا دوسرا نام سورہ "فُصِّلَتْ" بھی ہے، کیونکہ اس کی پہلی ہی آیت میں یہ لفظ آیا ہے۔ نیز اسے "سورة المصابيح" اور "سورة الأقوات" بھی کہا جاتا ہے۔ [1]

وقال طاؤس، عن ابن عباس ﴿ائْتِيَا طَوْعاً أَوْ كَرْهاً﴾: أعطيا ﴿قَالَتَا أَتَيْنَا طَائِعِينَ﴾: أعطينا.

وقال المنهال، عن سعيد قال: قال رجل لابن عباس: إني أجد في القرآن أشياء تختلف علي، قال ﴿فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ﴾ ﴿وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ﴾ ﴿وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثاً﴾ ﴿رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ﴾ فقد كتموا في هذه الآية، وقال: ﴿أَمِ السَّمَاءُ بَنَاهَا﴾ إلى قوله: ﴿دَحَاهَا﴾ فذكر خلق السماء قبل خلق الأرض، ثم قال: ﴿أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ﴾ إلى ﴿طَائِعِينَ﴾ فذكر في هذه خلق الأرض قبل السماء.

---

[1] روح المعاني، ج: ۱۲، ص: ۳۳۷

وقال تعالى: ﴿وكان الله غفوراً رحيماً﴾ ﴿عزيزاً حكيماً﴾ ﴿سميعاً بصيراً﴾ فكأنه كان ثم مضى.

فقال: ﴿فلا أنساب بينهم﴾ في النفخة الأولى، ثم ينفخ في الصور ﴿فصعق من في السموات ومن في الأرض إلا من شاء الله﴾ ﴿فلا أنساب بينهم﴾ عند ذلك ولا يتساء لون. ثم في النفخة الآخرة ﴿وأقبل بعضهم على بعض يتساء لون﴾ وأما قوله: ﴿ما كنا مشركين﴾ ﴿ولا يكتمون الله﴾ فإن الله يغفر لأهل الإخلاص ذنوبهم. وقال المشركون: تعالوا نقول: لم نكن مشركين، فختم على أفواههم فتنطق أيديهم، فعند ذلك عرف أن الله لا يكتم حديثاً، وعنده ﴿يود الذين كفروا﴾ الآية.

وخلق الأرض في يومين ثم خلق السماء، ثم استوى إلى السماء فسواهن في يومين آخرين، ثم دحا الأرض. ودحوها أن أخرج منها الماء والمرعى. وخلق الجبال والجمال في يومين آخرين، فذلك قوله: ﴿دحاها﴾ وقوله: ﴿خلق الأرض في يومين﴾ فجعلت الأرض وما فيها في من شيء في أربعة أيام، وخلقت السموات في يومين.

﴿وكان الله غفوراً﴾ سمى نفسه ذلك، وذلك قوله، أي لم يزل كذلك فإن الله لم يرد شيئا إلا أصاب به الذي أراد، فلا يختلف عليك القرآن، فإن كلاً من عندالله.

حدثنيه يوسف بن عدي: حدثنا عبيدالله بن عمرو، عن زيد بن أبي أنيسة، عن المنهال بهذا.

وقال مجاهد ﴿لهم أجر غير ممنون﴾ محسوب. ﴿أقواتها﴾: أرزاقها. ﴿في كل سماء أمرها﴾ مما أمر به.

﴿نحسات﴾: مشائيم. ﴿وقيضنا لهم قرناء﴾ قرناهم بهم ﴿تتنزل عليهم الملائكة﴾ عند الموت. ﴿اهتزت﴾ بالنبات ﴿وربت﴾: ارتفعت.

من ﴿أكمامها﴾: حين تطلع. ﴿ليقولن هذا لي﴾: أي بعملي أنا محقوق بهذا.

وقال غيره: ﴿سواء للسائلين﴾ قدرها سواء ﴿فهديناهم﴾ دللناهم على الخير والشر، كقوله: ﴿وهديناه النجدين﴾ وكقوله: ﴿هديناه السبيل﴾ والهدى الذي هو الإرشاد بمنزلة أسعدناه، من ذلك قوله: ﴿أولئك الذين هدى الله فبهداهم اقتده﴾.

﴿يوزعون﴾: يكفون، ﴿من أكمامها﴾: قشر الكفرى هي الكم. وقال غيره: ويقال للعنب إذا خرج أيضاً كافور وكفرى. ﴿ولي حميم﴾: القريب. ﴿من محيص﴾: حاص

عنه: حاد عنه. ﴿مِرْيَةٍ﴾ ومُرْيةٌ واحد: أي امتراءٌ.

وقال مجاهد: ﴿اعْمَلوا ما شِئْتُمْ﴾: الوعيد. وقال ابن عباس: ﴿بالّتي هيَ أحْسَنُ﴾ الصبر عند الغضب والعفو عند الإساءة فإذا فعلوه عصمهم الله وخضع لهم عدوهم ﴿كأنّهُ وليٌّ حميمٌ﴾.

ترجمہ وتشریح

طاؤس حضرت ابن عباس رضی اللہ سے روایت کرتے ہیں کہ اس آیت **﴿ائتِيا طَوْعاً أو كَرْهًا﴾** میں **"ائتِيا"** بمعنی **"اعطيا"** یعنی تم دونوں خوش ہو جاؤ، اطاعت قبول کرلو۔

اسی طرح اس آیت **﴿قالَتا أتَيْنا طائِعِينَ﴾** میں بھی **"أتَيْنا"** بمعنی **"أعطينا"** یعنی ہم نے اطاعت قبول کی۔

منہال نے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت نقل کی کہ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں قرآن میں بہت سی آیتیں ایک دوسرے کے خلاف پاتا ہوں مطلب یہ ہے کہ تعارض وتناقض معلوم ہوتا ہے۔ پھر اس نے کہا کہ مثلاً سورۃ المؤمنون کی یہ آیت **﴿فَلا أنسابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلا يَتَساءَلُونَ﴾** یعنی تو نہ ان کے درمیان رشتے ناتے باقی رہیں گے، اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔

اور سورۂ صافات کی یہ آیت **﴿وأقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلى بَعْضٍ يَتَساءَلُونَ﴾** یعنی اور ایک دوسرے کی طرف رُخ کر کے آپس میں سوال جواب کریں گے۔

یہاں پر اعتراض اس نے یہ کیا کہ پہلی آیت میں ایک دوسرے سے سوال کی نفی کی گئی ہے، جبکہ دوسری آیت میں سوال کرنے کا ذکر ہے، چنانچہ ان دونوں آیات میں بظاہر تعارض نظر آتا ہے۔

سورۂ نساء کی ایک آیت **﴿وَلا يَكْتُمُونَ اللهَ حَدِيثاً﴾** یعنی وہ اللہ سے کوئی بات چھپا نہیں سکیں گے۔

جبکہ دوسری طرف سورۂ انعام کی آیت یہ بات ہے **﴿رَبَّنا ما كُنّا مُشْرِكِينَ﴾** ہمارے رب! ہم تو مشرک نہیں تھے۔

پہلی آیت سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ قیامت کے دن مشرکین، کفار کسی بات کو بھی چھپا نہیں سکیں گے، جبکہ دوسری آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنا مشرک ہونا چھپائیں گے، بظاہر دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔

اسی طرح سورۂ نازعات میں ہے **﴿أمِ السَّماءُ بَناها﴾** تا **﴿دَحاها﴾** یعنی یا آسمان کو؟ اُس اللہ نے بنایا ہے۔ اُس کی بلندی اُٹھائی ہے، پھر اُسے ٹھیک کیا ہے، اور اُس کی رات کو اندھیری بنایا ہے، اور اُس کے

دن کی دُھوپ باہر نکال دی ہے، اور زمین کو اُس کے بعد بچھا دیا ہے۔

اس آیت میں آسمان کا پیدا کرنا زمین کے پیدا کرنے سے پہلے ذکر فرمایا، لیکن دوسری جانب سورۂ حم سجدہ میں ہے ﴿أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ﴾ تا ﴿طَائِعِينَ﴾ یعنی کیا تم واقعی اُس ذات کے ساتھ کفر کا معاملہ کرتے ہو جس نے زمین کو دو دِن میں پیدا کیا، اور اُس کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہو؟ وہ ذات تو سارے جہانوں کی پرورش کرنے والی ہے۔

پہلی آیت کے برعکس اس آیت میں زمین کا پیدا کرنا آسمان کے پیدا کرنے سے قبل بیان فرمایا، اس طرح بظاہر دونوں میں اختلاف وتعارض نظر آتا ہے۔

پھر اس آدمی نے کہا کہ اللہ ﷻ فرماتے ہیں ﴿وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾، ﴿عَزِيزًا حَكِيمًا﴾، ﴿سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ انکے معنی سے لگتا ہے کہ اللہ ﷻ ان صفات سے زمانہ ماضی میں موصوف تھا اب نہیں ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواب میں کہا کہ یہ جو فرمایا ہے ﴿فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ﴾ یہ اس وقت کا ذکر ہے جب پہلا صور پھونکا جائے گا، جیسا کہ اس آیت میں ذکر ہے ﴿فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا مَنْ شَاءَ اللَّهُ﴾ یعنی آسمان وزمین والے سب بے ہوش ہو جائیں گے۔ تو یہ مطلب ہے ﴿فَلَا أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ﴾ کا کہ اس وقت رشتہ ناطہ کچھ باقی نہ رہے گا نہ ایک دوسرے کو پوچھیں گے، دہشت کے مارے نفسی نفسی ہوں گی۔ پھر یہ جو دوسری آیت ہے ﴿وَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَسَاءَلُونَ﴾، یہ دوسری دفعہ صور پھونکے جانے کے بعد کا حال ہے۔[٢]

جہاں تک بات ہے ﴿مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ﴾ - ﴿وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ﴾ کی تو اس کا جواب دیتے ہوئے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ بات دراصل یہ ہے کہ اللہ ﷻ قیامت کے دن خالص توحید والوں کے گناہوں کو معاف فرما دیں گے، تو مشرکین آپس میں کہیں گے کہ چلو ہم بھی جاتے ہیں، ہم بھی یہ کہیں گے کہ ہم مشرک نہ تھے (تا کہ ہمارے بھی گناہ معاف ہو جائیں)۔ پھر اللہ ﷻ اس وقت ان کے منہ پر مہر لگا دیگا اور ان کے ہاتھ پاؤں بولنا شروع کر دیں گے اس وقت ان کو معلوم ہوگا کہ اللہ ﷻ سے کوئی بات نہیں چھپائی جاسکتی اور اسی وقت کافر یہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ دنیا میں مسلمان ہوتے ﴿يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس ظاہری اختلاف وتعارض کو دفع فرمایا کہ منہ پر مہر لگنے اور ہاتھ پاؤں کی گویائی سے پہلے کتمان ہے اور ہاتھ پاؤں کی گویائی کے بعد عدم کتمان۔

---

[٢] عمدة القاري، ج: ١٩، ص: ٢٣٠

آگے تخلیق سماء وارض کے بارے میں جو اعتراض تھا، تو اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے زمین کو دو دن میں پیدا کیا (یعنی صرف پیدا کیا اور اسکو پھیلایا نہیں)، پھر آسمان کو پیدا کیا، پھر دوسرے دو دن میں ان کو برابر کیا یعنی ان کے طبقات مرتب کئے۔ پھر زمین کو بچھایا اور زمین کا بچھانا یہ ہے کہ اس سے پانی اور گھاس نکالا اور پہاڑوں کو، اونٹوں کو اور ٹیلوں کو دوسرے دو دنوں میں پیدا فرمایا۔

پس یہی مطلب ہے ارشاد خداوندی ﴿دحاها﴾ کا یعنی زمین کے پھیلانے سے یہی مراد ہے اور ارشاد الٰہی ہے کہ ﴿خَلَقَ الأرْضَ فِي يَوْمَيْنِ﴾ پس زمین ابتدائی دو دن میں اور جو کچھ پہاڑ وغیرہ اس میں ہیں آخری دو دن میں چار دنوں میں بنائی گئی اور آسمانوں کو دو دن میں پیدا کیا گیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ نفس زمین کی خلقت آسمانوں کی تخلیق سے پہلے ہے اور زمین کا پھیلانا خلق آسمان کے بعد واقع ہوا ہے۔

چوتھے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ﴿وَكَانَ اللهُ غَفُوراً﴾ وغیرہ سے اللہ ﷻ نے اپنی ذات کا نام بیان فرمایا ہے اور یہ ارشاد الٰہی ہمیشہ اس صفت کے ساتھ رہے گا اس لئے کہ اللہ ﷻ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو حاصل کر لیتا ہے مثلاً اللہ ﷻ جب کسی پر رحم کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو بلا شبہ اس کی معافی ہو جاتی ہے۔

آخر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے سائل کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اب تم پر قرآن مجید مختلف نہیں ہوگا یعنی کوئی اختلاف نظر نہیں آئے گا، اس لئے کہ پورا قرآن اللہ ﷻ کی طرف سے نازل ہوا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مجھ سے یوسف بن عدی نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے عبید اللہ بن عمرو نے بیان کیا، انہوں نے زید بن ابی انیسہ سے، اور انہوں نے منہال سے اس کو روایت کیا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ﴾ میں "ممنون" بمعنی "محسوب" یعنی چیز جس کا حساب لگایا جائے، اب "غیر ممنون" کے معنی ہوئے بغیر حساب کے۔

"أقواتها" رزق کو کہتے ہیں۔ "أقوات" جمع ہے "قوت" کی، اور "أرزاق" جمع ہے "رزق" کی۔

﴿فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا﴾ اس میں آیت میں "أمرها" کا مطلب ہے "مما أمر به" یعنی جس چیز کا حکم اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو دیا۔

"نَحِسَاتٍ" بمعنی "مشائیم" یعنی منحوس۔

آیت کریمہ ﴿وَقَيَّضْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ﴾ میں "قُرَنَاءَ" سے شیاطین مراد ہیں، اور اسکا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کفار کے ساتھ ان شیاطین کو باندھ دیا، ملا دیا۔

اس آیت میں ﴿تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ﴾ سے مراد یہ ہے کہ موت کے وقت فرشتے آتے ہیں۔

''اهتزت'' بمعنی ''بالنبات'' یعنی پودوں کی شاخیں زمین سے نکلتی ہیں۔

''وَرَبَتْ'' بمعنی ''ارتفعت'' یعنی زمین سے اٹھ جاتی ہیں، بلند ہو جاتی ہیں، اُبھر جاتی ہیں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ''رَبَتْ'' یہ ''اَکْمَامِهَا'' کے معنی ہے یعنی جب پھل اپنے گابھوں شگوفوں سے نکلتے ہیں۔

﴿لَیَقُوْلَنَّ هٰذَا لِیْ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ یہ میرے عمل کی وجہ سے ہے اور میں اسی کا مستحق ہوں۔

﴿سَوَاءً لِلسَّائِلِیْنَ﴾ کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ جلالہ زمین کو سب کے برابر اور یکساں بنایا ہے، بلاتفریق ہر ایک اس سے فائدہ اُٹھا سکتا ہے اور اس میں جابجا پھیلی ہوئی نشانیوں سے عبرت حاصل کر سکتے ہیں۔

﴿فَهَدَیْنَاهُمْ﴾ اس کے معنی ہیں کہ ہم نے ان کو خیر اور شر کی طرف رہنمائی کر دی۔ جیسے کہ سورۃ البلد میں فرمایا ہے کہ ﴿وَهَدَیْنٰهُ النَّجْدَیْنِ﴾ کہ ہم نے ان کی دونوں راستوں کی طرف رہنمائی کر دی۔ اور اسی طرح سورۃ الدہر میں ہے ﴿هَدَیْنٰهُ السَّبِیْلَ﴾ کہ ہم نے اس کو راستہ بتلا دیا ہے۔

ہدایت وہ ارشاد ہے یعنی ہدایت کا وہ معنی ہے جو مطلوب و منزل تک رہنمائی کرتا ہے۔ اس صورت میں یہ بمنزلہ تو ''اسعدناه'' یعنی ہم نے اس کو نیک بنا دیا۔ اور یہ معنی سورۃ الانعام کی اس آیت میں ہے ﴿أُولٰئِكَ الَّذِیْنَ هَدَی اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ﴾۔

''یُوْزَعُوْنَ'' بمعنی ''یکفون'' یعنی وہ روکے جائیں گے۔

''مِنْ اَکْمَامِهَا'' یعنی کونپل کی جھلی، خوشہ کا چھلکا، اور یہ اصل میں ہے لفظ ''کُم''۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ جب انگور نکلتا ہے تو اس کا خوشہ ہوتا ہے اس کو بھی کہتے ہیں۔

''وَلِیٌّ حَمِیْمٌ'' بمعنی ''القریب'' قریبی تعلق رکھنے والا مراد ہے دوست وغیرہ۔

''مِنْ مَحِیْصٍ'' یہ مأخوذ ہے ''حاص'' سے جو بمعنی ''حاد عنه''۔ یعنی کسی چیز سے ہٹ جانا، اس سے اعراض کرنا، الگ ہو جانا۔

''مِرْیَةٍ'' اور ''مُرْیَةٍ'' یہ دونوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں، یعنی کہ شک میں مبتلاء ہونا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ﴾ جو یہاں پر یہ حقیقی معنی میں نہیں ہے بلکہ وعید کے معنی ہے، اور زجر و توبیخ کے لئے استعمال ہو رہا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ﴿بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ غصہ کے وقت صبر سے کام لینا اور ناگواری پیش آئے تو معاف کرنا۔ پس جب لوگ صبر و عفو سے کام لیں گے تو اللہ ﷻ ان کو محفوظ رکھے گا اور ان کے دشمن بھی ان کے سامنے عاجزی کریں گے، جیسا کہ ﴿کَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ﴾ یعنی گویا کہ وہ ولی دوست ہے۔

(۱) باب قوله: ﴿وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَن يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ﴾ الآیۃ [۲۲]

اس ارشاد کا بیان: ''اور تم (گناہ کرتے وقت) اس بات سے تو چھپ ہی نہیں سکتے تھے کہ تمہارے کان، تمہاری آنکھیں تمہارے خلاف گواہی دیں۔''

اعضاء وجوارح کی محشر میں گواہی

اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ انسان اگر چھپ کر کوئی جرم وگناہ کرنا چاہے تو دوسرے لوگوں سے تو چھپا سکتا ہے، خود اپنے ہی اعضاء وجوارح سے کیسے چھپائے!!

جب یہ معلوم ہو جائے کہ ہمارے کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں اور بدن کی کھال اور بال سب ہمارے نہیں بلکہ سرکاری گواہ ہیں اور جب ان سے ہمارے اعمال کا پوچھا جائے گا تو سچی گواہی دیں گے تو پھر چھپا کر کوئی جرم وگناہ کرنے کا کوئی راستہ ہی نہیں رہتا، اس رسوائی سے بچنے کا اسکے سواء کوئی علاج نہیں کہ گناہ کو ہی چھوڑا جائے۔

مگر تم لوگ یعنی منکرین توحید ورسالت کا ذہن اِدھر تو کیا جاتا کہ ہمارے اعضاء وجوارح بھی بولنے لگیں گے اور ہمارے خلاف اللہ کے سامنے گواہی دیں گے، مگر اتنی بات تو ہر ذی عقل کی سمجھ میں آسکتی تھی کہ جس ذات نے ہمیں ایک حقیر چیز سے پیدا کر کے سمیع وبصیر انسان بنایا، پالا اور جوان کیا، کیا اس کا علم ہمارے اعمال واحوال پر محیط نہیں ہوگا؟ مگر تم نے اس بدیہی چیز کے خلاف یہ گمان کر رکھا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارے بہت سے اعمال کی کچھ خبر نہیں۔ اس لئے تمہیں شرک وکفر کرنے پر جرأت ہوئی۔

جبکہ اس سے اگلی آیت میں فرمایا کہ ﴿وَذَٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِي ظَنَنتُم بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُم مِّنَ الْخَاسِرِينَ﴾ یعنی تمہارے اس گمانِ بد نے تمہیں برباد کر کے رکھ دیا۔

آیت کا شانِ نزول

اسکے شانِ نزول میں آنے والی احادیث میں یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ قریش یا ثقیف کے دو بے توف آدمی تھے، جو بعض اوقات کچھ گڑ بڑ، ناجائز کام کرتے تھے تو کہتے کہ ہماری باتیں اللہ ﷻ سنتا ہے کہ نہیں سنتا؟ ایک نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ اگر زور سے بولتے ہیں تو سنتا ہے، ہاں آہستہ بولیں گے تو نہیں سنتا ہے۔ دوسرے

نے کہا نہیں سب کچھ سنتا ہے، اس نے کہا کہ کچھ سنتا ہے کچھ نہیں سنتا ہے۔ اس قسم کی حماقت کی باتیں کر رہے تھے، تو یہ آیات نازل ہوئی۔

۴۸۱۶ـ حدثنا الصلت بن محمد: حدثنا يزيد بن زريع، عن روح بن القاسم، عن منصور، عن مجاهد، عن ابی معمر، عن ابن مسعود ﴿وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ﴾ الآية، كان رجلان من قريش وختن لهما من ثقيف، أو رجلان من ثقيف وختن لهما من قريش في بيت، قال بعضهم لبعض: أترون ان الله يسمع حديثنا؟ قال بعضهم: يسمع بعضه، وقال بعضهم: لئن كان يسمع بعضه لقد يسمع كله، فانزلت ﴿وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ أَبْصَارُكُمْ﴾ الآية. [انظر: ۴۸۱۷، ۷۵۲۱] ٤

ترجمہ: ابو معمر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت ﴿وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ﴾ کی تفسیر میں کہا کہ قریش کے دو شخص اور ان دونوں کا ایک داماد جو ثقفی تھا (یا روی کو شک ہے) ثقیف کے دو شخص اور ان دونوں کا ایک داماد جو قریشی تھا، یہ کعبہ کے پاس بیٹھے تھے ان میں سے ایک نے کہا کہ تمہارا کیا خیال ہے کہ اللہ ﷻ ہماری باتیں سنتا ہے؟ ان میں سے ایک نے کہا کہ وہ بعض باتیں سنتا ہے۔ تو دوسرے نے کہا اگر بعض باتیں سنتا ہے تو ساری باتیں سنتا ہوگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَمَا كُنتُمْ تَسْتَتِرُوْنَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَآ أَبْصَارُكُمْ﴾۔

(۲) باب: ﴿وَذٰلِكُمْ ظَنُّكُمُ الَّذِیْ ظَنَنْتُمْ بِرَبِّكُمْ أَرْدَاكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ﴾ [۲۳]

باب: "اپنے پروردگار کے بارے میں تمہارا یہی گمان تھا جس نے تمہیں برباد کیا، اور اسی کے نتیجے میں تم اُن لوگوں میں شامل ہو گئے جو سراسر خسارے میں ہیں۔"

۴۸۱۷ـ حدثنا الحميدي: حدثنا سفيان: حدثنا منصور، عن مجاهد، عن أبی

ٰ ٤ وفي صحيح مسلم، كتاب صفة المنافقين واحكامهم، رقم: ۲۷۷۵، وسنن الترمذي، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة السجدة، رقم: ۳۲۴۸، ۳۲۴۹، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ، رقم: ۳۶۱۴، ۳۸۷۵، ۴۰۴۷، ۴۲۲۱، ۴۲۳۸

معمر، عن عبداللہ ﷺ قال: اجتمع عند البیت قرشیان وثقفی، أوثقفیان وقرشی کثیرة شحم بطونهم، قلیلة فقه قلوبهم. فقال أحدهم: أترون أن اللہ یسمع مانقول؟ قال الآخر: یسمع إن جهرنا ولا یسمع إن أخفینا. وقال الآخر: إن کان یسمع إذا جهرنا فانه یسمع إذا أخفینا. فأنزل اللہ عزوجل ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ﴾ الآیة.

وکان سفیان یحدثنا بهذا فیقول: حدثنا منصور أو ابن أبی نجیح أو حمید أحدهم أو اثنان منهم ثم ثبت علی منصور وترک ذلک مراراً غیر واحدة. [راجع: ۴۸۱۶، ۴۸۱۷]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے فرمایا کہ خانہ کعبہ کے پاس دو قریش اور ایک ثقفی یا دو ثقفی اور ایک قریش جمع ہوئے، انکے پیٹوں میں چربی بہت تھی لیکن ان کے دلوں میں علم وفہم کی کمی تھی۔ ان میں سے ایک نے کہا تمہارا کیا خیال ہے کیا اللہ ﷻ ہماری باتیں سنتا ہے؟ دوسرے نے کہا اگر ہم زور سے بولیں تو سنتا ہے لیکن اگر آہستہ بولیں تو نہیں سنتا۔ تیسرے نے کہا اگر اللہ ﷻ ہمارے زور سے بولنے پر سن سکتا ہے تو آہستہ بولنے پر بھی سن سکتا ہے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَتِرُونَ أَنْ يَشْهَدَ عَلَيْكُمْ سَمْعُكُمْ وَلَا أَبْصَارُكُمْ وَلَا جُلُودُكُمْ﴾۔

سفیان ہم سے یہ حدیث بیان کرتے تھے اور کہا کہ ہم سے منصور نے یا ابن نجیح نے یا حمید نے، ان میں سے کسی ایک نے یا کسی دو نے یہ حدیث بیان کی، پھر آپ منصور ہی کا ذکر کرتے تھے اور دوسروں کا ذکر ایک سے زیادہ مرتبہ نہیں کیا۔

قوله: ﴿فَإِنْ يَصْبِرُوا فَالنَّارُ مَثْوًى لَهُمْ﴾ الآیة [۲۴]

اللہ کا ارشاد: اب ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر یہ صبر کریں تب بھی آگ ہی ان کا ٹھکانا ہے۔

ہمیشہ کیلئے جہنم ہی ٹھکانہ ہوگا

آیت کا بقیہ حصہ ﴿وان یستعتبوا فماهم من المعتبین﴾ معافی طلب کریں گے، اگر وہ معافی طلب کریں گے تو ان کی معافی قبول نہیں کی جائے گی۔

اصل میں یہ "عاتب یعاتب عتبا" اس کے معنی ہوتے ہیں کسی کی شکایت کرنا۔ "عاتب علیه"

مجھے اس سے شکایت ہے۔ تو "**عتاب**" معنی میں ہوتا ہے شکایت اور اسی کو باب افعال میں لے جاؤ "**اعتب**" تو اب معنی ہوگا شکایت دور کردینا، ازالہ شکایت کرنا، جس کے معنی معافی کے ہوئے، تو "**عاتب**" اور "**استعتب**" اس کے معنی ہے اعتاب طلب کرنا یعنی یہ طلب کرنا کہ تم مجھے معاف کردو، تو "**ان یستعتبوا**" اگر وہ ہم سے شکایت دور کرنے کی درخواست کریں۔

تو "**فماهم من المعتبين**" تو انکی یہ درخواست قبول نہیں کی جائے گی یعنی دنیا میں بعض "بلا" صبر سے آسان ہوتی ہے، وہاں صبر کریں یا نہ کریں، دوزخ ان نافرمانوں کا گھر ہو چکا جہاں سے کبھی نکلنا نہیں، اور بعض "بلا" منت خوشامد کرنے سے ٹلتی جاتی ہے، تو وہاں بہتیرا چاہیں کہ منت کریں، کوئی قبول نہیں کرے گا۔

حدثنا عمرو بن علي: حدثنا يحيى: حدثنا سفيان قال: حدثني منصور، عن مجاهد، عن أبي معمر، عن عبد الله بنحوه.

ترجمہ: ہم سے عمرو بن علی نے بیان کیا، کہ ہم سے یحییٰ نے بیان کیا، کہ ہم سے سفیان ثوری نے بیان کیا، کہا کہ مجھ سے منصور نے بیان کیا، ان سے مجاہد نے، ان سے ابو معمر نے اور ان سے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے پہلی حدیث کی طرح بیان کیا۔

(۴۲) سورة حٰمٓ عسق

سورۂ حم عسق یعنی سورۂ شوریٰ کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

وجہ تسمیہ اور مشورہ کی اہمیت

یہ حوامیم کے مجموعے کی تیسری سورت ہے۔ دوسری مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید، رسالت اور آخرت کے بنیادی عقائد پر زور دیا گیا ہے، اور ایمان کی قابلِ تعریف صفات بیان فرمائی گئی ہیں۔

اسی ذیل میں [آیت نمبر ۳۸ میں] مسلمانوں کی یہ خصوصیت بیان فرمائی گئی ہے کہ ان کے اہم معاملات آپس کے مشورے سے طے ہوتے ہیں۔ مشورے کے لئے عربی کا لفظ "شوریٰ" استعمال کیا گیا ہے، اسی بناء پر سورت کا نام سورۂ شوریٰ ہے۔

سورت کے آخر میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ ﷻ کسی بھی انسان سے روبرو ہوکر ہم کلام نہیں ہوتا، بلکہ وحی کے ذریعے کلام فرماتا ہے، اور پھر اس وحی کی مختلف صورتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔

ويذكر عن ابن عباس: ﴿عَقِيماً﴾: التي لا تلد. ﴿رُوحاً مِنْ أَمْرِنَا﴾: القرآن.

وقال مجاهد: ﴿يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ﴾ نسل بعد نسل. ﴿لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا﴾: لا خصومة بيننا وبينكم. ﴿مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ﴾: ذليل.

وقال غيره: ﴿فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلَى ظَهْرِهِ﴾: يتحركن ولا يجرين في البحر. ﴿شَرَعُوا﴾: ابتدعوا.

ترجمہ وتشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "**عَقِيماً**" کے معنی ہیں وہ عورت جو نہ جنے یعنی بانجھ عورت جس کی اولاد نہ ہو۔

﴿رُوحاً مِنْ أَمْرِنَا﴾ سے مراد قرآن مجید ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ﴿يَذْرَؤُكُمْ فِيهِ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ ایک نسل کے بعد دوسری پھیلاتا رہے گا، بڑھاتا رہے گا۔

﴿لَا حُجَّةَ بَيْنَنَا﴾ سے مراد یہ ہے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان کوئی لڑائی جھگڑا نہیں ہے۔

﴿مِنْ طَرْفٍ خَفِيٍّ﴾ سے مراد یہ ہے کہ کمزور نگاہ/ذلیل نگاہ سے دیکھتے ہوں گے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ﴿فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلَى ظَهْرِهِ﴾ سے اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ اپنے مقام پر ہلتے رہیں گے (سمندر کے تند و تیز تھپیڑوں کی وجہ سے) لیکن چلیں گے نہیں۔

"شَرَعُوا" بمعنی "ابعدعوا" یعنی نیا دین۔

(۱) باب قوله: ﴿إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾ [۲۳]

اس ارشاد کا بیان: "سوائے رشتہ داری کی محبت کے۔"

حق نہ سہی، قرابت داری کے رشتہ کو تو تسلیم کرو

اس آیت کی تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ میرا اصل حق تم سب پر تو یہ ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، تم اس کا اعتراف کرو اور اپنی اصلاح و فلاح کے لئے میری اطاعت کرو۔

مگر میری نبوت و رسالت کو تم تسلیم نہیں کرتے تو نہ سہی مگر میرا ایک انسانی اور خاندانی حق بھی تو ہے جس کا تم انکار نہیں کر سکتے کہ تمہارے اکثر قبائل میں میری رشتہ داری اور قرابتیں ہیں۔ قرابت کے حقوق اور صلہ رحمی کی ضرورت سے تمہیں بھی انکار نہیں تو میں تم سے اپنی اُس خدمت کا جو تمہاری تعلیم و تبلیغ اور اصلاح اعمال و احوال کے لئے کرتا ہوں، کوئی معاوضہ تم سے نہیں مانگتا صرف اتنا چاہتا ہوں کہ رشتہ داری کے حقوق کا تو خیال کرو۔ بات ماننا یا نہ ماننا تمہارے اختیار میں، مگر عداوت اور دشمنی سے کم از کم یہ نسب و قرابت کا تعلق مانع ہونا چاہئے۔

ائمہ تفسیر رَحِمَهُمُ اللهُ کی ایک بڑی جماعت نے آیت کی یہ تفسیر اختیار کی ہے کہ تمام انبیاء عَلَيْهِمُ السَّلَامُ کی آواز ہر دور میں یہی رہی ہے کہ اپنی قوم کو کھول کر بتا دیا کہ ہم جو کچھ تمہاری بھلائی و خیر خواہی کیلئے کوشش کرتے ہیں، تم سے اسکا کوئی معاوضہ نہیں مانگتے ہیں۔ ہمارا معاوضہ صرف اللہ عَزَّوَجَلَّ دینے والا ہے۔ سید الانبیاء ﷺ کی شان تو اُن سب سے اعلیٰ و ارفع ہے وہ کیسے قوم سے کوئی معاوضہ طلب کر سکتے ہیں۔ [۱]

---

[۱] تفسیر القرطبي، ج: ۱۶، ص: ۲۳

۴۸۱۸ ـ حدثنا محمد بن بشار: حدثنا محمد بن جعفر: حدثنا شعبة، عن عبدالملک بن میسرة قال: سمعت طاؤسا، عن ابن عباس رضی اللہ عنهما: أنه سئل عن قوله: ﴿إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾ فقال سعید بن جبیر: قربی آل محمد ﷺ. فقال ابن عباس: عجلت، إن النبی ﷺ لم یکن بطن من قریش إلا کان له فیهم قرابة، فقال: ((إلا ان تصلوا مابینی وبینکم من القرابة)). [راجع:۳۴۹۷]

ترجمہ: عبدالملک بن میسرہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے طاؤس سے سنا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے اس آیت ﴿إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾ کے متعلق پوچھا گیا تو سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے کہا کہ قربیٰ سے مراد آل محمد ﷺ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ تم نے جلدی کی، اس لئے کہ قریش کی کوئی شاخ ایسی نہیں جس میں نبی کریم ﷺ کی قرابت نہ ہو، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم اس قرابت داری کی وجہ سے صلہ رحمی کا معاملہ کرو جو میرے اور تمہارے درمیان میں موجود ہے۔

تشریح

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے ﴿إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ﴾ کا مطلب یہ سمجھا کہ حضور اقدس ﷺ فرمارہے ہیں کہ میں تم سے کچھ نہیں مانگتا، سوائے رشتہ داری کے محبت کے، یہ کافروں سے فرمارہے ہیں، سعید بن جبیر رحمہ اللہ کی تفسیر کا یہ مطلب ہوا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ مراد نہیں ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جو قریش کے لوگ تھے ان سب سے نبی کریم ﷺ کی قرابت کا کوئی نہ کوئی رشتہ بنتا تھا، دور دراز کا تو تھا ہی لیکن قرابت کا رشتہ بنتا تھا، تو آپ یہ فرمارہے ہیں کہ میں کچھ اور نہیں مانگتا، کوئی احسان میرے ساتھ نہ کرو، لیکن کم از کم جو قرابت میرے اور تمہارے درمیان ہے اس کا کچھ لحاظ کرتے ہوئے مجھے تکلیف نہ دو اور میرے راستہ میں رکاوٹیں پیدا نہ کرو۔ ؎

؎ قلت: قال الحافظ: والحاصل أن سعید بن جبیر، ومن وافقه حملوا الآية على أمر المخاطبين، بان يوادوا اقارب النبي صلى الله عليه وسلم من أجل القرابة التي بينهم، وبينه، فعلى الأول الخطاب عام لجميع المكلفين، وعلى الثاني الخطاب خاص بقريش. فيض الباری، علی صحیح البخاری، ج: ۴، ص: ۲۳۰، وعمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۲۴۰

(۴۳) سورة حٰمٓ الزخرف

سورۂ زخرف کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں نواسی آیتیں اور سات رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ اور مشرکین مکہ کے اعتراضات وجوابات

"زخرف" عربی زبان میں سونے کو کہتے ہیں اور اس سورت [کی آیت نمبر ۵۳] میں اس کا ذکر اسی سیاق میں کیا گیا ہے کہ اگر اللہ ﷻ چاہے تو سارے کافروں کو سونے ہی سونے سے نہال کر دے۔ اسی وجہ سے اس سورت کا نام "زخرف" ہے۔

اس سورت کا مرکزی موضوع مشرکین مکہ کی تردید ہے جس میں ان کے اس عقیدے کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے جسکی رُو سے وہ فرشتوں کو اللہ ﷻ کی بیٹیاں کہتے تھے۔

نیز وہ اپنے دین کو صحیح قرار دینے کیلئے یہ دلیل دیتے تھے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی طریقے پر پایا ہے۔ اس کے جواب میں اول تو یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ قطعی عقائد کے معاملے میں باپ دادوں کی تقلید بالکل غلط طرز عمل ہے اور پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حوالہ دیکر فرمایا گیا ہے کہ اگر باپ دادوں ہی کے پیچھے چلنا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کیوں نہیں کرتے جنہوں نے شرک سے کھلم کھلا بیزاری کا اعلان فرمایا تھا۔

مشرکین آنحضرت ﷺ پر جو اعتراضات کیا کرتے تھے، اس سورت میں ان کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

ان کا ایک اعتراض یہ تھا کہ اگر اللہ ﷻ کو کوئی پیغمبر بھیجنا ہی تھا تو کسی دولت مند سردار کو اس مقصد کیلئے کیوں نامزد نہیں کیا گیا؟ اللہ ﷻ نے اس سورت میں یہ واضح فرمایا ہے کہ دنیوی مال و دولت کا انسان کے تقدس اور اللہ ﷻ کے تقرب سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اللہ ﷻ کافروں کو بھی سونا چاندی اور دنیا بھر کی دولت دے سکتا ہے، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اللہ ﷻ کے مقرب ہیں، کیونکہ آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں اس مال و دولت کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

اس سورت نے یہ بھی واضح فرمایا ہے کہ دنیا میں اللہ ﷻ معاشی وسائل کی تقسیم اپنی حکمت کے مطابق

ایک خاص انداز سے فرماتے ہیں، جس کیلئے ایک مستحکم نظام بنایا گیا ہے۔

اسی ذیل میں اللہ ﷻ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ بھی اختصار کے ساتھ بیان فرمایا ہے، کیونکہ فرعون کو بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہی اعتراض تھا کہ وہ دنیوی مال ودولت کے اعتبار سے کوئی بڑی حیثیت نہیں رکھتے اور فرعون کے پاس سب کچھ ہے، لیکن انجام یہ ہوا کہ فرعون اپنے کفر کی وجہ سے غرق ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام غالب آکر رہے۔

نیز اس سورت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بھی مختصر ذکر فرما کر ان کی صحیح حیثیت واضح فرمائی گئی ہے۔

وقال مجاهد: ﴿عَلٰى أُمَّةٍ﴾: على إمام. ﴿وَقِيلِهِ يا رَبِّ﴾، تفسيره: أيحسبون أنا لانسمع سرّهم ونجواهم ولا نسمع قيلهم.

وقال ابن عباس: ﴿وَلَوْلا أَنْ يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً﴾: لولا أن جعل الناس كلهم كفاراً لجعلت لبيوت الكفار ﴿سُقُفاً مِنْ فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ﴾ من فضة وهي درج وسرر فضة.

﴿مُقْرِنِينَ﴾: مطيقين. ﴿آسَفُونا﴾: أسخطونا. ﴿يَعْشُ﴾: يعمىٰ. وقال مجاهد ﴿أَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ﴾ أي تكذبون بالقرآن ثم لاتعاقبون عليه. ﴿وَمَضَى مَثَلُ الْأَوَّلِينَ﴾ سنة الاوّلين. ﴿مُقْرِنِينَ﴾: يعنى الابل والخيل والبغال.

﴿يُنَشَّأُ فِي الْحِلْيَةِ﴾: الجوارى جعلتموهن للرحمن ولداً، فكيف تحكمون؟ ﴿لَوْشَاءَ الرَّحْمٰنُ مَاعَبَدْنَاهُمْ﴾: يعنون الأوثان، يقول الله تعالى: ﴿مالَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ﴾ الأوثان إنهم لايعلمون. ﴿فِي عَقِبِهِ﴾: ولده. ﴿مُقْتَرِنِينَ﴾: يمشون معاً.

﴿سَلَفاً﴾: قوم فرعون سلفاً لكفار أمة محمد ﷺ ﴿وَمَثَلاً﴾: عبرة. ﴿يَصِدُّونَ﴾: يضجّون. ﴿مُبْرِمُونَ﴾: مجمعون. ﴿أَوَّلُ العابِدِينَ﴾: أول المؤمنين.

وقال غيره ﴿إِنَّنِي بَرَاءٌ مِمَّا تَعْبُدُونَ﴾ العرب تقول: نحن منك البراء والخلاء، الواحد والاثنان والجميع من المذكر والمؤنث، يقال فيه: براء لأنه مصدر. ولو قال: برىءٌ. لقيل في الاثنين: بريئان، وفي الجميع: بريئون. وقراء عبد الله إنّني برىءٌ بالياءِ. والزُّخرُفُ: الذهب. ﴿مَلائِكَةً يَخْلُفُونَ﴾: يخلف بعضهم بعضًا.

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "عَلٰى أُمَّةٍ" کے معنی ہیں دین، ملت اور امام۔

﴿وَقِيلِهِ يا رَبِّ﴾ امام بخاری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کیا کفار یہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان کے رازوں اور ان کی سرگوشیوں کو اور ان کی گفتگو کو نہیں سن رہے ہیں؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت ﴿وَلَوْلا أَنْ يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگوں کو میں کافر ہی بنادوں گا تو میں کافروں کے گھروں کی ﴿سُقُفاً مِنْ فِضَّةٍ وَمَعارِجَ﴾ یعنی گھروں کی چھتوں کو بھی چاندی کا بنادیتا اور زینے بھی چاندی کے کردیتا۔

اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دنیا کی دولت وجاہ ہمارے نزدیک اس قدر حقیر ہے کہ اگر یہ بات متوقع نہ ہوتی کہ تمام آدمی ایک ہی طریقہ پر چلیں گے یعنی کافر ہوجائینگے تو جو لوگ خدا کے ساتھ کفر کرتے ہیں ہم ان سب کیلئے گھروں کی چھتیں اور زینے بھی چاندی کے کردیتے۔

"مُقْرِنِينَ" بمعنی "مطيقين" یعنی طاقتور اور قابو میں کرلینے والے۔

"آسَفُونا" کے معنی ہیں "اسخطونا" یعنی ہم کو غصہ دلایا۔

"يَعْشُ" بمعنی "يعمى" یعنی اندھا بن جانا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ﴿أَفَنَضْرِبُ عَنْكُمُ الذِّكْرَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم قرآن کو جھٹلاتے رہو گے پھر بھی تمہیں سزا نہ دیجائے؟

﴿وَمَضى مَثَلُ الْأَوَّلِينَ﴾ سے مراد ہے "سنة الاولين" یعنی پچھلے لوگوں طریقہ۔

"مُقْرِنِينَ" سے مراد اونٹ، خچر اور گدھے ہیں کہ ان کو اپنے قابو میں کرنے کی طاقت ہم میں نہیں تھی۔

﴿يُنَشَّأُ فِي الْحِلْيَةِ﴾ سے مراد لڑکیاں ہیں، جن کو تم رحمٰن کی اولاد بنادیتے ہو۔ تم ایسا حکم کیسے لگا سکتے ہو؟ مقصد یہ ہے کہ تم لوگ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہو حالانکہ خود تم لوگوں کا یہ حال ہے کہ لڑکی پیدا ہونے پر اس معصوم کو زندہ درگور کردیتے ہو۔

﴿لَوْ شاءَ الرَّحْمٰنُ ما عَبَدْناهُمْ﴾ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ "ماعَبَدْناهُمْ" میں ضمیر بتوں کی طرف راجع ہے، آگے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ﴿ما لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ﴾ یعنی وہ لوگ یوں کہتے ہیں کہ اگر اللہ ﷻ چاہتا تو ہم انکی عبادت نہ کرتے ان کو اس بات کی کچھ خبر نہیں ہے محض بے تحقیق بات کہہ رہے ہیں۔

﴿فِي عَقِبِهِ﴾ سے مراد ولد / بیٹا ہے۔

"مُقْتَرِنِينَ" بمعنی "يمشون معاً" یعنی ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

"سَلَفاً" سے مراد فرعون کی قوم ہے جو امت محمد ﷺ کے کافروں کے لئے پیش رو اور نشانِ عبرت ہے۔

"وَمَثَلاً" کے معنی ہیں نمونہ عبرت۔

"يَصِدُّونَ" کے معنی ہیں "يضجون" یعنی خوشی کے مارے چلاتے ہیں۔

"مُبْرِمُونَ" بمعنی "مجمعون" یعنی متفقہ فیصلہ کرنے والے۔
﴿أَوَّلُ العابِدِينَ﴾ کا مطلب ہے سب سے پہلے ماننے والے، یعنی مؤمن۔
بعض حضرات اس آیت ﴿إِنَّنِي بَرَاءٌ مِمَّا تَعْبُدُونَ﴾ میں موجود لفظ "براء" کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کے معنی بیزار کے ہیں، اہلِ عرب کہتے ہیں "نحن منک البراء والخلاء" یعنی ہم تم سے بیزار ہیں، الگ ہیں۔ "براء" یہ لفظ واحد، تثنیہ اور جمع اور مذکر ومونث سب کے واسطے استعمال کیا جاتا ہے۔
اور اگر "بری ءٌ" پڑھا جائے تو تثنیہ کی صورت میں "بریئان" اور جمع میں "بریئون" کہا جائیگا اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ "إنّني بری ءٌ" یعنی یاء کے ساتھ قرأت کرتے تھے۔
"والزُّخرُف" سونے کو کہتے ہیں۔
﴿مَلائِكَةً يَخْلُفُونَ﴾ کے معنی ہیں ان میں سے بعض بعض کے لئے خلیفہ رقائم مقام ہوں گے۔

(۱) باب قوله: ﴿وَنَادَوْا يا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنا رَبُّكَ قَالَ إِنَّكُمْ ماكِثُونَ﴾

الآية [۷۷]

اس ارشاد کا بیان: "اور وہ (دوزخ کے فرشتے سے) پکار کر کہیں گے کہ: "اے مالک! تمہارا پروردگار ہمارا کام ہی تمام کردے۔ وہ کہے گا کہ: تمہیں اسی حال میں رہنا ہوگا۔"

۴۸۱۹ - حدثنا حجاج بن منهال: حدثنا سفيان بن عيينة، عن عمرو، عن عطاء، عن صفوان بن يعلى، عن أبيه قال: سمعت النبي ﷺ يقرأ على المنبر ﴿وَنَادَوْا يامَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنارَبُّكَ﴾.

ترجمہ: صفوان بن یعلی رحمہ اللہ اپنے والد (حضرت یعلی رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتے ہیں میں نے نبی کریم ﷺ کو منبر پر ﴿وَنَادَوْا يا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنا رَبُّكَ﴾ پڑھتے ہوئے سنا۔

وقال قتادة: ﴿مَثَلاً لِلآخِرِينَ﴾: عظة لمن بعدهم. وقال غيره: ﴿مُقْرِنِينَ﴾: ضابطين، يقال: فلانٌ مقرنٌ لفلان: ضابط له. والأكواب: الأباريق التي لا خراطيم لها، وقال قتادة ﴿فِي أُمِّ الكِتابِ﴾ جملة الكتاب أصل الكتاب. ﴿أَوَّلُ العابِدِينَ﴾: أي ما كان فأنا أول الآنفين وهما لغتان، رجل عابد وعبد. وقرأ عبدالله: وقال الرسول يارب،

ویقال: أول العابدین: الجاحدین من عبد یعبد. [راجع: ۳۲۳۰]

ترجمہ وتشریح

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ﴿مَثَلاً لِّلآخِرِینَ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ بعد والوں کیلئے نصیحت ہے۔

دیگر حضرات کہتے ہیں کہ "**مُقْرِنِینَ**" بمعنی "**ضابطین**" یعنی قابو میں لانے والے۔ جیسے کہ لوگ کہتے ہیں "**فلانٌ مقرنٌ لفلان**" یعنی اس کو قابو میں لانے والا ہے، اس پر اختیار رکھتا ہے۔

"**الأکواب**" سے مراد لوٹے ہیں، جن میں ٹونٹیاں نہیں ہوتیں۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے "**ام الکتاب**" کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جملہ "**الکتاب**" سے اصل کتاب مراد ہے، یعنی اصل کتاب جملۃ الکتاب کی تفسیر ہے۔

﴿قُلْ إِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَأَنَا أَوَّلُ الْعَابِدِينَ﴾ امام بخاری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر کر رہے ہیں۔ **﴿أَوَّلُ الْعَابِدِينَ﴾** اسکے معنی یہ ہیں "**ما کان**" یعنی اللہ کیلئے کوئی اولاد نہیں ہے (**إنْ نافیہ ہے**)۔

"**أَوَّلُ الْعَابِدِينَ**" سے مراد "**فأنا أول الآنفین**" یعنی سب سے پہلے میں اس سے عار کرتا ہوں۔

اس میں دو لغت ہیں "**رجل عَابِدٌ وعَبِدٌ**" یعنی عبادت کرنے والا اور انکار کرنے والا بندہ۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس کو "**وقال الرسول یارب**" پڑھا ہے۔

اور اگر یوں کہا جائے کہ "**أَوَّلُ الْعَابِدِينَ**" کے معنی "**الجاحدین**" ہے، تو اس کا مطلب ہوگا اللہ کیلئے کوئی اولاد نہیں ہے اور اگر اولاد ثابت کرتے ہو تو میں اسکا سب سے پہلا انکار کرنے والا ہوں۔

اس صورت میں "**الجاحدین**" باب "**عَبِدَ یَعْبَدُ**" سے آئے گا۔

(۲) بابٌ: ﴿أَفَنَضْرِبُ عَنكُمُ الذِّكْرَ صَفْحًا أَن كُنتُمْ قَوْمًا مُّسْرِفِينَ﴾

اس ارشاد کا بیان: ''بھلا کیا ہم منہ موڑ کر اس نصیحت نامے کو تم سے اس بنا پر ہٹالیں کہ تم حد سے گذرے ہوئے لوگ ہو؟''۔

مبلغین کیلئے قرآنی ہدایات

اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی سرکشی اور نافرمانی میں خواہ کتنے حد سے گزر جاؤ لیکن ہم تمہیں قرآن

کے ذریعے نصیحت کرنا نہیں چھوڑیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص دعوت وتبلیغ کا کام کرتا ہو اُسے ہر شخص کے پاس پیغامِ حق لیکر جانا چاہئے اور کسی گروہ یا جماعت کو تبلیغ کرنا محض اس بناء پر نہیں چھوڑ دینا چاہئے کہ وہ تو انتہاء درجہ کے ملحد بے دین یا فاسق وفاجر ہیں انہیں کیا تبلیغ کی جائے!!۔

مشركين، والله لو أن هذا القرآن رفع حيث رده أوائل هذه الأمة لهلكوا.

﴿فأهلكنا أشد منهم بطشاً ومضى مثل الأولين﴾: عقوبة الأولين. ﴿جزءاً﴾: عدلا.

ترجمہ وتشریح

ترجمۃ الباب کی آیت میں لفظ "مُسْرِفِينَ" سے مراد مشرکین ہیں۔

اسی آیت کے ضمن میں امام بخاریؒ حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا قول بیان کرتے ہیں کہ اللہ کی قسم! اگر یہ قرآن اس وقت اُٹھالیا جاتا جب ابتداء میں اس امت کے لوگوں نے اسے رد کر دیا تھا تو سب ہلاک ہو جاتے۔

﴿مَثَلُ الأَوَّلِينَ﴾ سے مراد ہے "**عقوبة الأولين**" یعنی پہلے آنے والوں کا عذاب ہو چکا ہے۔

"**جُزءاً**" بمعنی "**عدلا**" یعنی اسی کی نظیر، ہم اور برابر۔

(۴۴) سورة حٰمٓ الدخان

سورۂ دخان کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں انسٹھ آیتیں اور تین رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ

دھویں کو عربی میں "دخان" کہتے ہیں اور اسی وجہ سے اس سورت کا نام "سورۂ دخان" ہے۔

سورت کا شانِ نزول

مستند روایات کے مطابق یہ سورت اس وقت نازل ہوئی تھی جب اللہ ﷻ نے مکہ مکرمہ کے کافروں کو متنبہ کرنے کے لئے ایک شدید قحط میں مبتلا فرمایا، اس موقع پر لوگ چمڑے تک کھانے پر مجبور ہوئے اور ابوسفیان نے آنحضرت ﷺ سے درخواست کی کہ قحط دور کرنے کیلئے اللہ ﷻ سے دعا کریں اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اگر قحط دور ہو گیا تو ہم ایمان لے آئینگے۔ حضور اقدس ﷺ نے دعا فرمائی اور اللہ ﷻ نے قحط سے نجات عطا فرمادی، لیکن جب قحط دور ہو گیا تو یہ کافر لوگ اپنے وعدے سے پھر گئے اور ایمان نہیں لائے۔ اس واقعے کا تذکرہ اس سورت [آیت نمبر ۱۰ تا ۱۵] میں آیا ہے۔

اور اسی سلسلے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ایک دن آسمان پر دھواں ہی دھواں نظر آئیگا (اس کا مطلب ان شاء اللہ اس آیت کی تفسیر میں آئیگا)۔

سورت کے باقی مضامین توحید، رسالت اور آخرت کے اثبات پر مشتمل ہیں۔

وقال مجاهد: ﴿رَهْواً﴾ طريقاً يابساً. ويقال: رهواً ساكناً على علم.

﴿عَلَى العالَمِينَ﴾، على من بين ظهريه. ﴿فاعْتِلُوهُ﴾: ادفعوه. ﴿وَزَوَّجْناهُمْ بِحُورٍ عِينٍ﴾ انكحناهم حوراً عينا يحار فيها الطرف. ويقال أن ترجمون: القتل. ورهواً: ساكنا. وقال ابن عباس: ﴿كالمُهْلِ﴾: أسود كمهل الزيت. وقال غيره: ﴿تُبَّعٍ﴾: ملوك

اليمن، كل واحد منهم يسمّى تبعاً لأنه يتبع صاحبه. والظلُّ يسمّى تبعاً لأنه يتبع الشمس.

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "رَهْـواً" کا معنی ہے سوکھا راستہ، خشک راستہ۔ اور اس طرح کہا جاتا ہے "رهواً ساكناً على علم"۔

﴿عَلى العالَمِينَ﴾ کی تفسیر یہاں پر "على من بين ظهريه" سے کی ہے، یعنی ان لوگوں (بنی اسرائیل) کو ان لوگوں پر جو ان کے درمیان ہیں اور ان کے ہم عصر، ایک زمانہ کے ہیں ان پر فوقیت دی ہے۔

"فاعْتِلُوهُ" بمعنی "ادفعوه" یعنی اس کو دھکیل دو۔

﴿وَزَوَّجْناهُمْ بِحُورٍ عِينٍ﴾ سے مراد یہ ہے کہ ہم ان کا نکاح بڑی آنکھوں والی حوروں سے کریں گے جن کو دیکھ آنکھیں حیرت زدہ رہ جائیں گی۔

کہتے ہیں کہ "ترجمون" کے معنی ہیں کہ تم لوگ مجھ کو پتھر سے قتل کرو۔

"ورهواً" سے مراد یہاں ساکن حالت ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا "كالمُهْلِ" یعنی سیاہ زیتون کے تیل کی تلچھٹ جیسا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے علاوہ دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ "تُبَّعَ" سے مراد یمن کے بادشاہ ہیں ان میں سے ہر ایک کو "تبعاً" کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے جانے والے صاحب کے بعد آتا ہے یعنی ایک کے پیچھے ایک آتا تھا اور اسی طرح سایہ کو بھی "تبعاً" کہتے ہیں کیونکہ وہ سورج کے تابع رہتا ہے۔

(۱) بابٌ: ﴿فارْتَقِبْ يَوْمَ تأتِي السَّماءُ بِدُخانٍ مُبِينٍ﴾ [۱۰]

باب: "لہذا اُس دن کا انتظار کو جب آسمان ایک واضح دُھواں لیکر نمودار ہوگا۔"

﴿فارْتَقِبْ﴾: فانتظر.

ترجمہ: "فارْتَقِبْ" پس آپ انتظار کیجئے۔

دخانِ مبین کے بارے میں اقوال

آیت مذکورہ میں جس دُخان مبین کا ذکر بطور پیشین گوئی کے آیا ہے کہ آپ انتظار کریں اُس واضح

دھویں کا جو آسمان پر ہوگا اور لوگوں پر چھا جائے گا، اس کے متعلق صحابہ کرام وتابعین سے تین قول منقول ہیں:

اوّل: یہ کہ یہ علامات قیامت میں سے ایک علامت ہے، جو قیامت کے بالکل قریب واقع ہوگی۔

یہ قول حضرت علی مرتضی، حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم اور حضرت حسن بصری، حضرت ابن ابی ملیکہ وغیرہ رحمہم اللہ کا ہے۔ حضرت ابوسعید خدری اور حضرت حذیفہ بن اسید غفاری رضی اللہ عنہما سے یہ قول مرفوعاً بھی روایت کیا گیا ہے۔

دوسرا قول: یہ ہے کہ پیشین گوئی واقع ہو چکی ہے اور اس کا مصداق مکہ مکرمہ کا قحط جو رسول اللہ ﷺ کی بددعا سے ان پر مسلط ہوا تھا، وہ بھوکے مرنے لگے، مردار جانور تک کھانے لگے، آسمان پر بارش بادل کے ان کو دھواں نظر آتا تھا۔

یہ قول حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ وغیرہ کا ہے۔

تیسرا قول: یہ ہے کہ اس دخان سے مراد وہ گرد وغبار ہے جو فتح مکہ کے روز مکہ مکرمہ پر چھا گیا تھا۔

یہ قول عبدالرحمٰن بن اعرج وغیرہ کا ہے۔ [1]

۴۸۲۰ ـ حدثنا عبدان، عن أبي حمزة، عن الأعمش، عن مسلم، عن مسروق، عن عبدالله قال: مضى خمسٌ: الدخان، والروم، والقمر، والبطشة، واللزام. [راجع: ۱۰۰۷]

ترجمہ: حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ پانچ علامتیں گزر چکی ہیں **الدخان** یعنی دھواں، **الروم** یعنی غلبہ روم، **القمر** یعنی چاند کے ٹکڑے ہونا، **البطشہ** یعنی پکڑ، اور **اللزام** یعنی ہلاکت اور قید۔

(۲) باب ﴿يَغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ [۱۱]

باب: ''جو لوگوں پر چھا جائے گا۔ یہ ایک دردناک عذاب ہے۔''

۴۸۲۱ ـ حدثنا يحيى: حدثنا أبومعاوية: عن الأعمش، عن مسلم، عن مسروق قال: قال عبدالله: انما كان هذا لأن قريشا لما استعصوا على النبي ﷺ دعا عليهم بسنين كسني يوسف، فأصابهم قحط وجهد حتى أكلوا العظام فجعل الرجل ينظر الى السّماء فيرى مابينه وبينها كهيئة الدخان من الجهد. فأنزل الله تعالى ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ

---

[1] تفسير القرطبي، ج: ۱۶، ص: ۱۳۰، ۱۳۱

بِدُخَانٍ مُبِينٍ يَغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيمٌ﴾ قال: فأتي رسول الله ﷺ فقيل: يارسول الله، استسق الله لمضر فإنها قد هلكت، قال: ((لمضر؟ إنك لجرئ))، فاستسقى فسقوا. فنزلت ﴿إِنَّكُمْ عائِدُونَ﴾ فلما اصابهم الرفاهية فانزل الله عزوجل ﴿يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرىٰ إِنَّا مُنْتَقِمُونَ﴾ قال: يعني يوم بدر. [راجع: ۱۰۰۷]

ترجمہ: حضرت عبداللہ (بن مسعود) ﷺ نے بیان کیا کہ یہ صرف اس سبب سے ہوا کہ قریش نے جب نبی کریم ﷺ کی نافرمانی کی تو آپ نے ان لوگوں کے لئے ایسے قحط کی بددعاء کی جیسا حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں پڑا تھا، چنانچہ قحط سالی اور تنگی کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ لوگ ہڈیاں کھانے لگے، اور یہ حال ہوگیا کہ کوئی شخص آسمان کی طرف دیکھتا تو اس کے اور آسمان کے درمیان دھواں کی طرح دکھائی دیتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ **﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ يَغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيمٌ﴾** ۔ راوی کا بیان ہے کہ کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! اللہ تعالیٰ سے قبیلہ مضر کے حق میں بارش کی دعا کیجئے، اس لئے کہ وہ تباہ ہوگئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کیا قبیلہ مضر کیلئے؟ بے شک تو دلیر ہے۔ چنانچہ آپ نے بارش کی دعا فرمائی تو بارش ہوئی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ **﴿إِنَّكُمْ عَائِدُونَ﴾** پھر جب ان پر خوشحالی آئی تو وہ لوگ اپنی پہلی حالت پر لوٹ گئے، تو اللہ عزوجل نے یہ آیت نازل فرمائی **﴿يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرىٰ إِنَّا مُنْتَقِمُونَ﴾** ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ فرماتے ہیں کہ جنگ بدر مراد ہے۔

نبی کریم ﷺ، نافرمانوں کے حق میں بھی رحم دل

یہ حدیث پہلے بھی گزری ہے، یہاں اس روایت میں یہ جملہ آیا ہے کہ ایک شخص نے آکر عرض کیا کہ "**استسق الله لمضر فإنها قد هلكت**" اے اللہ کے رسول! قبیلہ مضر کے واسطے سیرابی کی دعا کیجئے، کیونکہ مضر کے لوگ قحط کی وجہ سے ہلاک ہو رہے ہیں۔

تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "**لمضر؟**" یہ سوالیہ جملہ ہے، لہجے سے پتہ چلتا ہے یعنی کیا میں مضر کے واسطے دعا کروں؟

"**إنک لجرئ**" تم بہت جری ہو کہ مضر کے واسطے سیرابی کی دعا کی درخواست کر رہے ہو۔

یہ اس وجہ سے فرمایا کہ قبیلہ مضر کے لوگ بہت سرکش اور نافرمان تھے۔ لیکن پھر بھی آپ ﷺ نے بارش کی دعا فرمائی، اس واسطے کہ اس بارش کا فائدہ نہ صرف یہ کہ مضر کے لوگوں کو پہنچتا، بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی اس بارش

سے فائدہ پہنچتا۔ [۱۱]

(۳) باب قوله تعالىٰ: ﴿رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ﴾ [۱۲]

اس ارشاد باری تعالیٰ کا بیان: ”(اُس وقت یہ لوگ کہیں گے کہ:) اے ہمارے پروردگار ہم سے یہ عذاب دُور کر دیجئے، ہم ضرور ایمان لے آئیں گے۔“

۴۸۲۲ ۔ حدثنا يحيىٰ: حدثنا وكيع، عن الأعمش، عن أبي الضحىٰ، عن مسروق قال: دخلت على عبدالله فقال: إن من العلم أن تقول لما لاتعلم: الله أعلم، إن الله قال لنبيه ﷺ: قال: ﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ﴾ إن قريشاً لما غلبوا النبي ﷺ واستعصوا عليه قال: ((اللّٰهم أعني عليهم بسبع كسبع يوسف)) فأخذتهم سنة أكلوا فيها العظام والميتة من الجهد حتى جعل أحدهم يرى ما بينه وبين السماء كهيئة الدخان من الجوع. قالوا: ﴿رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ﴾. فقيل له: إن كشفنا عنهم عادوا، فدعا ربه فكشف عنهم فعادوا فانتقم الله منهم يوم بدر. فذلك قوله: ﴿يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ إلى قوله جلّ ذكره: ﴿إِنَّا مُنْتَقِمُونَ﴾. [راجع: ۱۰۰۷]

ترجمہ: حضرت مسروق رحمہ اللہ نے بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ بھی علم ہی ہے کہ تمہیں اگر کوئی بات معلوم نہیں ہے تو صاف کہہ دو کہ - **الله اعلم** یعنی اللہ جل جلالہ ہی زیادہ جاننے والا ہے، اللہ جل جلالہ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا کہ ﴿**قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ**﴾ ۔قریش کے لوگ جب نبی کریم ﷺ کو تکلیف پہنچاتے اور نافرمانی کرتے ہی رہے تو آپ نے ان لوگوں کے لئے ایسے قحط کی بددعاء کی جیسا حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں پڑا تھا، چنانچہ قحط سالی اور تنگی کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ وہ لوگ ہڈیاں کھانے لگے، اور یہ حال ہوگیا کہ کوئی شخص آسمان کی طرف دیکھتا تو فاقہ کی وجہ سے اس کے اور آسمان کے درمیان دھویں کے سوا اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ آخر انہوں نے کہا ﴿**رَبَّنَا اكْشِفْ عَنَّا الْعَذَابَ إِنَّا مُؤْمِنُونَ**﴾ ۔لیکن ان سے کہہ دیا تھا کہ اگر ہم نے یہ عذاب دور کر دیا تو تم دوبارہ سے اپنی حالت پر لوٹ جاؤ گے، چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے حق میں دعا کی تو یہ عذاب ان سے ہٹ گیا

---

[۱۱] عمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۲۹۱

لیکن وہ دوبارہ سے شرک وکفر کرنے لگ گئے، تو اللہ ﷻ نے بدر کے دن ان سے بدلہ لیا۔ یہی مراد ہے اس ارشاد الٰہی سے کہ ﴿يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ یہاں تک ﴿إِنَّا مُنتَقِمُونَ﴾۔

(۴) باب: ﴿أَنَّى لَهُمُ الذِّكْرَى وَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولٌ مُّبِينٌ﴾

باب: ''ان کو نصیحت کہاں ہوتی ہے؟ حالانکہ ان کے پاس ایسا پیغمبر آیا ہے جس نے حقیقت کو کھول کر رکھ دیا ہے۔''

الذّکر والذکریٰ واحد[۱۳]

ترجمہ: ''**الذّکر والذکریٰ**'' یہ دونوں واحد ہیں، اور ایک ہی معنی ہے۔

۴۸۲۳ ـ حدثنا سليمان بن حرب: حدثنا جرير بن حازم، عن الأعمش، عن أبي الضحى، عن مسروق قال: دخلت على عبدالله ثم قال: إن رسول الله ﷺ لما دعا قريشا كذبوه واستعصوا عليه: فقال: ((اللّهم أعني عليهم بسبع كسبع يوسف))، فأصابتهم سنة حصت كل شيء حتى كانوا يأكلون الميتة وكان يقوم أحدهم فكان يرى بينه وبين السماء مثل الدخان من الجهد والجوع، ثم قرأ ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ حتى بلغ ﴿إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ﴾ قال عبدالله: أفيكشف عنهم العذاب يوم القيامة؟ قال: و﴿الْبَطْشَةَ الْكُبْرَى﴾: يوم بدر. [راجع: ۱۰۰۷]

ترجمہ: حضرت مسروق رحمہ اللہ نے بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے قریش کے حق میں بددعا کی، جب انہوں نے آپ کو جھٹلایا تھا اور آپ کی نافرمانی کی تھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ! حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے جیسے قحط کے ذریعہ ان کے خلاف میری مدد کر۔ چنانچہ وہ لوگ قحط سالی میں مبتلاء ہوگئے، اور تمام چیزیں ختم ہوگئیں، یہاں تک کہ وہ مردار کھانے لگے اور اگر ان میں سے کوئی شخص کھڑا ہوتا تو بھوک اور تکلیف کے سبب سے اس کے اور آسمان کے درمیان دھواں سا نظر آتا۔ پھر یہ آیت پڑھی ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ یہاں تک کہ اس آیت پر پہنچے ﴿إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيلًا إِنَّكُمْ عَائِدُونَ﴾۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے کہا کیا قیامت کے دن ان سے عذاب دور کیا جائے گا؟ اور فرمایا کہ ﴿الْبَطْشَةَ الْكُبْرَى﴾ سے مراد یوم بدر ہے۔

تشریح

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش مکہ کو دین اسلام کی دعوت دی تو انہوں نے نہ صرف یہ کہ آپ کو جھٹلایا، سرکشی اختیار کی اور آپ کو آپ صحابہ کرام کو سخت تکالیف اور ایذائیں پہنچائیں تو آپ نے ان کیلئے بددعا فرمائی، بعد میں جب قریش کے لوگوں نے قحط سالی سے مجبور ہوکر آپ سے دعاء کی درخواست کی تو یہ قحط ختم ہوا۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ﴿إِنَّا كَاشِفُوا الْعَذَابِ قَلِيلاً إِنَّكُمْ عَائِدُونَ﴾ اس سے آخرت کے عذاب کی طرف اشارہ ہے کہ آخرت کا عذاب تھوڑی دیر کیلئے ان سے ہٹالیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ اس پر استفہام انکاری کے ساتھ پوچھ رہے ہیں کہ "**افیکشف عنهم العذاب یوم القیامة؟**" کیا ان سے قیامت کے دن ہٹادیا جائے گا نہیں نہیں! ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

بلکہ اصل میں کیا ہے کہ "**الْبَطْشَةَ الْكُبْرَىٰ**" مراد ہے یعنی شروع میں ان کے اوپر دخان ردھویں والا عذاب آیا تھا اور پھر یہ عذاب اٹھادیا گیا۔

پھر انہوں نے کفروشرک اور بُری حرکتیں کیں، جیسا کہ اس آیت میں ذکر ہے، تو پھر اس کے بعد "**بطشة الكبرىٰ**" بعد میں یہ آیا۔

(۵) باب: ﴿ثُمَّ تَوَلَّوْا عَنْهُ وَقَالُوا مُعَلَّمٌ مَجْنُونٌ﴾ [۱۴]

باب: "پھر بھی یہ لوگ اُس سے منہ موڑے رہے، اور کہنے لگے کہ: یہ سکھایا پڑھایا ہوا ہے، دیوانہ ہے۔"

۴۸۲۴ ـ حدثنا بشر بن خالد: أخبرنا محمد، عن شعبة، عن سليمان ومنصور، عن ابى الضحىٰ، عن مسروق قال: قال عبدالله: إن الله بعث محمداً ﷺ وقال: ﴿قُلْ مَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أَجْرٍ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِينَ﴾. فإن رسول الله ﷺ لما رأى قريشاً استعصوا عليه فقال: ((اللهم اعنى عليهم بسبع كسبع يوسف)) فأخذتهم السنة حتى حصّت كل شئ حتى أكلوا العظام والجلود. فقال أحدهم: حتى أكلوا الجلود والميتة وجعل يخرج من الأرض كهيئة الدخان. فأتاه أبوسفيان فقال: أى محمد، إن قومك قد هلكوا فادع الله أن

يكشف عنهم، فدعا ثم قال: ((تعودوا بعد هذا)).

في حديث منصور: ثم قرأ ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ إلى ﴿عَائِدُونَ﴾ أيكشف عذاب الآخرة؟ فقد مضى الدخان والبطشة واللزام، وقال أحدهم: القمر، وقال الآخر: الروم. [راجع: ۱۰۰۷]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث کیا اور کہا کہ آپ فرمادیجئے کہ ﴿قُلْ مَاأسألُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ أجْرٍ وَمَاأنا من المُتَكَلِّفِينَ﴾۔ رسول اللہ ﷺ نے جب دیکھا کہ قریش نے نافرمانی اختیار کی ہوئی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے اللہ! حضرت یوسف ﷤ کے زمانے جیسے قحط کے ذریعہ ان کے خلاف میری مدد کر۔ تو ان لوگوں کو قحط سالی آن پکڑا، یہاں تک کہ تمام چیزیں ختم ہوگئیں، یہ نوبت آگئی کہ ہڈیاں اور چمڑے کھانے لگے۔ راویان حدیث میں سے ایک کہتے ہیں کہ وہ ہڈیاں اور چمڑے کھانے لگے اور ان لوگوں کو یوں لگنے لگا کہ جیسے زمین سے دھواں سا نکلنے لگا ہے۔ پھر ابوسفیان آپ ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ اے محمد! آپ کی قوم ہلاک ہوگئی، آپ اللہ سے دعا کریں کہ ان پر سے مصیبت دور کردے۔ تو آپ ﷺ نے دعا فرمائی، پھر فرمایا کہ یہ لوگ اپنی پچھلی حالت کی طرف لوٹ جائیں گے۔

راوی منصور کی حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ نے یہ آیت ﴿فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ﴾ یہاں تک تلاوت کی ﴿عَائِدُونَ﴾، کیا آخرت کا عذاب بھی ان سے دور ہو سکے گا؟ "الدخان" دھواں، "والبطشة" اور سخت پکڑ "واللزام" اور ہلاکت یہ تینوں علامات تو گزر چکی ہیں۔ بعض راویوں نے "القمر" شق القمر، اور بعض دوسروں نے "الروم" غلبہ روم کا بھی ذکر کیا ہے۔

تشریح

جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ قریش کے لوگ مسلسل نافرمانی اختیار کئے ہوئے ہیں اور کفر پر مصر ہیں تو آپ نے ان کیلئے بددعا کی کہ اے اللہ یوسف ﷤ کے زمانے میں جس طرح کا قحط آیا تھا اس طرح کا قحط ان مشرکین پر بھیج کر میری مدد فرما۔

چنانچہ ان کو ایسے سخت قحط نے آن پکڑا کہ ہر چیز ختم کردی، آخر قریش کے سردار ابوسفیان کو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آنا پڑا اور عرض کیا کہ اے محمد! آپ کی قوم ہلاک ہو رہی ہے آپ اللہ ﷻ سے دعا کیجئے کہ اس قحط کو دور کردے۔

آپ ﷺ نے دعا فرمائی تو یہ قحط ختم ہوگیا، آپ نے فرمایا کہ "تعودوا بعد هذا" یعنی تم لوگ اس قحط

کے ختم ہونے کے بعد پھر کفر و شرک پر واپس لوٹ جاؤ گے۔

(۶) بابُ: ﴿يَوْمَ نَبْطِشُ الْبَطْشَةَ الْكُبْرَى إِنَّا مُنْتَقِمُونَ﴾ [۱۶]

باب: ”جس دن ہماری طرف سے سب سے بڑی پکڑ ہوگی، اُس دن ہم پورا انتقام لے لیں گے۔“

آیت کا مصداق

اس سے مراد روزِ قیامت کی پکڑ ہوگی۔

(پیچھے روایت میں) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تفسیر میں جو غزوۂ بدر کی پکڑ کو فرمایا ہے وہ اپنی جگہ صحیح ہے، وہ بھی ایک سخت پکڑ ہی تھی، لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آگے قیامت میں اُس سے بڑی پکڑ نہیں ہوگی۔ اور اس میں کچھ بھی بعد نہیں معلوم ہوتا کہ قرآن کریم نے کفار مکہ کو ایک آنیوالے عذاب سے ان آیات میں ڈرایا ہے اس کے بعد جو بھی عذاب اُن پر آیا اُس کو کسی درجہ میں اس کا مصداق سمجھ کر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے ان آیات کو ذکر فرما دیا ہو جس سے اس کے علاماتِ قیامت ہونے کی نفی نہیں۔ [۳]

۴۸۲۵ ـ حدثنا يحيى: حدثنا وكيع، عن الأعمش، عن مسلم، عن مسروق، عن عبدالله قال: خمس قد مضين: اللزام، والروم، والبطشة، والقمر، والدخان. [راجع: ۱۰۰۷]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ پانچ علامات گزر چکی ہیں: **اللزام، والروم، والبطشة، والقمر، والدخان**۔ (یعنی بدر کی لڑائی کی ہلاکت، اور غلبہ روم، اور سخت پکڑ، چاند کے ٹکڑے ہونے کا واقعہ اور دھواں، شدت فاقہ کی وجہ سے)۔

---

[۳] تفسير القرطبي، ج:۱۶، ص:۱۳۳، وروح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، ج:۱۳، ص:۱۱۹

(۴۵) سورة حمٓ الجاثية

سورۂ جاثیہ کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

یہ سورت مکی ہے، اور اس میں سینتیس آیتیں اور چار رکوع ہیں۔

وجہ تسمیہ۔ منکرین کے شبہات اور دہریوں کی تردید

اس سورت میں بنیادی طور پر تین باتوں پر زور دیا گیا ہے۔

ایک یہ کہ اس کائنات میں ہر طرف اللہ ﷻ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی اتنی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں کہ ایک انسان اگر معقولیت کے ساتھ ان پر غور کرے تو اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس کائنات۔ کے خالق کو اپنی خدائی کے انتظام میں کسی شریک کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرا کر اس کی عبادت کرنا سراسر بے بنیاد بات ہے۔

دوسرے نبی کریم ﷺ کو بتایا گیا ہے کہ آپ کو شریعت کے کچھ ایسے احکام دیئے گئے ہیں جو پچھلی امتوں کو دیئے گئے احکام سے کسی قدر مختلف ہیں، چونکہ یہ سارے احکام اللہ ﷻ کی طرف سے ہیں، اس لئے ان پر کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہئے۔

تیسرے اس سورت میں قیامت کے ہولناک مناظر کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اسی سلسلے میں [آیت نمبر ۲۸] میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن لوگ اتنے خوف زدہ ہونگے کہ ڈر کے مارے گھٹنوں کے بل بیٹھ جائینگے۔

خلاصہ یہ کہ اس کا مقصد عقائد ہی کی اصلاح ہے، چنانچہ اس میں توحید، رسالت اور آخرت کے عقائد ہی کو مختلف طریقوں سے مدلل کیا گیا ہے، خاص طور سے آخرت کے اثبات کے دلائل، منکرین کے شبہات اور دہریوں کی تردید اس میں زیادہ تفصیل سے آئی ہے۔

"جاثیہ" عربی زبان میں ان لوگوں کو کہتے ہیں جو گھٹنے کے بل بیٹھے ہوں۔ اسی لفظ کو سورت کا نام بنا دیا گیا ہے۔

﴿جَاثِيَةً﴾: مستوفزين على الرُّكَبِ. وقال مجاهد: ﴿نَسْتَنْسِخُ﴾: نكتب.

﴿نَنسَاكُمْ﴾: نتركم.

ترجمہ وتشریح

"جَاثِيَةٌ" کے معنی ہیں گھٹنوں کے بل بیٹھنا، "استیفاز" اس طرح بیٹھنے کو کہتے جس سے معلوم ہو کہ اٹھنے کیلئے بہت جلدی ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت میں "نَسْتَنْسِخُ" بمعنی "نكتب" یعنی ہم لکھتے ہیں۔

"نَنسَاكُمْ" بمعنی "نتركم" یعنی ہم تم کو چھوڑ دیں گے، عذاب میں چھوڑ دیں گے۔

۴۸۲۶ - حدثنا الحميدي: حدثنا سفيان: حدثنا الزهري، عن سعيد بن المسيب، عن أبي هريرة ﷺ قال: قال رسول الله ﷺ: ((قال الله عزوجل: يؤذيني ابن آدم، يسب الدهر وأنا الدهر بيدي الأمر أقلب الليل والنهار)). [أنظر: ۶۱۸۱، ۷۴۹۱] [1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عز وجل ارشاد فرماتا ہے کہ ابن آدم مجھے تکلیف پہنچاتا ہے، وہ زمانہ کو گالی دیتا ہے، حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں میرے ہی ہاتھ میں سب کچھ ہے، میں ہی رات اور دن کو اولتا بدلتا رہتا ہوں۔

الدهر - زمانہ

لفظ "دهر" دراصل اس تمام مدت کے مجموعے کا نام ہے جو اس عالم کی ابتداء سے انتہا تک ہے اور کبھی بہت بڑی مدت کو بھی "دهر" کہہ دیا جاتا ہے۔

کفار نے یہ قول بطور دلیل کے پیش کیا ہے کہ ہماری موت وحیات کا خدا کے حکم ومشیت سے کوئی تعلق نہیں بلکہ اسباب طبیعہ کے تابع ہے جسکا مشاہدہ موت کے متعلق تو سب کرتے ہیں کہ اعضاء انسانی اور اسکی قوتیں

---

[1] وفي صحيح مسلم، كتاب الألفاظ من الأدب وغيرها، باب النهي عن السب الدهر، رقم: ۲۲۴، وباب كراهة تسمية العنب كرماً، رقم: ۲۲۴۷، وسنن أبي داود، كتاب الأدب، باب في الكرم وحفظ المنطق، رقم: ۴۹۷۴، وباب في الرجل يسب الدهر، رقم: ۵۲۷۴، وموطا مالك، كتاب الكلام، باب مايكره من الكلام، رقم: ۳، ومسند احمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي هريرة ﷺ، رقم ۷۲۴۵، ۷۲۵۷، ۱۵۱۸، ۷۶۸۲، ۷۶۸۳، ۷۷۱۶، ۷۹۰۹، ۷۹۸۸، ۸۱۹۰، ۸۲۳۲، ۹۱۱۶، ۹۱۳۷، ۹۹۷۷، ۱۰۱۶۳، ۱۰۳۷۶، ۱۰۴۳۸، ۱۰۴۷۹، ۱۰۵۷۸، ۱۰۶۱۲، وسنن الدارمي، ومن كتاب الاستئذان، باب لا يقال للعنب: الكرم، رقم: ۲۷۳۲

استعمال کے سبب گھٹتی رہتی ہیں اور ایک زمانہ دراز گزر جانے کے بعد وہ بالکل معطل ہو جاتی ہیں، اسی کا نام موت ہے اسی پر حیات کو بھی قیاس کرلو کہ وہ بھی کسی خدائی حکم سے نہیں بلکہ مادہ کی طبعی حرکتوں سے حاصل ہوتی ہے۔

دھر-یا زمانہ کو برا کہنا اچھا نہیں

کفار ومشرکین زمانے کی گردش ہی کو ساری کائنات اور ان کے سارے حالات کی علت قرار دیتے تھے اور اُسی کی طرف منسوب کرتے تھے، جیسا کہ آیت ﴿وَمَا يُهْلِكُنَا إِلَّا الدَّهْرُ﴾ میں ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ یہ سب افعال اللہ تعالیٰ جل وشانہ کی قدرت وارادہ سے ہوتے ہیں۔

اسی لئے حدیث میں **"دھر"**-یا زمانے کو بُرا کہنے کی ممانعت آئی ہے، کیونکہ کفار جس قوت کو **"دھر"** کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں درحقیقت وہ قوت وقدرت حق تعالیٰ ہی کی ہے، اس لئے **"دھر"**-کو بُرا کہنے کا نتیجہ درحقیقت خدا تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔

حدیث قدسی ہے، حضرت ابوہریرہ ؓ بیان کرتے ہیں کہ **"قال رسول اللہ ﷺ: قال اللہ عزوجل"** رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے **"یؤذینی ابن آدم، یسب الدھر"** کہ ابن آدم مجھے تکلیف پہنچاتا ہے، وہ زمانہ کو گالی دیتا ہے، **"وانا الدھر بیدی الأمر أقلب اللیل والنھار"** حالانکہ میں ہی زمانہ ہوں میرے ہی ہاتھ میں سب کچھ ہے، میں ہی رات اور دن کو اَدلتا بدلتا رہتا ہوں۔

یعنی **"دھر"** کو بُرا نہ کہو، کیونکہ **"دھر"** درحقیقت اللہ ہی ہے، مراد یہ ہے کہ یہ جاہل جس کام کو **"دھر"** کا کام کہتے ہیں وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی قوت وقدرت کا کام ہے، **"دھر"** کوئی الگ سے چیز نہیں۔

اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ **"دھر"** اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے کوئی نام ہو، کیونکہ یہاں مجازاً اللہ تعالیٰ کو **"دھر"** کہا گیا ہے۔ [۲]

---

[۲] معارف القرآن، ج:۷،ص:۷۸۸،۷۸۷- وتفسیر القرطبی، ج: ۱۶، ص: ۱۷۱

(٤٦) سورة الأحقاف

سورۂ احقاف کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

بنیادی عقائد اور والدین کے حقوق کا بیان

اس سورت [آیت نمبر ۲۹ اور ۳۰] سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس وقت نازل ہوئی تھی جب جنات کی ایک جماعت نے حضور نبی کریم ﷺ سے قرآن کریم سنا تھا۔ معتبر روایات کے مطابق یہ واقعہ ہجرت سے پہلے اس وقت پیش آیا تھا جب حضور اقدس ﷺ طائف سے واپس تشریف لا رہے تھے اور نخلہ کے مقام پر فجر کی نماز میں قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے۔

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کو دلائل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔

اسی زمانے میں اس قسم کے واقعات پیش آ رہے تھے کہ ایک ہی گھرانے میں والدین مسلمان ہو گئے اور اولاد مسلمان نہیں ہوئی، اور اس نے اپنے والدین کو ملامت شروع کر دی کہ وہ کیوں اسلام لائے، اس کے برعکس بعض گھرانوں میں اولاد مسلمان ہو گئی اور والدین مسلمان نہ ہوئے اور انہوں نے اولاد پر تشدد شروع کر دیا، اس سورت [آیات نمبر ۱۶ اور ۱۷] میں اسی قسم کی صورتحال کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اسی پس منظر میں اولاد پر ماں باپ کے حقوق بیان فرمائے گئے ہیں۔

وجہ تسمیہ

اس کے علاوہ ماضی میں جن قوموں نے کفر اور نافرمانی کی روش اختیار کی ان کے برے انجام کا حوالہ دیا گیا ہے اور قوم عاد کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے۔ جس جگہ یہ قوم آباد تھی وہاں بہت سے ریت کے ٹیلے تھے جنہیں عربی زبان میں "احقاف" کہا جاتا ہے اسی مناسبت سے اس کا نام "**سورة الاحقاف**" ہے۔

وقال مجاهد: ﴿تُفِيضُونَ﴾: تقولون. وقال بعضهم: أَثَرَةٍ وأُثْرَةٍ و﴿أَثَارَةٍ﴾: بقية

علم. وقال ابن عباس: ﴿بِدعاً مِنَ الرُّسُلِ﴾: لست بأول الرسل.

وقال غيره: ﴿أَرَأَيْتُمْ مِنْ﴾ هذه الألف إنما هي توعد إن صح ما تدعون لا يستحق أن يعبد، وليس قوله: ﴿أَرَأَيْتُمْ﴾ برؤية العين، إنما هو: اتعلمون: أبلغكم أن ما تدعون من دون الله خلقوا شيئا؟

ترجمہ وتشریح

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "تُفِيضُونَ" بمعنی "تقولون" یعنی تم جو کہتے ہو۔

"أَثَرَةٍ وأُثْرَةٍ وأَثَارَةٍ" بمعنی "بقية" ان تینوں کا ایک معنی ہے یعنی کسی بھی چیز کا باقی ماندہ حصہ۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ﴿بِدعاً مِنَ الرُّسُلِ﴾ کے معنی ہیں کہ میں کوئی پہلا رسول نہیں ہوں، کہ تمہارے لئے باعث تعجب ہو۔

فرماتے ہیں کہ ﴿أَرَأَيْتُمْ مِنْ﴾ میں جو الف آیا ہے، یہ وعید، تنبیہ اور دھمکی کیلئے آیا ہے، یعنی اگر تمہارا دعویٰ صحیح ہو پھر بھی وہ عبادت کئے جانے کا مستحق نہیں ہے، پوجنے کے لائق نہیں ہے، کیونکہ مخلوق ہے اور عبادت تو صرف خالق کی کرنی چاہئے۔

اور ﴿أَرَأَيْتُمْ﴾ میں آنکھ کا دیکھنا مراد نہیں ہے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ کیا تم جانتے ہو؟ کیا تم کو خبر پہنچی ہے کہ اللہ ﷻ کے سوا تم جن کی عبادت کرتے ہو اس نے بھی کچھ پیدا کیا ہے؟

(۱) باب: ﴿وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ أُفٍّ لَكُمَا أَتَعِدَانِنِي أَنْ أُخْرَجَ﴾ إلى قوله: ﴿أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾ [۱۷]

باب: "اور ایک شخص جس نے اپنے والدین سے کہا کہ: تف ہے تم پر! کیا تم مجھے زندہ کر کے قبر سے نکالا جائے گا - تا - یہ محض افسانے ہیں جو پچھلے لوگوں سے چلے آرہے ہیں۔"

والدین سے بدسلوکی کا انجام

اس سورت میں چونکہ والدین کے ساتھ حسن سلوک کے احکام بیان ہیں، چنانچہ مندرجہ بالا آیت سے پہلے آیات میں والدین کی خدمت واطاعت کے احکام بیان کئے ہیں تو اب اس شخص کا عذاب وسزا مذکور ہے جو

اپنے والدین کے ساتھ بدسلوکی، بدزبانی سے پیش آئے، خصوصاً جبکہ والدین اس کو اسلام اور اعمالِ صالحہ کی طرف دعوت دیتے ہوں، ان کی بات نہ ماننا دوہرا گناہ ہے۔

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ مفہوم، آیت کا عام ہے جو شخص بھی اپنے والدین کے ساتھ بدسلوکی سے پیش آئے وہ اس کا مصداق ہے۔ [۱]

۴۸۲۷ ۔ حدثنا موسی بن إسماعیل: حدثنا أبو عوانة، عن أبی بشر، عن یوسف ابن ماهک قال: کان مروان علی الحجاز استعمله معاویة فخطب فجعل یذکر یزید بن معاویة لکی یبایع له بعد أبیه. فقال له عبدالرحمٰن بن أبی بکر شیئا، فقال: خذوه. فدخل بیت عائشة فلم یقدروا، فقال مروان: إن هذا الذی أنزل الله فیه ﴿وَالَّذِی قَالَ لِوَالِدَیْهِ أُفٍّ لَّكُمَا أَتَعِدَانِنِی أَنْ أُخْرَجَ﴾ فقالت عائشة من وراء الحجاب: ماأنزل الله فینا شیئا من القرآن إلا أن الله أنزل عذری. [۲]

ترجمہ: یوسف بن ماھک نے بیان کیا کہ مروان کو حضرت معاویہ ﷺ نے حجاز کا گورنر بنایا تھا اس نے ایک موقعہ پر خطبہ دیا اور خطبہ میں یزید بن معاویہ کا ذکر کرنے لگا تا کہ اس کے والد حضرت معاویہ ﷺ کے بعد لوگ اس کی بیعت کریں۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے کچھ اعتراض فرمایا، تو مروان نے کہا کہ اس کو پکڑ لو اور گرفتار کر لو۔ تو عبدالرحمٰن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر چلے گئے تو وہ لوگ انہیں پکڑ نہیں سکے، اس پر مروان بولا کہ اس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی تھی **﴿وَالَّذِی قَالَ لِوَالِدَیْهِ أُفٍّ لَّكُمَا أَتَعِدَانِنِی أَنْ أُخْرَجَ﴾** اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پردے کے پیچھے سے فرمایا کہ ہمارے (یعنی آلِ ابی بکر کے) بارے میں اللہ نے قرآن میں کوئی آیت نازل نہیں فرمائی، بلکہ تہمت سے میری برأت ضرور نازل فرمائی تھی۔

حدیث کی تشریح

"عن یوسف ابن ماهک"۔ "ماھک" یہ "ماہ" کی تصغیر ہے۔ "ماہ" چاند کو کہتے ہیں۔ یہ چونکہ خوبصورت بہت تھے اس لئے انکو ماہک بولتے تھے۔

---

[۱] تفسیر ابن کثیر، ج: ۷، ص: ۲۶۰

[۲] انفرد به البخاری

جیسے اردو میں بچے کو یا کسی بڑے کو بھی پیار سے چندا بولتے ہیں، اسی طرح ماھک ہے۔

مروان بن حکم کو حضرت معاویہ بن ابوسفیان ﷛ نے حجاز کا حاکم مقرر فرمایا تھا، ایک بار انہوں نے خطبہ دیا **"فجعل یذکر یزید بن معاویۃ لکی یبایع لہ بعد أبیہ"** اس خطبے میں وہ بار بار یزید بن معاویہ کا تذکرہ کررہے تھے مقصد یہ تھا کہ لوگ حضرت معاویہ ﷛ کی وفات کے بعد اس کے ہاتھ پر بیعت کریں۔

"فقال لہ عبدالرحمٰن بن أبی بکر شیئاً" اس پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے کچھ کہا یعنی کسی بات پر اعتراض کیا۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ مروان یہ کہہ رہے تھے کہ یزید کے ہاتھ پر بیعت کرلینا بہتر ہے، تاکہ نبی کریم ﷺ اور حضرت صدیق اکبر ﷛ کی سنت پر عمل ہو جائے، حضرت صدیق اکبر ﷛ نے حضرت عمر ﷛ کو ایک آدمی کا نام لکھ کر دیا تھا تو ہمیں یہ محسوس ہوتا ہے کہ اگر حضرت معاویہ ﷛ بھی یزید کا نام لکھ کر دیں تو یہ حضرت صدیق اکبر ﷛ کی سنت پر عمل ہوگا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے کہا **"لاسنۃ قیصر و کسریٰ"** یعنی یہ تو قیصر و کسریٰ کی سنت ہوگی، حضرت ابوبکر ﷛ کی یہ سنت نہیں ہے۔

مروان نے حکم دیا کہ ان کو گرفتار کرلو، پکڑو، لیکن حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما اپنی بہن ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں داخل ہوگئے، جس کی وجہ سے ان کو پکڑا نہیں جاسکے۔

جب وہ پکڑے نہیں جاسکے تو مروان نے کہا **"إن ھذا الذی أنزل اللہ فیہ"** یہ وہ شخص ہے جس کے بارے میں اللہ نے یہ آیت نازل کی تھی کہ **﴿وَالَّذِی قَالَ لِوَالِدَیْهِ أُفٍّ لَّكُمَا أَتَعِدَانِنِی أَنْ أُخْرَجَ﴾**۔

حالانکہ یہ بہت غلط تھا، اس کا عبدالرحمٰن ابن بکر سے کوئی تعلق نہیں، یہ ایک کافر کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جس نے اپنے والدین کی نافرمانی کی تھی۔

ان کی یہ بات سن کر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پردے کے پیچھے سے فرمایا کہ **"ما أنزل اللہ فینا شیئا من القرآن إلا أن اللہ أنزل عذری"** ہمارے بارے میں قرآن کی کوئی آیت نازل نہیں ہوئی، ہاں البتہ تہمت لگنے پر افک کے معاملے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے برأت کے بارے آیات ضرور نازل ہوئی ہیں۔

''ہمارے بارے میں'' سے مراد ہے حضرت صدیق اکبر ﷛ کی اولاد ہے، کیونکہ خود حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کے بارے میں تو بہت ساری آیتیں اتری ہیں، جو یہ ہیں:

۱ - **﴿إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾** — التوبہ: ۴۰

۲- ﴿وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ — النور:۲۲

۳- ﴿الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّىٰ﴾ — اللیل:۱۸

(۲) بابُ قوله: ﴿فَلَمَّا رَأَوْهُ عَارِضاً مُّسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ﴾ الآية[۲۴]

اس ارشاد کا بیان: ''پھر ہوا یہ کہ جب انہوں نے اُس (عذاب) کو ایک بادل کی شکل میں آتا دیکھا جو اُن کی وادیوں کا رُخ کر رہا تھا۔''

قال ابن عباس: ﴿عارِضٌ﴾: السّحاب.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''عارِضٌ'' سے ''السّحاب'' یعنی بادل مراد ہیں۔

۴۸۲۸ــ حدثنا أحمد: حدثنا ابن وهب: أخبرنا عمرو أن ابا النضر حدثه، عن سليمان بن يسار، عن عائشة رضي الله عنها زوج النبي ﷺ قالت: مارأيت رسول الله ﷺ ضاحكاً حتىٰ أرى منه لهواته، إنما كان يتبسم. [أنظر: ۶۰۹۲] ع

۴۸۲۹ــ قالت: وكان إذا رأى غيماً أوريحاً عرف في وجهه. قالت: يارسول الله، الناس إذا رأوا الغيم فرحوا رجاء أن يكون فيه المطر، وأراک إذا رأيته عرف في وجهک

ع وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة الاستسقاء، باب التعوذ عند رؤية الريح والغيم، والفرح بالمطر، رقم: ۸۹۹، وسنن ابي داؤد، كتاب الصلاة، باب الدعاء، رقم: ۱۳۸۲، وكتاب الأدب، باب مايقول اذا هاجت الريح، رقم ۵۰۹۸، ۵۰۹۹، وسنن الترمذي، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة الاحقاف، رقم: ۳۲۵۷، وابواب الدعوات، باب مايقول اذا هاجت الريح، رقم: ۳۴۴۹، وسنن النسائي، كتاب الاستسقاء، القول عند المطر، رقم: ۱۵۲۳، وسنن ابن ماجه، كتاب الدعاء، باب الجوامع من الدعاء، رقم: ۳۸۴۶، وباب مايدعو به الرجل اذا رأى السحاب والمطر، رقم: ۳۸۸۹، ۳۸۹۰، ۳۸۹۱، ومسند احمد، الملحق المستدرک من مسند الأنصار، بقية خامس عشر الأنصار، مسند الصديقة عائشة بنت الصديق رضي الله عنها، رقم: ۲۳۱۳۳، ۲۳۳۶۹، ۲۳۴۷۴، ۲۳۵۰۳، ۲۳۵۸۹، ۲۳۵۹۰، ۲۳۸۷۷، ۲۳۸۹۴، ۲۳۹۷۳، ۲۵۰۱۹، ۲۵۰۶۵، ۲۵۱۳۷، ۲۵۱۵۱، ۲۵۳۳۶، ۲۵۳۴۲، ۲۵۵۵۵، ۲۵۵۷۰، ۲۵۸۶۳، ۲۶۰۳۷

الكراهية، فقال: ((يا عائشة، ما يؤمني أن يكون فيه عذاب، عذّب قومٌ بالريح. وقد رأى قوم العذاب فقالوا: هذا عارضٌ ممطرنا)). [راجع: ۳۲۰۶]

ترجمہ: نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کبھی اس طرح زور سے ہنستے نہیں دیکھا کہ آپ کے حلق کا کوا نظر آ جائے بلکہ آپ ہمیشہ تبسم فرمایا کرتے تھے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب بھی آپ بادل یا ہوا دیکھتے (تو گھبراہٹ اور خوف) آپ کے چہرہ مبارک سے پہچان لیا جاتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! لوگ تو جب بادل دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اس امید پر کہ بارش ہوگی، جبکہ میں آپ کو دیکھتی ہوں کہ جب آپ بادل دیکھتے ہیں تو آپ کے چہرۂ انور پر ناگواری کے آثار نمایاں ہو جاتے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہاے عائشہ! کیا ضمانت ہے کہ اس میں عذاب نہ ہو؟ ایک قوم پر ہوا کا عذاب آیا تھا۔ انہوں نے جب عذاب دیکھا تو بولے کہ یہ تو بادل ہے جو ہم پر برسے گا۔

(۴۷) سورۃ محمد ﷺ

سورۂ محمد کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورت میں بیان کئے گئے احکام

یہ سورت مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں اور بیشتر مفسرین کی رائے میں جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی ہے، یہ وہ وقت تھا جب عرب کے کفار مدینہ کی ابھرتی ہوئی اسلامی حکومت کو کسی نہ کسی طرح زیر کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے، اور وہ اس پر حملے کرنے کی تیاریاں کر رہے تھے، اس لئے اس سورت میں بنیادی طور پر جہاد وقتال کے احکام بیان فرمائے گئے ہیں اور جو لوگ اللہ ﷻ کے دین کا کلمہ بلند رکھنے کے لئے جہاد کرتے ہیں، ان کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے۔

مدینہ منورہ میں ایک بڑی تعداد ان منافقوں کی تھی جو زبان سے تو اسلام لے آئے تھے، لیکن دل سے وہ کافر تھے، ایسے لوگوں کے سامنے جب جہاد اور لڑائی کی بات کی جاتی تو اپنی بزدلی اور دل کے کھوٹ کی وجہ سے لڑائی سے بچنے کے بہانے تلاش کرتے تھے، اس سورت میں ان کی مذمت کر کے ان کا برا انجام بتایا گیا ہے۔

جنگ کے دوران جو قیدی گرفتار ہوں، ان کے احکام بھی اس سورت میں بیان ہوئے ہیں۔

وجہ تسمیہ

اس سورت کی دوسری ہی آیت میں حضور اقدس ﷺ کا مبارک نام لیا گیا ہے، اس لئے اسکا نام سورۂ محمد ﷺ ہے۔ چونکہ اس سورت میں جہاد وقتال کے احکام بیان فرمائے گئے ہیں، اس لئے اس سورت کو ''سورۂ قتال'' بھی کہا جاتا ہے۔

﴿أَوْزَارَهَا﴾: آثامها. حتى لا يبقى إلا مسلم، ﴿عَرَّفَهَا﴾: بينها. وقال مجاهد: ﴿مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا﴾: وليهم.

﴿فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ﴾: أي جد الأمر. ﴿فَلَا تَهِنُوا﴾: لا تضعفوا. وقال ابن عباس:

﴿اضغانَهُمْ﴾: حسدهم ﴿آسِنٍ﴾: متغير.

ترجمہ وتشریح

امام بخاری رحمہ اللہ تفسیر کرتے ہوئے فرمارہے ہیں کہ "**اَوْزَارَها**" بمعنی "**آثامها**" یعنی انکے گناہ، مطلب یہ ہے کہ جب تک وہ اپنے گناہوں سے، کفر وشرک سے باز نہیں آجائیں، توبہ نہیں کرلیں، یہاں تک کہ کوئی بھی باقی نہ رہے سوائے مسلمانوں کے۔

"**عَرَّفَهَا**" بمعنی "**بيّنها**" یعنی اس کو بیان کردے گا، پہچان کرادے گا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿**مَوْلَى الَّذِينَ آمَنُوا**﴾ آیت میں "**مَوْلَى**" بمعنی ولی، مددگار۔

﴿**فَإِذَا عَزَمَ الْأَمْرُ**﴾ کے معنی ہیں "**جد الأمر**" یعنی معاملہ پختہ ہوگیا، مضبوط ہوگیا۔

"**فَلَا تَهِنُوا**" بمعنی "**لا يضعفوا**" یعنی تم لوگ ضعیف اور کمزور مت پڑو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "**اَضْغَانَهُمْ**" بمعنی "**حسدهم**" یعنی بغض اور حسد۔

"**آسِنٍ**" بمعنی "**متغير**" یعنی بدلے گا نہیں۔

(۱) باب: ﴿وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾ [۲۲]

باب: "اور اپنے خونی رشتے کاٹ ڈالو!"۔

اس آیت میں لفظ "**ارحام**" - "**رحم**" کی جمع ہے جو ماں کے پیٹ میں انسان کی تخلیق کا مقام ہے، چونکہ عام رشتوں، قرابتوں کی بنیاد وہیں سے چلتی ہے اس لئے محاورات میں "**رحم**" بمعنی قرابت اور رشتہ کے استعمال کیا جاتا ہے۔

اسلام نے رشتہ داری اور قرابت کے حقوق پورے کرنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے، جیسا کہ مذکورہ روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو صلہ رحمی کرے گا میں اس کو قریب کرلوں گا اور جو قطع تعلق کرے گا اس سے قطع کرلوں گا۔

احادیث صحیحہ سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ قرابت کے معاملہ میں دوسری طرف سے برابری کا خیال نہ کرنا چاہئے کہ اگر دوسرا بھائی یا عزیز قطع تعلق اختیار کرتا ہے اور ناروا سلوک کرتا ہے تو پہلا بھی وہی کرے، بلکہ اس صورت میں بھی حسن سلوک کا معاملہ کرنا چاہئے۔

۴۸۳۰ ـ حدثنا خالد بن مخلد: حدثنا سلیمان: حدثنا معاویة بن أبی مزرد، عن سعید بن یسار، عن أبی هریرة ﷺ، عن النبی ﷺ قال: ((خلق الله الخلق فلما فرغ منه قامت الرحم فأخذت، فقال له: مه. قالت: هذا مقام العائذ بک من القطیعة. قال: ألا ترضین أن أصل من وصلک، وأقطع من قطعک؟ قالت: بلی یارب، قال فذاک)). قال أبوهریرة: اقرؤا إن شئتم ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾. [أنظر: ۴۸۳۱، ۴۸۳۲، ۵۹۸۷، ۷۵۰۲] ل

۴۸۳۱ ـ حدثنا ابراهیم بن حمزة: حدثنا حاتم، عن معاویة قال: حدثنی عمی ابو الحباب سعید بن یسار، عن أبی هریرة بهذا. ثم قال رسول الله ﷺ: ((اقرؤا إن شئتم ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ﴾)). [راجع: ۴۸۳۰]

۴۸۳۲ ـ حدثنا بشر بن محمد: أخبرنا عبدالله: أخبرنا معاویة بن أبی المزرد بهذا. قال رسول الله ﷺ: ((واقرؤا إن شئتم ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ﴾)) آسن: متغیر. [راجع: ۴۸۳۰]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا۔ جب اس سے فارغ ہو گئے تو رحم (رشتہ داری) نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ کے دامن کو پکڑا، اللہ تعالیٰ نے اس سے فرمایا کہ کیا بات ہے؟ اس نے کہا کیا یہ اس کا مقام ہے، جو مجھ کو توڑ کر تیری پناہ میں آئے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ میں اس سے ملوں جو تجھ کو جوڑے، اور اس سے الگ ہو جاؤں جو تجھ کو توڑے؟ اس نے کہا کہ ہاں میرے رب! کیوں نہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیرے ساتھ ایسا ہی ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ ﷺ کہتے ہیں کہ اگر تم چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھو ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾۔

معاویہ کہتے ہیں کہ ان سے ان کے چچا سعید بن یسار نے بیان کیا اور ان سے حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے سابقہ حدیث کی طرح بیان کیا۔ (آخر میں حضرت ابو ہریرہ ﷺ بیان کیا کہ) رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ﴾۔

بشر بن محمد نے بیان کیا ان کو عبد اللہ نے خبر دی انہیں معاویہ بن مزرد نے سابقہ حدیث کی طرح بیان کیا اور کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھ لو ﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ﴾۔

ل وفی صحیح مسلم، کتاب البر والصلة والآداب، باب صلة الرحم وتحریم قطیعتها، رقم: ۲۵۵۴، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبی هریرة ﷺ، رقم: ۷۹۳۱، ۸۳۶۷، ۸۹۷۵، ۹۸۷۱، ۱۰۳۶۹

صلۂ رحمی کرنے والوں کے ساتھ احسان کا معاملہ

حضرت ابوہریرہ ﷜ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ نے مخلوق پیدا کی جب اس کی پیدائش سے فارغ ہوئے تو رحم نے کھڑے ہوکر یعنی مجسم ہوکر رحم کرنے والے اللہ کے دامن میں پناہ لی، تو اللہ ﷻ نے اس سے فرمایا کیا ہے؟ عرض کیا آپ کے پاس قطع تعلق سے پناہ چاہتا ہوں۔

ارشاد ہوا کیا تو اس پر راضی نہیں کہ جو تجھ کو جوڑے میں بھی اس کو جوڑوں اور جو تجھے توڑے میں بھی اسے توڑ دوں؟ عرض کیا ہاں اے میرے پروردگار ارشاد فرمایا ایسا ہی ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ ﷜ نے فرمایا اگر تمہارا جی چاہے تو یہ آیت پڑھ لو **﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾**۔

اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ ﷻ صلہ رحمی کرنے والے کے ساتھ احسان فرماتے ہیں اور قطع رحمی کرنے والے کے ساتھ عذاب کا معاملہ فرماتے ہیں، اصل مقصود تو اس کا یہ ہے۔

باقی اس کے لئے جو واقعہ بیان فرمایا گیا ہے کہ رحم کھڑا ہوا اور اس نے اللہ ﷻ کے دامن کو پکڑا، یہ وہ جگہ ہے جو قطیعہ سے پناہ مانگنے کی ہے۔

تو اب اس کا کیا مطلب ہے؟ یہ سمجھنا عقلاً ہمارے لئے ممکن نہیں۔ رحم سے مراد رشتہ داری کا تعلق ہے۔ قرابت کا تعلق تو عرض ہے کوئی جوہر تو ہے نہیں، اب اس کا کیا مطلب ہے؟ تو یہ سب متشابہات میں سے ہیں، لہٰذا اس کی کھوج کرید میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔

جو نتیجہ ہے وہ نکالنا چاہئے۔ آدمی صلہ رحمی کرے اور قطع رحمی سے بچے۔

"تولیتم"- کی تفسیر اور اقوال

﴿فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ﴾

علامہ آلوسی، امام قرطبی اور مولانا شبیر احمد عثانی رحمہم اللہ نے "**تولیتم**" کا ترجمہ حکومت مل جانے سے کیا ہے، جیسا کہ بہت سے مفسرین کی رائے ہے۔

دوسرے علماء "**تولی**" کے بمعنی اعراض لے کر یوں مطلب لیتے ہیں کہ اگر تم اللہ ﷻ کی راہ میں جہاد کرنے سے اعراض کرو گے تو ظاہر ہے دنیا میں امن وانصاف نہیں ہوسکتا، اور جب دنیا میں امن وانصاف نہ رہے گا تو ظاہر ہے فساد، بدامنی اور حق ناشناسی کا دور دورہ ہوگا۔

بعض نے اس طرح تفسیر کی ہے کہ اگر تم ایمان لانے سے اعراض کرو گے تو زمانۂ جاہلیت کی کیفیت عود کر آئے گی جو خرابیاں اور فساد اس وقت تھے اور ادنیٰ ادنیٰ بات پر رشتے ناتے قطع ہو جاتے تھے وہی سب نقشہ پھر قائم ہو جائے گا۔

اور اگر آیت میں خاص منافقین سے خطاب مانا جائے تو ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر جہاد سے اعراض کرو گے تو تم سے یہی توقع کی جا سکتی ہے کہ اپنی منافقانہ شرارتوں سے ملک میں خرابی مچاؤ گے اور جن مسلمانوں سے تمہاری قرابتیں ہیں ان کی مطلق پروانہ کرتے ہوئے کھلے کافروں کے مددگار بنو گے۔ [۲]

جہاد کا مقصد اور اس کو چھوڑنے کا انجام

جہاد کا مقصد یہ ہے کہ اس کے ذریعے دنیا میں انصاف قائم ہو اور غیر اسلامی حکومتوں کے ذریعے جو ظلم وفساد پھیلا ہوا ہے اس کا خاتمہ ہو۔

اللہ جل جلالہ فرما رہے ہیں کہ اگر تم جہاد سے منہ موڑ لو گے تو دنیا میں فساد پھیلے گا اور اللہ جل جلالہ کے احکام سے روگردانی کے نتیجے میں ظلم اور ناانصافی کا دور دورہ ہوگا جس کی ایک شکل یہ ہے کہ رشتہ داریوں کے حقوق پامال ہوں گے۔ [۳]

- [۲] تفسیر القرطبی، ج: ۱۶، ص: ۲۴۵، روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ج: ۱۳، ص: ۲۲۴، ۲۲۵، و تفسیر عثمانی، سورۃ محمد، آیۃ: ۲۲، فائدہ: ۷،

[۳] آسان ترجمہ قرآن، سورۂ محمد/۲۲، ج.۳، ص ۱۵۵۴

(۴۸) سورة الفتح

سورۂ فتح کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سورت کا پس منظر اور واقعۂ حدیبیہ

یہ سورت صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی جس کا واقعہ مختصراً یہ ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال نبی کریم ﷺ نے یہ ارادہ فرمایا کہ اپنے صحابہ کرام ؓ کے ساتھ عمرہ ادا فرمائیں، آپ نے یہ خواب بھی دیکھا تھا کہ آپ مسجد حرام میں اپنے صحابہ کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ چودہ سو صحابہ کرام ؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ روانہ ہوئے۔

جب مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تو آپ کو پتہ چلا کہ قریش کے مشرکین نے ایک بڑا لشکر تیار کیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ آپ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکے۔ اس خبر کے ملنے پر آپ نے اپنی پیش قدمی روک دی، اور مکہ مکرمہ سے کچھ دور حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا (یہ جگہ آج کل شمیسی کہلاتی ہے)، اور وہاں سے آپ ﷺ نے حضرت عثمان ؓ کو اپنا ایلچی بنا کر مکہ مکرمہ بھیجا، تاکہ قریش کے سرداروں کو بتائیں کہ آنحضرت ﷺ کسی جنگ کے ارادے سے نہیں آئے ہیں، وہ صرف عمرہ کرنا چاہتے ہیں اور عمرہ کرکے پرامن طور پر واپس چلے جائیں گے۔

حضرت عثمان ؓ مکہ مکرمہ گئے تو انکے جانے کے بعد یہ افواہ پھیل گئی کہ مکہ مکرمہ کے کافروں نے انہیں قتل کر دیا ہے۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو جمع کرکے ان سے یہ بیعت لی، (یعنی ہاتھ میں ہاتھ لے کر یہ عہد لیا) کہ اگر کفار مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تو انکے مقابلے میں اپنے جانوں کی قربانی پیش کریں گے۔

اسکے بعد آپ ﷺ نے قبیلہ خزاعہ کے ایک سردار کے ذریعے قریش کے سرداروں کو یہ پیشکش کی کہ اگر وہ ایک مدت تک جنگ بندی کا معاہدہ کرنا چاہیں تو آپ اس کیلئے تیار ہیں، جواب میں مکہ مکرمہ سے کئی ایلچی آئے اور آخرکار ایک معاہدہ لکھا گیا جس میں محمد بن اسحاق کی روایت کے مطابق یہ طے ہوا کہ آنحضرت ﷺ اور قریش آئندہ دس سال تک ایک دوسرے کے خلاف کوئی جنگ نہیں کریں گے، اسی معاہدے کو صلح حدیبیہ کہا جاتا ہے۔

صحابہ کرام ؓ اس موقع پر کافروں کے طرز عمل سے بہت غم و غصہ کی حالت میں تھے اور کافروں نے صلح کی یہ شرط رکھی تھی کہ اس وقت مسلمان واپس مدینہ منورہ چلے جائیں اور اگلے سال آکر عمرہ کریں، تمام صحابہ کرام ؓ

احرام باندھ کر آئے تھے اور کافروں کی ضد کی وجہ سے احرام کھولنا ان کو بہت بھاری معلوم ہورہا تھا۔

اس کے علاوہ کافروں نے ایک شرط یہ بھی رکھی تھی کہ اگر مکہ مکرمہ کا کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ منورہ جائے گا تو مسلمانوں کے لئے ضروری ہوگا کہ اسے واپس مکہ مکرمہ بھیجیں، اور اگر کوئی شخص مدینہ منورہ چھوڑ کر مکہ مکرمہ آئے گا تو قریش کے ذمہ یہ نہیں ہوگا کہ وہ اسے مدینہ منورہ بھیجیں، یہ شرط مسلمانوں کے لئے بہت تکلیف دہ تھی، اور اس کی وجہ سے وہ یہ چاہتے تھے کہ ان شرائط کو قبول کرنے کے بجائے ان کافروں سے ابھی ایک فیصلہ کن معرکہ ہو جائے۔

لیکن اللہ ﷻ کو یہ منظور تھا کہ اسی صلح کے نتیجے میں آخر کار قریش کا اقتدار ختم ہو، اس لئے اللہ ﷻ کے حکم سے آنحضرت ﷺ نے یہ شرائط منظور کر لیں، صحابہ کرام ﷺ اس وقت جہاد کے جوش سے سرشار تھے اور موت پر بیعت کر چکے تھے، لیکن آنحضرت ﷺ کے حکم کے آگے انہوں نے سر جھکا دیا اور صلح پر راضی ہو کر واپس مدینہ منورہ چلے گئے اور اگلے سال عمرہ کیا۔

ابو بصیر ﷺ کا قریش کے خلاف چھاپہ مار جنگ کا آغاز

اس کے کچھ ہی عرصہ بعد ایک واقعہ تو یہ ہوا کہ ایک صاحب جن کا نام حضرت ابو بصیر ﷺ تھا مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آئے اور آنحضرت ﷺ نے معاہدے کے مطابق انہیں واپس بھیج دیا، انہوں نے راستے میں ان کو واپس مکہ لیجانے والے آدمیوں کو قتل کیا اور مکہ مکرمہ جانے کے بجائے ایک درمیانی جگہ پڑاؤ ڈال کر قریش کے خلاف چھاپہ مار جنگ شروع کر دی۔

کیونکہ وہ صلح حدیبیہ کے معاہدے کے پابند نہیں تھے، اس چھاپہ مار جنگ سے قریش اتنے پریشان ہوئے کہ خود انہوں نے آنحضرت ﷺ سے یہ درخواست کی کہ اب ہم وہ شرط واپس لیتے ہیں جس کی رو سے مکہ مکرمہ کے مسلمانوں کو واپس بھیجنا ضروری قرار دیا گیا تھا، قریش نے کہا کہ اب جو کوئی مسلمان ہو کر آئے تو آپ اسے مدینہ منورہ ہی میں رکھیں اور حضرت ابو بصیر ﷺ اور ان کے ساتھیوں کو بھی اپنے پاس ہی بلا لیں، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے انہیں مدینہ منورہ بلا لیا۔

قریش کی خلاف ورزی اور معاہدہ کے خاتمہ

دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ قریش کے کافروں نے دو سال کے اندر اندر حدیبیہ کے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور آنحضرت ﷺ انہیں پیغام بھیجا کہ یا تو وہ اس کی تلافی کریں یا معاہدہ ختم کریں، قریش نے اس وقت غرور

میں آکر کوئی بات نہ مانی جس کی وجہ سے آپ ﷺ نے انکو پیغام بھیج دیا کہ اب ہمارا آپ کا معاہدہ ختم ہو گیا ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے ہجرت کے آٹھویں سال دس ہزار صحابہ کرام ؓ کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف پیش قدمی فرمائی، اس وقت تک قریش کا غرور ٹوٹ چکا تھا اور رسول اللہ ﷺ کسی خاص خونریزی کے بغیر مکہ مکرمہ میں فاتح بن کر داخل ہوئے، اور قریش کے لوگوں نے شہر آپ کے حوالے کر دیا۔

سورۂ فتح میں صلح حدیبیہ کے مختلف واقعات کا حوالہ دیا گیا ہے اور صحابہ کرام ؓ کی تعریف کی گئی ہے کہ انہوں نے اس واقعے کے ہر مرحلے پر بڑی بہادری، سرفروشی اور اطاعت کے جذبے کا مظاہرہ کیا، دوسری طرف منافقین کی بداعمالیوں اور ان کے برے انجام کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔[1]

قال مجاهد: ﴿بُوراً﴾: هالكين. وقال مجاهد: ﴿سِيماهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ﴾: السحنة. وقال منصور، عن مجاهد: التواضع. وقال ﴿شَطْأَهُ﴾: فراخه.

﴿فَاسْتَغْلَظَ﴾: غلظ. ﴿سُوقِهِ﴾: الساق حاملة الشجرة، ويقال: ﴿دَائِرَةُ السَّوْءِ﴾ كقولك: رجل السوء. ودائرة السوء: العذاب. يعزّروه: ينصروه.

﴿شَطْأَهُ﴾: شطأ السنبل تنبت الحبة عشرا أو ثمانيا وسبعا فيقوى بعضه ببعض، فذاك قوله تعالى: ﴿فَآزَرَهُ﴾: قواه، ولو كانت واحدة لم تقم على ساق: وهو مثل ضربه الله للنبي ﷺ إذ خرج وحده ثم قواه بأصحابه كما قوى الحبة بما ينبت منها.

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "**بُوراً**" بمعنی "**هالكين**" یعنی ہلاک ہونے والے۔

حضرت مجاہدؒ نے بیان کیا کہ آیت کریمہ **﴿سِيماهُمْ فِي وُجُوهِهِمْ﴾** یعنی سجدے کی وجہ سے انکے چہروں پر تازگی کے آثار نمایاں ہیں۔

اس آیت میں لفظ "**سیما**" بمعنی "**السحنة**" یعنی جلد کی نرمی اور خوشنمائی۔ اور منصور نے حضرت مجاہد سے نقل کیا ہے کہ "**سیما**" سے مراد تواضع اور عاجزی ہے۔

"**شَطْأَهُ**" کے معنی ہیں "**فراخه**" یعنی پودے کی سوئی جو زمین سے پھوٹ نکلتی ہے، کونپل کو کہتے ہیں۔

---

[1] سیرت ابن هشام، ج: ۲، ص: ۳۱۷، فتح الباری، ج: ۸، ص: ۵۸۳، انعام الباری شرح صحیح البخاری، کتاب المغازی، باب غزوة الحدیبیة، ج: ۹، ص: ۴۷۵

"فَاسْتَغْلَظَ" بمعنی "غلظ" یعنی موٹا ہوا۔
"سُوْقِهِ" کے معنی ہیں وہ تنا جو پودے کو کھڑا رکھتا ہے۔
"دَائِرَةُ السَّوْءِ" بری گردش، براوقت، جیسے کہتے ہیں کہ برا اور خراب آدمی اور "دَائِرَةُ السَّوْءِ" سے مراد عذاب ہے۔
"يُعَزِّرُوْه" بمعنی "ينصروه" یعنی تم اس کی مدد کرو۔
"شَطْأَهُ" کے معنی ہیں "شطأ السنبل" یعنی بالی کی سوئی خوشہ کا پٹھا، ایک دانہ کبھی دس بالیاں، کبھی آٹھ بالیاں اور کبھی سات بالیاں اگاتا ہے، پھر ایک کو دوسرے سے تقویت پہنچتی ہے۔ یہی مراد ہے ارشادالٰہی ﴿فَآزَرَهُ﴾ سے یعنی اس کو قوی کیا اگر صرف ایک ہی بالی ہوتی تو ایک تنا پر قائم نہیں رہ سکتی۔
یہ ایک مثال اللہ ﷻ نے نبی کریم ﷺ کیلئے بیان فرمائی ہے جب آپ ایک تنہا بے یار و مددگار دعوت اسلام لے کر نکلے پھر اللہ ﷻ نے آپ ﷺ کو آپ کے صحابہ ﷺ کے ذریعہ مضبوط کیا جیسے دانہ کو قوت دی ان چیزوں سے جو دانہ سے اُگتی ہے۔

(۱) بابُ قوله: ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيناً﴾ [۱]

اس ارشاد کا بیان: "(اے پیغمبر!) یقین جانو، ہم نے تمہیں کھلی ہوئی فتح عطا کردی ہے۔"

۴۸۳۳ ـ حدثنا عبدالله بن مسلمة، عن مالك، عن زيد بن اسلم، عن أبيه: أن رسول الله ﷺ كان يسير في بعض أسفاره وعمر بن الخطاب يسير معه ليلا فسأله عمر بن الخطاب عن شيء فلم يجبه رسول الله ﷺ، ثم سأله فلم يجبه، ثم سأله فلم يجبه فقال: عمر بن الخطاب: ثكلت اُمُّ عمر، نزرت رسول الله ﷺ ثلاث مرات كل ذلك لا يجيبك. قال عمر: فحركت بعيري ثم تقدمت أمام الناس وخشيت أن ينزل في القرآن فما نشبت أن سمعت صارخا يصرخ بي، فقلت: لقد خشيت أن يكون نزل في قرآن، فجئت رسول الله ﷺ فسلمت عليه فقال: ((لقد انزلت علي الليلة سورة لهي احبُّ الي مما طلعت عليه الشمس)). ثم قرأ ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيناً﴾. [راجع: ۴۱۷۷]

ترجمہ: زید بن اسلم رحمہ اللہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں ہے کہ بعض سفروں میں نبی اکرم ﷺ رات کو چلا کرتے تھے، اور ایک سفر میں یعنی صلح حدیبیہ سے واپسی میں حضرت عمر ﷺ بھی آپ کے ساتھ چل رہے

تھے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کوئی بات پوچھی تو آنحضرت ﷺ نے جواب نہیں دیا، پھر پوچھی پھر جواب نہیں دیا، پھر پوچھی اور پھر جواب نہیں دیا، آخر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دل میں کہنے لگے، اے عمر! تیری ماں تجھ پر روئے، تو نے تین دفعہ بات پوچھی، اور تجھے آنحضرت ﷺ نے جواب نہیں دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے اونٹ کو ایڑھ لگائی اور لوگوں سے آگے نکل گیا، اس خوف سے کہ کہیں میرے متعلق کوئی آیت نہ اترے، تھوڑی دیر بعد کوئی مجھے پکار رہا تھا، میں اور خوف زدہ ہوا کہ شاید میرے بارے میں قرآن اترا ہے، تو میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سلام عرض کیا، آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ رات کو میرے اوپر ایک سورت اتری ہے اور وہ مجھے ان تمام چیزوں سے محبوب ہے جن پر سورج نے طلوع کیا ہے، پھر آپ ﷺ نے ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيناً﴾ تلاوت فرمائی۔

(۲) باب قوله: ﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطاً مُّسْتَقِيماً﴾ [۲]

اس ارشاد کا بیان: ''تا کہ اللہ تمہاری اگلی پچھلی تمام کوتاہیوں کو معاف کر دے، اور تا کہ تم پر نعمت مکمل کر دے، اور تمہیں سیدھے راستے پر لے چلے۔''

آیت کا معنی و مراد

﴿لِيَغْفِرَ لَكَ اللهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ﴾ ۔ لیکن آپ ﷺ کی کسی کسی رائے کے بارے میں اللہ جل جلالہ نے یہ فرمایا ہے کہ وہ آپ کے مقام بلند کے مناسب نہیں تھی۔

اس آیت میں اگلی پچھلی تمام لغزشوں اور خطاؤں کی معافی ہے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، ان کی طرف سے کوئی گناہ سرزد ہو ہی نہیں سکتا تھا۔

چنانچہ انکی طرف قرآن میں جہاں کہیں ''ذنب'' یا ''عصیان'' وغیرہ کے الفاظ منسوب کئے گئے، انکے مقام عالی کی مناسبت سے ایسے کاموں کیلئے استعمال کئے گئے جو خلاف اولیٰ تھے مگر نبوت کے مقام بلند کے اعتبار سے غیر افضل پر عمل کرنا بھی ایسی لغزش ہے جس کو قرآن نے بطور تہدید کے ذنب و گناہ سے تعبیر کیا ہے۔

مثلاً جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں آپ کا فیصلہ جس کا ذکر سورہ انفال میں گذرا ہے، نیز بشری تقاضے سے کبھی بھی آپ سے نمازوں کی رکعتوں وغیرہ میں بھول بھی ہوئی۔

"ما تقدم" سے مراد وہ لغزشیں ہیں جو نبوت سے پہلے ہوئیں اور **"ما تاخر"** سے مراد وہ لغزشیں جو رسالت ونبوت کے بعد صادر ہوئیں۔ [۶]

حقیقت اس میں آپ کی امت کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ ایسی چھوٹی چھوٹی باتوں پر بھی جو گناہ نہیں ہیں، استغفار فرماتے ہیں تو امت کے لوگوں کو اپنے ہر چھوٹے بڑے گناہ پر اور زیادہ اہتمام کے ساتھ استغفار کرنا چاہیئے۔

۴۸۳۶ ـ حدثنا صدقة بن الفضل: أخبرنا ابن عيينة: حدثنا زياد: أنه سمع المغيرة يقول: قام النبي ﷺ حتى تورمت قدماه فقيل له: غفر الله لك ما تقدم من ذنبك وما تأخر، قال: ((أفلا أكون عبدا شكورا؟)). [راجع: ۱۱۳۰]

ترجمہ: زیاد کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت مغیرہ ﷺ سے سنا کہ نبی کریم ﷺ نماز میں رات بھر کھڑے رہے کہ آپ کے پاؤں سوج گئے، پھر آپ سے عرض کیا گیا کہ اللہ ﷻ نے تو آپ کی اگلی پچھلی تمام خطائیں معاف کردی ہیں، پھر آپ اتنی محنت کیوں کرتے ہیں؟ تو آپ صلی اللہ علیہ نے ارشاد فرمایا کہ کیا میں شکر گذار بندہ نہ بنوں؟

۴۸۳۷ ـ حدثنا حسن بن عبدالعزيز: حدثنا عبدالله بن يحيى: أخبرنا حيوة، عن
١ **أبي الأسود، سمع عروة، عن عائشة رضي الله عنها أن النبي الله ﷺ كان يقوم من الليل حتى تتفطر قدماه، فقالت عائشة: لم تصنع هذا يا رسول الله وقد غفر الله لك ما تقدم من ذنبك وما تأخر؟ قال: ((أفلا أحب أن أكون عبدا شكورا؟)) فلما كثر لحمه صلى جالسا فإذا أراد أن يركع قام فقرأ ثم ركع.** [راجع: ۱۱۱۸]

ترجمہ: ابوالاسود کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے سنا، وہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ اللہ کے نبی ﷺ رات کی نماز میں اتنا طویل قیام کرتے تھے کہ آپ کے پاؤں پھٹ جاتے، اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! آپ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں؟ اللہ ﷻ نے تو آپ کے اگلی پچھلی تمام خطائیں معاف کردی ہیں۔ ہیں آپ ﷺ نے فرمایا کیا میں شکر گذار بندہ بننا پسند نہ کروں؟ پھر جب عمر کے آخری حصہ میں آپ ﷺ کا جسم فربہ ہوگیا (اور طویل قیام دشوار ہوگیا) تو آپ بیٹھ کر تہجد کی نماز پڑھتے پھر جب رکوع کا ارادہ فرماتے تو کھڑے ہوجاتے پھر کچھ قرأت کرتے پھر رکوع کرتے۔

---

[۶] تفسیر المظهری، ج: ۹، ص: ۳۰، و آسان ترجمہ قرآن، سورہ محمد، آیت: ۱۹۔

(۳) باب: ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيراً﴾ [۸]

باب: ’’(اے پیغمبر!) ہم نے تمہیں گواہی دینے والا، خوشخبری دینے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔‘‘

رسول اللہ ﷺ کی تین خصوصیات

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے آپ کی تین صفات بیان فرمائیں ہیں۔

’’**شاهد**‘‘ کے معنی گواہ کے ہیں۔ مراد اس سے یہ ہے کہ ہر نبی اپنی اُمت کی بابت اس بات کی گواہی دے گا کہ اُس نے اللہ کا پیغام اُمت کو پہنچادیا پھر کسی نے اطاعت کی کسی نے نافرمانی، اسی طرح نبی کریم ﷺ اپنی امت کی بھی گواہی دیں گے۔

’’**بشیر**‘‘ کے معنی بشارت دینا والا۔

’’**نذیر**‘‘ کے معنی ڈرانے والا۔

مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ امت کے مؤمنین اور اطاعت کرنے والوں کو جنت کی بشارت دینے والے اور کفار و فجار کو عذاب سے ڈرانے والے ہیں۔

۴۸۳۸ ۔ حدثنا عبداللہ بن مسلمۃ: حدثنا عبدالعزیز بن أبی سلمۃ، عن هلال بن أبی هلال، عن عطاء بن یسار، عن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنهما: أن هذه الآیة التی فی القرآن ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيراً﴾ قال: فی التوراة: یا أیها النبی إنّا ارسلناک شاهدا ومبشرا ونذیرا وحرزا للأمّیّین، أنت عبدی ورسولی، سمیتک المتوکل، لیس بفظ ولا غلیظ ولا سخاب بالأسواق، ولا یدفع السیئة بالسیئة، ولکن یعفو ویصفح، ولن یقبضه اللہ حتی یقیم به الملة العوجاء بأن یقولوا: لا إله إلاّ اللہ، فیفتح بها أعینا عمیا، وآذانا صما، وقلوبا غلفاً. [راجع: ۲۱۲۵]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت جو قرآن میں ہے ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيراً﴾ آپ ﷺ کے متعلق یہی توریت میں اللہ نے فرمایا تھا کہ اے نبی! بے شک ہم نے آپ کو گواہی دینے والا، اور بشارت دینے والا، اور ڈرانے والا، اور اَن

پڑھوں (عربوں) کی حفاظت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ آپ میرے بندے ہیں اور میرے رسول ہیں۔ میں نے آپ کا نام متوکل رکھا، آپ نہ بدخو ہیں اور نہ سخت دل اور نہ بازاروں میں شور کرنے والے اور نہ وہ برائی کا بدلہ برائی سے دیں گے بلکہ معافی اور درگزر سے کام لیں گے اور اللہ ان کی روح اس وقت تک قبض نہیں کرے گا جب تک کہ وہ کج قوم (عربی) کو سیدھا نہ کرلیں یعنی جب تک وہ ان سے **لا إلـه إلا الله** – کا اقرار نہ کرالیں، پس اس کلمہ توحید کے ذریعہ وہ اندھی آنکھوں کو اور بہرے کانوں کو اور پردہ پڑے ہوئے دلوں کو کھول دیں گے۔

(۴) بابُ: ﴿هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ فِی قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ [۴]

باب: ''وہی ہے جس نے ایمان والوں کے دِلوں میں سکینت اُتاری۔''

ثابت قدمی کی صورت میں سکینت کا نزول

اطمینان اُتارا یعنی باوجود خلاف طبع ہونے کے رسول کے حکم پر جمے رہے۔ ضدی کافروں کے ساتھ ضد نہیں کرنے لگے، اس کی برکت سے اُن کے ایمان کا درجہ بڑھا اور مراتب عرفان وایقان میں ترقی ہوئی۔

انہوں نے اول بیعت جہاد کر کے ثابت کر دیا تھا کہ ہم اللہ کی راہ میں لڑنے مرنے کے لئے تیار ہیں، یہ ایمان کا ایک رنگ تھا، اُسکے بعد جب پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام نے مسلمانوں کے جذبات کے خلاف اللہ کے حکم سے صلح منظور کرلی تو اُنکے ایمان کا دوسرا رنگ یہ تھا کہ اپنے پُرجوش جذبات وعواطف کو زور سے دبا کر اللہ اور رسول کے فیصلہ کے آگے گردن انقیاد خم کردی۔

جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں سکینت اور اطمینان پید کردیے [۳]

۴۸۳۹ ـ حدثنا عبيدالله بن موسى، عن إسرائيل، عن أبي إسحاق، عن البراء ﷺ قال: بينما رجل من أصحاب النبي ﷺ يقرأ وفرس له مربوط في الدار، فجعل ينفر، فخرج الرجل فنظر فلم ير شيئا، وجعل ينفر. فلما أصبح ذكر ذلك للنبي ﷺ فقال: ((تلك السكينة تنزلت بالقرآن)). [راجع: ۳۶۱۴]

ترجمہ: حضرت براء ﷺ سے روایت ہے کہ ایک بار نبی کریم ﷺ کے ایک صحابی قرأت کر رہے تھے اور انکا گھوڑا گھر میں بندھا ہوا تھا کہ وہ بدکنے لگا، باہر نکل کر دیکھا تو کچھ نظر نہ آیا، وہ گھوڑا بدک رہا تھا۔

---

[۳] روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ج: ۱۳، ص: ۲۳۶

جب صبح ہوئی تو یہ واقعہ نبی کریم ﷺ سے بیان کیا، آپ نے فرمایا کہ یہی سکینہ ہے، جو قرأت قرآن کے وقت نازل ہوتی ہے۔

حدیث کی تشریح

ایک صحابی رات کے وقت قران مجید کی تلاوت کر رہے تھے تو ان کو گھوڑا ابدکنے لگا یعنی رسی توڑ کر بھاگنے کی کوشش کرنے لگا، **"فخرج الرجل"** وہ صحابی گھر سے باہر نکلے کہ ہوسکتا ہے کوئی آجائے یا حملہ کر دیا ہو یا جس کی وجہ سے گھوڑا ابدک رہا ہو۔

"فنظر فلم یر شیئاً" جب دیکھا تو کوئی نظر نہیں آیا کہ جو گھوڑے کو تکلیف پہنچانے والا ہو، مگر وہ گھوڑا پھر بھی ڈر رہا تھا۔

"فلما اصبح ذکر ذلک للنبی ﷺ" جب صبح ہوئی تو صحابی نے یہ بات نبی کریم ﷺ کو بتائی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ **"تلک سکینة تنزلت بالقرآن"** یعنی یہ سکینہ تھی جو قرآن پڑھنے کی وجہ سے نازل ہوئی تھی۔

"بالقرآن" میں **"با"** سببیہ ہے یعنی تم جو قرآن پڑھ رہے تھے اسکی وجہ سے **"سکینة"** نازل ہوئی۔

"سکینة" اطمینان اتارا، سکینہ یعنی اطمینان کیا چیز ہے؟

کوئی کہتا ہے یہ سکینہ نام کا فرشتہ ہے، کوئی کہتا ہے سکینہ اللہ جل جلالہ کی خاص مخلوق ہے جو نازل ہوتی ہے۔
واللہ سبحانہ اعلم ۔

(۵) باب قوله: ﴿إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ [۱۸]

اس ارشاد کا بیان: "جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے۔"

بیعتِ رضوان

یہ آیت بیعتِ حدیبیہ سے متعلق ہے، اس آیت میں حق تعالیٰ نے اس بیعت کے شرکاء سے اپنی رضاء کا اعلان فرمادیا ہے، اسی لئے اس کو بیعتِ رضوان بھی کہا جاتا ہے اور مقصود اس سے ان شرکاء کی مدح اور اُن کو اس عہد کو پورا کرنے کی تاکید ہے۔

اس کے علاوہ احادیث میں بھی بیعتِ رضوان میں شریک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیلئے رضائے الٰہی اور

جنت کی بشارتیں آئی ہیں، یہ بشارتیں اس پر شاہد ہیں کہ ان سب حضرات کا خاتمہ ایمان اور اعمالِ صالحہ مرضیہ پر ہوگا کیونکہ رضائے الٰہی کا یہ اعلان اس کی ضمانت دے رہا ہے۔

شجرہ رضوان

وہ درخت جس کا ذکر اس آیت میں آیا ہے، ایک ببول کا درخت تھا اور مشہور یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد کچھ لوگ وہاں چل کر جاتے اور اس درخت کے نیچے نمازیں پڑھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خطرہ ہوا کہ کہیں آئندہ آنے والے جہلاء اسی درخت کی پرستش نہ شروع کر دیں جیسے پچھلی امتوں میں اس طرح کے واقعات ہوئے ہیں اسلئے اس درخت کو کٹوا دیا۔

۴۸۴۱ - حدثنا علي بن عبدالله: حدثنا شبابة: حدثنا شعبة، عن قتادة قال: سمعت عقبة بن صهبان، عن عبدالله بن مغفل المزني: ممن شهد الشجرة، نهى النبي ﷺ عن الخذف. [أنظر: ۵۴۷۹، ۶۲۲۰] ؏

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی ﷛ نے بیان کیا کہ میں ان لوگوں میں تھا، جو بیعت رضوان میں شریک تھے، نبی کریم ﷺ نے کنکریاں پھینکنے سے منع فرمایا تھا۔

۴۸۴۲ - وعن عقبة بن صهبان قال: سمعت عبدالله بن المغفل المزني: في البول في المغتسل.

ترجمہ: عقبہ بن صہبان سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی ﷛ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ غسل کرنے کی جگہ پیشاب کرنے سے آپ نے منع فرمایا ہے۔

مقصودِ امام بخاریؒ

یہاں دو حدیثیں ہیں، پہلی حدیث مرفوع ہے اور دوسری حدیث موقوف ہے، لیکن ان دونوں حدیثوں کا نہ باب سے کوئی تعلق ہے اور نہ سورت سے کوئی تعلق ہے، مگر امام بخاری رحمہ اللہ اس کو یہاں اس لئے لائے کہ اس میں عقبہ کے سماع کی حضرت عبداللہ بن مغفل ﷛ سے صراحت ہے۔

﴿إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ﴾ یہ اسی بیعت رضوان کا ذکر ہے جو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ

؏ انفرد به البخاري.

کرام ﷺ سے حدیبیہ کے مقام پر ببول کے ایک درخت کے نیچے لی تھی، اور اس بیعت کا ذکر سورت کے شروع میں آچکا ہے۔

اس آیت میں اللہ ﷻ فرما رہے ہیں کہ ان حضرات نے یہ بیعت دل سے پورے عزم کے ساتھ کی تھی، یہ منافقوں کی طرح جھوٹا عہد کرنے والے نہیں تھے۔

۴۸۴۴ ۔ حدثنا أحمد بن إسحاق السلمي: حدثنا يعلى: حدثنا عبدالعزيز بن سياه، عن حبيب بن أبي ثابت قال: أتيت أبا وائل أسأله فقال: كنا بصفين، فقال رجل: ألم تر إلى الذين يدعون إلى كتاب الله تعالى؟ فقال علي: نعم، فقال سهل بن حنيف: اتهموا أنفسكم، فلقد رأيتنا يوم الحديبية، يعني الصلح الذي كان بين النبي ﷺ والمشركين، ولو نرى قتالا لقاتلنا، فجاء عمر فقال: ألسنا على الحق، وهم على الباطل؟ أليس قتلانا في الجنة وقتلاهم في النار؟ قال: ((بلى))، قال: ففيم أعطي الدنية في ديننا ونرجع، ولما يحكم الله بيننا؟ فقال: ((يا ابن الخطاب، إني رسول الله ولن يضيعني الله أبدا))، فرجع متغيظا فلم يصبر حتى جاء أبوبكر فقال: يا أبا بكر، ألسنا على الحق وهم على الباطل؟ قال: يا ابن الخطاب، إنه رسول الله ﷺ ولن يضيعه الله أبدا، فنزلت سورة الفتح.

[راجع: ۳۱۸۱]

ترجمہ: حبیب بن ثابت نے بیان کیا کہ میں حضرت ابو وائل ﷺ کے پاس کچھ پوچھنے کیلئے آیا، تو انہوں نے کہا کہ ہم جنگ صفین میں شریک تھے، تو ایک شخص نے کہا کیا آپ ان لوگوں کو نہیں دیکھتے، جو اللہ کی کتاب کی طرف بلاتے ہیں؟ تو حضرت علی ﷺ نے فرمایا، ہاں! دیکھتے ہیں۔ اس پر حضرت سہل بن حنیف ﷺ نے کہا تم اپنے آپ کو متہم کرو (یعنی اپنا جائزہ لو)، ہم نے حدیبیہ کے دن دیکھا جب نبی ﷺ اور مشرکین کے درمیان صلح ہوئی، اگر ہم لوگ یہ لڑائی دیکھتے تو ضرور لڑتے۔ چنانچہ حضرت عمر ﷺ آئے اور عرض کیا کہ کیا ہم لوگ حق پر نہیں ہیں؟ اور وہ لوگ باطل پر نہیں ہیں؟ کیا ہمارے مقتول جنت میں اور ان کے مقتول دوزخ میں نہیں ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں! ایسا ہی ہے۔ حضرت عمر ﷺ نے عرض کیا کہ پھر کیوں ہم اپنے دین میں ذلت کو آنے دیں اور واپس لوٹ جائیں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے کو اس قسم کی صلح کا حکم نہیں فرمایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ابن خطاب! میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ مجھے کبھی ضائع نہ کرے گا۔ حضرت عمر ﷺ غصہ کی حالت میں واپس ہوئے اور انہیں صبر نہ ہوا اور حضرت ابو بکر ﷺ کے پاس پہنچے اور کہا کہ، اے ابو بکر! کیا ہم حق پر اور مشرکین باطل پر نہیں ہیں؟ حضرت ابو بکر ﷺ نے کہا کہ اے ابن خطاب! وہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ انکو کبھی ضائع نہ کرے گا۔ چنانچہ سورہ فتح نازل ہوئی۔

حدیث کا مفہوم

حبیب بن ثابت رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں حضرت ابو وائل ﷺ کے پاس آیا اور میں ان سے ان خوارج کے متعلق پوچھا، جن کو حضرت علی ﷺ نے قتل کیا تھا۔ انہوں نے فرمایا کہ ہم لوگ صفین کے مقام پر تھے، یعنی دریائے فرات کے کنارے مقام صفین میں تھے جہاں حضرت علی ﷺ اور حضرت معاویہ ﷺ کے درمیان جنگ ہوئی تھی۔ ایک شخص نے کہا کہ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا، جو اللہ ﷻ کی کتاب کی طرف صلح کے لئے بلائے جاتے ہیں؟ یعنی آپ کا ان لوگوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟

حضرت علی ﷺ نے کہا ہاں یعنی ہاں درست ہے میں اس پر سب سے پہلے عمل کیلئے تیار ہوں۔

یہاں پر تحکیم بالقرآن کی طرف اشارہ ہے، یعنی حضرت معاویہ ﷺ نے حضرت علی ﷺ کو تحکیم بالقرآن کی دعوت دی تھی، لیکن خوارج جو اس وقت حضرت علی ﷺ کے ساتھ تھے، انہوں نے اسکے خلاف آواز اٹھائی کہ ہم صلح کے لئے تیار نہیں اور کہنے لگے کہ **"لاحکم الا للہ"** ہم جنگ کریں گے یہاں تک کہ اللہ ﷻ ہمارے اور اسکے درمیان فیصلہ کردے۔

اس پر حضرت سہل بن حنیف ﷺ نے ان خارجیوں سے کہا اپنی رائے کو متہم اور غلط سمجھو، تم لوگ اپنی رائے پر نظر ثانی کرو، دیکھو تم لوگ جنگ کرنا چاہتے ہو، حالانکہ جنگ کرنا درست نہیں۔

پھر یہ واقعہ بیان فرمایا کہ ہم لوگ حدیبیہ کے موقعہ پر موجود تھے، آپ کی مراد اس صلح سے تھی جو مقام حدیبیہ میں نبی کریم ﷺ اور مشرکین کے درمیان ہوئی تھی، اگر ہم جنگ کو مناسب سمجھتے تو ضرور لڑتے لیکن صلح کی بات چلی تو ہم نے صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، اتنے میں حضرت عمر ﷺ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا کیا ہم حق پر نہیں ہیں اور کیا کفار باطل پر نہیں ہیں؟ کیا ہمارے مقتولین جنت میں نہیں جائیں گے اور ان کے مقتولین دوزخ میں نہیں جائیں گے؟

حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کیوں نہیں یعنی یہ سب بالکل صحیح ہے۔

حضرت عمر ﷺ نے عرض کیا پھر ہم اپنے دین کے بارے میں ذلت کا مظاہرہ کیوں کریں؟ یعنی ایسے ذلت آمیز شرطوں پر دب کر کیوں صلح کریں؟ اور کیوں واپس جائیں؟ درانحالیکہ اللہ ﷻ نے ہمارے درمیان فیصلہ نہیں کیا۔

حضور ﷺ نے فرمایا اے ابن خطاب! میں اللہ کا رسول ہوں اور اللہ مجھے کبھی ضائع نہیں کرے گا۔

حضرت عمر ﷺ آنحضرت ﷺ کے پاس سے واپس آگئے درانحالیکہ شرائط صلح سے غضبناک تھے، صبر نہیں

کر سکے اور حضرت ابوبکر ﷺ کے پاس آئے اور کہا اے ابوبکر! کیا ہم حق پر اور وہ کفار باطل پر نہیں ہیں؟

حضرت ابوبکر ﷺ نے کہا اے ابن خطاب! حضور اکرم ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ ﷻ انہیں ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ اسی موقع پر پھر سورۂ فتح نازل ہوئی۔ ۵

۵ عمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۲۷۷

(۴۹) سورة الحجرات

سورۂ حجرات کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آداب معاشرت

اس سورت کے بنیادی موضوعات دو ہیں:

ایک یہ کہ مسلمانون کو نبی کریم ﷺ کے ساتھ تعظیم کا کیسا رویہ اختیار کرنا چاہئے۔

دوسرے یہ کہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد واتفاق قائم رکھنے کیلئے کن اصولوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔

اس سلسلے میں پہلے تو یہ بتایا گیا کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہوں میں اختلاف پیدا ہو جائے تو دوسرے مسلمانوں پر کیا فریضہ عائد ہوتا ہے۔

اسکے بعد وہ اسباب بیان فرمائے گئے ہیں جو عام طور سے رہن سہن کے دوران آپس کے لڑائی جھگڑے پیدا کرتے ہیں مثلاً ایک دوسرے کا مذاق اڑانا، غیبت کرنا، دوسروں کے معاملات میں ناحق مداخلت کرنا، بدگمانی کرنا وغیرہ۔

نیز یہ حقیقت پوری طرح وضاحت اور تاکید کے ساتھ بیان فرمائی گئی ہے کہ خاندان، قبیلے، زبان اور قومیت کی بنیاد پر ایک دوسرے کے مقابلے میں اپنی بڑائی جتانے کا اسلام میں کوئی جواز نہیں، تمام انسان برابر ہیں، اور کسی کو دوسرے پر کوئی فوقیت ہوسکتی ہے تو وہ صرف اپنے کردار اور تقویٰ کی بنیاد پر ہوسکتی ہے۔

سورت کے آخر میں یہ حقیقت بیان فرمائی گئی ہے کہ مسلمان ہونے کیلئے صرف زبان سے اسلام کا اقرار کر لینا کافی نہیں ہے، بلکہ اللہ ﷻ اور اس کے رسول ﷺ کے تمام احکام کو دل سے ماننا بھی ضروری ہے اس کے بغیر اسلام کا دعویٰ معتبر نہیں ہے۔

سورت کی وجہ تسمیہ

''حجرات'' عربی میں ''حجرة'' کی جمع ہے جو کمرے کو کہتے ہیں، اس سورت کی چوتھی آیت میں

آنحضرت ﷺ کے رہائشی حجروں کے پیچھے سے آپ کو آواز دینے سے منع فرمایا گیا ہے، اس وجہ سے اس سورت کا نام "حجرات" رکھا گیا ہے۔

وقال مجاهد: ﴿لاتُقَدِّمُوا﴾: لاتفتاتوا على رسول الله ﷺ حتى يقضى الله على لسانه. ﴿امْتَحَنَ﴾: اخلص. ﴿وَلاتَنَابَزُوا﴾: يدعى بالكفر بعد الإسلام. ﴿يَلِتْكُمْ﴾: ينقصكم. ألتنا: نقصنا.

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "**لاتُقَدِّمُوا**" کے معنی ہیں "**لاتفتاتوا**" یعنی اللہ اور رسول ﷺ کے سامنے سبقت نہ کیا کرو بلکہ ٹھہرے رہو، یہاں تک کہ اللہ کو جو حکم دینا ہے وہ اپنے رسولوں کی زبان سے حکم دے۔

"**امْتَحَنَ**" بمعنی "**اخلص**" یعنی خالص کرلیا، چن لیا۔

"**وَلاتَنَابَزُوا**" یعنی کسی کو اسلام لانے کے بعد کا فر نہ کہو۔

"**يَلِتْكُمْ**" بمعنی "**ينقصكم**" کم کردے گا۔ اور "**ألتنا**" یعنی ہم نے کم کردیا۔

(۱) بابُ: ﴿لاَ تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ﴾ الآية [۲]

باب: "اپنی آوازیں نبی کی آواز سے بلند مت کیا کرو۔"

﴿تَشْعُرُوْنَ﴾: تعلمون، ومنه الشاعر.

ترجمہ: "**تَشْعُرُوْنَ**" بمعنی "**تعلمون**" یعنی جاننا اور اسی سے "**شاعر**" نکلا ہے۔

۴۸۴۵ ـ حدثنا يسرة بن صفوان بن جميل اللخمي: حدثنا نافع بن عمر، عن ابن ابى مليكة قال: كاد الخيران أن يهلكا: أبا بكر وعمر رضى الله عنهما، رفعا أصواتهما عند النبى ﷺ حين قدم عليه ركب بنى تميم. فأشار أحدهما بالأقرع بن حابس أخى بنى مجاشع. وأشار الآخر برجل آخر، قال نافع: لا أحفظ اسمه، فقال أبو بكر لعمر: ما أردت إلّا خلافى، قال: ما أردت خلافك، فارتفعت أصواتهما فى ذلك، فأنزل الله ﴿يا أيها الَّذِيْنَ آمَنُوا لاتَرْفَعُوا اَصْوَاتَكُمْ﴾ الآية، قال ابن الزبير: فما كان عمر يسمع رسول الله ﷺ بعد هذه الآية حتى يستفهمه، ولم يذكر ذلك عن أبيه، يعنى أبا بكر. [راجع: ۴۳۶۷]

ترجمہ: حضرت ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ قریب تھا کہ دو سب سے بہتر آدمی ہلاک ہو جاتے یعنی حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما، دونوں نے اپنی آوازیں نبی کریم ﷺ کے سامنے بلند کیں، جس وقت آپ کے پاس بنی تمیم کا وفد آیا تھا۔ ان دونوں حضرات میں سے ایک نے بنی مجاشع کے بھائی اقرع بن حابس کی طرف اشارہ کیا، اور دوسرے نے کسی اور شخص کی طرف اشارہ کیا۔ (راوی) حضرت نافع رحمہ اللہ نے کہتے ہیں کہ مجھ کو اس کا نام یاد نہیں رہا۔ تو حضرت ابو بکر ؓ نے حضرت عمر ؓ سے کہا کہ تم نے صرف اور صرف میری مخالفت کا قصد کیا ہے۔ تو انہوں نے کہا کہ میرا ارادہ بالکل بھی آپ کی مخالفت کا نہیں تھا، چنانچہ اس بحث و مباحثہ میں ان کی آوازیں بلند ہو گئیں۔ تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ﴾۔ حضرت ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عمر ؓ نبی کریم ﷺ سے اس قدر آہستہ بات کرتے کہ جب تک آپ دوبارہ نہ پوچھتے، سن نہ سکتے، اور یہ بات انہوں نے اپنے نانا یعنی حضرت ابو بکر ؓ کے متعلق بیان نہیں کی ہے۔

تشریح

حضور اقدس ﷺ کے پاس عرب کے قبائل کے بہت سے وفد آتے رہتے تھے اور آپ ﷺ ان میں سے کسی کو آئندہ کیلئے قبیلے کا امیر مقرر فرما دیتے تھے، ایک مرتبہ قبیلہ تمیم کا ایک وفد آپ کی خدمت میں آیا، ابھی آپ نے ان میں سے کسی کو امیر نہیں بنایا تھا اور نہ اس سلسلے میں کوئی بات کی تھی۔

لیکن آپ کی موجودگی میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے یہ مشورہ شروع کر دیا کہ ان میں سے کس کو امیر بنایا جائے؟ حضرت ابو بکر ؓ نے ایک نام لیا اور حضرت عمر ؓ نے دوسرا، پھر ان دونوں بزرگوں نے اپنی اپنی رائے کی تائید اس طرح شروع کر دی کہ کچھ بحث کا انداز پیدا ہو گیا اور اس میں دونوں کی آوازیں بھی بلند ہو گئیں۔

اس پر سورۃ الحجرات کی پہلی تین آیتیں نازل ہوئیں۔

پہلی آیت میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ جن معاملات کا فیصلہ آنحضرت ﷺ کو کرنا ہو، آپ نے ان کے بارے میں کوئی مشورہ بھی طلب نہ فرمایا ہو، ان معاملات میں آپ ﷺ سے پہلے ہی کوئی رائے قائم کر لینا اور اس پر اصرار یا بحث کرنا آپ ﷺ کے ادب کے خلاف ہے۔

اگرچہ یہ پہلی آیت اس خاص واقعے میں نازل ہوئی تھی، لیکن الفاظ عام استعمال فرمائے گئے ہیں، تاکہ یہ اصولی ہدایت دی جائے کہ کسی بھی معاملے میں آنحضرت ﷺ سے آگے بڑھنا مسلمانوں کیلئے درست نہیں ہے،

اس میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اگر آنحضرت ﷺ کے ساتھ چلنا ہوتو آپ سے آگے نہ بڑھنا چاہیئے۔

اس کے بعد دوسری اور تیسری آیتوں میں یہ ہدایت دی گئی ہے کہ آپ کی مجلس میں بیٹھ کر اپنی آواز آپ کی آواز سے بلند نہیں کرنی چاہئے اور آپ سے کوئی بات کہنی ہوتو وہ بھی بلند آواز سے نہیں کہنی چاہیئے، بلکہ آپ کی مجلس میں آواز پست رکھنے کا اہتمام ضروری ہے۔

حضرت ابن ابی ملکیہ کہتے ہیں کہ **"کاد الخیّران ان یھلکا"** منتخب ترین دوفرد یا نیک ترین دوفرد، حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما مراد ہیں، قریب تھا کہ ہلاک ہو جاتے۔

"کاد الخیّران ان یھلکا" ـ "ان" جو ہے اس میں محذوف ہے۔ **"کاد الخیّران ان یھلکا"** اور ایک نسخہ میں **"یھلکان"** نون اعرابی کے ساتھ ہے یعنی **"کاد الخیّران یھلکا"** یہ بھی ٹھیک ہے۔

موجودہ نسخہ بظاہر نحوی صرفی اعتبار سے درست نہیں بیٹھتا۔ **"کاد الخیّران یھلکا"** اس میں یا تو **"ان یھلکا"** یا صرف **"یھلکان"** ہونا چاہئے۔ اس لئے یہاں یوں کہا جائے گا کہ یہاں "ان" مقدر ہے **"کاد الخیّر أن یھلکا"**۔

آگے حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ **"فما کان عمر یسمع رسول اللہ ﷺ بعد ھذہ الآیۃ حتی یستفھمہ"** حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو کوئی بات بھی بلند آواز سے نہیں کہتے تھے، اور اتنی آہستہ بات کرتے تھے کہ آپ کو صاف سنائی نہیں دیتا تھا اس لئے دوبارہ سے پوچھنا پڑتا تھا۔

"ولم یذکر ذالک عن أبیہ" اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے اپنے باپ یعنی اپنے نانا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بات ذکر نہیں کی کہ وہ اس طرح کرتے تھے۔

۴۸۴۶ ـ حدثنا علی بن عبداللہ: حدثنا أزھر بن سعد: أخبرنا ابن عون قال: أنبأنی موسی بن أنس، عن أنس بن مالک رضی اللہ عنہ: أن النبی ﷺ افتقد ثابت بن قیس فقال رجل: یارسول اللہ، أنا أعلم لک علمہ، فأتاہ فوجدہ جالسا فی بیتہ منکسا رأسہ. فقال لہ: ما شأنک؟ فقال: شرٌّ، کان یرفع صوتہ فوق صوت النبی ﷺ فقد حبط عملہ وھو من أھل النار. فأتی الرجل النبی ﷺ فأخبرہ أنہ قال کذا وکذا، فقال موسی: فرجع إلیہ المرۃ الآخرۃ ببشارۃ عظیمۃ، فقال: ((اذھب إلیہ فقل لہ: إنک لست من أھل النار، ولکنک من أھل الجنۃ)). [راجع: ۳۶۱۳]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کو چند روز اپنی مجلس میں نہیں پایا، ایک صحابی نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میں آپ کے لئے ان کی خبر معلوم کرتا ہوں۔ پھر وہ

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے دیکھا کہ وہ گھر میں سر جھکائے بیٹھے ہیں۔ ان صحابی پوچھا کہ آپ کیا حال ہے؟ تو حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ برا حال ہے، اپنی آواز کو نبی کریم ﷺ کی آواز کے مقابلے میں بلند آواز سے بولا کرتا تھا، اب تو سارے نیک عمل اکارت ہوگئے اور میں اہل دوزخ میں سے قرار دے دیا گیا ہوں۔ اس کے بعد وہ صحابی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے جو کچھ کہا تھا اس کی اطلاع آپ ﷺ کو دی۔ موسیٰ بن انس نے بیان کیا کہ پھر وہ صحابی دوبارہ ایک عظیم خوشخبری لے کر حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کے پاس آئے۔ چنانچہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا تھا کہ ان کے پاس جاؤ اور کہو کہ تم اہل دوزخ میں سے نہیں ہو بلکہ تم اہل جنت میں سے ہو۔

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ

حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ کے علاوہ ان حضرات میں سے ہیں جن کو رسول اللہ ﷺ نے جنت کی خوشخبری دی اور آپ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے تھے۔ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ انصار کے خطیب تھے اور خلقۃً رفیع الصوت یعنی قدرتی طور پر ان کی آواز بہت بلند تھی، اس لئے معذور تھے آواز کی بلندی سے ان کی نیت قطعاً بے ادبی نہیں تھی۔

عشرہ مبشرہ دس ہیں، اس سے زیادہ کی نفی نہیں ہے اوروں کو بھی بشارت دی ہے، لیکن اس وقت میں حضور اقدس ﷺ نے دس آدمیوں کو ایک ساتھ بشارت دی تھی، اس لئے ان کو عشرہ مبشرہ کہتے ہیں۔

(۲) باب: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُنَادُونَكَ مِن وَرَاءِ الْحُجُرَاتِ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾ [۳]

باب: "(اے پیغمبر!) جو لوگ تمہیں حجروں کے پیچھے سے آواز دیتے ہیں، اُن میں سے اکثر کو عقل نہیں ہے۔"

آیت کا پس منظر

اس آیت میں نبی کریم ﷺ کے آداب میں سے ایک ادب یہ سکھلایا گیا ہے کہ جس وقت آپ اپنے مکان اور آرام گاہ میں تشریف فرما ہوں اس وقت باہر کھڑے ہو کر آپ کو پکارنا خصوصاً گنوار پن کے ساتھ کہ نام لیکر پکارا جائے، یہ بے ادبی ہے، عقل والوں کے یہ کام نہیں۔

یہ آیت بنوتمیم کے وفد کی آمد کے موقع پر نازل ہوئی، بنوتمیم کا وفد دوپہر کے وقت مدینہ منورہ پہنچا تھا، جب کہ حضور اکرم ﷺ حجرہ میں آرام فرمارہے تھے، یہ لوگ آداب سے واقف نہیں تھے، اس لئے ان میں سے کچھ لوگوں نے آپ کے گھروں کے باہر ہی سے آپ کو پکارنا شروع کردیا، اس پر یہ آیت نازل فرمائی گئی۔

۴۸۴۷ - حدثنا الحسن بن محمد: حدثنا الحجاج، عن ابن جریج قال: أخبرنی ابن أبی ملیکة أن عبداللہ بن الزبیر اخبرھم انه قدم رکب من بنی تمیم علی النبی ﷺ فقال ابوبکر: أمر القعقاع بن معبد. وقال عمر: أمر الأقرع بن حابس، فقال أبو بکر: ما أردت إلی - أو: إلا - خلافی، فقال عمر: ما أردت خلافک. فتماریا حتی ارتفعت أصواتھما، فنزل فی ذلک ﴿یاأیھا الذین آمنوا لاتقدموا بین یدی اللہ ورسوله﴾ حتی انقضت الآیة.
[راجع: ۴۳۶۷]

ترجمہ: ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ بنی تمیم نے چند سوار نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آئے۔ تو حضرت ابوبکر ﷺ نے کہا کہ قعقاع بن معبد کو امیر مقرر فرمادیجئے۔ اور حضرت عمر ﷺ نے کہا بلکہ اقرع بن حابس کو امیر مقرر فرمادیجئے۔ حضرت ابوبکر ﷺ نے کہا کہ تم نے صرف میری مخالفت کا قصد کیا تھا۔ حضرت عمر ﷺ نے کہا میرا ارادہ مخالفت کا نہ تھا، چنانچہ دونوں کے درمیان بحث ومباحثہ ہوا، یہاں تک کہ ان دونوں کی آوازیں بلند ہوگئیں، تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ **﴿یا أیھا الذین آمنوا لاتقدموا بین یدی اللہ ورسوله﴾** آخر آیت تک۔

حدیث کی تشریح

اس میں دو روایتیں ہیں **"ما اردت الاخلافی"** جو پیچھے گزر گیا اور اس کے معنی واضح ہیں کہ **"ما اردت الاخلافی"** تم نے ارادہ نہیں کیا مگر میری مخالفت کا۔

اور ایک روایت میں **"الا"** کے بجائے **"الی"** حرف جار ہے، اس صورت میں **"ما"** موصولہ ہوگا **"ما اردت"** یعنی جو کچھ تم نے ارادہ کیا ہے وہ **"ینفو الیٰ خلافی"** وہ میری مخالفت کی طرف جاتا ہے۔

(۵۰) سورۃ ق

سورۂ قاف کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عقیدہ آخرت کا بیان

اس سورت کا اصل موضوع آخرت کا اثبات ہے، اسلام کے عقائد میں عقیدہ آخرت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، یہی وہ عقیدہ ہے جو انسان کے قول وفعل میں ذمہ داری کا احساس پیدا کرتا ہے، اور اگر یہ عقیدہ دل میں پیوست ہو جائے تو وہ ہر وقت انسان کو اس بات کی یاد دلاتا رہتا ہے کہ اسے اپنے ہر کام کا اللہ ﷻ کے سامنے جواب دینا ہے اور پھر یہ عقیدہ انسان کو گناہوں، جرائم اور ناانصافیوں سے دور رکھنے میں بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے، اس لئے قرآن کریم نے آخرت کی زندگی کو یاد دلانے پر بہت زور دیا ہے، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام ؓ ہر وقت آخرت کی زندگی کو بہتر بنانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔

اب جو مکی سورتیں آرہی ہیں، ان میں زیادہ تر اسی عقیدے کے دلائل اور قیامت کے حالات اور جنت اور دوزخ کی منظر کشی پر زور دیا گیا ہے۔

سور"قٓ" کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ حضور اقدس ﷺ بکثرت فجر اور جمعہ کی نمازوں میں اس سورت کی تلاوت فرمایا کرتے تھے۔[1]

سورت کی وجہ تسمیہ

اس سورت کا آغاز حروف مقطعات میں سے حرف "قٓ" سے کیا گیا ہے، جس کے معنی اللہ ﷻ ہی کو

---

[1] عن ام هشام بنت حارثه بن النعمان، قالت: لقد كان تنورنا وتنور رسول الله ﷺ واحدا، سنتين اوسنة وبعض سنة، وما اخذت ق والقرآن المجيد إلا عن لسان رسول الله ﷺ، يقرؤها كل يوم جمعة على المنبر، إذا خطب الناس. صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب تخفيف الصلاة والخطبة، رقم: ۸۷۳

معلوم ہیں، اسی حرف کے نام پر اس سورت کا نام رکھا گیا ہے۔

﴿رَجْعٌ بَعِيدٌ﴾: رد. ﴿فُرُوجٍ: فتوق﴾، واحدها فرج. ﴿مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾: وريداه في حلقه، والحبل حبل العاتق. وقال مجاهد: ﴿ما تَنقُصُ الأرْضُ﴾ من عظامهم.

﴿تَبْصِرَةً﴾ بصيرة. ﴿حَبَّ الحَصِيدِ﴾: الحنطة. ﴿بَاسِقَاتٍ﴾: الطوال.

﴿أفَعَيِينا﴾: أفاعي علينا. ﴿وَقَالَ قَرِينُهُ﴾: الشيطان الذي قيض له.

﴿فَنَقَّبُوا﴾: ضربوا. ﴿أوْ ألْقَى السَّمْعَ﴾: لايحدث نفسه بغيره. حين أنشأكم خلقكم. ﴿رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾: رصد.

﴿سَائِقٌ وشَهِيدٌ﴾: الملكان: كاتب وشهيد. ﴿شَهِيدٌ﴾: شاهد بالغيب. ﴿لُغُوبٍ﴾: النصب.

وقال غيره: ﴿نَضِيدٌ﴾: الكفرى مادام في أكمامه ومعناه منضود بعضه على بعض، فإذا خرج من أكمامه فليس بنضيد.

في ﴿وَإدْبَارَ النُّجُومِ﴾ ﴿وَأدْبَارَ السُّجُودِ﴾ كان عاصم يفتح التي في ق و يكسر التي في الطور، ويكسران جميعا وينصبان.

وقال ابن عباس: ﴿يَوْمُ الخُرُوجِ﴾: يوم يخرجون من القبور.

ترجمہ وتشریح

"رَجْعٌ بَعِيدٌ" بمعنی "رد" کا مطلب ہے دنیا کی طرف دوبارہ لوٹنا بعید از امکان ہے۔

"فُرُوجٍ" بمعنی "فتوق" یعنی شگاف، سوراخ، شق۔ "فروج" کا واحد "فرج" ہے۔

﴿مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ﴾ اس آیت کریمہ میں "وَرِيدِ" حلق کی رگ اور "حَبْلِ" رسی۔ مطلب یہ ہے کہ گردن کی رگ اور جس کو شہ رگ بھی کہتے ہیں جس کے کٹنے سے موت واقع ہوتی ہے اور چونکہ رگ صورت میں رسی سے ملتی جلتی ہے اس لئے اس کو "حبل الورید" بھی کہتے ہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ آیت کریمہ ﴿ما تَنقُصُ الأرْضُ﴾ یعنی وہ اجزاء جن کو زمین کھاتی اور کم کرتی ہے اس سے مراد جسم کی ہڈیاں ہیں۔

"تَبْصِرَةً" بمعنی "بصيرة" یعنی راہ دکھانا۔

"حَبَّ الحَصِيدِ" سے مراد "الحنطة" یعنی گیہوں، جو وغیرہ جس غلہ کے ساتھ کھیت بھی کٹ

جائے۔مطلب یہ ہے کہ "حب" کی اضافت "حصید" کی طرف "اضافة الموصوف الی الصفة" ہے۔

"بَاسِقَاتٍ" بمعنی "طوال" یعنی دراز، بلند۔

"أَفَعَيِينَا" بمعنی "افاعی علینا" یعنی کیا ہم پر بوجھ بن گیا ہے؟ جب ہم نے پہلی بار تم کو پیدا کیا تھا۔

"وَقَالَ قَرِينُهُ" سے مراد وہ شیطان ہے جس کو مقرر کیا گیا یعنی جو ساتھ لگا رہتا ہے۔

اس میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہاں "قرین" سے مراد کاتبِ اعمال یعنی "کراما کاتبین" ہیں، اور اکثر مفسرین اس میں یہی دوسرا قول بیان کرتے ہیں۔

"فَنَقَّبُوا" بمعنی "ضربوا" یعنی چلے، پھرے۔

"أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ" کا مطلب ہے کہ اپنے دل میں دوسرا کچھ خیال نہ لائے، غور سے کان لگا کر سنے۔

اس کا تعلق "افعیینا" سے ہے جو پہلے گذرا ہے، اس کی بقیہ تفسیر یہ ہے "حین أنشاكم خلقكم" یعنی پہلی بار کے پیدا کرنے نے ہم کو تھکا دیا؟ ہم کو عاجز کر دیا؟ جب تم کو خدا نے پیدا کیا اور تمہارے مادے کو بنایا۔

"رَقِيبٌ عَتِيدٌ" بمعنی "رصد" یعنی نگہبان، تاک لگانے والا، گھات میں بیٹھنے والا۔ اور یہ "راصد" کی جمع ہے۔

۲۱ "سَائِقٌ وَشَهِيدٌ" یہاں اس سے مراد دو فرشتے ہیں، ایک "کاتب" یعنی لکھنے والا اور دوسرا "شہید" یعنی گواہ۔

"شَهِيدٌ" یہاں شہید سے دل کے ساتھ حاضر ہونے والا مراد ہے۔

"لُغُوبٍ" بمعنی "النصب" یعنی تکان، تھکن۔

فرماتے ہیں کہ "نَضِيدٌ" سے مراد وہ خوشہ ہے جو اپنے غلاف کے اندر رہے اور اسکے معنی ہیں اسکا بعض بعض پر گوندھا ہوا، تہہ بہ تہہ ہو، پھر جب اپنے پردوں یعنی غلاف سے نکل آئے گا تو "نَضِيدٌ" نہیں کہلائے گا۔

﴿وَإِدْبَارَ النُّجُومِ﴾ سورۃ الطور میں ہے اور ﴿وَأَدْبَارَ السُّجُودِ﴾ سورہ ق میں، امام عاصم رحمہ اللہ کی قرآت میں سورۃ الطور میں "إِدْبَارَ" کسرہ کے ساتھ ہے، جبکہ سورہ ق میں "أَدْبَارَ" فتح کے ساتھ ہے اور بعض قرأتوں میں دونوں میں دونوں جگہ فتحہ کے ساتھ یعنی "أَدْبَارَ" ہے اور بعض میں دونوں جگہ کسرہ کے ساتھ یعنی "إِدْبَارَ" ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سے "يَوْمُ الْخُرُوجِ" مراد ہے جس روز لوگوں کو قبروں سے نکالا جائے گا۔

(۱) بابُ قوله: ﴿وَتَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَزِيْدٍ﴾ [۳۰]

اس ارشاد کا بیان: ''اور وہ کہے گی کہ: کیا کچھ اور بھی ہے؟''

۴۸۴۸ ـ حدثنا عبدالله بن أبي الأسود: حدثنا حرميّ بن عمارة: حدثنا شعبة، عن قتادة، عن أنس رضي الله عنه عن النبي ﷺ قال: ((يلقى في النار وتقول: هل من مزيد، حتى يضع قدمه فتقول: قط قط)). [أنظر: ۶۶۶۱، ۷۳۸۴] ؎

ترجمہ: قتادہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جہنم میں دوزخیوں کو ڈالا جائے گا اور وہ کہے گی کہ کچھ اور بھی ہے؟ یہاں تک کہ اللہ رب العزت اپنا قدم اس پر رکھے گا اور وہ کہے گی کہ بس بس۔

۴۸۴۹ ـ حدثنا محمد بن موسى القطان: حدثنا أبو سفيان الحميري سعيد بن يحيى بن مهدي: حدثنا عوف، عن محمد، عن أبي هريرة رفعه ـ وأكثر ما كان يوقفه أبو سفيان: ((يقال لجهنم: هل امتلأت، وتقول: هل من مزيد؟ فيضع الرب تبارك وتعالى قدمه عليها فتقول: قط قط)). [أنظر: ۴۸۵۰، ۷۴۴۹] ؏

ترجمہ: ابوسفیان حمیری سعید بن یحیٰی بن مہدی نے بیان کیا، ان سے عوف نے، ان سے محمد نے اور ان سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے، اور نبی کریم ﷺ کے حوالے سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں، اور اسی راوی ابوسفیان

؎ وفي صحيح مسلم، كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب النار يدخلها الجبارون والجنة يدخلها الضعفاء، رقم: ۲۸۴۸، وسنن الترمذي، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة ق، رقم: ۳۲۷۲، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند أنس بن مالك رضي الله عنه، رقم: ۱۲۳۸۰م ۱۲۴۴۰، ۱۲۵۴۱، ۱۳۴۰۲، ۱۳۴۵۷، ۱۳۷۹۳، ۱۳۸۵۵، ۱۳۹۶۷.

؏ وفي صحيح مسلم، كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب النار يدخلها الجبارون والجنة يدخلها الضعفاء، رقم: ۲۸۴۶، وسنن الترمذي، أبواب صفة الجنة، باب ماجاء في احتجاج الجنة والنار، رقم: ۲۵۶۱، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي هريرة رضي الله عنه، رقم: ۷۷۱۸، ۸۱۶۳، ۹۸۱۶، ۱۰۵۸۸، وسنن الدارمي، ومن كتاب الرقاق، باب قوله تعالى ﴿هَلْ مِنْ مَزِيْدٍ﴾، رقم: ۲۸۹۱

حمیری اکثر اس حدیث کو نبی کریم ﷺ سے موقوفاً ذکر کرتے تھے کہ جہنم سے پوچھا جائے گا کیا تو بھر گئی؟ تو جہنم کہے گی کیا کچھ اور ہے؟ پھر اللہ تبارک تعالیٰ اپنا قدم اس پر رکھے گا، تو وہ کہے گی کہ بس بس۔

ایک وضاحت

حدیث میں ہے کہ **"فیضع الرب تبارک وتعالی قدمه علیها"** یہاں تک کہ اللہ رب العزت اپنا قدم اس پر رکھے گا۔

اب یہ قدم کس طرح رکھیں گے؟ اور اس کی کیا صورت ہوگی؟

اس پر لمبی چوڑی بحثیں کی گئی ہیں، لیکن ساری بحثیں بالکل فضول ہیں۔ اللہ ﷻ ہی بہتر جانتے ہیں کہ اس کا کیا مطلب ہے۔ وہی بہتر جانتے ہیں اس چیز کی کُنہ میں پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

۴۸۵۰ - حدثنا عبداللہ بن محمد: حدثنا عبدالرزاق: أخبرنا معمر، عن همام، عن أبی هریرة ﷺ قال: قال النبی ﷺ: ((تحاجّت الجنّة والنّار، فقالت النار: أوثرت بالمتکبرین والمتجبرین، وقالت الجنة: ما لی لایدخلنی إلّا ضعفاء الناس وسقطهم؟ قال اللہ تبارک وتعالی للجنّة: أنتِ رحمتی أرحم بک من أشاء من عبادی، وقال للنّار: إنما أنت عذاب أعذّب بک من أشاء من عبادی، ولکل واحدة منهما ملؤها، فأما النار فلا تمتلئ حتی یضع رجله فتقول: قط قط قط، فهنالک تمتلئ و یزوی بعضها إلی بعض، ولا یظلم اللہ عزوجل من خلقه أحدا. وأما الجنة فإن اللہ عزوجل ینشئ لها خلقا)). [راجع: ۴۸۴۹]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جنت اور جہنم نے ایک دوسرے سے بحث کی، جہنم نے کہا میں متکبروں اور ظالموں کے لئے خاص کی گئی ہوں۔ اور جنت نے کہا کہ مجھے کیا ہوا ہے کہ میرے اندر اکثر کمزور اور (دنیاوی اعتبار سے) کم رتبہ والے لوگ داخل ہوتے ہیں؟ اس پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے جنت سے فرمایا کہ تو میری رحمت ہے، تیرے ذریعے میں اپنے بندوں میں سے جس پر چاہوں رحم کروں، اور دوزخ سے فرمایا کہ تو عذاب ہے تیرے ذریعے میں اپنے بندوں میں سے جسے چاہوں عذاب دوں۔ ان دونوں میں سے ہر ایک کو بھرنا ہے، دوزخ تو اس وقت تک نہیں بھری گی جب تک اللہ ﷻ اپنا قدم اس پر نہیں رکھدیں گے، اس وقت وہ بولے گی کہ بس بس بس! اور اس وقت بھر جائے گی اور اس کا بعض حصہ بعض دوسرے حصے پر چڑھ جائے گا اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور جہاں تک بات ہے جنت

کی تو اس کے لئے اللہ تعالیٰ ایک مخلوق پیدا کرے گا۔

حدیث کی تشریح

یعنی جنت اور جہنم دونوں کے بارے میں بعض جگہ یہ فرمایا کہ دونوں کو بھروں گا **"علی ملأها"** لیکن جہنم تو اس طرح بھری جائیگی کہ اس میں جہنمی ڈالیں جائیں گے، لیکن پھر بھی کہے گی **"هل من مزيد"** یعنی ابھی اور بھی جگہ ہے، تو اللہ ﷻ اپنا قدم رکھیں گے، تو وہ سمٹ جائیگی۔

اور جنت جب خالی ہوگی تو کہتے ہیں اللہ ﷻ اس کے لئے اور مخلوق پیدا فرمائیں گے، یہ آخر میں ہے کہ **"ينشئ لها خلقاً آخر"** جب جنت میں جنتی چلے جائیں گے۔

وہ کیا مخلوق پیدا فرمائیں گے؟ وہ کیا مخلوق ہوگی؟ اس بارے میں اللہ ﷻ ہی بہتر جانتا ہے۔

(۲) بابُ قوله: ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ﴾ [۳۹]

اس ارشاد کا بیان: ''اور اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے رہو، سورج نکلنے سے پہلے بھی، اور سورج ڈوبنے سے پہلے بھی۔''

تسبیح سے مراد

آیت میں **"سَبِّحْ"** - **"تسبیح"** سے مشتق ہے، جس کے حقیقی معنی اللہ کی تسبیح بیان کرنا یعنی پاکی بیان کرنا ہے، اور یہ زبانی تسبیح کو بھی شامل ہے اور عبادت نماز کو بھی۔

اس لئے بعض حضرات نے فرمایا کہ تسبیح قبل طلوع الشمس سے مراد نمازِ فجر ہے اور تسبیح قبل الغروب سے مراد نمازِ عصر ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن جریر رضی اللہ عنہ کی روایت میں تفصیل آئی ہے۔ آیت کے مفہوم میں وہ عام تسبیحات بھی داخل ہیں، جن کے صبح شام پڑھنے کی ترغیب احادیث صحیحہ میں وارد ہوئی ہے۔ [۲]

۴۸۵۱ - حدثنا إسحاق بن إبراهيم، عن جرير، عن إسماعيل، عن قيس بن أبي حازم، عن جرير بن عبدالله قال: كنا جلوسا ليلة مع النبي ﷺ فنظر إلى القمر ليلة ربع

---

[۲] تفسیر القرطبی، ج: ۱۷، ص: ۲۴

عشرة فقال: ((إنكم سترون ربكم كما ترون هذا، لا تضومون في رؤيته، فإن استطعتم أن لا تغلبوا عن صلاة قبل طلوع الشمس، وقبل غروبها فافعلوا))، ثم قرأ ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ﴾. [راجع: ۵۵۴]

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ ﷺ نے بیان کیا کہ ہم لوگ ایک رات نبی کریم ﷺ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے آپ نے چاند کی طرف دیکھا چاند چودھویں رات کا تھا، پھر آپ ﷺ فرمایا کہ بلاشبہ تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح اس چاند کو دیکھ رہے ہو، اس کو دیکھنے میں تم لوگ کوئی دھکم پیل نہیں کرو گے، لہٰذا تم یہ کرو کہ کبھی سورج نکلنے سے پہلے کی نماز یعنی نماز فجر اور سورج ڈوبنے سے پہلے کی نماز یعنی عصر نہ چھوڑو۔ پھر آپ ﷺ نے یہ تلاوت فرمائی ﴿وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوْبِ﴾۔

۴۸۵۲ ـ حدثنا آدم: حدثنا ورقاء، عن ابن أبي نجيح، عن مجاهد قال: قال ابن عباس: أمره أن يسبح في أدبار الصلوات كلها، يعني قوله: ﴿وَأَدْبَارَ السُّجُوْدِ﴾ [۴۰]. ۵

ترجمہ: مجاہد بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں تمام نمازوں کے بعد تسبیح پڑھنے کا حکم دیا تھا۔ آپ کا مقصد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَأَدْبَارَ السُّجُوْدِ﴾ کی تشریح کرنا تھا۔

بابرکت وقت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک اس آیت میں تسبیح سے مراد صلاۃ نہیں بلکہ تسبیح یعنی اللہ تعالیٰ کی پاکی بیان کرنا ہے اور فرماتے ہیں کہ ﴿وَأَدْبَارَ السُّجُوْدِ﴾ کا مقصود یہ تھا نمازوں کے بعد تسبیح پڑھو، یہ وقت اللہ ﷻ کی یاد کے ہیں، ان میں دعا اور عبادت بہت قبول ہوتی ہے۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتدا میں آپ ﷺ پر تین نماز فرض تھیں، فجر، عصر اور تہجد، بہر حال اب بھی ان تینوں وقتوں کو خصوصی فضل و شرف حاصل ہے، نماز یا ذکر و دعا وغیرہ سے ان اوقات کو معمور رکھنا چاہئے۔ ۲

---

۵ انفرد به البخاري.

۲ قوله: ((أمره))، أي: أمره الله النبي صلى الله عليه وسلم أن يسبح، والمراد من التسبيح هذا حقيقة التسبيح لا الصلاة ولهذا فسره بقوله يعني قوله: وأدبار السجود، يعني: أدبار الصلوات، وتطلق السجدة على الصلاة بطريق ذكر الجزء وإرادة الكل. عمدة القاري، ج: ۱۹، ص: ۲۹۱

(۵۱) سورة والذاريات

سورۂ ذاریات کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

سورت کا بنیادی موضوع

یہاں سے سورۂ حدید (سورۂ نمبر ۴۷) تک تمام سورتیں مکی ہیں اوران سب کا بنیادی موضوع اسلامی بنیادی عقائد کی تعلیم اور خاص طور پر آخرت کی زندگی، جنت اور دوزخ کے حالات اور پچھلی قوموں کے عبرت ناک انجام کا نہایت فصیح وبلیغ اور انتہائی مؤثر تذکرہ ہے، اس تاثیر کو کسی بھی ترجمے کے ذریعے کسی اور زبان میں منتقل کرنا ممکن نہیں ہے۔

قال علي ﷺ: الذاريات الرّياحُ. وقال غيره: ﴿تَذْرُوهُ﴾: تفرقه. ﴿وفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلا تُبْصِرُون﴾ تأكل وتشرب في مدخل واحد ويخرج من موضعين.

﴿فَرَاغَ﴾: فرجع. ﴿فَصَكَّتْ﴾: فجمعت أصابعها، فضربت به جبهتها. والرّميم: نبات الأرض إذا يبس وديس.

﴿لَمُوسِعُونَ﴾: أى لذوسَعَةٍ، وكذالک ﴿على المُوسِعِ قَدَرُهُ﴾ يعنى القويّ.

﴿زَوْجَينِ﴾: الذّكر والانثى، واختلاف الألوان: حلو وحامض، فهما زوجان.

﴿فَفِرُّوا إلى الله﴾ من الله إليه. ﴿إلاَّ لِيَعْبُدُونِ﴾ ما خلقت أهل السّعادة من أهل الفريقين إلاّ ليوحدون.

وقال بعضهم: خلقهم ليفعلوا، ففعل بعضٌ وترک بعض وليس فيه حجة لأهل القدر. والذَّنُوبُ: الدلو العظيم.

وقال مجاهدٌ: ﴿ذَنُوباً﴾: سبيلاً. ﴿صَرّةٍ﴾: صيحة. ﴿العَقِيمُ﴾: التى لا تلد. وقال ابن عباس: والحبک: استواؤها وحسنها.

﴿فى غَمْرةٍ﴾: فى ضلالتهم يتمادون. وقال غيره: ﴿تَوَاصَوْا﴾: تواطؤا. وقال غيره ﴿مُسَوَّمَةً﴾: معلمة من السّيما. قتل الإنسان: لعن.

ترجمہ وتشریح

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ "**الذاریات**" بمعنی "**الریاح**" یعنی ہوائیں مراد ہیں۔

"**ذاریات**" اسم فاعل کا صیغہ جمع مؤنث، از باب نصر ینصر - اسکا معنی ہے اڑانا، بکھیرنا، یہاں ہواؤں کی صفت بیان کی گئی ہے۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ "**تَذْرُوهُ**" بمعنی "**تفرقه**" یعنی اس کو بکھیر دے۔

﴿**وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ**﴾ خود تمہاری ذات میں بھی نشانیاں ہیں قدرت کی، اس کی تفصیل بیان کررہے ہیں کہ "**تاکل وتشرب في مدخل واحد ویخرج من موضعین**" یعنی کیا تم دیکھتے نہیں کہ ایک راستہ منہ سے کھاتے اور پیتے ہو اور فضلہ دو راستوں آگے اور پیچھے سے نکلتا ہے۔

"**فَرَاغَ**" بمعنی "**فرجع**" یعنی لوٹ آیا۔

"**فَصَكَّتْ**" کے معنی ہیں اپنی انگلیوں کو جمع کیا پھر اس کو اپنی پیشانی پر مارا یعنی مٹھی باندھ کر کے تعجب سے اپنے ماتھے پر مارا۔

"**الرَّمِيم**" کے معنی ہیں جب زمین کی گھاس سوکھ جائے اور روندی جائے۔

"**لَمُوسِعُونَ**" کے معنی ہیں "**ذُو سَعَةٍ**" یعنی وسعت والے۔

اسی طرح سورہ بقرۃ میں ہے ﴿**عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ**﴾ یعنی ان مطلقہ عورتوں کو فائدہ پہنچاؤ اپنی حیثیت کے مطابق، "**الموسع**" بمعنی "**القويّ**" یعنی صاحب حیثیت ووسعت۔

"**زَوْجَيْنِ**" سے مراد نر اور مادہ یعنی حیوانات کے جوڑے ہیں اور اسی طرح "**زَوْجَيْنِ**" کا اطلاق رنگوں کے مختلف ہونے پر بھی ہوتا ہے ورنہ بے پناہ التباس واشتباہ ہوگا، اور انواع کے مختلف ہونے پر بھی ہوتا ہے جیسے کہ میوے اور پھلوں میں جوڑے کا مطلب میٹھا ہونا اور کھٹا ہونا، چونکہ یہ بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں جیسے نر ومادہ پس یہ جوڑے ہیں۔

﴿**فَفِرُّوا إِلَى اللهِ**﴾ کے معنی ہیں اللہ کی معصیت/نافرمانی سے اسکی اطاعت کی طرف بھاگ کر آؤ۔

ہر انسان میں توحید کو قبول کرنے کی فطری صلاحیت

﴿**إِلَّا لِيَعْبُدُونِ**﴾ کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے جنات اور انسان میں سے صرف نیک لوگوں کو اپنی توحید کیلئے پیدا کیا ہے اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیدا تو سب کو اسی مقصد کیلئے کیا کہ وہ توحید کو مانیں

لیکن بعض نے مانا اور بعض نے نہیں مانا، لہذا اس آیت میں معتزلہ اور قدریہ کے لئے کوئی بھی دلیل نہیں ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے تو حکم عبادت کا سب کو دیا ہے مگر ساتھ ہی اختیار بھی دیا ہے، اس لئے کسی نے اپنے خداداد اختیار کو صحیح خرچ کیا، عبادت میں لگ گیا، کسی نے اس اختیار کو غلط استعمال کیا، عبادت سے منحرف ہوگیا۔

آیت کی توجیہ یہ ہے کہ ہم نے ان کی تخلیق اس انداز پر کی ہے کہ اس میں استعداد اور صلاحیت عبادت کرنے کی ہو، چنانچہ ہر جن وانس کی فطرت میں یہ استعداد فطری موجود ہے، پھر کوئی اس استعداد کو صحیح خرچ کر کے کامیاب ہوتا ہے، کوئی اس استعداد کو اپنے معاصی اور شہوات میں ضائع کر دیتا ہے۔

اور اس مضمون کی مثال وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **"کل مولود یولد علی الفطرة فابواه یھودانه او یمجسانه"** یعنی ہر پیدا ہونے والا بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اس کو (اس فطرت سے ہٹا کر) کوئی یہودی بنا دیتا ہے کوئی مجوسی۔[۹]

فطرت پر پیدا ہونے سے مراد اکثر علماء کے نزدیک دینِ اسلام پر پیدا ہونا ہے، تو جس طرح اس حدیث میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ہر انسان میں فطری اور خلقی طور پر اسلام و ایمان کی استعداد و صلاحیت رکھی جاتی ہے، پھر کبھی اس کے ماں باپ اس صلاحیت کو ضائع کر کے کفر کے طریقوں پر ڈالتے ہیں، اسی طرح اس آیت میں **﴿إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾** کا یہ مفہوم ہوسکتا ہے کہ جن وانس کے ہر فرد میں اللہ تعالیٰ نے استعداد اور صلاحیت عبادت کی رکھی ہے۔

"الذَّنُوب" بڑے ڈول کو کہتے ہیں اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نے کہا ہے کہ **"ذَنُوباً"** کے معنی راستہ کے ہیں۔

"صَرَّةٍ" بمعنی **"صیحة"** یعنی چیخ، زور کی آواز۔

"العَقِيمُ" وہ عورت جس کے بچہ پیدا نہ ہو یعنی بانجھ ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ **"الحبک"** آسمان کا برابر ہونا اور اسکا حسن ہے۔

"فی غَمْرَةٍ" کے معنی ہیں اپنی گمراہی میں بڑھے جا رہے ہیں۔

"تَوَاصَوْا" بمعنی **"تواطؤا"** یعنی یہ بھی ان کے موافق کہنے لگے۔

"مُسَوَّمَةً" بمعنی **"معلمة"** یعنی نشان لگا ہوا، نشاندار۔

---

[۹] صحیح البخاری، کتاب الجنائز، باب ماقیل فی اولاد المشرکین، رقم: ۱۳۸۳

(۵۲) سورة والطور

سورۂ طور کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"طـــور" کے معنی عبرانی زبان میں پہاڑ کے ہیں جس پر درخت اُگتے ہوں، یہاں اس سورت میں "طـــور" سے مراد وہ طور سینین ہے جو ارضِ مدین میں واقع ہے، جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حق تعالیٰ سے شرفِ ہمکلامی نصیب ہوا۔

بعض روایات میں ہے کہ دنیا میں چار پہاڑ جنت کے ہیں، ان میں سے ایک طور کا ہے۔

طور کی قسم کھانے میں اس کی خاص تعظیم وتشریف کی طرف بھی اشارہ ہے اور اس طرف بھی کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لئے کچھ کلام اور احکام آئے ہیں جن کی پابندی ان پر فرض ہے۔

وقال قتادة: ﴿مَسْطُورٍ﴾: مكتوب. وقال مجاهد: ﴿الطُّورُ﴾: الجبل بالسُّريانية. ﴿رَقٍّ مَنْشُورٍ﴾: صحيفة. ﴿والسَّقْفِ المَرْفُوعِ﴾: سماء. و﴿المَسْجُورِ﴾: الموقد. وقال الحسن: تسجر حتى يذهب ماؤها فلا يبقى فيها قطرة. وقال مجاهد: ﴿أَلَتْنَاهُمْ﴾: نقصناهم. وقال غيره: ﴿تَمُورُ﴾ تدور. ﴿أحلامُهُمْ﴾: العقول. وقال ابن عباس: ﴿البَرُّ﴾: اللطيف. ﴿كسفا﴾ قطعا. ﴿المنون﴾: الموت، وقال غيره: ﴿يَتَنازَعُونَ﴾: يتعاطون.

ترجمہ وتشریح

حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے کہا کہ "مَسْطُورٍ" بمعنی "مکتوب" یعنی لکھا ہوا۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے کہا کہ "الطُّورُ" سریانی زبان میں پہاڑ کو کہتے ہیں۔

"رَقٍّ مَنْشُورٍ" سے مراد صحیفہ ہے یعنی کھلا ہوا ورق۔

"والسَّقْفِ المَرْفُوعِ" اونچی چھت سے مراد آسمان ہے۔

"المَسْجُورِ" بمعنی "موقد" یعنی گرم کیا ہوا۔

جبکہ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "المَسْجُورِ" کے معنی ہیں "تسجر" یعنی سمندر اتنا بھڑ کایا جائے گا کہ اس کا سارا پانی جاتا رہے گا اور اس میں ایک قطرہ بھی باقی نہیں رہے گا۔
"مسجور" یہ مشتق ہے "سجر" جو کئی معنی کیلئے استعمال ہوتا ہے، حضرت قتادہ رحمہ اللہ وغیرہ نے "مسجور" بمعنی "مملو" کے بیان کئے ہیں یعنی پانی سے بھرا ہوا، لبریز۔
حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "أَلَتْنَاهُمْ" بمعنی "نقصناهم" یعنی ہم کوئی چیز کم کریں گے۔
"تَمُورُ" بمعنی "تدور" یعنی گھومنے لگا، تھرتھرانے لگے گا۔
"أحلام" بمعنی "العقول" یعنی عقل کے معنی میں ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "البَرُّ" بمعنی لطیف و مہربان، جس کا احسان عام ہو۔
"كسفا" بمعنی "قطعا" یعنی ٹکڑا۔
"المنون" موت کو کہتے ہیں۔
"يَتَنَازَعُونَ" بمعنی "يتعاطون" یعنی ایک دوسرے بطور تفریح لیں گے۔

(۱) بابُ:

یہ باب بلاعنوان ہے۔

۴۸۵۳ ۔ حدثنا عبداللہ بن یوسف: أخبرنا مالک، عن محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل عن عروۃ، عن زینب ابنة أبی سلمة، عن أم سلمة قالت: شکوت الی رسول اللہ ﷺ انی اشتکی، فقال: ((طوفی من وراء الناس وأنت راكبة)) فطفت ورسول اللہ ﷺ یصلی إلی جنب البیت یقرأ بالطور وكتاب مسطور. [راجع: ۴۶۴]

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ (حج کے موقع پر) میں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ میں بیمار ہوں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سواری پر بیٹھ کر لوگوں کے پیچھے سے طواف کرلو۔ چنانچہ میں طواف کیا اور رسول اللہ ﷺ اس وقت خانہ کعبہ میں پہلو میں نماز پڑھ رہے تھے اور "والطور وكتاب مسطور" کی تلاوت کررہے تھے۔

۴۸۵۴ ۔ حدثنا الحمیدی: حدثنا سفیان قال: حدثونی عن الزھری، عن محمد ابن جبیر بن مطعم، عن ابیه رضی اللہ عنہ قال: سمعت النبی ﷺ یقرأ فی المغرب بالطور، فلما بلغ

هذه الآية ﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ، أَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بَلْ لَا يُوْقِنُوْنَ. أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُسَيْطِرُوْنَ﴾ كاد قلبي أن يطير. قال سفيان: فأما أنا فإنما سمعت الزهري يحدث عن محمد بن جبير ابن مطعم، عن أبيه: سمعت النبي ﷺ يقرأ في المغرب بالطور، لم أسمعه زاد الذي قالوا لي. [راجع: ۷۶۵]

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا آپ مغرب کی نماز میں سورۃ طور پڑھ رہے تھے، جب آپ اس آیت پر پہنچے ﴿أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ، أَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بَلْ لَا يُوْقِنُوْنَ. أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُسَيْطِرُوْنَ﴾ تو میرا دل خدا کے خوف سے اڑنے کے قریب ہو گیا۔

سفیان نے بیان کیا کہ میں خود زہری سے سنا ہے وہ محمد بن جبیر بن مطعم رحمہ اللہ سے روایت کرتے تھے، ان سے ان کے والد حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو مغرب کی نماز میں سورۃ طور پڑھتے سنا، سفیان بیان کرتے ہیں کہ میرے دوستوں نے اسکے بعد جو اضافہ کیا وہ میں نے زہری سے نہیں سنا۔

(۵۳) سورة والنجم

سورۂ نجم کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وجہ تسمیہ

"النجم" عربی میں ستارے کو کہتے ہیں اور چونکہ اس سورت کی پہلی آیت میں ستارے کی قسم کھائی گئی ہے، اس لئے اس سورت کا نام "سورۂ نجم" ہے۔

اثبات رسالت اور مشرکین کے عقائد کی تردید

یہ سورت مکی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے، بلکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلی وہ سورت ہے جو آپ ﷺ نے علی الاعلان ایسے مجمع میں پڑھ کر سنائی جس میں مسلمانوں کے ساتھ مشرکین کی بھی بڑی تعداد موجود تھی۔

نیز یہ پہلی سورت ہے جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی اور جس وقت آپ ﷺ نے سجدہ کی آیت اس مجمع کے سامنے تلاوت فرمائی تو یہ حیرت انگیز واقعہ پیش آیا کہ آپ ﷺ نے اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے تو سجدہ کیا ہی تھا، اس وقت جو مشرکین موجود تھے، انہوں نے بھی سجدہ کیا، غالباً اس سورت کے پرشکوہ اور مؤثر مضامین نے انہیں بھی مسلمانوں کے ساتھ سجدہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔

اس سورت کا اصل موضوع حضور اقدس ﷺ کی رسالت کو ثابت کرنا ہے اور یہ کہ جو وحی آپ ﷺ پر نازل ہوتی ہے، وہ کسی شک وشبہ کے بغیر اللہ جل جلالہ ہی کی طرف سے آتی ہے، اور حضرت جبرئیل علیہ السلام لے کر آتے ہیں۔

اس ضمن میں یہ حقیقت بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے انہیں دو مرتبہ اپنی اصل صورت میں دیکھا ہے، ان میں سے ایک دفعہ اس وقت دیکھا جب آپ ﷺ معراج میں تشریف لے گئے تھے۔

آنحضرت ﷺ کی رسالت کے اثبات کے ساتھ ساتھ اس میں مشرکین مکہ کے غلط عقائد اور ان کے بعض بے ہودہ دعوؤں کی تردید بھی ہے اور پچھلی امتوں پر نازل ہونے والے عذاب کے حوالے سے انہیں حق کو تسلیم

کرنے کی موثر دعوت دی گئی ہے۔

وقال مجاهد: ﴿ذُو مِرَّةٍ﴾: ذو قوة. ﴿قَابَ قَوْسَيْنِ﴾: حيث الوتر من القوس. ﴿ضِيزَى﴾: عوجاء. ﴿وَأَكْدَى﴾: قطع عطاءه. ﴿رَبُّ الشِّعْرَىٰ﴾: هو مرزم الجوزاء. ﴿الَّذِي وَفَّى﴾: وفى ما فرض عليه.

﴿أَزِفَتِ الْآزِفَةُ﴾: اقتربت الساعة. ﴿سَامِدُونَ﴾: البرطمة. وقال عكرمة: يتغنون بالحميرية. وقال إبراهيم: ﴿أَفَتُمَارُونَهُ﴾: أفتجادلونه: ومن قرأ ﴿أَفَتَمْرُونَهُ﴾: يعني أفتجحدونه. ﴿مَا زَاغَ الْبَصَرُ﴾: بصر محمد ﷺ.

﴿وَمَا طَغَى﴾: وما جاوز ما رأى. ﴿فَتَمَارَوْا﴾: كذبوا. وقال الحسن: ﴿إِذَا هَوَى﴾: غاب. وقال ابن عباس: ﴿أَغْنَى وَأَقْنَى﴾: أعطى فأرضى.

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "ذُو مِرَّةٍ" بمعنی "ذو قوة" یعنی قوت والا سے مراد حضرت جبرئیل امین علیہ السلام ہیں۔

﴿قَابَ قَوْسَيْنِ﴾ - اس آیت میں "قاب" کا معنی ہے مقدار یا کمان کے قبضہ سے نوک تک کا فاصلہ یعنی آدھی کمان کی لمبائی "قوسین" کا معنی ہیں دو کمان، اس صورت میں آیت کا ترجمہ ہوگا، دو کمانوں کی مقدار۔

"وقد قيل انه على القلب والمراد فكان قابي قوس" مطلب یہ کہ آیت میں لفظی قلب کر دیا گیا ہے، اصل میں "قابی قوس" تھا یعنی کمان کے دو قاب کے برابر، ایک کمان کے دو قاب ہوتے ہیں یعنی وسطی قبضہ سے دونوں طرف کے حصے برابر ہوتے ہیں، دو قاب پوری کمان کے برابر ہوگئے۔

لیکن "قاب" کے معنی اگر مقدار لیں جیسا کہ علامہ محلی رحمہ اللہ نے بھی مقدار ترجمہ کیا ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہ ﷺ کے اتنے قریب آگئے کہ دونوں کے درمیان دو کمان کے برابر فاصلہ رہ گیا بلکہ اس سے بھی کم۔[1]

"ضِيزَى" بمعنی "عَوْجَاءُ" یعنی ٹیڑھی، بے ڈھنگی۔

"وَأَكْدَى" کے معنی ہیں عطا کو منقطع کر دیا، دینا موقوف کر دیا۔

---

[1] عمدة القاري، ج: ۱۹، ص: ۳۰۱، وتفسير الجلالين، ج: ۱، ص: ۷۰۱

"رَبُّ الشِّعْرىٰ" شعری وہ ستارہ ہے جو "جوزاء" ستارہ کے بعد موسم گرما میں طلوع ہوتا ہے۔
"جوزاء" آسمان کے ایک برج کا نام ہے، اس کا ذکر اس لئے کیا کہ عربوں کی ایک قوم کا یہ معبود تھا۔
"الَّذِیْ وَفّٰی" کے معنی ہیں جوان پر فرض تھا انہیں پورا کیا۔
"اَزِفَتِ الْآزِفَةُ" کے معنی ہیں قیامت قریب آگئی۔
"سَامِدُوْنَ" بمعنی "البرطمة" ایک موسیقی کا آلہ ہوا کرتا تھا اور اس پر گاتے تھے۔
اور حضرت عکرمہ رحمہ اللہ نے کہا کہ حمیری زبان میں "سَامِدُوْنَ" کے معنی گانے والوں کے ہیں۔
حضرت ابراہیم رحمہ اللہ نے کہا کہ "اَفَتُمَارُوْنَهٗ" کے معنی ہیں کیا تم ان سے جھگڑتے ہو، اور جن حضرات نے "اَفَتَمْرُوْنَهٗ" پڑھا ہے اس صورت میں معنی ہوگا کیا تم اس کا انکار کرتے ہو۔
"مَازَاغَ الْبَصَرُ" سے مراد محمد رسول اللہ ﷺ کی نگاہ مبارک ہے۔
"وَمَاطَغٰی" کے معنی ہیں اور تجاوز نہیں کیا جو دیکھا۔
"فَتَمَارَوْا" کے معنی ہیں تکذیب کی، جھٹلایا۔
حسن بصری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "اِذَا هَوٰی" کے معنی ہیں جب غائب ہونے لگے، غروب ہونے لگے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "اَغْنٰی وَاَقْنٰی" کے معنی ہیں دیا اور خوش کر دیا۔

(۱) بابٌ:

یہ باب بلا عنوان ہے۔

۴۸۵۵ ۔ حدثنا یحیٰی: حدثنا وکیع، عن اسماعیل بن أبی خالد، عن عامر، عن مسروق قال: قلت لعائشة رضی اللہ عنها: یا أُمّتاه، هل رأی محمد ﷺ ربه؟ فقالت: لقد قف شعری مما قلت، این أنت من ثلاث من حدثکهن فقد کذب؟ من حدثک أن محمدا ﷺ رأی ربه فقد کذب. ثم قرأت ﴿لَا تُدْرِکُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ یُدْرِکُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ﴾ [الانعام: ۱۰۳] **﴿وَمَا کَانَ لِبَشَرٍ أَنْ یُکَلِّمَهُ اللهُ إِلَّا وَحْیاً أَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ﴾** [الشوریٰ: ۵۱] **ومن حدثک أنه یعلم ما فی غد فقد کذب. ثم قرأت ﴿وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَا ذَا تَکْسِبُ غَداً﴾** [لقمان: ۳۴] **ومن حدثک أنه کتم فقد کذب، ثم قرأت ﴿یَا أَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ﴾ الآیة** [المائدة: ۶۷] **، ولکن رأی جبریل علیه السلام فی صورته مرتین.**

[راجع: ۳۲۳۴]

ترجمہ: مسروق رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا اے ایمان والوں کی ماں! کیا حضرت محمد ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا تم نے ایسی بات کہی کہ میرے رونگٹے کھڑے ہوگئے کیا تم ان تین باتوں سے بھی بے خبر ہو؟ جو شخص بھی تم میں سے یہ تین باتیں بیان کرے وہ جھوٹا ہے جو شخص یہ کہتا ہو کہ حضرت محمد ﷺ نے شب معراج میں اپنے رب کو دیکھا تھا وہ جھوٹا ہے۔ پھر انہوں نے آیت تلاوت کی ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ﴾ [الانعام: ۱۰۳] ﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ﴾ [الشوریٰ: ۵۱] ۔ اور جو شخص تم سے کہے کہ آنحضرت ﷺ آئندہ کل کی بات جانتے ہیں وہ بھی جھوٹا ہے، پھر تلاوت فرمائی ﴿وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا﴾ [لقمان: ۳۴]۔ اور جو شخص تم میں سے یہ کہے کہ آنحضرت ﷺ نے تبلیغ دین میں کوئی بات چھپائی تھی وہ بھی جھوٹا ہے، پھر یہ آیت تلاوت کی ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ﴾۔ ہاں البتہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ان کی اصل صورت میں دو مرتبہ دیکھا۔

وحی کی اقسام

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ﴾

کوئی بشر اپنی عنصری ساخت اور موجودہ قویٰ کے اعتبار سے یہ طاقت نہیں رکھتا کہ خداوند قدوس اس دنیا میں اس کے سامنے ہو کر مشافۃً کلام فرمائے اور وہ تحمل کر سکے، اسی لئے کسی بشر سے اس کے ہم کلام ہونے کی تین صورتیں ہیں:

۱۔ بلا واسطہ پردہ کے پیچھے سے کلام فرمائے، یعنی نبی کی قوت سامعہ استماع کلام سے لذت اندوز ہو مگر اس حالت میں آنکھیں دولت دیدار سے متمتع نہ ہو سکیں۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر اور خاتم الانبیاء ﷺ کو "**لیلة الاسراء**" میں پیش آیا۔

۲۔ بواسطہ فرشتے کے اللہ جل جلالہ کلام فرمائے مگر فرشتہ متجسد ہو کر آنکھوں کے سامنے نہ آئے، بلکہ براہ راست نبی کے قلب پر نزول کرے اور قلب ہی سے ادراک فرشتہ کا اور صورت کا ہوتا ہو، حواس ظاہرہ کو چنداں دخل نہ رہے، میرے خیال میں یہ صورت ہے جس کو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں "**یأتینی فی مثل صلصلة الجرس**" سے تعبیر فرمایا ہے۔

اور صحیح بخاری کے ابواب "**بدء الخلق**" میں وحی کی اس صورت میں بھی "**اتیان ملک**" کی تصریح

موجود ہے، اسی وحدیث میں "وھو اشد علی" فرمایا اور شاید وحی قرآنی بکثرت اسی صورت میں آتی ہو، جیسے کہ ﴿نَزَلَ بِهِ الرُّوحُ الْأَمِينُ﴾ - ﴿عَلَىٰ قَلْبِكَ لِتَكُونَ مِنَ الْمُنذِرِينَ﴾ الآیۃ- [الشعراء: ۱۹۳، ۱۹۴] اور ﴿قُلْ مَن كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ﴾ الآیۃ- [البقرۃ: ۹۷] میں لفظ "قلبک" سے اشارہ ہوتا ہے۔ چونکہ یہ معاملہ بالکل پوشیدہ طور پر اندر ہی اندر ہوتا تھا، پیغمبر کے وجود سے باہر کوئی علیحدہ ہستی نظر نہ آتی تھی اور نہ اس طرح کلام ہوتا تھا جیسے ایک آدمی دوسرے سے بات کرتا ہو، کہ پاس بیٹھنے والے سامعین بھی سمجھ لیں، اس لئے اس قسم کو خصوصیت کے ساتھ آیت ہذا میں لفظ "وحیا" سے تعبیر کیا، کیونکہ لغت میں "وحی" کا لفظ اخفاء اور اشارۂ سریعہ پر دلالت کرتا ہے۔

۳۔ تیسری صورت یہ ہے کہ فرشتہ متجسد ہو کر نبی کے سامنے آجائے، اور اس طرح خدا کا کلام، پیام پہنچادے جیسے ایک آدمی دوسرے سے خطاب کرتا ہے، چنانچہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک دو مرتبہ اپنی اصلی صورت میں حضور ﷺ کے پاس آئے اور اکثر مرتبہ حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں آتے تھے، اور کبھی کسی غیر معروف آدمی کی شکل میں بھی تشریف لائے ہیں، اس وقت آنکھیں فرشتہ کو دیکھتیں اور کان اس کی آواز سنتے تھے اور پاس بیٹھنے والے بھی بعض اوقات گفتگو سنتے اور سمجھتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں جو دو قسمیں بیان ہوئیں ہیں ان میں سے یہ دوسری صورت ہے۔ ۳

باب: ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ﴾ [۹]

باب: "یہاں تک کہ وہ کمانوں کے فاصلے کے برابر قریب آگیا، بلکہ اُس سے بھی زیادہ نزدیک۔"

۴۸۵۶ ـ حدثنا أبو النعمان: حدثنا عبدالواحد: حدثنا الشيباني قال: سمعت زرا عن عبدالله ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ﴾ قال: حدثنا ابن مسعود: أنه رأى جبريل له ستمائة جناح. [راجع: ۳۲۳۲]

ترجمہ: شیبانی نے بیان کرتے ہیں کہ میں نے زر بن حبیش سے سنا اور انہوں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ

---

۳ انعام الباری شرح صحیح البخاری، ج: ۱، ص: ۱۹۵

سے آیت ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى﴾ کے متعلق بیان کیا کہ ہم سے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو انکی اصل صورت میں دیکھا آپ کے چھ سو بازو تھے۔

بابُ قوله: ﴿فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى﴾ [۱۰]

اس ارشاد کا بیان: ''اس طرح اللہ کو اپنے بندے پر جو وحی نازل فرمانی تھی، وہ نازل فرمائی۔''

۴۸۵۷ - حدثنا طلق بن غنام: حدثنا زائدة: عن الشيباني قال: سألت زرا عن قوله تعالىٰ: ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَى فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى﴾ قال: أخبرنا عبدالله أن محمداً ﷺ أنه رأى جبريل له ستمائة جناح. [راجع: ۳۲۳۲]

بابُ: ﴿لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى﴾ [۱۸]

باب: ''سچ تو یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیوں میں سے بہت کچھ دیکھا۔''

۴۸۵۸ - حدثنا قبيصة: حدثنا سفيان، عن الأعمش، عن ابراهيم، عن علقمة، عن عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ: ﴿لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى﴾ قال: رأى رفرفاً أخضر قد سدّ الأفق. [راجع: ۳۲۳۲]

ترجمہ: علقمہ رحمہ اللہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے آیت ﴿لَقَدْ رَأَى مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى﴾ کے متعلق روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا کہ بتلایا کہ حضور اکرم ﷺ نے سبز فرش کو دیکھا جس نے آسمان کے کناروں کو ڈھانپ لیا تھا۔

(۲) بابُ: ﴿أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّى﴾ [۱۹]

باب: ''بھلا تم نے لات اور عزیٰ (کی حقیقت) پر بھی غور کیا ہے؟''

۴۸۵۹ - حدثنا مسلم بن إبراهيم: حدثنا أبو الأشهب: حدثنا أبو الجوزاء، عن ابن

عباس رضی اللہ عنهما فی قوله: ﴿اللّٰتَ وَ الْعُزّٰی﴾ کان اللات رجلا یلت سویق الحاج.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ﴿**اللّٰتَ وَالْعُزّٰی**﴾ کے متعلق فرماتے ہیں کہ "**اللات**" وہ شخص تھا، جو حاجیوں کیلئے ستو گھولتا تھا۔

اللّٰتَ وَالْعُزّٰی

اصل میں یہ لات تھا، ایک شخص کا نام تھا اور "**لت ـــ یلت**" کے معنی ہوتے ہیں ملانا، یہ شخص حاجیوں کے لئے ستو پانی میں ملایا کرتا تھا، تو اسی کی باتیں شروع کردیں پھر اسکے بت بنا کر اور اسکی عبادت شروع کردی۔

یہ "**اللات**" سے متعلق ایک تفسیر ہے۔

دوسرے حضرات کہتے ہیں ایسا نہیں ہے، بلکہ حجاج کو ستو پلانے والا آدمی کوئی اور تھا اور لات کسی دوسرے آدمی کا نام تھا۔ اس طرح یہ جو لات بت تھا اس کا کوئی تعلق ان دونوں سے نہیں ہے، درحقیقت لات لفظ **اللہ** میں تحریف کرکے بنایا گیا ہے۔

یہ دو قول ہیں، ان دونوں میں تطبیق اس طرح ممکن ہے کہ جو آدمی ستو بنایا کرتا تھا اسکا نام لات ہی ہو تو اس صورت میں یہ ہوسکتا ہے کہ اصل میں لات اسی کا نام تھا اور بعد میں بت کا نام بھی اسی کے نام پر رکھ دیا گیا۔ [۳]

۴۸۶۰ ـ حدثنا عبداللہ بن محمد: أخبرنا هشام بن یوسف: أخبرنا معمر، عن الزهری عن حمید بن عبدالرحمٰن، عن أبی هریرة ﷺ قال: قال رسول اللہ ﷺ: ((من حلف فقال فی حلفه: واللات والعزی، فلیقل: لاإله إلااللہ. ومن قال لصاحبه: تعال أقامرک، فلیتصدق)). [أنظر: ۶۱۰۷، ۶۳۰۱، ۶۶۵۰] [۴]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ ﷺ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو کوئی قسم کھائے اور قسم میں اس طرح کہے کہ لات وعزیٰ کی قسم! تو اس کو (تجدید ایمان کیلئے) کہنا چاہئے کہ "**لاإلٰه إلااللہ**"۔ اور جو شخص اپنے

---

[۳] تفسیر القرطبی، ج: ۱۷، ص: ۱۰۰

[۴] وفی صحیح مسلم، کتاب الأیمان، باب من حلف باللات والعزی، فلیقل لا اله الا اللہ رقم ۳۱۰۷، وسنن ابی داؤد، کتاب الأیمان والنذور، باب الحلف بالأنداد، رقم: ۳۲۴۷، وسنن الترمذی، أبواب النذور والأیمان، باب، رقم: ۱۵۴۵، وسنن النسائی، کتاب الأیمان والنذور، الحلف باللات، رقم: ۳۷۷۵، وسنن ابن ماجه، کتاب الکفارات، باب ان یحلف بغیر اللہ، رقم: ۲۰۹۶، ومسند أحمد، مسند المکثرین من الصحابة، مسند أبی هریرة ﷺ، رقم: ۸۰۸۷

ساتھی سے کہے کہ آ ؤ جوا کھیلیں، تو اس کو چاہئے کہ کثرت سے صدقہ کرے۔

تشریح

"ومن قال لصاحبه: تعال أقامرک، فليتصدق" اور جو شخص اپنے ساتھی سے کہے کہ آ ؤ جوا کھیلیں تو اس کو چاہئے کہ کثرت سے صدقہ کرے۔ اس میں تفصیل یہ ہے کہ کوئی شخص دوسرے کو دعوت دے کہ آ ؤ جو اکھیلیں، تو اس کے اوپر کفارہ یہ ہے کہ جس رقم سے جوا کھیلنا چاہ رہا تھا اسی رقم کو صدقہ کردے۔

(۳) باب: ﴿وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَى﴾ [۲۰]

باب: ''اور اُس ایک اور تیسرے پر جس کا نام منات ہے؟''

۴۸۶۱ ۔ حدثنا الحميدي: حدثنا سفيان: حدثنا الزهري: سمعت عروة: قلت لعائشة رضي الله عنها: فقالت: إنما كان من أهل لمناة الطاغية التي بالمشلل لا يطوفون بين الصفا والمروة فأنزل الله تعالىٰ ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ﴾ [البقرة:۱۵۸] فطاف رسول الله ﷺ والمسلمون.

قال سفيان: مناة بالمشلل من قديد. وقال عبدالرحمٰن بن خالد، عن ابن شهاب: قال عروة: قالت عائشة: نزلت في الأنصار، كانوا هم وغسان قبل أن يسلموا يهلون لمناة، مثله.

وقال معمر، عن الزهري، عن عروة، عن عائشة: كان رجال من الأنصار ممن كان يهل لمناة، ومناة صنم بين مكة والمدينة. قالوا: يانبي الله، كنا لانطوف بين الصفا والمروة تعظيما لمناة نحوه. [راجع: ۱۶۴۳]

ترجمہ: ہم سے زہری نے بیان کیا کہ میں نے حضرت عروہ بن زبیر رحمہ اللہ سے سنا، وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ کچھ لوگ منات بت کے نام پر احرام باندھتے جو مقام مشلل میں تھا، وہ صفا اور مروہ کے درمیان (حج وعمرہ میں) سعی نہیں کرتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت آیت نازل کی ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللهِ﴾ [البقرة:۱۵۸] چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے طواف کیا اور مسلمانوں نے بھی طواف کیا۔

سفیان نے کہا کہ مناۃ مقام قدید پر مشلل میں تھا اور عبدالرحمٰن بن خالد نے بیان کیا کہ ان سے ابن

شہاب نے، ان سے عروہ نے بیان کیا اور ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ اسلام سے پہلے انصار اور غسان کے لوگ منات کے نام پر احرام باندھتے تھے۔ باقی روایت پہلی حدیث کی طرح۔

اور معمر نے زہری سے بیان کیا، ان سے عروہ نے، ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہ قبیلہ انصار کے کچھ لوگ منات کے نام کا احرام باندھتے تھے۔ منات ایک بت تھا جو مکہ اور مدینہ کے درمیان رکھا ہوا تھا (اسلام لانے کے بعد) ان لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے نبی! ہم منات کی تعظیم کے لئے صفا اور مروہ کے درمیان سعی نہیں کیا کرتے تھے۔

تشریح

اس لامحدود عظمت وجلال والے خدا کے مقابلہ میں ان معبودان باطلہ کو کواتنا حقیر و ذلیل سمجھنا کہ انکا نام لیتے ہوئے بھی شرم آئے۔

"لات۔عزی۔منات" یہ مشرکین عرب کے بتوں اور دیویوں کے نام ہیں۔

"لات" نامی بت طائف والوں کے ہاں بہت معظم تھا۔

"مناۃ" نامی بت یہ اوس وخزرج اور خزاعہ کے ہاں معظم تھا۔

"عزیٰ" نامی بت کو قریش اور بنی کنانہ وغیرہ ان دونوں سے بڑا سمجھتے تھے، انکے نزدیک اول **عزیٰ** تھا، جو کہ مکہ کے قریب نخلہ میں تھا، پھر **لات** تھا، جو طائف میں تھا، پھر سب سے پیچھے تیسرے درجہ میں **مناۃ** تھا، جو مکہ سے بہت دور مدینہ ریثرب کے نزدیک واقعہ تھا۔

علامہ یاقوتؒ نے یہ ترتیب نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ قریش کعبہ کا طواف کرتے ہوئے یہ الفاظ کہتے تھے:

واللات والعزى ومناة الثالثة الأخرى

هؤلاء الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترجى

کتب تفسیر میں اس موقع پر ایک قصہ نقل کیا ہے جو جمہور محدثین کے اصول پر درجۂ صحت کو نہیں پہنچتا، اگر فی الواقع اس کی کوئی اصل ہے تو شاید یہ ہی ہوگی کہ آپ ﷺ نے مسلمانوں اور کافروں کی مخلوط مجمع میں یہ سورۃ پڑھی، کفار کی عادت تھی کہ لوگوں کو قرآن سننے نہ دیتے تھے اور بیچ میں گڑبڑ مچا دیں **كما قال تعالىٰ: ﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَا تَسْمَعُوا لِهَٰذَا الْقُرْآنِ وَالْغَوْا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُونَ﴾** [حم السجدہ] جب یہ آیت پڑھی تو کسی کافر شیطان نے آپ کی آواز میں آواز ملا کر آپ ہی کے لب ولہجہ سے وہ الفاظ کہہ دیئے ہوں گے جو ان کی

زبانوں پر چڑھے ہوئے تھے "تلک الغرانیق العلی" آگے تعبیر وادا میں متصف ہوتے ہوتے کچھ کا کچھ بن گیا، ورنہ ظاہر ہے نبی کی زبان پر شیطان کا ایسا تسلط کب حاصل ہوسکتا ہے اور جس چیز کا ابطال آگے کیا جارہا ہے اس کی مدح سرائی کے کیا معنی؟! ۵

(۴) باب: ﴿فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا﴾ [۶۲]

باب: "اب (بھی) جھک جاؤ اللہ کے سامنے، اور اُس کی بندگی کرلو۔"

۴۸۶۲ ـ حدثنا أبو معمر: حدثنا عبد الوارث: حدثنا أيوب، عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: سجد النبي ﷺ بالنجم وسجد معه المسلمون والمشركون والجن والانس. [راجع: ۱۰۷۱]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے سورہ نجم میں سجدہ کیا اور آپ کے ساتھ مسلمانوں اور تمام مشرکوں اور جنات وانسانوں نے بھی سجدہ کیا۔

۴۸۶۳ ـ حدثنا نصر بن علي: أخبرني أبو أحمد يعني الزبيري: حدثنا اسرائيل، عن أبي اسحاق، عن الأسود بن يزيد، عن عبدالله ﷺ قال: أول سورة أنزلت فيها سجدة والنجم. قال فسجد رسول الله ﷺ وسجد من خلفه الا رجلا رأيته أخذ كفا من تراب فسجد عليه فرأيته بعد ذلك قتل كافرا وهو أمية بن خلف. [راجع: ۱۰۶۷]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے بیان کیا کہ سب سے پہلے جو سجدہ والی سورت نازل ہوئی وہ سورۃ النجم ہے۔ حضرت ابن مسعود ﷺ نے بیان کیا کہ پھر رسول اللہ ﷺ نے آیت سجدہ کی تلاوت پر سجدہ کیا اور جتنے لوگ آپ ﷺ کے پیچھے تھے سب نے سجدہ کیا، سوائے ایک شخص کے میں نے اس کو دیکھا کہ اس نے مٹھی بھر مٹی لی اور اسی پر سجدہ کیا، پھر اسکے بعد بدر کی لڑائی میں میں نے اسے دیکھا کہ کفر کی حالت میں وہ مقتول پڑا ہے اور وہ شخص امیہ بن خلف تھا۔

---

۵ عمدۃ القاری، ج: ۱۹، ص: ۳۱۳

(۵۴) سورة اقتربت الساعة

سورۂ قمر کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

سورت کی وجہ تسمیہ اور معجزۂ شق قمر

یہ سورت مکہ مکرمہ میں اس وقت نازل ہوئی جب آنحضرت ﷺ نے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کا معجزہ دکھلایا، اسی لئے اس کا نام سورۂ قمر ہے۔

سورت کا موضوع دوسری مکی سورتوں کی طرح کفار عرب کو توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دینا ہے اور اسی ضمن میں عاد وثمود، حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوموں اور فرعون کے دردناک انجام کا مختصر لیکن بہت بلیغ انداز میں تذکرہ فرمایا گیا ہے، اور بار بار یہ جملہ دہرایا گیا ہے کہ اللہ جل جلالہ نے نصیحت حاصل کرنے کیلئے قرآن کریم کو بہت آسان بنا دیا ہے تو کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟

قال مجاهد: ﴿مُسْتَمِرٌّ﴾: ذاهب. ﴿مُزْدَجَرٌ﴾: متناهي. ﴿وَازْدُجِرَ﴾: استطير جنونا. ﴿دُسُرٍ﴾: أضلاع السفينة.

﴿لِمَنْ كَانَ كُفِرَ﴾: يقول: كفر له جزاءً من الله. ﴿مُحْتَضَرٌ﴾: يحضرون الماء.

وقال ابن جبير: ﴿مُهْطِعِينَ﴾: النسلان. الخبب: السراع.

وقال غيره: ﴿فَتَعَاطَى﴾: فعاطى بيده فعقرها. ﴿الْمُحْتَظِرِ﴾: كحظار من الشجر محترق. و﴿ازْدُجِرَ﴾: افتعل من زجرت.

﴿كُفِرَ﴾: فعلنا به وبهم ما فعلنا جزاء لما صنع بنوح وأصحابه. ﴿مُسْتَقِرٌّ﴾: عذاب حق. يقال: الأشر: المرح والتجبر.

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "مُسْتَمِرٌّ" کا معنی ہے جانے والا، ختم ہونے والا، باطل ہونے والا۔

"مُزدَجَرٌ" بمعنی "متناهی" یعنی بے انتہا جھڑ کنے والا کہ اسکے بعد ڈانٹنے رجھڑ کنے کا کوئی درجہ نہ ہو، نہایت تنبیہ کرنے والا جس سے اعلیٰ درجہ کی دانشمندی حاصل ہوسکتی ہو بشرطیکہ غور وفکر کرے۔

"وَازْدُجِرَ" یعنی اس کا جنون دراز ہوگیا ہے۔

"دُسُرٌ" کے معنی ہیں کشتی کی میخیں، یا تختے یا رسیاں یعنی اطراف کشتی۔

﴿لِمَن كَانَ كُفِرَ﴾ کا مطلب ہے کہ یہ عذاب اللہ کی طرف سے بدلہ تھا اس شخص کا، جس کا انکار اور ناقدری کی گئی تھی یعنی حضرت نوح ؑ۔

"مُحْتَضَرٌ" باری والے سب پانی پر حاضر ہوتے ہیں۔

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ "مُهْطِعِينَ" کے معنی ہیں "النسلان" اور اس کی تفسیر ہے "الخبب السراع" یعنی جو جلدی میں ہو، اور یہاں سر جھکائے تیزی سے دوڑنے والے۔

"فَتَعَاطَى" کے معنی ہیں اس اونٹنی کو اپنے ہاتھ سے پکڑ لیا اور مار ڈالا۔

"الْمُحْتَظِرِ" کے معنی ہیں درختوں رلکڑیوں کی ٹوٹی جلی ہوئی باڑھ۔

"ازْدُجِرَ" دراصل "زجرت" باب افتعال سے ہے، تاء افتعال کو دال سے بدل کیا۔

"كُفِرَ" اسکی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ حضرت نوح ؑ کی مدد، انکی دعا کا قبول کرنا اور قوم کو غرق کرنا یہ بدلہ تھا اس کا جو حضرت نوح ؑ اور انکے ایماندار اصحاب کے ساتھ قوم کی طرف سے کیا گیا۔

"مُسْتَقِرٌّ" کے معنی ہیں عذاب حق جو جہنم تک ان کے ساتھ ٹھہرے گا۔

کہتے ہیں کہ "الأشر" کے معنی ہیں اترانا اور غرور کرنا۔

(۱) باب: ﴿وَانشَقَّ الْقَمَرُ وَإِن يَرَوْا آيَةً يُعْرِضُوا﴾ [۱-۲]

باب: "اور چاند پھٹ گیا ہے۔ اور ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں، تو منہ موڑ لیتے ہیں۔"

معجزہ شق القمر

ہجرت سے پیشتر نبی کریم ﷺ منیٰ میں تشریف فرما تھے کفار کا مجمع تھا، انہوں نے آپ سے کوئی نشانی طلب کی۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ آسمان کی طرف دیکھو! ناگاہ چاند پھٹ کر دو ٹکڑے ہوگیا، ایک ٹکڑا ان

میں سے مغرب کی طرف اور دوسرا مشرق کی طرف چلا گیا، بیچ میں پہاڑ حائل تھا، جب سب نے خوب اچھی طرح یہ معجزہ دیکھ لیا، دونوں ٹکڑے آپس میں مل گئے تو کفار کہنے لگے کہ محمد نے چاند پر یا ہم پر جادو کر دیا ہے، اس معجزہ کو ''شق القمر'' کہتے ہیں۔

اور یہ ایک نمونہ اور نشانی تھی قیامت کی کہ آگے سب کچھ یوں ہی پھٹے گا، طحاویؒ اور ابن کثیرؒ وغیرہ نے اس واقعہ کا تواتر سے دعویٰ کیا ہے، اور کسی دلیل عقلی سے آج تک اس طرح کے واقعات کا محال ہونا ثابت نہیں کیا جاسکا، اور محض استبعاد کی بناء پر ایسی قطعی الثبوت چیزوں کو رد نہیں کیا جاسکتا، بلکہ استبعاد تو اعجاز کیلئے لازم ہے۔ روزمرہ کے معمولی واقعات کو ''معجزہ'' کون کہے گا!!!؟

باقی یہ کہنا کہ ''شق القمر'' اگر واقع ہوا ہوتا تو تاریخوں میں اس کا وجود کیوں نہیں، تو یاد رہے کہ یہ قصہ رات کا ہے بعض ملکوں میں تو اختلاف مطالع کی وجہ سے اس وقت دن ہوگا اور بعض جگہ آدھی رات ہوگی، لوگ عموماً سوتے ہوں گے، اور جہاں بیدار ہوں گے اور کھلے آسمان کے نیچے بیٹھے ہوں گے تو عادۃً یہ ضروری نہیں کہ سب آسمان کی طرف تک رہے ہوں، زمین پر جو چاندنی پھیلی ہوگی، بشرطیکہ مطلع صاف ہو، اس میں دو ٹکڑے ہوجانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اور پھر تھوڑی دیر کا قصہ تھا، ہم دیکھتے ہیں کہ بارہا چاند گرہن ہوتا ہے اور خاصہ ممتد رہتا ہے، لیکن انسانوں کو خبر بھی نہیں ہوتی، اور اُس زمانہ میں آج کل کی طرح رصد وغیرہ کے اتنے وسیع و مکمل انتظامات اور تقاویم جنتریوں کی اس قدر اشاعت بھی نہ تھی۔

بہرحال تاریخوں میں مذکور نہ ہونے سے اس کی تکذیب نہیں ہوسکتی، بایں ہمہ ''تاریخ فرشتہ'' وغیرہ میں اس کا ذکر موجود ہے، ہندوستان میں مہاراجہ ''مالیبار'' کے اسلام لانے سبب اسی واقعہ کو لکھتے ہیں۔ [1]

اسی طرح علامہ آلوسی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں کہ میں نے تاریخ میں پڑھا ہے کہ جب سلطان محمود غزنویؒ ہندوستان پر حملے کر رہے تھے، انہوں نے بعض عمارتوں پر یہ تختی لکھی ہوئی دیکھی کہ اس عمارت کی تکمیل اس رات ہوئی جس رات چاند دو ٹکڑے ہوگیا تھا۔ [2]

معجزہ شق قمر سے متعلق روایات حدیث یہ ہیں، ملاحظہ فرمائیں:

---

[1] تفسیر عثمانی، سورۂ قمر، آیت:۱، فائدہ:۱۲، ومعارف القرآن، ج:۸، ص:۲۲۷، ملاحظہ فرمائیں: تاریخ فرشتہ

[2] ولقد رأيت في - تاريخ اليميني - أن السلطان محمود بن سبكتكين الغزنوي رأى في بعض غزواته بلاد الهند الوثنية لوحا من الصخر على بعض قصور بلدهم منقوشا فيه أنه تم بناؤه ليلة انشقاق القمر وفي ذلك عبرة لمن اعتبر. مادل عليه القرآن، ج: ۱، ص: ۱۳۲

۴۸۶۴ ـ حدثنا مسدد: حدثنا يحيى، عن شعبة وسفيان، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن أبي معمر، عن ابن مسعود قال: انشق القمر على عهد رسول الله ﷺ فرقتين: فرقة فوق الجبل، وفرقة دونه. فقال رسول الله ﷺ: ((اشهدوا)). [راجع: ۳۶۳۶]

ترجمہ: حضرت ابن مسعود ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے: ایک ٹکڑا پہاڑ کے اوپر تھا اور ایک ٹکڑا اسی پہاڑ کے پیچھے چلا گیا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا گواہ رہو میری نبوت پر۔

۴۸۶۵ ـ حدثنا علي بن عبدالله: حدثنا سفيان: أخبرنا ابن أبي نجيح، عن مجاهد، عن أبي معمر، عن عبدالله قال: انشق القمر ونحن مع النبي ﷺ فصار فرقتين، فقال لنا: ((اشهدوا، اشهدوا)). [راجع: ۳۶۳۶]

ترجمہ: ابو معمر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے بیان کیا کہ چاند پھٹ گیا تھا اور اس وقت ہم بھی نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے، اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ تو آنحضرت ﷺ نے ہم سے فرمایا کہ لوگو گواہ رہنا۔ گواہ رہنا۔

۴۸۶۶ ـ حدثنا يحيى بن بكير: حدثني بكر: عن جعفر، عن عراك بن مالك، عن عبيدالله بن عبدالله بن عتبة بن مسعود، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: انشق القمر في زمان النبي ﷺ. [راجع: ۳۶۳۸]

ترجمہ: عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں چاند پھٹ گیا تھا۔

۴۸۶۷ ـ حدثنا عبدالله بن محمد: حدثنا يونس بن محمد: حدثنا شيبان، عن قتادة، عن أنس ﷺ قال: سأل أهل مكة أن يريهم آية فأراهم انشقاق القمر. [راجع: ۳۶۳۸]

ترجمہ: حضرت انس ﷺ نے بیان کیا کہ مکہ والوں نے سے معجزہ دکھانے کو کہا تو آنحضرت ﷺ نے انہیں چاند کے پھٹ جانے کا معجزہ دکھایا۔

۴۸۶۸ ـ حدثنا مسدد: حدثنا يحيى، عن شعبة، عن قتادة، عن أنس ﷺ قال: انشق القمر فرقتين. [راجع: ۳۶۳۸]

ترجمہ: حضرت قتادہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت انس ﷺ نے بیان کیا کہ چاند دو ٹکڑوں میں پھٹ گیا تھا۔

(۲) باب: ﴿تَجْرِی بِأَعْيُنِنَا جَزَاءً لِمَنْ كَانَ كُفِرَ﴾ [۱۴]

باب: ''جو ہماری نگرانی میں رواں دواں تھی، تاکہ اُس (پیغمبر) کا بدلہ لیا جائے جس کی ناقدری کی گئی تھی۔''

قال قتادة: أبقى الله سفينة نوح حتى أدركها أوائل هذه الأمة.

ترجمہ: حضرت قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے حضرت نوح ؑ کی کشتی کو باقی رکھا، یہاں تک کہ اس امت کے پہلے لوگوں نے اس کو پایا ہے۔

۴۸۶۹ ـ حدثنا حفص بن عمر: حدثنا شعبة، عن أبي اسحاق، عن الأسود، عن عبدالله قال: كان النبي ﷺ يقرأ ﴿فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ﴾. [راجع: ۳۳۴۱]

ترجمہ: اسود رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ (ابن عباس رضی اللہ عنہما) نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ ﴿فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ﴾ پڑھا کرتے تھے۔

باب: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ﴾ [۱۷]

باب: ''اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کیلئے آسان بنا دیا ہے۔ اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟''

"للذكر" کے معنی

اس آیت میں "للذكر" کے معنی یاد کرنے اور حفظ کرنے کے بھی آتے ہیں اور کسی کلام سے نصیحت وعبرت حاصل کرنے کے بھی۔

یہ دونوں معنی یہاں مراد ہو سکتے ہیں:

ایک یہ کہ حق تعالیٰ نے قرآن کریم کو حفظ کرنے کیلئے آسان کر دیا، یہ بات اس سے پہلے کسی کتاب کو حاصل نہیں ہوئی کہ پوری کتاب تورات یا انجیل یا زبور لوگوں کو برزبان یاد ہو، اور یہ حق تعالیٰ ہی کی تیسیر اور آسانی کا اثر ہے کہ مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے بچے پورے، قرآن کو ایسا حفظ کر لیتے ہیں کہ ایک زیر، زبر کا فرق نہیں آتا، چودہ سو

برس سے ہر زمانہ، ہر طبقے، ہر خطے میں ہزاروں لاکھوں حافظوں کے سینوں میں یہ اللہ کی کتاب محفوظ ہے۔

دوسرا یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ قرآن کریم نے اپنے مضامین عبرت ونصیحت کو ایسا آسان کر کے بیان کیا ہے کہ جس طرح سے بڑا عالم و ماہر فلسفی اور حکیم اس سے فائدہ اٹھاتا ہے، اسی طرح ہر عامی جاہل جس کو علوم سے کوئی مناسبت نہیں ہو وہ بھی عبرت ونصیحت کے مضامین قرآنی کو سمجھ کر اس سے متاثر ہوتا ہے۔

قرآن مجید کو آسان کرنے کی تفصیل

اس آیت میں "یسرنا" کے ساتھ "للذکر" کی قید لگا کر یہ بھی بتلا دیا گیا ہے کہ قرآن کو حفظ کرنے اور اس کے مضامین سے عبرت ونصیحت حاصل کرنے کی حد تک اس کو آسان کر دیا گیا ہے، جس سے ہر عالم و جاہل، چھوٹا اور بڑا یکساں فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن کریم سے مسائل اور احکام کا استنباط بھی ایسا ہی آسان ہو، وہ اپنی جگہ ایک مستقل اور مشکل فن ہے، جس میں عمریں صرف کرنے والے علماء، راسخین کو ہی حصہ ملتا ہے، ہر ایک کا وہ میدان نہیں۔

اس سے ان لوگوں کی غلطی واضح ہوگئی جو قرآن کریم کے اس جملے کا سہارا لے کر قرآن کی مکمل تعلیم، اس کے اصول وقواعد سے حاصل کئے بغیر مجتہد بننا اور اپنی رائے سے احکام ومسائل کا استخراج کرنا چاہتے ہیں وہ کھلی گمراہی کا راستہ ہے۔ [۳]

قال مجاهد: يسرنا: هونا قراء ته.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "یسرنا" کا معنی ہے ہم نے اسکی قرأت کو آسان کر دیا۔

۴۸۷۰ ـ حدثنا مسدد، عن يحيى، عن شعبة، عن أبي إسحاق، عن الأسود، عن عبد الله ﷺ عن النبي ﷺ أنه كان يقرأ ﴿فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ﴾. [راجع: ۳۳۴۱]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ ﴿فَهَلْ مِنْ مُدَّكِرٍ﴾ پڑھا کرتے تھے۔

حدیث کی تشریح

یعنی یہ لوگوں کو شبہ تھا کہ یہ "معذکر" ہے یا "مذکر" ہے یا "مدکر" ہے؟

---

[۳] تفسير القرطبي، ج: ۱۷، ص: ۱۳۴، روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، ج: ۱۴، ص: ۸۳، عمدة القاري، ج: ۱۹، ص: ۲۲۱، ومعارف القرآن، ج: ۸، ص: ۲۳۰

اس واسطے پوچھا تو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ﴿فَهَلْ مِنْ مُّذَّكِرٍ﴾ ہے یعنی پہلے انہوں نے ذال سے پڑھا یعنی "فَهَلْ مِنْ مُّذْكِرٍ" تو آپ نے ان کی تصحیح فرمائی کہ دال کے ساتھ ہے یعنی "مُّدَّكِرٍ"۔

﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ یعنی نصیحت حاصل کرنا بالکل آسان ہے، کیونکہ جو مضامین ترغیب وترہیب اور انداز وتبشیر سے متعلق ہیں وہ بالکل صاف، سہل اور مؤثر ہیں، ہاں اگر کوئی سوچنے، سمجھنے کا ارادہ کرے تو سمجھے۔ ؏

باب: ﴿اعجَازُ نَخْلٍ مُّنقَعِرٍ فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ﴾ الآية [۲۰-۲۱]

باب: "وہ کھجور کے اُکھڑے ہوئے درخت کے تنے ہوں۔ اب سوچو کہ میرا عذاب اور میری تنبیہات کیسی تھیں؟"

۴۸۷۱ — حدثنا أبو نعيم: حدثنا زهير، عن أبي إسحاق أنه سمع رجلاً سأل الأسود: فهل من مذكر أو مدكر؟ فقال: سمعت عبدالله يقرؤها ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ قال: وسمعت النبي ﷺ يقرؤها ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ دالاً. [راجع: ۳۳۴۱]

ترجمہ: ابواسحاق بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک شخص کو اسود رحمہ اللہ سے پوچھتے سنا کہ آیت "**فهل من مذكر**" ہے یا "**مدكر**" ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سنا کہ وہ ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ پڑھتے تھے۔ اور انہوں نے کہا کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو بھی ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ پڑھتے سنا ہے یعنی دال سے۔

(۳) بابٌ: ﴿فَكَانُوا كَهَشِيمِ الْمُحْتَظِرِ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ

؏ تنبیہ: آیت کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن محض ایک سطحی کتاب ہے، جس کے اندر کوئی دقائق وغوامض نہیں، اس علیم وخبیر کے کلام کی نسبت ایسا گمان کیونکر کیا جا سکتا ہے، کیا یہ فرض کر لیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ بندوں سے کلام کرتا ہے تو معاذ اللہ اپنے غیر متناہی علوم سے کورا ہو جاتا ہے؟

یقیناً اس کے کلام میں وہ گہری حقائق اور باریکیاں ہوں گی جن کا کسی دوسرے کلام میں تلاش کرنا بیکار ہے، اسی لئے حدیث میں آیا ہے، "**لاتنقضی عجائبه**" قرآن کے عجائب واسرار کبھی ختم ہونے والے نہیں، علمائے امت اور حکمائے ملت نے اس کتاب کے دقائق واسرار کا پتہ لگانے اور ہزار ہا احکام مستنبط کرنے میں عمریں صرف کر دیں، تب بھی اس کی آخری تہ تک نہیں پہنچ سکے۔ تفسیر عثمانی، سورہ قمر، آیت: ۱۷، فائدہ: ۱۵۔

مُّدَّكِرٍ﴾ الآية [۳۱-۳۲]

باب: ''جیسے کانٹوں کی روندی ہوئی باڑھ ہوتی ہے۔اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنادیا ہے۔اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟''۔

۴۸۷۲ ـ حدثنا عبدان: أخبرنا أبي، عن شعبة، عن أبي إسحاق، عن الأسود، عن عبد الله، عن النبي ﷺ قرأ ﴿فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ الآية. [راجع: ۳۳۴۱]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ﴿فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ پڑھتے تھے۔

(۴) باب: ﴿وَلَقَدْ صَبَّحَهُم بُكْرَةً عَذَابٌ مُّسْتَقِرٌّ فَذُوقُوا عَذَابِي وَنُذُرِ﴾ الآية [۳۸-۳۹]

باب: ''اور حقیقت یہ ہے کہ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان بنادیا ہے۔اب کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے؟''۔

۴۸۷۳ ـ حدثنا محمد: حدثنا غندر: حدثنا شعبة، عن أبي إسحاق، عن الأسود، عن عبد الله، عن النبي ﷺ أنه قرأ ﴿فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ الآية. [راجع: ۳۳۴۱]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ﴿فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ پڑھتے تھے۔

﴿وَلَقَدْ أَهْلَكْنَا أَشْيَاعَكُمْ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ﴾ [۵۱]

ترجمہ: اور ہم تمہارے ہم مشرب لوگوں کو پہلے ہی ہلاک کرچکے ہیں۔اب بتاؤ، ہے کوئی جو نصیحت حاصل کرے؟

گذشتہ اقوام پر عذابِ الٰہی کا بیان

سورۂ قمر کو قربِ قیامت کے ذکر سے شروع کیا گیا تاکہ کفار و مشرکین جو دنیا کی ہوا و ہوس میں مبتلا اور آخرت سے غافل ہیں وہ ہوش میں آئیں۔ پہلے قیامت کے عذاب کا بیان کیا گیا، اس کے بعد دنیا میں بھی ان کے انجامِ بد کو بتلانے کیلئے پانچ مشہور عالم اقوام کے حالات انبیاء علیہم السلام کی مخالفت پر ان کے انجامِ بد اور

دنیا میں بھی طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا ہونا بیان کیا گیا ہے۔

سب سے پہلے قومِ نوح کا ذکر کیا گیا ہے، کیونکہ یہی سب سے پہلی دنیا کی قوم ہے جو عذابِ الٰہی میں پکڑی گئی، یہ قصہ اس سورت کی سابقہ آیات میں گزر چکا ہے، اب اس آیت میں چار اقوام کا ذکر ہے، عاد، ثمود، قومِ لوط اور قومِ فرعون، ان کے واقعات اور مفصل قصے قرآن کریم کے متعدد مقامات میں بیان ہوئے ہیں، یہاں ان کا اجمالی ذکر ہے۔

یہ پانچوں اقوام دنیا کی قوی ترین اور قابو یافتہ قومیں تھیں، جن کو کسی طاقت سے رام کرنا کسی کیلئے آسان نہ تھا، آیات مذکورہ میں اُن پر اللہ کا عذاب آنا دکھلایا گیا، اور ہر ایک قوم کے انجام پر قرآن کریم نے ایک جملہ ارشاد فرمایا ﴿فَكَيْفَ كَانَ عَذَابِي وَنُذُرِ﴾ یعنی اتنی بڑی قوی اور بھاری تعداد والی قوم پر جب اللہ کا عذاب آیا تو دیکھو کہ وہ کس طرح اس عذاب کے سامنے مکھیوں، مچھروں کی طرح مارے گئے۔

اور اسکے ساتھ ہی مؤمنین و کفار کی عام نصیحت کیلئے اس جملے کو بار بار دُھرایا گیا، ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ یعنی اللہ کے اس عذاب عظیم سے بچنے کا راستہ قرآن ہے، اور قرآن کو نصیحت و عبرت حاصل کرنے کی حد تک ہم نے بہت آسان کر دیا ہے، بڑا بدنصیب اور محروم ہے جو اس سے فائدہ نہ اُٹھائے۔

آگے آنے والی آیات میں زمانہ نبوت کے موجودین کو خطاب کر کے یہ بتلایا گیا ہے کہ اس زمانے میں منکرین و کفار دولت و ثروت، تعداد، طاقت و قوت میں عاد و ثمود اور قومِ فرعون وغیرہ سے کچھ زیادہ نہیں ہیں، پھر یہ کیسے بے فکر بیٹھے ہیں۔

یہ پیشین گوئی اُس وقت کی جارہی تھی جب مسلمان کافروں کے مقابلے میں بہت کمزور تھے، اور خود اپنا بچاؤ بھی نہیں کر پاتے تھے لیکن دنیا نے دیکھا کہ یہ خدائی پیشین گوئی جنگِ بدر میں حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ مکہ مکرمہ میں کافروں کے سارے بڑے بڑے سردار مارے گئے، ستر افراد گرفتار ہوئے اور باقی بھاگ گئے۔ [۵]

۴۸۷۴ ـ حدثنا يحيى: حدثنا وكيع، عن إسرائيل، عن أبي إسحاق، عن الأسود ابن يزيد، عن عبدالله قال: قرأت على النبي ﷺ ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ فقال النبي ﷺ: ((﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾)). [راجع: ۳۳۴۱]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے سامنے ﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾ پڑھا تو نبی کریم نے فرمایا کہ یہ ((﴿فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ﴾)) ہے۔

---

[۵] عمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۳۲۲

(۵) باب قوله: ﴿سَيُهْزَمُ الجَمْعُ﴾ الآية [۴۵]

اس ارشاد کا بیان: "اس جمعیت کو عن قریب شکست دیں گے۔"

۴۸۷۵ ـ حدثنا محمد بن حوشب: حدثنا عبدالوهاب حدثنا خالد، عن عكرمة، عن ابن عباس. وحدثني محمد: حدثنا عفان بن مسلم، عن وهيب: حدثنا خالد، عن عكرمة، عن ابن عباس رضي الله عنهما: أنّ رسول الله ﷺ قال وهو في قبة يوم بدر: ((اللّهم إني أنشدك عهدك ووعدك، اللّهم إن تشأ لا تعبد بعد اليوم)). فأخذ أبوبكر بيده فقال: حسبك يا رسول الله، ألححت على ربك، وهو يثب في الدرع، فخرج وهو يقول: ((﴿سَيُهْزَمُ الجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ﴾)). [راجع: ۲۹۱۵]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر کے موقع پر جب ایک خیمہ میں تشریف فرما تھے یہ دعا کر رہے تھے اے اللہ! میں آپ کے عہد اور وعدہ کا طلبگار رہوں جو تو نے اپنے نبی کی مدد اور کفار پر غلبہ کے متعلق کیا ہے، اے اللہ! تیری مرضی اگر تو چاہے تو ان تھوڑے سے مسلمانوں کو بھی ہلاک کر دے پھر آج کے بعد تیری عبادت باقی نہیں رہے گی۔ اس پر حضرت ابوبکر ﷺ نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور عرض کیا بس کافی ہے اے اللہ کے رسول! آپ نے اپنے رب سے بہت ہی الحاح وزاری سے دعا کر لی ہے۔ اور اس وقت آپ ﷺ زرہ پہنے ہوئے تھے اور پھر یہ آیت پڑھتے ہوئے خیمہ سے نکلے ﴿سَيُهْزَمُ الجَمْعُ وَيُوَلُّونَ الدُّبُرَ﴾۔

(۶) باب قوله: ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَى وَأَمَرُّ﴾ [۴۶]

اس ارشاد کا بیان: "یہی نہیں، بلکہ ان کے اصل وعدے کا وقت تو قیامت ہے، اور قیامت اور زیادہ مصیبت اور کہیں زیادہ کڑوی ہوگی۔"

يعني من المرارة.

ترجمہ: "أمرّ" یہ مشتق ہے "المرارة" سے جس کے معنی تلخی کے ہیں۔

۴۸۷۶ ـ حدثنا إبراهيم بن موسى: حدثنا هشام بن يوسف أن ابن جريج أخبرهم

قال: أخبرني يوسف بن ماهک قال: إني عند عائشة أم المؤمنين قالت: لقد أُنزل على محمد ﷺ بمكة وإنّي لجارية ألعب ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَى وَأَمَرُّ﴾. [انظر: ۴۹۹۳] ؎

ترجمہ: یوسف بن ماہک نے بیان کیا کہ میں ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر تھا۔ آپ نے فرمایا کہ جس وقت یہ آیت ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَى وَأَمَرُّ﴾ حضرت محمد ﷺ پر مکہ میں نازل ہوئی تو میں بچی تھی اور کھیلا کرتی تھی۔

۴۸۷۷ ـ حدثني إسحاق: حدثنا خالد، عن خالد، عن عكرمة، عن ابن عباس: أن النبي ﷺ قال وهو في قبة له يوم بدر: ((أنشدک عهدک ووعدک، اللّٰهم إن شئت لم تعبد بعد اليوم أبداً)). فأخذ أبوبكر بيده وقال: حسبک يارسول الله، فقد ألححت على ربک، وهو في الدرع. فخرج وهو يقول: ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ، بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَى وَأَمَرُّ﴾. [راجع: ۲۹۱۵]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ بدر کے موقع پر جب ایک خیمہ میں تشریف فرما تھے یہ دعا کر رہے تھے اے اللہ! میں آپ کے عہد اور وعدہ کا طلبگار ہوں جو تو نے اپنے نبی کی مدد اور کفار پر غلبہ کے متعلق کیا ہے، اے اللہ! تیری مرضی اگر تو چاہے تو ان تھوڑے سے مسلمانوں کو بھی ہلاک کردے پھر آج کے بعد تیری عبادت باقی نہیں رہے گی۔ اس پر حضرت ابوبکر ؓ نے آپ کا ہاتھ پکڑ لیا اور عرض کیا بس کافی ہے اے اللہ کے رسول! آپ نے اپنے رب سے بہت ہی الحاح وزاری سے دعا کرلی ہے، اور اس وقت آپ ﷺ زرہ پہنے ہوئے تھے اور پھر یہ آیت پڑھتے ہوئے خیمہ سے نکلے ﴿سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ، بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَى وَأَمَرُّ﴾۔

؎ وفي صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب تحريم بيع الخمر، رقم: ۵۸۰، وسنن أبي داؤد، كتاب البيوع، باب في ثمن الخمر والميتة، رقم: ۳۴۹۰، وسنن النسائي، كتاب البيوع، بيع الخمر، رقم: ۴۶۶۵، وسنن ابن ماجه، كتاب الأشربة، باب التجارة في الخمر، رقم: ۳۳۸۲، ومسند أحمد، الملحق المستدرک من مسند الأنصار بقية خامس عشر الأنصار، مسند الصديقة عائشة بنت الصديق رضي الله عنها، رقم: ۲۴۱۹۳، ۲۴۶۹۲، ۲۴۹۶۰، ۲۵۵۳۴، ۲۵۵۷۶، ۲۶۳۷۵، وسنن الدارمي، ومن كتاب البيوع، باب في النهي عن بيع الخمر، رقم: ۲۶۱۱، ۲۶۱۲

(۵۵) سورة الرّحمٰن

سورۂ رحمٰن کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رحمٰن کی مادی نعمتوں کا ذکر

یہ سورت وہ واحد سورت ہے جس میں بیک وقت انسانوں اور جنات دونوں کو صراحت کے ساتھ مخاطب فرمایا گیا ہے۔ دونوں کو اللہ ﷻ کی وہ بیشمار نعمتیں یاد دلائی گئیں ہیں جو اس کائنات میں پھیلی پڑی ہیں، اور بار بار یہ فقرہ دہرایا گیا ہے کہ:

﴿فَبِأَيِّ آلَاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾

ترجمہ: اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟

اپنے اسلوب وفصاحت وبلاغت کے اعتبار سے بھی یہ ایک منفرد سورت ہے، جس کی تاثیر کو کسی اور زبان میں ترجمہ کر کے منتقل نہیں کیا جا سکتا۔

اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی، عام طور سے قرآن کریم کے نسخوں میں اس کو مدنی قرار دیا گیا ہے، لیکن علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے کئی روایتوں کی بناء پر یہ رجحان ظاہر کیا ہے کہ یہ مکی سورت ہے۔ واللہ اعلم۔ [۱]

وقال مجاهد: ﴿بِحُسْبَانٍ﴾ كحسبان الرحى. وقال غيره: ﴿وَأَقِيمُوا الْوَزْنَ﴾، يريد لسان الميزان. و﴿الْعَصْفِ﴾: بقل الزرع إذا قطع منه شيء قبل أن يدرك فذلك العصف.

والرّيحان في كلام العرب الرزق. ﴿وَالرَّيْحَانُ﴾ رزقه. ﴿وَالْحَبُّ﴾: الذي يؤكل منه. وقال بعضهم: و﴿الْعَصْفِ﴾ يريد المأكول من الحب. ﴿الرَّيْحَانُ﴾: النضيج الذي لم يؤكل. وقال غيره: ﴿الْعَصْفِ﴾ ورق الحنطة.

---

[۱] تفسیر القرطبی، ج: ۱۷، ص: ۱۵۱، و عمدة القاری، ج ۱۹، ص: ۳۲۵

وقال الضحاک: ﴿العَصْفِ﴾: التبن. وقال أبومالک: ﴿العَصْفِ﴾: أول ما ينبت، تسميه النبط هبورا. وقال مجاهد: ﴿العَصْفِ﴾: ورق الحنطة، ﴿والرَّيحانُ﴾: الرزق.

والمارِجُ: اللهب الأصفر والأخضر الذى يعلو النار إذا أوقدت. وقال بعضهم عن مجاهد: ﴿رَبُّ المَشْرِقَينِ﴾: للشمس فى الشتاء مشرق، ومشرق فى الصيف. ﴿وَرَبُّ المَغْرِبَينِ﴾: مغربها فى الشتاء والصيف.

﴿لايَبْغِيانِ﴾: لايختلطان. ﴿المُنْشآتُ﴾: ما رفع قلعه من السّفن، فأمّا ما لم يرفع قلعه فليس بمنشآت. وقال مجاهدٌ: كالفخّارِ كما يصنع الفخار. ﴿ونُحاسٌ﴾: النحاس الصفر يصب على رؤسهم، يعذبون به.

﴿خافَ مَقامَ رَبِّهِ﴾: يهم بالمعصية فيذكر الله عز وجل فيتركها. ﴿الشُّوَاظُ﴾ لهب من نار. وقال مجاهد: ﴿مُدهامَّتَانِ﴾: سوداوان من الرّاى.

﴿صَلْصَالٍ﴾: طين خلط برمل فصلصل كما يصلصل الفخار: ويقال: منتن، يريدون به: صلّ، يقال: صلصال، كما يقال: صرّ الباب، عند الإغلاق، وصَرْصَرَ مثل كبكبته، يعنى كببته.

﴿فِيهِمَا فاكِهَةٌ ونَخلٌ وَرُمّانٌ﴾ قال بعضهم: ليس الرُّمّان والنخل بالفاكهة، وأما العرب فإنها تعدهما فاكهة كقوله عز وجل: ﴿حافِظُوا عَلى الصَّلَوَاتِ والصَّلاةِ الوُسْطَى﴾ فأمرهم بالمحافظة على كل الصلوات، ثم أعاد العصر تشديداً لها كما أعيد النخل والرمان، ومثلها ﴿ألَمْ تَرَ أنَّ اللهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فى السَّمٰوَاتِ وَمَنْ فى الأرض﴾ ثم قال: ﴿وكَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ وَكَثِيرٌ حَقَّ عليهِ العَذَابُ﴾ وقد ذكرهم فى أول قوله: ﴿مَنْ فى السَّمٰواتِ وَمَنْ فى الأرضِ﴾.

وقال غيره: ﴿أفْنانٍ﴾: أغصان. ﴿وَجَنى الجَنَّتَينِ دانٍ﴾: ما يجتنى قريب. وقال الحسن: ﴿فَبِأيِّ آلاءِ﴾: نعمه، وقال قتادة: ﴿رَبِّكُمَا تُكَذِّبانِ﴾: يعني الجن والإنس. وقال أبوالدرداء: ﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فى شأنٍ﴾: يغفر ذنباً ويكشف كربا، ويرفع قوما ويضع آخرين.

وقال ابن عباس: ﴿بَرْزَخٌ﴾: حاجز. الأنام: الخلق. ﴿نَضّاخَتانِ﴾: فياضتان. ﴿ذُوالجَلالِ﴾: العظمة. وقال غيره: ﴿مارِجٍ﴾: خالص من النار، يقال: مرج الأمير رعيته إذا خلاهم يعدو بعضهم على بعض. مرج أمر الناس. ﴿مَرِيجٍ﴾: ملتبس. ﴿مَرَجَ﴾: اختلط من مرجت دابتک: تركتها. ﴿سَنَفْرُغُ لَكُمْ﴾: سنحاسبكم، لا يشغله شيء عن

شيء وهو معروف في كلام العرب. يقال: لأتفرغن لك، وما به شغل يقول: لآخذنك على غرتك.

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "**بِحُسبَانٍ**" بمعنی "**كحسبان الرحى**" یعنی سورج اور چاند چکی کی طرح گھوم رہے ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ شمس وقمر کی حرکات جن پر انسانی زندگی کے تمام کاروبار موقوف ہیں رات دن کا اختلاف، موسموں کی تبدیلی، سال اور مہینوں کی تعیین ان کی تمام حرکات اور دوروں کا نظام محکم ایک خاص حساب اور اندازے کے مطابق چل رہا ہے۔

﴿**وَاَقِيمُوا الوَزْنَ**﴾ سے مراد ہے ترازو کی زبان یعنی ڈنڈی ٹھیک رکھو، برابر تولو۔

"**العَصْفِ**" کہتے ہیں کھیت کی اس پیداوار سبزے کو جس کو پکنے سے پہلے کھیت سے کاٹ لیا جائے۔

"**الرَّيحان**" کلام عرب میں رزق ررزوی کو کہتے ہیں۔

بعض لوگوں نے کہا "**العَصْفِ**" سے مراد "**الحَبُّ**" یعنی وہ دانے اناج ہیں جو کھائے جاتے ہیں، جیسے گیہوں، چاول وغیرہ اور "**الرَّيحان**" وہ پکا غلہ جس کو کچا نہیں کھایا جاسکتا۔

اور بعض نے کہا کہ "**العَصْفِ**" گیہوں کے پتوں کو کہتے ہیں۔

حضرت ضحاک رحمہ اللہ نے کہا کہ "**العَصْفِ**" سے مراد "**التبن**" یعنی سوکھی گھاس ربھوسہ ہے۔

حضرت ابو مالک رحمہ اللہ نے کہا کہ "**العَصْفِ**" کھیتی کا وہ سبزہ ہے جو پہلے پہل اگتا ہے کسان لوگ اس کا نام "**هبورا**" رکھتے ہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "**العَصْفِ**" بمعنی "**ورق الحنطة**" یعنی گیہوں کا پتہ ہے۔

"**الرَّيحانُ**" بمعنی "**الرزق**" یعنی روزی۔

"**المارِجُ**" آگ کے زرد اور سبز شعلے جو اس وقت اوپر چڑھتے ہیں جب آگ روشن کی جاتی ہے۔

بعضوں حضرات نے حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے واسطہ سے بیان کیا ہے کہ "**رَبُّ المَشرِقَينِ**" سے مراد یہ ہے کہ سورج کیلئے سردی میں ایک مشرق ہے اور گرمی میں مشرق ایک ہے اور "**وَرَبُّ المَغرِبَينِ**" سے مراد جاڑے اور گرمی میں غروب ہونے کی جگہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ سردی اور گرمی میں سورج کا مطلع بدلتا ہے اس لئے سردی کے زمانے میں مشرق یعنی

سورج نکلنے کی جگہ اور ہوتی ہے اور گرمی کے زمانے میں دوسری، انہیں دونوں جگہوں کو آیت میں مشرقین سے تعبیر فرمایا ہے، اسی طرح اس کے بالمقابل مغربین فرمایا کہ سردی میں غروب آفتاب کی جگہ اور ہوتی ہے اور گرمی میں دوسری۔

"لایَبْغِیانِ" بمعنی **"لایختلطان"** یعنی دونوں ایک دوسرے سے مل نہیں جاتے۔

مطلب یہ ہے کہ شیریں دریا/نہر اور نمکین دریا/بحر جہاں ملکر بہتے ہیں وہاں بھی ایک دوسرے سے خلط ملط نہیں ہوتے، بلکہ ایک طرف میٹھا اور دوسری طرف کھارا پانی ہوتا ہے۔

"المُنْشآتُ" سے مراد وہ کشتیاں ہیں جن کا بادبان اوپر اٹھایا گیا ہو، وہی دور سے پہاڑ کی طرح معلوم ہوتی ہیں، اور جن کشتیوں کا بادبان نہ چڑھایا جائے ان کو **"المُنْشآتُ"** نہیں کہیں گے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ **"کالفخّارِ کما یصنع الفخار"** کے معنی ہیں جیسے ٹھیکرے بنائے جاتے ہیں۔

"ونُحاسٌ" یعنی پیتل جو گلا کر دوزخیوں کے سر پر ڈالا جائے گا، ان کو اس سے عذاب دیا جائے گا۔

﴿خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص گناہ کرنے کا قصد کرے پھر اللہ عزوجل کو یاد کر کے اس گناہ کو چھوڑ دے۔

"الشُّوَاظُ" کے معنی ہیں آگ کا شعلہ جس میں دھواں ہو۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **"مُدْهَامَّتَانِ"** کے معنی ہیں بہت شادابی کی وجہ سے کالے یا سبز ہو رہے ہیں ہوں گے، مطلب یہ ہے کہ ان دونوں باغوں کی سرسبزی وشادابی اتنی گہری ہوگی کہ ان کے سیاہی مائل ہونے کا سبب ہوگی۔

"صَلْصَالٍ" وہ گارا، کیچڑ ہے جس میں ریت ملائی جائے پس وہ ٹھیکرے کی طرح کھنکھنانے لگے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد بدبودار کیچڑ ہے اور **"صَلْصَالٍ"** یہ **"صلّ"** سے ماخوذ ہے جس کا معنی ہے سڑ گیا۔

دونوں کا مفہوم ایک ہے، جیسے دروازہ بند کرتے وقت کہا جاتا ہے **"صرّ الباب"** یعنی دروازے نے آواز دی۔ **"صرّ"** اور **"صرصر"** دونوں کے معنی ہیں آواز کرنا یہ ایسا ہی ہے جیسے **"کبکبته"** اور **"کببته"** دونوں طرح کہتے ہیں اسی طرح **"صل"** اور **"صلصل"** دونوں درست ہیں۔

آیت کریمہ **﴿فِیْهِمَا فَاكِهَةٌ وَنَخْلٌ وَرُمَّانٌ﴾** سے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ کھجور اور انار میوہ یعنی پھلوں میں سے نہیں ہیں، لیکن عرب لوگ ان کو یعنی کھجور اور انار کو میوہ جات میں شمار کرتے ہیں۔

اسکے استدلال کے طور آیت پیش کرتے ہیں کہ اللہ عزوجل کا ارشاد ہے **﴿حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ**

والصَّلاةِ الوُسْطیٰ﴾ اس آیت میں پہلے تمام نمازوں کی حفاظت کا حکم دیا جس میں **"صلوٰۃ وسطی"** بھی داخل اور شامل ہے، پھر **"الصَّلاةِ الوُسْطیٰ"** کو عطف کر کے تاکید کیلئے دوبارہ بیان کیا یعنی اس کا اور زیادہ خیال رکھو۔

تو اسی طرح **"النخل و الرمان"** فاکہہ میں آگئے، مگر **"النخل و الرمان"** کی عمدگی کی وجہ سے دوبارہ ان کا ذکر فرمایا۔

پھر فرماتے ہیں اسی کی مثال ہے اس آیت میں پہلے یہ فرمایا کہ **﴿ألَمْ تَرَ أنَّ اللہَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوَاتِ وَمَنْ فِي الأرْضِ﴾** پھر اسکے بعد فرمایا **﴿وكَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ العَذَابُ﴾** حالانکہ یہ دونوں آیت کے ابتداء میں آگئے تھے، **﴿مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الأرْضِ﴾** لیکن پھر بھی اس کو دوبارہ تاکید کیلئے لائے۔

"أفنَانٍ" سے سیدھی، نرم اور پتلی شاخیں مراد ہیں۔

﴿وَجَنَى الجَنَّتَيْنِ دَانٍ﴾ سے مراد ہے کہ جو پھل توڑے جائیں گے وہ بلا مشقت ہاتھ آجائیں گے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا **﴿فَبِأيِّ آلاءِ﴾** سے نعمتیں مراد ہیں اور حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ **﴿رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾** میں خطاب جن اور انسان کی طرف ہے۔

حضرت ابوالدرداء نے **﴿كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ﴾** کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہر وقت پروردگار عالم کی ایک شان ہوتی ہے، کسی کا گناہ معاف کرتا ہے اور کسی کی تکلیف دور کرتا ہے، کسی قوم کو بڑھاتا ہے اور کسی کو گھٹاتا ہے کسی کو عزت دیتا ہے اور کسی کو ذلت دیتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ **"بَرْزَخٌ"** بمعنی **"حاجز"** یعنی آڑ، روک ہے۔

"الأنام" مخلوق کو کہتے ہیں۔

"نَضَّاخَتَانِ" بمعنی **"فیاضتان"** یعنی اہل جنت پر خیر و برکت برسانے والے۔

"ذُو الجَلَالِ" کے معنی ہیں عظمت والا بزرگی والا۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ **"مارج"** کے معنی ہیں خالص آگ جس میں دھواں نہ ہو۔

عرب لوگ کہتے ہیں **"مرج الأمير رعيته إذا خلاهم يعدو بعضهم على بعض"** یعنی حاکم نے اپنی رعیت کو آزاد چھوڑ دیا کہ بعض بعض پر ظلم و زیادتی کرتے ہیں۔

"مرج امر الناس" لوگوں کا معاملہ گڑبڑ ہوگیا۔

"مَرِيجٍ" بمعنی **"ملتبس"** یعنی مل گئے ہیں۔

مَرَجَ بمعنی **"ختلط"** یعنی دونوں خلط ملط ہوگئے اور یہ ماخوذ ہے **"مرجت دابتک: ترکتها"**

سے یعنی تو نے اپنے چوپائے کو چھوڑ دیا۔

مقصد یہ بتانا ہے کہ "**مرج**" کے معنی متعدد آتے ہیں۔

آیت میں ﴿**سَنَفْرُغُ لَكُمْ**﴾ کے معنی ہیں عنقریب ہم تمہارا حساب لیں گے۔

یہاں فراغت اپنے حقیقی معنی میں نہیں ہے، کیونکہ حق تعالیٰ کو کوئی چیز دوسری چیز سے غافل نہیں کرسکتی، یہ محاورہ کلام عرب میں مشہور ومعروف ہے بولتے ہیں "**لاتفرغن لک**" یعنی تیری غفلت پر تجھ کو پکڑوں گا، مطلب یہ ہے کہ جب تو غافل ہوگا تو تجھ کو سزا دوں گا۔

(۱) باب قوله: ﴿وَمِنْ دُوْنِهِمَا جَنَّتَانِ﴾ [۶۲]

اس ارشاد کا بیان: "اوران دو باغوں سے کچھ کم درجے کے دو باغ ہوں گے۔"

۴۸۷۸ ۔ حدثنا عبدالله بن أبي الأسود: حدثنا عبدالعزيز بن عبدالصمد العمي: حدثنا أبو عمران الجوني، عن أبي بكر بن عبدالله بن قيس، عن أبيه: أن رسول الله ﷺ قال: ((جنّتان من فضة آنيتهما وما فيهما، وجنتان من ذهب آنيتهما وما فيهما، وما بين القوم وبين أن ينظروا إلى ربهم إلا رداء الكبر على وجهه، في جنة عدن)). [أنظر: ۴۸۸۰، ۷۴۴۴] ۵

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن قیس ﷛ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دو جنت / باغ چاندی کے ہیں ان دونوں کے برتن اوران میں جو سامان وغیرہ ہے سب چاندی کا ہوگا، اور دو جنت / باغ سونے کے ہیں ان کے برتن اوران میں جو سامان وغیرہ ہے سب سونے کا ہوگا اور (جنت عدن میں) جنتیوں کے اپنے رب کے دیدار میں کوئی چیز بجز کبریائی کی چادر کے جو اس ذات پاک پر ہوگی حائل نہ ہوگی۔

---

۵ وفي صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب اثبات المؤمنين في الآخرة ربهم سبحانه وتعالى، رقم: ۱۸۰، وكتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب في صفة خيام الجنة وماللمؤمنين فيها من الأهلين، رقم: ۲۸۳۸، وسنن الترمذي، أبواب صفة الجنة، باب ماجاء في صفة غرف الجنة، رقم: ۲۵۲۸، وسنن ابن ماجه، افتتاح الكتاب في الايمان وفضائل الصحابة والعلم، باب فيما انكرت الجهمية، رقم: ۱۸۵، ومسند أحمد، أول مسند الكوفيين، حديث أبي موسى الاشعري، رقم: ۱۹۵۷۲، ۱۹۶۸۱، ۱۹۶۸۲، ۱۹۶۸۳، ۱۹۷۳۱، ۱۹۷۶۱، وسنن الدارمي، ومن كتاب الرقاق، باب في جنات الفردوس، رقم: ۲۸۶۴، وباب في خيام الجنة، رقم: ۲۸۷۵

آیت کی تفسیر حدیث کی روشنی میں

روایتِ حدیث سے یہی راجح تفسیر معلوم ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آیت ﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ﴾ کی تفسیر میں فرمایا" **قال: جنّتان من ذهب للمقربين، وجنتان من ورق لاصحاب اليمين** " یعنی دو باغ سونے کے بنے ہوئے ہیں مقربین کے لئے، دو باغ چاندی کے اصحاب یمین کے یعنی عام مؤمنین صالحین کیلئے۔ [۹]

(۲) بابٌ: ﴿حُوْرٌ مَقْصُوْرَاتٌ فِي الْخِيَامِ﴾ [۷۲]

باب: ''وہ حوریں جنہیں خیموں میں حفاظت سے رکھا گیا ہوگا!''۔

وقال ابن عباس: ﴿حُوْرٌ﴾: سود الحدق. وقال مجاهد: ﴿مَقْصُوْرَاتٌ﴾: محبوسات، قصر طرفهن وأنفسهن على أزواجهن. ﴿قَاصِرَاتٌ﴾: لايبغين غير أزواجهن.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا "حُوْرٌ" سیاہ پتلی والی کو کہتے ہیں۔

اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "مَقْصُوْرَاتٌ" بمعنی "محبوسات" یعنی ان کی نگاہ اور ان کی ذات اپنے شوہروں کے لئے مخصوص ومحفوظ ہوں گی اور کسی دوسرے کے تصرف میں آنے والی نہیں ہوں گی۔

"قَاصِرَاتٌ" یعنی اپنے شوہروں کے علاوہ کسی کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھیں گی۔

۴۸۷۹ ۔ حدثنا محمد بن المثنى حدثنا عبدالعزيز بن عبدالصمد: حدثنا أبو عمران الجوني، عن أبي بكر بن عبدالله بن قيس، عن أبيه: أن رسول الله ﷺ قال: ((إنّ في الجنة خيمة من لؤلؤة مجوفة عرضها ستون ميلاً في كل زاوية منها أهل ما يرون الآخرين، يطوف عليهم المؤمنون)). [راجع: ۳۲۴۳]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں کھوکھلے موتی کا ایک خیمہ ہوگا، جس کی چوڑائی ساٹھ میل کی ہوگی، اس کے ہر گوشے میں ان کی (جنتیوں کی) بیویاں رحوران جنت ہوں گی، ایک کنارے والے دوسری کنارے والی کو نہ دیکھ سکے گی، جنتی ان سب کے پاس

---

[۹] الدر المنثور فی تفسیر المأثور، ج:۷، ص: ۷۰۸

جائیں گے (یعنی ہر ایک سے لطف اندوز ہوگا، کیونکہ ایک جنتی کی طاقت دنیا کے چالیس مردوں کے برابر ہوگی)۔

۴۸۸۰ - ((وجنّتان من فضة آنيتهما وما فيهما، وجنّتانِ من كذا آنيتهما وما فيهما. وما بين القوم وبين أن ينظروا الى ربهم الا رداء الكبير على وجه في جنة عدنٍ)).

[راجع: ۴۸۷۸]

ترجمہ: اور دو باغ ہوں گے، جن کے برتن اور دوسری تمام چیزیں چاندی کی ہوں گی، اور ایسے بھی دو باغ ہوں گے جن کے برتن اور تمام چیزیں (سونے) کی ہوں گی۔ جنت عدن والوں کو اللہ کے دیدار میں صرف ایک جلال کی چادر حائل ہوگی جو اس کے مبارک چہرہ پر ہوگی۔

(۵٦) سورة الواقعة

سورۂ واقعہ کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

سورت کی وجہ تسمیہ اور احوال قیامت

یہ سورت مکی دور کی ابتدائی سورتوں میں سے ہے، اور اس میں معجزانہ فصاحت و بلاغت کے ساتھ پہلے تو قیامت کے حالات بیان فرمائے گئے ہیں اور یہ بتایا گیا ہے کہ آخرت میں تمام انسان اپنے انجام کے لحاظ سے تین مختلف گروہوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔

ایک گروہ اللہ ﷻ کے مقرب بندوں کا ہوگا جو ایمان و عمل صالح کے لحاظ سے اعلیٰ ترین مرتبے کے حامل ہیں۔

دوسرا گروہ ان عام مسلمانوں کا ہوگا جنہیں ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔

تیسرا گروہ ان کافروں کا ہوگا جن کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے۔

پھر ان تین گروہوں کو جن حالات سے سابقہ پیش آئیگا، اس کی ایک جھلک بڑے مؤثر انداز میں دکھائی گئی ہے کہ یہ سب کچھ اللہ ﷻ کی عطا ہے، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اسی کا شکر بجالا کر اس کی وحدانیت کا اعتراف کرے، اور توحید پر ایمان لائے، پھر آخر میں قرآن کریم کی حقانیت کا بیان فرماتے ہوئے انسان کو اس کی موت کا وقت یاد دلایا گیا ہے کہ اس وقت وہ کتنا ہی بڑا آدمی سمجھا جاتا ہو، نہ تو خود اپنی موت سے چھٹکارا پا سکتا ہے، نہ اپنی کسی محبوب کو موت سے بچا سکتا ہے، لہٰذا جو پروردگار موت اور زندگی کا مالک ہے، وہی مرنے کے بعد بھی انسان کے انجام کا فیصلہ کرنے کا حق رکھتا ہے اور انسان کا کام یہ ہے کہ اس کی عظمت کے آگے سر بسجود رہو۔

سورت کی پہلی آیت میں واقعہ کا لفظ آیا ہے، جس سے مراد قیامت کا واقعہ ہے اور اسی کے نام پر اس سورت کو **"سورة الواقعة"** کہا جاتا ہے۔

وقال مجاهد: ﴿رُجَّتْ﴾: زلزلت. ﴿بُسَّتْ﴾: فتت، لتت كما يلت السويق. المخضودُ: لاشوك له. ﴿مَنضُودٍ﴾: الموز، والعُرُبُ: المحبّبات إلى أزواجهن. ﴿ثُلَّةٌ﴾: أُمة. ﴿يَحْمُومٍ﴾: دخانٌ أسودُ. ﴿يُصِرُّونَ﴾: يديمون. ﴿الهِيمِ﴾: الإبل الظماء.

﴿لَمُغْرَمُونَ﴾: لملزمون. ﴿فَرَوْحٌ﴾: جنة ورخاء. ﴿وَرَيحانٌ﴾: الرزق. ﴿وَنُنْشِئَكُمْ فِيمَا لَا تَعْلَمُونَ﴾: أى فى أى خلق نشاءُ. وقال غيره: ﴿تَفَكَّهُونَ﴾: تعجبون.

﴿عُرُباً﴾ مثقلة واحدها عروب مثل صبور وصبر، يسمها أهل مكة العربة، وأهل المدينة الغنجة، وأهل العراق الشكلة. وقال فى: ﴿خَافِضَةٌ﴾ لقوم إلى النار، و﴿رَافِعَةٌ﴾ إلى الجنة.

﴿مَوْضُونَةٍ﴾: منسوجة، ومنه وضين النّاقة. والكوب: لا آذان له ولا عروة. والأباريق: ذوات الآذان والعرى. ﴿مَسْكُوبٍ﴾: جار. ﴿وفُرُشٍ مَرْفُوعَةٍ﴾: بعضها فوق بعض. ﴿مُتْرَفِينَ﴾: متمتعين. ﴿مَدِينِين﴾: محاسبين.

﴿مَا تُمْنُونَ﴾: هى النطفة فى أرحام النساء. ﴿لِلْمُقْوِينَ﴾: للمسافرين، والقى: القفر. ﴿بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ﴾: بمحكم القرآن، ويقال: بمسقط النجوم: إذا سقطن، ومواقع وموقع واحد. ﴿مُدهِنونَ﴾: مكذبون، مثل ﴿لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ﴾.

﴿فَسَلامٌ لَكَ﴾: أى مسلّمٌ لك إنك من أصحاب اليمين، وألغيت إن وهو معناها كما تقول: أنت مصدق مسافر عن قليل، إذا كان قد قال: إنى مسافر عن قليل، وقد يكون كالدعاء له كقولك: فسقيا من الرّجال، إن رفعت السلام فهو من الدعاء.

﴿تُورُونَ﴾: تستخرجون، أوريت: أوقدت. ﴿لَغْواً﴾: باطلاً. ﴿تَأْثِيماً﴾: كذبا.

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "رُجَّتْ" بمعنی "زلزلت" یعنی اس کو جنبش دی گئی، ہلایا گیا۔

"بُسَّتْ" بمعنی "فتت، لتت" یعنی چور چور کئے جائیں گے، ریزہ ریزہ کئے جائیں گے، جیسا کہ ستو پانی میں لت پت کر دیا جاتا ہے۔

"المخضود" جس کے کانٹے نہ ہوں یعنی وہ بیری جس کے کانٹے صاف کر دئے گئے ہوں۔

"مَنْضُودٍ" بمعنی "الموز" یعنی کیلا۔

"العُرُبُ" کے معنی ہیں اپنے شوہروں کی محبوبائیں۔

"عُرُوبٌ" کی جمع ہے "عُرُبٌ" اور یہ صیغہ صفت ہے، جس کے معنی اس عورت کے ہیں جو اپنے ناز وانداز کی وجہ سے اپنے شوہر کی محبوبہ ہو، نیز اپنی فراست کی بناء پر اسکی مزاج شناس بھی ہو۔

"ثُلَّةٌ" بمعنی "اُمة" یعنی بڑا گروہ، انبوہ کثیر، فرقہ۔

"یَحْمُوم" کے معنی ہیں سیاہ دھواں۔

"یُصِرُّونَ" بمعنی "یدیمون" یعنی ہمیشہ کرتے تھے، اصرار کرتے تھے۔

"الھِیم" بمعنی "الابل الظماء" یعنی پیاسے اونٹ۔

"لَمُغْرَمُونَ" بمعنی "لملزمون" یعنی الزام دئے گئے، قرضدار ہو گئے۔

"فَرَوْحٌ" کے معنی جنت اور فراخی کے ہیں۔

"وَرَیحَانٌ" کے معنی ہیں رزق، روزی۔

﴿وَنُنشِئَكُمْ فِيمَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ کا مطلب ہے اور ہم جس صورت میں چاہیں تم کو پیدا کر دیں۔

"تَفَكَّهُونَ" بمعنی "تعجبون" یعنی تم تعجب کرتے رہ جاؤ۔

"عُرُبًا" یہ مثقل ہے یعنی اسکے راء پر ضمہ ہے جس کی وجہ سے یہ ثقیل ہے، اس کا واحد "عَرُوْب" ہے، جیسے "صبور" کی جمع "صبر" ہے۔

اسکے معنی محبوبہ بیوی کے ہیں جیسا کہ پیچھے گذرا ہے، مکہ والے ایسی عورتوں کو "عربة" اور مدینہ والے "غَنِجَة" کہتے ہیں اور عراق والے "شَكِلَة" کہتے ہیں۔

بعض حضرات نے "خَافِضَةٌ" کی تفسیر میں کہا ہے کہ وہ قیامت ایک جماعت کو جہنم کی طرف لے جانے والی ہے اور "رَّافِعَةٌ" اور ایک جماعت کو جنت کی طرف لے جانے والی ہے۔

"مَوْضُونَةٍ" کے معنی ہیں "منسوجة" یعنی سونے کے تاروں سے بنے ہوئے، اور اسی سے ہے "وضین النّاقة" یعنی اونٹنی کا تنگ وہ رسی جس سے اونٹنی کے ہودہ کو باندھتے ہیں۔

"الكوب" پانی وغیرہ پینے کا وہ برتن جس میں نہ ٹونٹی ہو نہ دستہ یعنی گلاس، پیالہ۔

"الأباريق" وہ برتن جس کی ٹونٹی بھی ہو اور دستے بھی ہو یعنی لوٹا۔

"مَسْكُوبٍ" بمعنی جاری، بہتا ہوا۔

﴿وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ ایک کے اوپر ایک، جس سے فرش دبیز ہو جائے گا۔

"مُتْرَفِينَ" بمعنی "متمتعين" یعنی مزے سے زندگی کاٹنے والے، خوش حال، آرام پروردہ۔

"مُدْهِنُونَ" بمعنی "محاسبين"

"مَا تُمْنُونَ" کے معنی ہیں وہ نطفہ جو عورتوں کے رحم میں ڈالتے ہو۔

"لِلْمُقْوِينَ" کے معنی ہیں "للمسافرين" یہ ماخوذ ہے "القي" سے جس کے معنی ہیں "القفر" یعنی غیر آباد جگہ ویران جس میں کوئی رہنے والا نہ ہو۔

﴿بِمَوَاقِعِ النُّجُومِ﴾ سے مراد قرآن کی محکم آیتیں ہیں، چونکہ قرآن مجید کا نزول "لجما لجما" ہوا ہے پس اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ یہ قسم نزول قرآن کے اوقات کی قسم ہے۔ دوسری تفسیر ہے کہ "بمسقط النجوم" ستاروں کے گرنے یعنی غروب ہونے کے منازل۔ یہی جمہور مفسرین مراد لیتے ہیں۔

"مواقع" اور "موقع" یہ دونوں مضاف ہونے کی صورت میں واحد کے معنی میں ہیں۔

"مُدهِنونَ" یعنی تم لوگ جھٹلانے والے ہو جیسے آیت میں ہے ﴿لَو تُدهِنُ فَيُدهِنُونَ﴾ یہ لوگ چاہتے ہیں کہ آپ تبلیغ کے احکام میں ڈھیلے ہو جائیں تو یہ بھی ڈھیلے ہو جائیں۔

﴿فَسَلامٌ لَکَ﴾ کی تفسیر کر رہے ہیں کہ اسکے معنی یہ ہیں کہ "ای مسلّمٌ لک إنک من أصحاب الیمین" یہ بات آپ کیلئے تسلیم شدہ ہے کہ آپ اصحاب یمین میں سے ہیں۔ یہ معنی نہیں کہ اصحاب یمین آپ کو سلام کرتے ہیں۔

بعض حضرات نے کہا کہ یہاں پر اگرچہ "انّ" گرادیا گیا ہے، لیکن معنی کے اعتبار سے اب بھی باقی ہے، جیسے کہ کوئی شخص کہے کہ "إنی مسافر عن قلیل" یعنی میں تھوڑی دیر میں سفر کرنے والا ہوں تو اسکے جواب میں آپ کہیں کہ "انت مصدق مسافر عن قلیل" یہاں پر بھی "انّ" محذوف ہے اور یہ عبارت اصل میں اس طرح ہے کہ "انت مصدق، انّک مسافر عن قلیل" تو "انّک" بیچ میں سے حذف کر دیا گیا ہے۔

اور کبھی کبھی لفظ "سلام" دعا کے طور پر بھی استعمال ہوتا کہ جیسے اگر کسی کو کہیں کہ "فسقیا من الرّجال" یہ دعاء کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ البتہ یہ دعاء کیلئے منصوب استعمال ہوتا ہے اور "سلام" جب مرفوع کیلئے ہوتا ہے۔

"تُورُونَ" بمعنی "تستخرجون" یعنی تم نکالتے ہو اور "اوریت" بمعنی "اوقدت" یعنی میں نے سلگایا۔ ان دونوں کا ملا کر یہ معنی ہے کہ تم آگ نکالتے ہو، آگ سُلگاتے ہو۔

"لغواً" کے معنی ہیں باطل، جھوٹ، "تاثیماً" کے معنی ہیں جھوٹ۔

(۱) باب قوله: ﴿وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ﴾ [۳۰]

اس ارشاد کا بیان: "اور دُور تک پھیلے ہوئے سائے ہیں۔"

۴۸۸۱ ۔ حدثنا علي بن عبدالله: حدثنا سفيان، عن أبي الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة ﷺ يبلغ به النبي ﷺ قال: ((إنّ في الجنة شجرة يسير الراكب في ظلها مائة عام

لا یقطعها، واقرؤا إن شئتم ﴿وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ﴾)). [راجع: ٣٢٥٢]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بہشت میں ایک بڑا درخت ہے، گھڑ سوار اس کے سایہ میں سو برس چلتا رہے گا، پھر بھی اس کو طے نہ کر سکے گا، اگر تم چاہو تو پڑھو۔ **﴿وَظِلٍّ مَّمْدُودٍ﴾.**

(۵۷) سورة الحديد

سورۂ حدید کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

سورت کی وجہ تسمیہ اور پس منظر

اس سورت [کی آیت نمبر ۱۰] سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تھی، اس موقع پر چونکہ مسلمانوں کے خلاف کافروں کی دشمنی کی کارروائیاں بڑی حد تک دھیمی پڑ گئی تھیں اور جزیرۂ عرب پر مسلمانوں کا تسلط بڑھ رہا تھا، اس لئے اس سورت میں مسلمانوں کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان صفات سے آراستہ کرنے پر زیادہ توجہ دیں جو انکے دین کو مطلوب ہیں اور اللہ ﷻ سے اپنی کوتاہیوں پر مغفرت مانگیں۔

نیز انہیں ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اللہ ﷻ کے راستے میں اپنا مال خرچ کریں اور آخرت کی بہبود کو دنیا کے مال ودولت پر ترجیح دیں جس کے نتیجے میں انہیں آخرت میں ایسا نور عطا ہوگا جو انہیں جنت تک لے جائے گا، جبکہ منافق لوگ اس نور سے محروم کردیئے جائیں گے۔

• سورت کے آخر میں عیسائیوں کو یاد دلایا گیا ہے کہ جو رہبانیت / ترکِ دنیا انہوں نے اختیار کی تھی، وہ اللہ ﷻ کے حکم سے مطابقت نہیں رکھتی تھی، اللہ ﷻ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ دنیا کو بالکل چھوڑ کر بیٹھ جاؤ، بلکہ یہ تاکید فرمائی تھی کہ اسی دنیا میں رہ کر اللہ ﷻ کے احکام پر عمل کرو اور تمام حقوق اسی کی ہدایت کے مطابق ادا کرو۔

نیز عیسائیوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ اگر وہ اللہ ﷻ کی رضا چاہتے ہیں تو اس کیلئے نبی کریم ﷺ پر ایمان لانا ضروری ہے۔

اس سورت کی آیت نمبر ۲۵ میں لوہے کا ذکر ہے اور لوہے کو عربی میں "حدید" کہتے ہیں، اس لئے سورت کا نام "سورۃ الحدید" ہے۔

قال مجاهد: ﴿جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ﴾: معمرين فيه. ﴿مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾: من الضلالة إلى الهدى. ﴿فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾: جنة وسلاح. ﴿مَوْلَاكُمْ﴾: أولى بكم. ﴿لِئَلَّا يَعْلَمَ أَهْلُ الْكِتَابِ﴾: ليعلم أهل الكتاب. يقال: ﴿الظَّاهِرُ﴾ على كل شيء علما، ﴿وَالْبَاطِنُ﴾ كل شيء علما. ﴿أَنْظِرُونَا﴾: انتظرونا.

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿جَعَلَكُمْ مُسْتَخْلَفِينَ﴾ کے معنی ہیں جس میں تم کو جانشین بنایا ہے، دوسرے لوگوں کے جانے کے بعد تمہیں اس میں آباد کیا ہے۔

﴿مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ کا مطلب ہے گمراہیوں سے ہدایت کی طرف۔

﴿فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ سے مراد ڈھال اور ہتھیار ہیں۔

"مَوْلَاكُمْ" بمعنی "اولیٰ بکم" یعنی دوزخ کی آگ تمہارے لائق ہے، تمہارا ساتھی ہے۔

"لِئَلَّا يَعْلَمَ" کے معنی ہیں "لیعلم" تا کہ اہل کتاب کو یہ معلوم ہو جائے یعنی اس میں "لا" زائدہ ہے۔

"الظَّاهِرُ" کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز پر اس کا ظہور علم کے اعتبار سے ہے اور "الْبَاطِنُ" کا مطلب ہے ہر چیز پر مخفی ہے علم کے اعتبار سے یعنی چھپا ہے اپنی ذات اور کنہ کے اعتبار سے کہ کسی کی عقل وخیال کی رسائی نہیں ہو سکتی۔

"أَنْظِرُونَا" بمعنی "انتظرونا" یعنی ہمارا انتظار کرلو۔

(۵۸) سورة المجادلة

سورۂ مجادلہ کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وجہ تسمیہ اور آیات احکام

اس سورت میں بنیادی طور پر چار اہم موضوعات کا بیان ہے:

پہلا موضوع: ظہار ہے۔ اہل عرب میں یہ طریقہ تھا کہ کوئی شوہر اپنی بیوی سے یہ کہہ دیتا تھا کہ **"انتِ علی کظهر امی"** یعنی تم میرے لئے میری ماں کی پشت کی طرح ہو، جاہلیت کے زمانہ میں اسکے بارے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ ایسا کہنے سے بیوی ہمیشہ کیلئے حرام ہوجاتی ہے، سورت کے ابتداء میں اسی کے احکام کا بیان ہے۔

دوسرا موضوع: بعض یہودی اور منافقین آپس میں اس طرح سرگوشیاں کرتے تھے جس سے مسلمانوں کو یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ وہ ان کے خلاف کوئی سازش کررہے ہیں۔ نیز بعض صحابہ کرام ﷺ حضور اقدس ﷺ سے تنہائی میں کوئی مشورہ یا کوئی اور بات کرنا چاہتے تھے، اس سورت میں خفیہ باتوں کے احکام بیان فرمائے گئے ہیں۔

تیسرا موضوع: ان آداب کا بیان ہے جو مسلمانوں کو اپنی اجتماعی مجالس میں ملحوظ رکھنے چاہئیں۔

چوتھا اور آخری موضوع: ان منافقوں کا تذکرہ ہے وظاہر میں تو ایمان کا اور مسلمانوں سے دوستی کا دعویٰ کرتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ ایمان نہیں لائے تھے اور درپردہ مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد کرتے رہتے تھے۔

سورت کا نام **"مجادلة"** یعنی بحث کرنا اس کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے، جس میں ایک خاتون کے بحث کرنے کا تذکرہ فرمایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے پاس ایک عورت خولہ بنت ثعلبہ رضی اللہ عنہا آئیں، ان کے شوہر نے ان کے ساتھ ظہار کیا تھا انہوں نے سب ماجرا کہہ سنایا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس معاملہ میں اللہ ﷻ نے ابھی تک کوئی خاص حکم نہیں دیا، میں خیال کرتا ہوں کہ تو اس پر حرام ہوگئی، اب تم دونوں کیونکر مل سکتے ہو۔

وہ اس پر شکوہ وزاری کرنے لگی کہ میرا گھر ویران ہوجائے گا، میری اولاد کی کیسے پرورش ہوگی، کبھی حضور ﷺ سے جھگڑتی کہ یارسول اللہ! اس نے ان الفاظ سے طلاق کا ارادہ نہیں کیا تھا، کبھی اللہ ﷻ کے آگے رونے جھینکنے لگتی کہ اللہ! میں اپنی تنہائی اور مصیبت کی فریاد تجھ سے کرتی ہوں، ان بچوں اگر اپنے پاس رکھوں تو بھوکے مریں گے، شوہر کے پاس چھوڑوں تو یوں ہی کسمپرسی میں ضائع ہوجائیں گے، اے اللہ! تو اپنے نبی کی

زبان سے میری مشکل کو حل کر۔

چنانچہ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئیں اور "ظہار" کا حکم اترا۔[۱]

وقال مجاهد: ﴿يُحَادُّونَ﴾: يشاقون الله. ﴿كُبِتُوا﴾: أخزوا من الخزى. ﴿اسْتَحْوَذَ﴾: غلب.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "**يُحَادُّونَ**" بمعنی "**يشاقون الله**" یعنی وہ اللہ کی مخالفت کرتے ہیں وہ دنیا میں بھی۔

"**كُبِتُوا**" بمعنی "**أخزوا**" یہ ماخوذ ہے "**خزى**" سے، جس کے معنی ہیں ذلیل کئے گئے۔

"**اسْتَحْوَذَ**" بمعنی "**غلب**" یعنی غالب ہوگیا۔

[۱] عمدة القارى، ج: ۱۹، ص ۳۳۳

(۵۹) سورة الحشر

سورۂ حشر کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

سورت کی وجہ تسمیہ اور غزوۂ بنو نضیر کا پس منظر

یہ سورت حضور اقدس ﷺ کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد دوسرے سال میں نازل ہوئی تھی۔

"حشـــر" کے لفظی معنی ہیں: جمع کرنا، چونکہ اس سورت کی آیت نمبر ۲ میں یہ لفظ آیا ہے، اس لئے اس سورت کا نام سورۂ حشر ہے اور بعض صحابہ کرام ﷺ سے منقول ہے کہ وہ اسے سورۂ بنی نضیر بھی کہا کرتے تھے۔

مدینہ منورہ میں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد آباد تھی، آنحضرت ﷺ نے ان سے یہ معاہدہ کرلیا تھا کہ آپس میں امن وامان سے رہیں گے اور مدینہ منورہ پر حملہ ہونے کی صورت میں مل کر اس حملے کا دفاع کریں گے، یہودیوں نے اس معاہدہ کو قبول تو کرلیا تھا، لیکن حضور اقدس ﷺ سے دلی بغض تھا، اس لئے وہ خفیہ طور پر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے، چنانچہ انہوں نے مکہ مکرمہ کے بت پرستوں سے تعلقات رکھے ہوئے تھے، اور ان کو مسلمانوں کے خلاف اکساتے رہتے تھے اور ان سے یہ وعدہ کرلیا تھا کہ اگر تم مسلمانوں پر حملہ کرو گے تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔

یہودیوں کا ایک قبیلہ "بنو نضیر" کہلاتا تھا، ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ ان سے معاہدے کی کچھ شرائط پر عمل کرانے کیلئے انکے پاس تشریف لے گئے تو ان لوگوں نے یہ سازش کی کہ جب آپ بات چیت کرنے کیلئے بیٹھیں گے تو اوپر سے ایک شخص چٹان / پتھر گرادے گا، جس سے معاذ اللہ آپ شہید ہوجائیں گے۔ اللہ جل جلالہ نے وحی کے ذریعے آپ ﷺ کو اس سازش سے باخبر فرمادیا اور آپ وہاں سے اٹھ کر چلے آئے۔

اس واقعے کے بعد آپ ﷺ نے بنو نضیر کے پاس پیغام بھیجا کہ اب تم لوگوں کے ساتھ ہمارا معاہدہ ختم ہوگیا ہے اور ہم تم لوگوں کیلئے ایک مدت مقرر کرتے ہیں کہ اس مدت کے اندر اندر تم مدینہ منورہ چھوڑ کر کہیں اور چلے جاؤ، ورنہ مسلمان تم پر حملہ کرنے کیلئے آزاد ہوں گے، کچھ منافقین نے بنو نضیر کو جا کر یقین دلایا کہ تم لوگ ڈٹے رہو، اگر مسلمانوں نے حملہ کیا تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے۔

چنانچہ بنونضیر مقررہ مدت میں مدینہ منورہ سے نہیں گئے۔ آنحضرت ﷺ نے مدت گزرنے کے بعد ان کے قلعے کا محاصرہ کرلیا اور منافقین نے انکی کوئی مدد نہیں کی، آخرکار ان لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ آپ ﷺ نے ان کو مدینہ منورہ سے جلاوطن کرنے کا حکم دیا، البتہ یہ اجازت دی کہ ہتھیاروں کے سوا وہ اپنا سارا مال و دولت اپنے ساتھ لے جاسکتے ہیں۔

یہ سورت اس واقعے کے پس منظر میں نازل ہوئی، اور اس میں واقعے پر تبصرہ بھی فرمایا گیا ہے اور اس سے متعلق بہت سی ہدایات بھی دی گئی ہیں۔

(۱) بابٌ:

یہ باب بلاعنوان ہے۔

﴿الجَلاَءَ﴾ الإخراج من أرض إلى أرض.

ترجمہ: "الجَلاَءَ" کے معنی ہیں ایک زمین سے دوسری زمین کی طرف نکالدینا، جسے جلاوطن کہتے ہیں۔

۴۸۸۲ ـ حدثنا محمد بن عبدالرحيم: حدثنا سعيد بن سليمان: حدثنا هشيم: أخبرنا أبو بشر، عن سعيد بن جبير قال: قلت لابن عباس: سورة التوبة؟ قال: التوبة هي الفاضحة مازالت تنزل: ومنهم ومنهم حتى ظنوا أنها لم تبق احداً منهم إلا ذكر فيها. قال: قلت: سورة الأنفال؟ قال نزلت في بدر. قال: سورة الحشر؟ قال: نزلت في بني نضير.

[راجع: ۴۰۲۹]

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۂ توبہ کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے فرمایا کہ یہ سورہ توبہ کی ہے یا فضیحت کرنے والی ہے اس سورت میں برابر یہی نازل ہوتا رہا ہے کہ بعض لوگ ایسے ہیں اور بعض لوگ ایسے ہیں یہاں تک لوگوں نے یہ گمان کرلیا کہ اب ان میں سے کوئی شخص ایسا باقی نہیں رہے گا جس کا ذکر اس سورت میں نہ آجائے یعنی سب کا بھید کھول دے گی۔ پھر کہتے ہیں کہ میں نے سورۂ انفال کے متعلق پوچھا تو فرمایا کہ یہ جنگ بدر کے بارے میں نازل ہوئی۔ میں نے سورۂ حشر کے متعلق پوچھا تو فرمایا یہ سورت بنونضیر کے بارے میں نازل ہوئی۔

۴۸۸۳ ـ حدثنا الحسن بن مدرك: حدثنا يحيى بن حماد: أخبرنا أبو عوانة، عن أبي بشر، عن سعيد قال: قلت لابن عباس رضي الله عنهما: سورة الحشر؟ قال: قل: سورة

بني النضير. [راجع: ۴۰۲۹]

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۂ حشر کے متعلق پوچھا، تو انہوں نے فرمایا کہ بلکہ یہ کہو سورۂ بنونضیر۔

(۲) باب قوله: ﴿ما قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ﴾ [۵]

اس ارشاد کا بیان: ''تم نے کھجور کے جو درخت کاٹے۔''

نخلة ما لم تكن عجوة او برنيّة.

ترجمہ: ''لِينَةٍ'' بمعنی ''نخلة'' یعنی کھجور کا درخت جو عجوہ اور برنی نہ ہو۔ یہ سب کھجور کے اقسام ہیں۔

۴۸۸۴ ـ حدثنا قتيبة: حدثنا ليث، عن نافع عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن رسول الله ﷺ حرّق نخل بني النضير وقطع وهي البويرة، فأنزل الله تعالىٰ ﴿ما قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوْها قائمَةً عَلى أُصُولِهَا فَبِإذْنِ اللهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِيْنَ﴾. [راجع: ۲۳۲۶]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی نضیر کے کھجور کے درختوں کو جلا ڈالا تھا اور جو مقام بویرہ میں تھے ان کو کاٹ دیا گیا تھا۔ اس پر اللہ ﷻ نے آیت نازل فرمائی **﴿ما قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوْها قائمَةً عَلىٰ أُصُولِهَا فَبِإذْنِ اللهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِيْنَ﴾**۔

درختوں کے جلانے اور کاٹنے پر نزول آیات

﴿ما قَطَعْتُمْ مِنْ لِينَةٍ أَوْتَرَكْتُمُوْها قائمَةً عَلى أُصُولِهَا فَبِإذْنِ اللهِ﴾

''لِينَةٍ'' کھجور کے ہر درخت یا ''عجوہ'' کے علاوہ باقی درختوں کو بولا جاتا ہے، بنونضیر کے باغات کھجور کے تھے، جب قلعہ بند ہوگئے تو بعض صحابۂ کرام ﷺ نے ان لوگوں کو غیظ دلانے اور اُن پر رعب ڈالنے کے لئے کہ اُن کی کھجوروں کے چند درختوں کو کاٹ کر یا جلا کر ختم کر دیا اور بعض دوسرے صحابۂ کرام ﷺ نے خیال کیا کہ ان شاء اللہ فتح ہماری ہوگی اور یہ درخت اور باغات مسلمانوں کے ہاتھ آئیں گے، تو کیوں ان کو ضائع کیا جائے، چنانچہ وہ ان کے کاٹنے جلانے سے باز رہے۔

یہ ایک رائے کا اختلاف تھا، بعد میں جب آپس میں گفتگو ہوئی تو جن حضرات نے کچھ درخت کاٹے یا جلائے تھے اُن کو یہ فکر ہوئی کہ شائد ہم گناہگار ہو گئے کہ جو مال مسلمانوں کو ملنے والا تھا اُس کو نقصان پہنچایا۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس نے دونوں فریقوں کے عمل کو جائز و درست فرمایا اور دونوں کو باذن اللہ میں داخل کر کے حکم الٰہی کی تعمیل قرار دیا۔

رسول اللہ ﷺ کا حکم درحقیقت اللہ کا حکم ہے

اس آیت میں ان درختوں کے کاٹنے جلانے یا ان کو باقی چھوڑنے کے دونوں مختلف عملوں کو باذن اللہ فرمایا ہے، حالانکہ قرآن کی کسی آیت میں دونوں میں سے کوئی بھی حکم مذکور نہیں، ظاہر تو یہ ہے کہ دونوں حضرات نے جو عمل کیا وہ اپنے اجتہاد سے کیا، زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ اجازت لی ہو مگر قرآن نے اس اجازت کو جو کہ ایک حدیث تھی، اذن اللہ قرار دے کر واضح کر دیا کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو حق تعالیٰ کی طرف سے تشریع احکام کا اختیار دیا گیا ہے اور جو حکم آپ جاری فرما دیں وہ اللہ تعالیٰ ہی کے حکم میں داخل ہوتا ہے، اس کی تعمیل قرآنی آیات کی تعمیل کی طرح فرض ہے۔

اجتہادی اختلاف کی صورت میں کسی کو گناہ نہیں

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو لوگ اجتہادِ شرعی میں صلاحیت رکھتے ہیں، اگر ان کا اجتہاد کسی مسئلے میں مختلف ہو جائے، ایک فریق جائز قرار دے اور دوسرا ناجائز، تو عنداللہ یہ دونوں حکم درست اور جائز ہوتے ہیں، ان میں کسی کو گناہ و معصیت نہیں کہہ سکتے، اور اسی لئے اس پر نہی عن المنکر کا قانون جاری نہیں ہوتا، کیونکہ ان میں سے کوئی جانب بھی منکرِ شرع نہیں۔

اور ﴿وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِينَ﴾ میں درختوں کے کاٹنے یا جلانے والوں کے عمل کی توجیہ بیان کی گئی ہے کہ وہ بھی فساد میں داخل نہیں بلکہ کفار کو ذلیل کرنے کے قصد سے موجب ثواب ہے۔ [۱]

(۳) باب: ﴿مَا أَفَاءَ اللهُ عَلَى رَسُولِهِ﴾ [۷]

باب: ''اللہ اپنے رسول کو جو مال بھی فئی کے طور پر دلوا دے۔''

۴۸۸۵ ـ حدثنا علي بن عبدالله: حدثنا سفيان غير مرة، عن عمرو، عن الزهري،

---

[۱] عمدة القاري، ج:۱۹، ص: ۳۴۶

عن مالک بن أوس بن الحدثان، عن عمر ﷺ قال: کانت أموال بني النضير مما أفاء الله على رسول الله ﷺ مما لم يوجف المسلمون عليه بخيل ولا ركاب، فكانت لرسول الله ﷺ خاصة، ينفق على أهله منها نفقة سنته، ثم يجعل ما بقي في السلاح والكراع عدة في سبيل الله. [راجع: ۲۹۰۴]

ترجمہ: حضرت عمر ﷺ فرماتے ہیں کہ بنی نضیر کے اموال اللہ ﷻ نے رسول اللہ ﷺ کو بطور فئی عطاء کیا تھا، مسلمانوں نے اس پر گھوڑے اور اونٹ نہیں دوڑائے، جنگ نہیں کی تھی، چنانچہ یہ اموال رسول اللہ ﷺ کے لئے خاص تھے، آپ اس مال میں سے اپنے گھر والوں کے سال بھر کا خرچ نکالتے تھے، پھر جو باقی بچتا تھا وہ ہتھیار اور گھوڑے پر خرچ کرتے اللہ کے راستے میں جہاد کی تیاری کیلئے۔

مال غنیمت اور مال فئی

"مال غنیمت" اور **"مال فئی"** میں یہ فرق ہے کہ:

جو مال لڑائی کے بعد حاصل ہو وہ **مال غنیمت** ہے۔ اس میں پانچواں حصہ اللہ ﷻ کی نیاز اور چار حصے لشکر کو تقسیم کئے جاتے ہیں۔

اور جو مال بغیر جنگ کے حاصل ہو وہ **مال فئی** ہے، سب کا سب مسلمانوں کے خزانہ میں رہے گا، امام/حاکم وقت کو اختیار ہوگا کہ وہ ان اموال کو مصالح عامہ میں اور جو کام ضروری ہوں اس پر خرچ ہو۔

تنبیہ: اگر قدرے جنگ ہونے کے بعد کفار مرعوب ہو کر صلح کا ہاتھ بڑھائیں اور مسلمان اس کو قبول کرلیں، تو اس صورت میں جو اموال صلح سے حاصل ہوں گے وہ بھی مال فئی کے حکم میں داخل ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں **اموال فئی** خالص رسول اللہ ﷺ کے اختیار و تصرف میں ہوتے تھے، ممکن ہے کہ یہ اختیار مالکانہ ہو، جو صرف آپ کیلئے مخصوص تھا، جیسا کہ مذکورہ آیات میں ہے، **"عَلٰی رَسُوْلِهٖ"** کے لفظ سے متبادر ہوتا ہے، اور احتمال ہے کہ محض حاکمانہ ہو۔

بہر حال اللہ ﷻ نے ان اموال کے متعلق آپ ﷺ کو اگلی آیت میں یہ ہدایت فرمادی ہے کہ وہ جو بایندبا فلاں فلاں مصارف میں صرف کئے جائیں، آپ ﷺ کے بعد یہ اموال امام کے اختیار و تصرف میں چلے جاتے ہیں، لیکن اس کا تصرف مالکانہ نہیں ہوتا، محض حاکمانہ ہوتا ہے، وہ ان کو اپنی صوابدید اور مشورہ سے مسلمانوں کے عام ضروریات و مصالح میں خرچ کریگا۔

باقی اموال غنیمت کا حکم اس سے جداگانہ ہے، وہ خمس نکالے جانے کے بعد خالص لشکر کا حق ہوتا ہے،

جیسا کہ سورۃ الانفال میں اس کا حکم بیان کیا گیا ہے، مجاہدین رلشکری اپنے خوشی سے چھوڑ دیں تو الگ بات ہے۔

البتہ شیخ ابو بکر رازی حنفی نے ''احکام القرآن'' میں نقل کیا ہے کہ یہ حکم اموال منقولہ کا ہے، غیر منقولہ میں امام کو اختیار ہے کہ مصلحت سمجھے تو لشکر پر تقسیم کر دے اور مصلحت نہ سمجھے تو مصالح عامہ کیلئے رہنے دے، جیسا کہ سواد عراق میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مشورے سے یہ ہی عمل جاری فرمایا تھا۔

اسی مسلک کے موافق شیخ ابو بکر رازی رحمہ اللہ اس آیت **﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ﴾** کو اموال منقولہ پر اور سورۂ حشر کی آیات کو اموال غیر منقولہ پر حمل کیا ہے۔

اس طرح پہلی آیت **﴿وما افاء الله على رسوله منهم﴾** حکم فیٔ پر دوسری آیت **﴿ما افاء الله على رسوله من أهل القرى﴾** حکم غنیمت پر محمول ہے اور لغۃً ''غنیمت'' کو لفظ ''فیٔ'' سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ ع

(۴) باب: ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ﴾ [۷]

باب: ''اور رسول تمہیں جو کچھ دیں، وہ لے لو''

رسول اللہ ﷺ کا ہر حکم واجبِ تعمیل

یہ آیت اگرچہ مالِ فیٔ کی تقسیم کے سلسلے میں آئی ہے اور اس سلسلے میں مناسب اس کا مفہوم یہ ہے کہ مالِ فیٔ میں اگرچہ اللہ تعالیٰ نے مستحقین کے طبقات بیان کر دیئے ہیں، مگر ان میں کس کو اور کتنا دیں اس کی تعیین رسول اللہ ﷺ کی صواب دید پر رکھی ہے، اس لئے مسلمانوں کو اس آیت میں ہدایت دی گئی ہے کہ جس کو جتنا آپ ﷺ عطاء فرما دیں اس کو راضی ہو کر لے لیں اور جو نہ دیں اس کی فکر میں نہ پڑیں۔

لیکن اس آیت کے الفاظ عام ہیں، صرف اموال کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ احکام بھی اس میں داخل ہیں، اس لئے عام انداز میں آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جو کوئی حکم یا مال یا اور کوئی چیز آپ ﷺ کسی کو عطاء فرما دیں وہ اس کو لے لینا چاہئے، اور اس کے مطابق عمل کے لئے تیار ہو جانا چاہئے اور جس چیز سے روک دیں اس سے رُکنا چاہئے۔

بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اسی عام مفہوم کو اختیار کر کے رسول اللہ ﷺ کے ہر حکم کو اس آیت کی بناء پر

قرآن کریم ہی کا حکم اور واجب التعمیل قرار دیا ہے، جیسا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کی درج ذیل حدیث میں ہے۔

۴۸۸۶ ـ حدثنا محمد بن يوسف: حدثنا سفيان، عن منصور، عن ابراهيم، عن علقمة، عن عبدالله قال: لعن الله الواشمات والموتشمات، والمتنمصات والمتفلجات للحسن، المغيرات خلق الله، فبلغ ذلك امرأة من بني أسد يقال لها: أم يعقوب، فجاء ت فقالت: إنّه بلغني انك لعنت كيت وكيت، فقال: ومالي لا ألعن من لعن رسول الله ﷺ ومن هو في كتاب الله؟ فقالت: لقد قرأت ما بين اللّوحين فما وجدت فيه ما تقول. فقال: لئن كنتِ قرأتيه لقد وجدتيه، أما قرأت ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ قالت: بلى، قال: فإنه قد نهى عنه، قالت: فاني أرى أهلك يفعلونه، قال: فاذهبي فانظري. فذهبت فنظرت فلم تر من حاجتها شيئا. فقال: لو كانت كذالك ما جامعتها. [أنظر: ۴۸۸۷، ۵۹۳۱، ۵۹۳۹، ۵۹۴۳، ۵۹۴۸] ۳

---

۳ وفي صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب لعن أكل الرباء ومؤكله، رقم: ۲۹۵۱، وكتاب اللباس والزينة، باب تحريم فعل الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة والنامصة والمتنمصة والمتفلجات والمغيرات خلق الله، رقم: ۳۹۶۲، وسنن ابي داؤد، كتاب البيوع، باب في أكل الرباء وموكله، رقم: ۳۳۳۳، وكتاب الترجل، باب في صلة الشعر، رقم: ۳۶۱۹، وسنن الترمذي، أبواب النكاح، باب ماجاء في المحل والمحال له، رقم: ۱۱۲۰، وأبواب البيوع، باب ماجاء في أكل الرباء، رقم: ۱۲۰۶، وأبواب الأدب، باب ماجاء في الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة، رقم: ۲۷۸۲، وسنن النسائي، كتاب الطلاق، باب احلال المطلقة ثلاثاً ومافيه من التغليظ، رقم: ۳۴۱۶، وكتاب الزينة، المتنمصات، رقم: ۵۰۹۹، والموتشمات وذكر الاختلاف على عبدالله مرة والشعبي في هذا، رقم: ۵۱۰۲، والمتفلجات، رقم: ۵۱۰۷، ۵۱۰۸، ۵۱۰۹، ولعن المتنمصات والمتفلجات، رقم: ۵۲۵۲، ۵۲۵۳، ۵۲۵۵، وسنن ابن ماجه، كتاب النكاح، باب الواصلة والواشمة، رقم: ۱۹۸۹، وكتاب التجارات، باب التغليظ في الرباء، رقم: ۲۲۷۷، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند عبدالله بن مسعود ؓ، رقم: ۳۷۲۵، ۳۷۳۷، ۳۸۰۹، ۳۸۸۱، ۳۹۴۵، ۳۹۵۵، ۳۹۵۶، ۴۰۹۰، ۴۱۲۹، ۴۲۳۰، ۴۲۸۳، ۴۲۸۴، ۴۳۰۸، ۴۳۲۷، ۴۳۴۳، ۴۴۰۳، ۴۴۲۸، ۴۴۳۴، وسنن الدارمي، ومن كتاب النكاح، باب في النهي عن التحليل، رقم: ۲۳۰۴، ومن كتاب البيوع، باب في أكل الرباء وموكله، رقم: ۲۵۷۷، ومن كتاب الاستئذان، باب في الواصلة والمستوصلة، رقم: ۳۶۸۹

ترجمہ: حضرت علقمہ رحمہ اللہ روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے گودنے والیوں اور گودانے والیوں پر لعنت بھیجی ہے اور چہرے کے بال اکھاڑنے والیوں اور حسن کے لئے دانتوں میں کشادگی کرنے والیوں پر لعنت بھیجی ہے جو اللہ ﷻ کی پیدا کی ہوئی صورت میں تبدیلی کرتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ کا یہ کلام بنی اسد کی ایک عورت کو معلوم ہوا جو ام یعقوب کے نام سے معروف تھی، وہ آئی اور کہنے لگی کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ نے اس طرح کی عورتوں پر لعنت بھیجی ہیں؟ تو حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ نے فرمایا آخر کیوں نہ میں ان پر لعنت بھیجوں، جن پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی ہے اور جو کتاب اللہ کے حکم کے مطابق ملعون ہیں؟ تو اس عورت نے کہا کہ جو دو تختیوں کے درمیان ہے یعنی پورا قرآن مجید میں نے پڑھا ہے، لیکن آپ جو کچھ کہتے ہیں میں تو یہ بات اس میں کہیں نہیں پائی۔ فرمایا اگر تم نے قرآن مجید کو بغور پڑھا ہوتا تو تمہیں ضرور مل جاتا کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی؟ ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانتَهُوا﴾ یعنی اور رسول تمہیں جو کچھ دیں، وہ لے لو، اور جس چیز سے منع کریں، اُس سے رُک جاؤ۔ وہ عورت نے بولی کیوں نہیں! پڑھی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ نے فرمایا پھر رسول اللہ ﷺ نے ان چیزوں سے منع فرمایا ہے۔ وہ عورت کہنے لگی میرا خیال ہے آپ کے گھر والے بھی ایسا کرتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا اچھا جاؤ اور دیکھ لو، چنانچہ وہ عورت گئی اور اس نے دیکھا، لیکن اس طرح کی ان کے یہاں کوئی چیز اسے نہیں ملی، پھر حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ نے فرمایا اگر میری گھر والی ایسی ہوتی تو وہ میرے ساتھ نہیں رہ سکتی تھی۔ [ع]

۴۸۸۷ - حدثنا علي: حدثنا عبدالرحمٰن، عن سفيان قال: ذكرت لعبدالرحمٰن ابن عابس حديث منصور، عن إبراهيم، عن علقمة، عن عبدالله ﷛ قال: لعن رسول الله ﷺ الواصلة فقال: سمعته من امرأة يقال لها: أم يعقوب، عن عبدالله مثل حديث منصور.
[راجع: ۴۸۸۶]

ترجمہ: سفیان ثوریؒ نے بیان کیا کہ میں نے عبدالرحمٰن بن عابسؒ سے منصور بن معتمرؒ کی حدیث کا ذکر کیا جو وہ ابراہیمؒ سے بیان کرتے تھے کہ ان سے حضرت علقمہ رحمہ اللہ نے اور ان سے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے سر کے قدرتی بالوں کے ساتھ مصنوعی بال لگانے والیوں پر لعنت بھیجی تھی۔ عبدالرحمٰن بن عابس نے کہا کہ میں نے بھی ام یعقوب نامی ایک عورت سے سنا تھا وہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ سے منصور کی حدیث کے مثل بیان کرتی تھی۔

[ع] عمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۳۴۹

(۵) بابُ: ﴿وَالَّذِينَ تَبَوَّؤُا الدَّارَ وَالإِيمَانَ﴾ [۹]

باب: ''(اور یہ مالِ فئی) اُن لوگوں کا حق ہے جو اس جگہ (یعنی مدینہ میں) ایمان کے ساتھ مقیم ہیں۔''

انصارِ مدینہ کے فضائل

''تَبَوَّؤُا'' کے معنی ٹھکانے بنانے کے ہیں اور ''دار'' سے مراد دارِ ہجرت یا دار ایمان مدینہ طیبہ ہے۔

اس آیت میں ''تَبَوَّؤُا'' کے تحت میں ''دار'' کے ساتھ ایمان کا بھی ذکر فرمایا ہے، حالانکہ ٹھکانا پکڑنے کا تعلق کسی مقام اور جگہ سے ہوتا ہے، ایمان کوئی ایسی چیز نہیں جس میں ٹھکانا پکڑا جائے۔

اس لئے بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہاں ایک لفظ محذوف ہے یعنی ''اَخْلَصُوْا'' یا ''تَمَكَّنُوْا'' مطلب یہ ہوگا کہ یہی وہ حضرات ہیں جنہوں نے دارالہجرت میں ٹھکانا بنایا اور ایمان میں مخلص اور مضبوط ہوئے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہاں استعارہ کے طور پر ایمان کو ایک محفوظ مکان سے تشبیہ دے کر اس میں پناہ گزین ہوجانے کو بیان فرمایا ہو۔

اور پھر آیت میں آگے لفظ ﴿مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ یعنی مہاجرین سے پہلے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان انصارِ مدینہ کی ایک فضیلت یہ ہے کہ جو شہر اللہ کے نزدیک دارالہجرت اور دارالایمان بننے والا تھا، اس میں ان لوگوں کا قیام وقرار مہاجرین سے پہلے ہو چکا تھا، اور مہاجرین کے یہاں منتقل ہونے سے پہلے ہی یہ حضرات ایمان قبول کر کے اس میں پختہ ہو چکے تھے۔ [۵]

۴۸۸۸ ـ حدثنا أحمد بن يونس: حدثنا أبو بكر يعني ابن عياش، عن حصين، عن عمرو بن ميمون قال: قال عمر ﷺ: أوصى الخليفة بالمهاجرين الأولين أن يعرف لهم حقهم، وأوصى الخليفة بالأنصار الذين تبوؤ الدار والإيمان من قبل أن يهاجر النبي ﷺ أن يقبل من محسنهم ويعفو عن مسيئهم. [راجع: ۱۳۹۲]

ترجمہ: عمرو بن میمون بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو مہاجرین اولین کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان کے حق کو پہنچانے اور میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ وہ ان کے حق کو پہنچانے اور میں اپنے بعد ہونے والے خلیفہ کو

---

[۵] معارف القرآن، ج: ۸، ص: ۳۷۳

انصار کے بارے میں وصیت کرتا ہوں کہ جو دارالاسلام اور ایمان میں نبی اکرم ﷺ کی ہجرت سے پہلے ہی قرار پکڑے ہوئے ہیں، کہ ان میں جو نیکوکار ہیں انکی عزت کرے اور ان کے خطا کاروں سے درگذر کا معاملہ کرے۔

(۶) بابُ قوله: ﴿وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ﴾ الآية [۹]

اس ارشاد کا بیان: ''اور اُن کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں۔''

انصار کا مہاجرین پر ایثار

"وَيُؤْثِرُوْنَ" ایثار سے ہے اور اس کے معنی ہیں دوسروں کی خواہش اور حاجت کو اپنی خواہش وحاجت پر مقدم رکھنا، جب کہ اسی آیت میں آگے آنے والے لفظ "خَصَاصَةٌ" کے معنی ہیں فقر وفاقہ کے ہیں۔

آیت کے معنی یہ ہیں کہ حضرات انصار اپنے اوپر دوسروں کو یعنی مہاجرین کو ترجیح دیتے تھے کہ اپنی حاجت وضرورت کو پورا کرنے سے پہلے ان کی حاجت کو پورا کرتے تھے، اگرچہ یہ خود حاجت مند اور فقر وفاقہ میں ہوں۔ جیسا کہ آگے روایت میں ایک انصاری صحابی کا واقعہ آرہا ہے۔

الخصاصة: الفاقة. ﴿الْمُفْلِحُوْنَ﴾: الفائزون بالخلود. والفلاح: البقاء. حيّ على الفلاح: عجّل. وقال الحسن: ﴿حَاجَةً﴾: حسداً.

ترجمہ وتشریح

"الخصاصة" کے معنی ہیں فاقہ۔

"الْمُفْلِحُوْنَ" کے معنی ہیں ہمیشہ کیلئے کامیاب وکامران رہنے والے۔

اور "الفلاح" بمعنی ہمیشہ کی زندگی۔

"حيّ على الفلاح" کے معنی ہیں جلدی آؤ ہمیشہ کی زندگی کی طرف یعنی اس کام کی طرف آؤ جس سے ہمیشہ کی زندگی میں کامیابی مل جائے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "حَاجَةً" کے معنی حسد کرنا، رشک کرنا۔

۴۸۸۹ - حدثنا يعقوب بن إبراهيم بن كثير: حدثنا أبو أسامة: حدثنا فضيل بن غزوان: حدثنا أبو حازم الأشجعي، عن أبي هريرة رضي الله عنه قال: أتى رجل رسول الله ﷺ فقال: يارسول الله أصابني الجهد. فأرسل إلى نسائه فلم يجد عندهن شيئا، فقال رسول الله ﷺ:

((ألا رجل يضيفه هذه الليلة يرحمه الله؟)) فقام رجل من الأنصار فقال: أنا يا رسول الله، فذهب إلى أهله فقال لامرأته: ضيف رسول الله ﷺ لا تدخريه شيئا. قالت: والله ما عندي إلا قوت الصبية، قال: فإذا أراد الصبية العشاء فنوميهم وتعالي فأطفئي السراج. ونطوي بطوننا الليلة ففعلت. ثم غدا الرجل على رسول الله ﷺ فقال: ((لقد عجب الله عزوجل، أو ضحك من فلان وفلانة))، فأنزل الله عزوجل ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾. [راجع: ۳۷۹۸]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ نے بیان کیا کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا اے اللہ کے رسول! مجھ کو تکلیف پہنچی ہے، تو آپ ﷺ نے اس کو اپنی ازواج مطہرات کے پاس بھیجا لیکن ازواج مطہرات کے پاس بھی کھانے کو کچھ نہیں پایا، پھر رسول اللہ ﷺ نے حاضرین مجلس سے کہا کہ کیا کوئی شخص ایسا نہیں جو آج رات اس مہمان کی میزبانی کرے؟ اللہ ﷻ اس پر رحم کرے گا۔ اس پر ایک انصاری صحابی ؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں ان کو مہمان بناؤں گا، پھر انہیں اپنے گھر لے گئے اور اپنی اہلیہ سے کہا یہ رسول اللہ ﷺ کے مہمان ہیں، کوئی چیز ان سے بچائے نہ رکھنا۔ بیوی نے کہ اللہ کی قسم! میرے پاس اسوقت بچوں کے کھانے کے سوا اور کوئی چیز نہیں ہے۔ انہوں نے کہا جب بچے کھانا مانگنے لگیں تو انہیں سلا دینا اور آؤ یہ چراغ بھی بجھا دو اور آج رات ہم بھوکے ہی رہ لیں گے، چنانچہ بیوی نے ایسا ہی کیا۔ پھر وہ صحابی صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ نے فلاں اور ان کی بیوی کے عمل کو پسند فرمایا ہے، یا آپ ﷺ نے یوں فرمایا کہ اللہ ﷻ ان پر مسکرائے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾۔

قابل ذکر بات

اس میں ایک بات قابل ذکر ہے کہ ایک صحابی حضور اقدس ﷺ کے پاس آئے اور بھوک کی شکایت کی، جب انصاری صحابی یعنی حضرت ابوطلحہ ؓ ان کو اپنے گھر لائے تو ان کی اہلیہ نے کہا تھا کہ میرے پاس صرف اتنا ہے کہ میں بچوں کو کھلا سکوں تو انہوں نے کہا کہ بچوں کو کھانا کھلائے بغیر بھلا پھسلا کر سلا دینا، اس طرح کھانا بچا رہے گا اور مہمان کو کھلا دیں گے۔

اشکال: یہاں اشکال یہ ہوتا ہے کہ بچوں کو کھلانا تو فرض تھا اور غیر کو کیوں کھلایا؟

جواب: لوگوں نے اس کے متعدد جوابات دیئے ہیں، شاید ایسا معلوم ہے کہ ان کو پتا تھا کہ بچے اتنے

بھوکے نہیں ہیں کہ جن کی وجہ سے ان کو نا قابل برداشت تکلیف ہو، اس واسطے انہوں نے یہ ایثار کا معاملہ کیا لیکن جب بچے واقعی زیادہ بھوکے ہوں تو اس صورت میں یہ ایثار جائز نہیں۔

آیت کی تشریح

﴿وَالَّذِيْنَ تَبَوَّؤُ الدَّارَ وَالْاِيْمَانَ وَيُؤْثِرُوْنَ عَلَى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ﴾

اس گھر سے مراد ہے مدینہ طیبہ اور یہ لوگ انصار مدینہ ہیں جو مہاجرین کی آمد سے پہلے مدینہ میں سکونت پذیر تھے اور ایمان وعرفان کی راہوں پر بہت مضبوطی کے ساتھ مستقیم ہو چکے تھے۔

محبت کے ساتھ مہاجرین کی خدمت کرتے ہیں، حتی کہ اپنے اموال وغیرہ میں ان کو برابر کا شریک بنانے کیلئے تیار ہیں یعنی مہاجرین کو اللہ ﷻ جو فضل وشرف عطا فرمائے یا اموال فئی وغیرہ میں سے حضور اقدس ﷺ جو کچھ عنایت کریں، اسے دیکھ کر انصار دل تنگ نہیں ہوتے نہ حسد کرتے ہیں، بلکہ خوش ہوتے ہیں اور ہر اچھی چیز میں ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں، خود سختیاں اور فاقے اٹھا کر اگر ان کو بھلائی پہنچا سکیں تو دریغ نہیں کرتے، ایسا بے مثال ایثار آج تک دنیا کی کس قوم کے لئے دکھلایا ہے؟

یعنی بڑے کامیاب اور بامراد ہیں وہ لوگ جن کو اللہ ﷻ کی توفیق ودستگیری نے ان کے دل کے لالچ اور حرص وبخل سے محفوظ رکھا، لالچی اور بخیل آدمی اپنے بھائیوں کیلئے کہاں ایثار کر سکتا ہے اور دوسروں کو پھلتا پھولتا دیکھ کر کب خوش ہوتا ہے؟ [۵]

---

[۵] عمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۳۵۲

(۶۰) سورة الممتحنة

سورۂ ممتحنہ کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

کفار سے تعلقات کی حدوداور مہاجرات کے متعلق حکم

یہ سورت صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصے میں نازل ہوئی ہے، اس سورت کے بنیادی موضوع دو ہیں:

ایک موضوع یہ کہ صلح حدیبیہ کی شرائط میں جو بات طے ہوئی تھی کہ اگر مکہ سے کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آئے گا تو مسلمان اسے واپس بھیجنے کے پابند ہوں گے۔

اس کا اطلاق مسلمان ہو کر آنے والی عورت پر نہیں ہوگا، اور اگر کوئی عورت مسلمان ہو کر آئے گی تو نبی کریم ﷺ اس کا جائزہ لے کر دیکھیں گے کہ کیا واقعی وہ مسلمان ہو کر آئی ہے یا آنے کا مقصد کچھ اور ہے، اگر اس جائزے سے یہ بات ثابت ہو کہ وہ واقعی مسلمان ہو کر آئی ہے تو پھر اسے واپس نہیں بھیجا جائیگا۔

اس صورت میں اگر وہ شادی شدہ ہو اور اس کا شوہر مکہ مکرمہ میں رہ گیا ہو اس کے نکاح اور مہر وغیرہ سے متعلق کیا احکام ہوں گے؟ وہ احکام بھی اس سورت میں بیان فرمائے گئے ہیں اور جن مسلمانوں کے نکاح میں ابھی تک بت پرست عورتیں تھیں ان کے بارے میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اب وہ ان کے نکاح میں نہیں رہ سکتیں۔

چونکہ اس سورت میں آنحضرت ﷺ کو ان عورتوں کا امتحان یا جائزہ لینے کا حکم دیا گیا تھا، اس لئے اس سورت کا نام **"الممتحنة"** یعنی امتحان لینے والی - سے لیا گیا۔

سورت کا **دوسرا موضوع** جو بالکل شروع میں بیان ہوا ہے، وہ یہ کہ مسلمانوں کیلئے غیر مسلموں سے کس قسم کے تعلقات رکھنا جائز ہے اور کس قسم کے ناجائز؟

چنانچہ سورت کو اس حکم سے شروع فرمایا ہے کہ مسلمانوں کو دشمنوں سے خصوصی دوستی نہیں رکھنی چاہئے، ان آیتوں کے نزول کا پس منظر یہ ہے کہ سورہ فتح میں گذرا ہے کہ صلح حدیبیہ کے معاہدے کو مکہ مکرمہ کے کافروں نے دو سال کے اندر اندر ہی توڑ دیا تھا اور آنحضرت ﷺ نے قریش کے لوگوں پر واضح فرما دیا تھا کہ اب وہ معاہدہ باقی نہیں رہا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے مکہ مکرمہ کے کفار پر ایک فیصلہ کن حملہ کرنے کی تیاری شروع فرما دی تھی،

لیکن ساتھ ہی یہ کوشش تھی کہ قریش کے لوگوں کو آپ کی تیاری کا علم نہ ہو۔

اسی دوران سارہ نام کی ایک عورت کو جو گانا بجا کر پیسے کماتی تھی، مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آئی، اور اس نے بتایا کہ وہ مسلمان ہو کر نہیں آئی، بلکہ وہ شدید مفلسی میں مبتلا ہے، کیونکہ جنگ بدر کے بعد قریش مکہ کی عیش وعشرت کی محفلیں ویران ہو چکی ہیں۔ اب اسے کوئی گانے بجانے کے نہیں بلاتا، اس لئے مالی امداد حاصل کرنے کیلئے آئی ہے، آپ ﷺ نے بنو عبد المطلب کو اس کی مدد کرنے کی ترغیب دی اور اس کو کچھ نقدی اور کچھ کپڑے دے کر رخصت کیا گیا۔

دوسری طرف مہاجرین صحابہ کرام ﷺ میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہ ﷺ ایک ایسے بزرگ تھے جو اصل میں یمن کے باشندے تھے اور مکہ مکرمہ آ کر بس گئے تھے، مکہ مکرمہ میں ان کا قبیلہ نہیں تھا، وہ خود تو ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تھے، لیکن ان کے اہل وعیال مکہ مکرمہ ہی میں رہ گئے تھے، جن کے بارے میں انہیں یہ خطرہ تھا کہ کہیں قریش کے لوگ ان پر ظلم نہ کریں، دوسرے مہاجر صحابہ جن کے اہل وعیال مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے انہیں تو کسی قدر اطمینان تھا کہ ان کا پورا قبیلہ وہاں موجود ہے جو کافروں کے ظلم سے انہیں تحفظ دے سکتا ہے، لیکن حضرت حاطب ﷺ کے اہل وعیال کو یہ تحفظ حاصل نہیں تھا۔

جب سارہ نامی عورت مکہ مکرمہ واپس جانے لگی تو انکے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر میں قریش کے لوگوں کو خفیہ طور پر ایک خط میں یہ اطلاع دے دوں کہ حضور اکرم ﷺ ان پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں تو اس سے آنحضرت ﷺ کا تو کوئی نقصان نہیں ہوگا، کیونکہ اللہ ﷻ نے آپ سے مکہ مکرمہ کی فتح کا وعدہ فرما رکھا ہے، لیکن میری طرف سے قریش پر ایک احسان ہو جائے گا اور اس احسان کی وجہ سے وہ میرے اہل وعیال کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں گے، چنانچہ انہوں نے ایک خط لکھ کر سارہ کے حوالے کر دیا کہ وہ قریش کے سرداروں کو پہنچا دے۔

ادھر اللہ ﷻ نے وحی کے ذریعے آپ ﷺ کو اطلاع دی کہ سارہ ایک خفیہ خط لے کر گئی ہے اور روضۃ خاخ کے مقام تک پہنچ چکی ہے، آپ ﷺ نے حضرت علی، حضرت مرثد اور حضرت زبیر ﷺ کو اس مہم پر روانہ فرمایا کہ وہ اس عورت کا پیچھا کر کے اس سے وہ خط برآمد کریں اور یہاں واپس لے آئیں، یہ حضرات گئے اور انہوں نے وہ خط برآمد کر لیا۔ حضرت حاطب ﷺ سے پوچھا گیا تو انہوں نے معذرت کی اور اپنی اس غلطی کی وہی وجہ بیان کی جو اوپر ذکر کی گئی ہے، آنحضرت ﷺ نے ان کی نیک نیتی کی وجہ سے ان کی اس غلطی کو معاف فرما دیا۔

اسی واقعے کی بناء پر اس سورت کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں۔

وقال مجاهد: ﴿لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً﴾: لاتعذبنا بأيديهم فيقولون: لو كان هؤلاء على الحق ما أصابهم هذا. ﴿بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ﴾: أمر أصحاب النبي ﷺ بفراق نسائهم كن كوافر بمكة.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے کہا کہ ﴿لاتَجعَلنا فِتنَةً﴾ کے معنی ہیں کافروں کے ہاتھوں سے ہم کو تکلیف نہ پہنچا کہ وہ یوں کہنے لگے کہ اگر یہ مسلمان حق پر ہوتے تو ان کو یہ مصیبت نہ پہنچتی۔

﴿بِعِصَمِ الكَوَافِرِ﴾ کا مطلب ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب کو حکم دیا گیا کہ اپنی ان بیویوں کو چھوڑ دیں جو مکہ میں کافرہ ہیں۔

(۱) بابٌ: ﴿لا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ﴾ [۱]

باب: ''میرے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔''

کفار سے دوستی اور خیر کی کوئی توقع نہیں

اس آیت میں حضرت حاطب بن بلتعہ ﷺ کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ اس طرح کا خط کفار کو لکھنا ان کو دوستی کا پیغام دینا ہے اور آیت میں کفار کو چھوڑ کر "عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ" کا عنوان اختیار کرنے میں اول تو اس حکم کی علت اور دلیل کی طرف اشارہ ہوگیا کہ اپنے اور خدا کے دشمنوں سے دوستی کی توقع رکھنا سخت دھوکہ ہے، اس سے بچو۔

دوسرے اس طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ کافر جب تک کافر ہے وہ کسی مسلمان کا جب تک وہ مسلمان ہے دوست نہیں ہوسکتا ہے، وہ خدا کا دشمن ہے تو مسلمان جو خدا کی محبت کا دعویدار ہے اس سے دوستی کیسے ہوسکتی ہے؟

۴۸۹۰ - حدثنا الحميدي: حدثنا سفيان: حدثنا عمرو بن دينار قال: حدثني الحسن بن محمد بن علي: أنه سمع عبيدالله بن أبي رافع كاتب علي يقول: سمعت عليا ﷺ يقول: بعثني رسول الله ﷺ أنا والزبير والمقداد فقال: ((انطلقوا حتى تأتوا روضة خاخ، فإن بها ظعينة معها كتاب فخذوه منها)). فذهبنا تعادى بنا خيلنا حتى أتينا الروضة فإذا نحن بالظعينة فقلنا: أخرجي الكتاب، فقالت: ما معي من كتاب، فقلنا: لتخرجن الكتاب أو لنلقين الثياب. فأخرجته من عقاصها، فأتينا به النبي ﷺ فإذا فيه: من حاطب ابن أبي بلتعة إلى أناس من المشركين ممن بمكة يخبرهم ببعض أمر النبي ﷺ. فقال النبي ﷺ: ((ما هذا يا حاطب؟)) قال: لا تعجل علي يا رسول الله، إني كنت امرأ من قريش ولم أكن من أنفسهم، وكان من معك من المهاجرين لهم قرابات يحمون بها أهليهم وأموالهم بمكة. فأحببت إذ فاتني من النسب فيهم أن أصطنع إليهم يداً يحمون قرابتي. وما فعلت

ذلک کفرا ولا ارتدادا عن دینی. فقال النبی ﷺ: ((إنه قد صدقکم))، فقال عمر: دعنی یارسول اللہ فاضرب عنقه، فقال: ((إنه شهد بدراً، وما یدریک لعل اللہ عزوجل اطلع علی اهل بدر فقال: اعملوا ما شئتم فقد غفرت لکم)). قال عمرو: ونزلت فیه ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ﴾ قال: لا ادری الآیة فی الحدیث، او قول عمرو. [راجع: ۳۰۰۷]

حدثنا علی قال: قیل لسفیان فی هذا، فنزلت ﴿لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ﴾ الآیة. قال سفیان: هذا فی حدیث الناس حفظته من عمرو، ما ترکت منه حرفاً وما أری أحداً حفظه غیری.

ترجمہ: حسن بن محمد بن علی رحمہ اللہ نے بیان کیا، انہوں نے حضرت علی ﷺ کے کاتب عبید اللہ بن ابی رافع سے سنا، وہ بیان کرتے تھے کہ میں نے حضرت علی ﷺ سے سنا انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے، زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہما کو روانہ کی اور فرمایا کہ جاؤ اور جب مقام خاخ پر پہنچ جاؤ تو وہاں تمہیں ہودج پر ایک عورت ملے گی، اس کے پاس ایک خط ہوگا وہ خط تم اس سے لے لینا۔ چنانچہ ہم گھوڑوں پر سوار تیز رفتاری کے ساتھ روانہ ہوئے۔ آخر جب ہم اس مقام پر پہنچے تو واقعی وہاں ہم نے ہودج میں اس عورت کو پالیا ہم نے اس سے کہا کہ خط نکالو۔ اس نے کہا میرے پاس کوئی خط نہیں ہے، ہم نے اس سے کہا کہ خط نکال دو، ورنہ ہم تمہارے کپڑے اتار کر تلاشی لیں گے۔ پھر اس نے اپنی بالوں سے خط نکالا، ہم وہ خط لے کر نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس خط میں تھا کہ حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مشرکین کے چند آدمیوں کی طرف جو مکہ میں تھے اس خط میں انہوں نے نبی کریم ﷺ کی تیاری کا ذکر لکھا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ اے حاطب! یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! میرے معاملہ میں جلدی نہ فرمائیں میں قریش کے ساتھ بطور حلیف رہتا تھا، لیکن ان کے قبیلہ وخاندان سے میرا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس کے برخلاف آپ کے ساتھ جو دوسرے مہاجرین ہیں ان کی قریش میں رشتہ داریاں ہیں اوران کی رعایت سے قریش مکہ میں رہ جانے والے ان کے اہل وعیال اور مال کی حفاظت کرتے ہیں۔ میں نے چاہا کہ جبکہ ان سے میرا کوئی نسبی تعلق نہیں ہے تو اس موقع پر ان پر ایک احسان کردوں اور اس کی وجہ سے وہ میرے رشتہ داروں کی مکہ میں حفاظت کریں۔ اے اللہ کے رسول! میں نے یہ کام کفر یا اپنے دین سے ارتداد اختیار کرنے کی وجہ سے نہیں کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا یقیناً انہوں نے تم سے سچی بات کہہ دی ہے۔ حضرت عمر ﷺ کہنے لگے کہ اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیں کہ میں اسکی گردن ماردوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ بدر کی جنگ میں شریک تھے۔ تمہیں کیا معلوم، اللہ تعالیٰ بدر والوں کے تمام حالات سے واقف تھا اور اس کے باوجود ان کے متعلق فرمایا کہ جو جی چاہے کرو کہ میں نے تمہیں معاف کردیا۔ عمرو بن دینار رحمہ اللہ نے کہا کہ حضرت حاطب بن ابی بلتعہ ﷺ ہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی تھی کہ ﴿یا أیها

﴿الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ﴾ ۔ راوی سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے کہا کہ مجھے اس کا علم نہیں کہ اس آیت کا ذکر حدیث میں داخل ہے یا یہ عمرو بن دینار کا قول ہے۔

علی بن عبد اللہ مدینی نے بیان کیا کہ سفیان بن عیینہ سے اس بارے میں پوچھا گیا کہ ﴿لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ﴾ انہیں (حضرت حاطب بن ابی بلتعہ ﷺ) کے بارے میں نازل ہوئی تھی؟ سفیان نے کہا کہ لوگوں کی روایت میں تو یونہی ہے لیکن میں نے عمرو سے حدیث یاد کی اس میں سے ایک حرف بھی میں نے نہیں چھوڑا اور میں نہیں سمجھتا کہ میرے سوا اور کسی نے اس حدیث کو عمرو سے خوب یاد رکھا ہو۔ [۱]

(۲) باب: ﴿إِذَا جَاءَكُمُ الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ﴾ [۱۰]

باب: ''جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آئیں۔''

ہجرت کر کے آنے والی عورتوں کے امتحان کا حکم

یہ آیتیں بھی ایک خاص موقع کے متعلق ہیں، وہ موقع صلح حدیبیہ کا ہے، جسکا بیان سورۂ فتح میں ہوا ہے۔

ان شرطوں میں جو اس موقع پر صلح نامہ میں لکھی گئی تھیں ایک شرط یہ بھی تھی کہ کہ جو شخص مسلمانوں میں سے کافروں کی طرف چلا جائے وہ واپس نہ دیا جائے گا، اور شخص کافروں میں سے مسلمانوں کی طرف چلا جائے وہ واپس دیا جائے گا۔ چنانچہ بعض مسلمان مرد آئے اور واپس کر دئے گئے۔

پھر بعض عورتیں مسلمان ہو کر آئیں ان کے اقارب نے ان کی واپسی کی درخواست، اس پر یہ آیتیں حدیبیہ میں نازل ہوئیں، جن میں عورتوں کے واپس کرنے کی ممانعت کی گئی۔

یعنی جب مسلمان عورتیں آپ کے پاس اس غرض سے آویں کہ آپ سے ان باتوں پر بیعت کریں کہ اللہ ﷻ کے ساتھ کسی شی کو شریک نہ کریں گے، اور نہ چوری کریں گے، اور نہ بدکاری کریں گے، اور نہ اپنے بچوں کو قتل کریں گی اور نہ کوئی بہتان کی اولاد لاویں گی، جس کو اپنے ہاتھوں اور پاؤں کے درمیان بنالیویں، اور مشروع باتوں میں وہ آپ کے خلاف نہ کریں گی، اس میں سب احکام شرعیہ آگئے۔ بس وہ عورتیں اگر ان شرطوں کو قبول کرلیں جن کا اعتقاد شرط ایمان ہے اور التزام عمل شرط کمال ایمان ہے، تو آپ ان کو بیعت کرلیا کیجئے اور ان کے لئے اللہ ﷻ سے پچھلے گناہوں کی مغفرت طلب کیجئے بے شک غفور رحیم ہے۔

---

[۱] مزید تفصیل اور وضاحت کیلئے ملاحظہ فرمائیں۔ انعام الباری شرح صحیح البخاری، ج: ۱۰، ص: ۱۸۳ - ۱۸۵

۴۸۹۱ - حدثنی اسحاق: أنبأنا یعقوب بن ابراھیم بن سعد: حدثنا ابن أخی ابن شھاب، عن عمه، أخبرنی عروة: أن عائشة رضی الله عنھا زوج النبی ﷺ أخبرته أن رسول الله ﷺ کان یمتحن من ھاجر إلیه من المؤمنات بھذه الآیة، بقول الله تعالیٰ: ﴿یا أیُّھا النَّبیُّ إذَا جاءَکَ المُؤْمِناتُ یُبایِعْنَکَ﴾ إلی قوله ﴿غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ﴾. قال: عروة: قالت عائشة: فمن أقر بھذا الشرط من المؤمنات قال لھا رسول الله ﷺ: ((قد بایعتک)) کلاما، ولا والله ما مست یدی امرأة قط فی المبایعة. مایبایعھن إلا بقوله: ((قد بایعتک علی ذلک)).

تابعه یونس، ومعمر، وعبدالرحمٰن بن اسحاق، عن الزھری. وقال اسحاق بن راشد، عن الزھری، عن عروة وعمرة. [راجع: ۲۷۱۳]

ترجمہ: حضرت عروہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ان مؤمن عورتوں کا امتحان لیا کرتے تھے جو ہجرت کرکے مدینہ آتی تھیں، اللہ ﷻ نے ارشاد فرمایا ﴿یا أیُّھا النَّبیُّ إذَا جاءَکَ المُؤْمِناتُ یُبایِعْنَکَ﴾ آیت کے آخر تک۔ حضرت عروہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: چنانچہ جو عورت اس شرط کا اقرار کر لیتی رسول اللہ ﷺ اس سے زبانی طور پر فرماتے کہ میں نے تمہاری بیعت قبول کر لی۔ اور ہرگز نہیں اللہ کی قسم! آپ ﷺ کے ہاتھ نے کسی عورت کا ہاتھ بیعت لیتے وقت کبھی نہیں چھوا، صرف آپ ان سے زبانی بیعت لیتے تھے کہ میں تم سے ان باتوں بیعت کرتا ہوں۔

اس روایت کی متابعت یونس، معمر اور عبدالرحمٰن بن اسحاق نے زہری سے کی اور اسحاق بن راشد نے زہری سے بیان کیا کہ ان سے عروہ اور عمرہ بنت عبدالرحمٰن نے کہا۔

(۳) باب: ﴿إذَا جَاءَکَ المُؤْمِنَاتُ یُبَایِعْنَکَ﴾ [۱۲]

باب: ''جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں اس بات پر بیعت کرنے آئیں۔''

گویا آنے والی مہاجر عورتوں کے امتحان ایمان کا طریقہ ہی یہ تھا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر اُن چیزوں کا عہد کا کریں جو بیعت میں بیان کی گئی ہیں، اور ان کی تفصیل درجِ ذیل احادیث میں آرہی ہے۔

۴۸۹۲ - حدثنا أبو معمر: حدثنا عبدالوارث: حدثنا أیوب، عن حفصة بنت سیرین، عن أم عطیة رضی الله عنھا قالت: بایعنا رسول الله ﷺ فقرأ علینا ﴿أنْ لا یُشْرِکْنَ

باللهِ شَيْئاً﴾ ونهانا عن النياحة. فقبضت امرأة يدها فقالت: أسعدتني فلانة، فأريد أن أجزيها، فما قال لها النبي ﷺ شيئا، فانطلقت ورجعت فبايعها. [راجع: ۱۳۰۶]

ترجمہ: حفصہ بنت سیرین روایت کرتی ہیں کہ حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تو آپ نے ہمارے سامنے یہ آیت **﴿أَنْ لَايُشْرِكْنَ بِاللهِ شَيْئاً﴾** پڑھی اور ہمیں نوحہ کرنے سے منع فرمایا۔ ایک عورت نے اپنا ہاتھ سمیٹ لیا اور کہا کہ فلاں عورت نے میری مدد کی تھی، میں چاہتی ہوں کہ اس کا بدلہ چکا دوں، تو نبی کریم ﷺ نے اس کو کچھ نہیں فرمایا، چنانچہ وہ عورت چلی گئی، پھر واپس آئی تو آپ ﷺ نے اُس سے بیعت لی۔

تشریح

حضرت ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہے کہ "**بايعنا رسول الله ﷺ**" ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی، اور بیعت کے وقت ہم سے یہ عہد لیا کہ **﴿أَنْ لَايُشْرِكْنَ بِاللهِ شَيْئاً﴾** اللہ جل جلالہ کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہیں ٹھہرائیں گی، "**ونهانا عن النياحة**" اور ہمیں نوحہ کرنے سے منع فرمایا۔

"**فقبضت امرأة يدها**" جب آنحضرت ﷺ نے بیعت کرتے کے وقت یہ فرمایا کہ تمہیں آئندہ نوحہ بھی نہیں کرنا ہوگا، تو ایک عورت نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور کہنے لگی کہ "**أسعدتني فلانة، فأريد أن أجزيها**" فلاں عورت نے نوحے میں میرے ساتھ مدد کی تھی، میں بیعت کرنے سے پہلے اس کا بدلہ دینا چاہتی ہوں، کیونکہ جب بیعت کرلوں گی تو نوحہ نہیں کرسکوں گی۔

"**فما قال لها النبي ﷺ شيئا**" اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے اس عورت کو کچھ بھی نہیں فرمایا اور اس کو جانے دیا، "**فانطلقت ورجعت فبايعها**" پھر وہ عورت گئی جا کر کچھ بین اور نوحہ کر کے واپس آئی پھر بیعت کی۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ عورت نے خود سے نوحہ کرنے کا ارادہ ظاہر کیا اور حضور اقدس ﷺ نے منع بھی نہیں فرمایا، یہ تو نبی کریم ﷺ کی طرف سے ایک طرح کی تقریر ہوگئی۔

جواب یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی طرف سے تقریر نہیں، بلکہ آپ نے محسوس فرمایا ہوگا کہ اس عورت کے دل میں بیعت سے پہلے ہی ایک بات کھٹک رہی ہے اور اگر یہ کھٹک باقی رہے گی تو آگے دین کا کام یکسوئی اور لگن

کے ساتھ نہ کرپائے گی، اب وہ اپنے اختیار سے جارہی ہے تو جائے اور کھٹک ختم کرلے، آئندہ تو ان شاء اللہ توبہ کرے گی، اس واسطے آپ ﷺ نے اس کو منع نہیں فرمایا۔

اور حضور اقدس ﷺ کو یہ اختیار بھی حاصل تھا کہ کبھی کسی مصلحت کے سبب کسی کو کوئی چھوٹ عطا فرمادیں، یہ اختیار آپ کے علاوہ کسی اور کو نہیں ہے۔ یہاں پر نوحہ کرنے سے منع نہ کرنے کو اس صورت پر بھی محمول کیا جاسکتا ہے۔

۴۸۹۳ـ حدثنا عبدالله بن محمد: حدثنا وهب بن جرير: قال: حدثنا أبي قال: سمعت الزبير، عن عكرمة، عن ابن عباس في قوله: ﴿وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ﴾ قال: إنما هو شرط شرطه الله للنساء. [۲]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت ﴿وَلَا يَعْصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ﴾ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ بھی ایک شرط تھی، جو اللہ ﷻ نے عورتوں کے ضروری قرار دی تھی۔

۴۸۹۴ـ حدثنا علي بن عبدالله: حدثنا سفيان قال: الزهري حدثناه قال: حدثني أبو إدريس: سمع عبادة بن الصامت ﷺ قال: كنا عند النبي ﷺ فقال: ((أتبايعوني على أن لاتشركوا بالله شيئا ولاتزنوا ولاتسرقوا؟)) وقرأ آية النساء-وأكثر لفظ سفيان قرأ الآية-((فمن وفى منكم فأجره على الله، ومن أصاب من ذلك شيئا فعوقب فهو كفارة له، ومن أصاب منها شيئا من ذلك فستره الله فهو إلى الله إن شاء عذّبه وإن شاء غفرله)).

تابعه عبد الرزاق، عن معمر. (راجع: ۱۸)

ترجمہ: ابوادریس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عبادہ بن صامت ﷺ سے سنا کہ وہ فرمارہے تھے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ہمراہ تھے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم مجھ سے اس بات پر بیعت کرو گے کہ اللہ ﷻ کے ساتھ کسی کو شریک مت ٹھہراؤ، اور نہ تم لوگ زنا کرو، اور نہ ہی چوری کرو گے؟ اور پھر آپ ﷺ نے النساء کی آیت پڑھی- سفیان اس حدیث میں اکثر یوں کہا کرتے تھے کہ آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی- پھر تم میں سے جو اس شرط کو پورا کرے گا تو اس کا اجر اللہ ﷻ پر ہے اور جو کوئی ان میں سے کسی شرط کی خلاف ورزی کر بیٹھا اور اس پر اسے سزا بھی مل گئی تو سزا اس کیلئے کفارہ بن جائے گی لیکن کسی نے اپنے کسی عہد کے خلاف کیا اور اللہ ﷻ نے اسے چھپالیا تو وہ اللہ ﷻ کے حوالے ہے اللہ ﷻ چاہے تو اسے اس پر عذاب دے اور اگر چاہے معاف کردے۔

سفیان کے ساتھ اس حدیث کو عبدالرزاق نے بھی معمر سے روایت کیا۔

---

[۲] انفرد به البخاري.

۴۸۹۵ ۔ حدثنا محمد بن عبدالرحیم: حدثنا هارون بن معروف: حدثنا عبدالله ابن وهب قال: وأخبرني ابن جريج: أن الحسن بن مسلم أخبره عن طاؤس، عن ابن عباس قال: شهدت الصلاة يوم الفطر مع رسول الله ﷺ وأبي بكر وعمر وعثمان ﷺ، فكلهم يصليها قبل الخطبة ثم يخطب بعد. فنزل نبي الله ﷺ فكأني انظر إليه حين يجلس الرجال بيده، ثم أقبل يشقهم حتى أتى النساء مع بلال فقال: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ﴾ حتى فرغ من الآية كلها. ثم قال حين فرغ: ((أنتن على ذلك؟)) وقالت امرأة واحدة لم يجبه غيرها: نعم يارسول الله. لايدري الحسن من هي. قال: ((فتصدقن)) وبسط بلال ثوبه فجعلن يلقين الفتخ والخواتيم في ثوب بلال. [راجع: ۹۸]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان ﷺ کے ساتھ عید الفطر کی نماز پڑی ہے ان تمام بزرگوں نے نماز خطبہ سے پہلے پڑھی تھی اور خطبہ بعد میں دیا تھا۔ ایک مرتبہ خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد نبی کریم ﷺ اترے، گویا اب بھی میں حضور اکرم ﷺ کو دیکھ رہا ہوں، جب آپ لوگوں کو اپنے ہاتھ کے اشارے سے بٹھا رہے تھے، پھر آپ صف چیرتے ہوئے آگے بڑھے اور عورتوں کے پاس تشریف لائے حضرت بلال ﷺ آپ کے ساتھ تھے، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت کی ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ يُبَايِعْنَكَ عَلَى أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِينَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ﴾ آپ ﷺ نے پوری آیت آخر تک پڑھی۔ جب آپ ﷺ آیت پڑھ چکے تو فرمایا تم ان شرائط پر قائم رہنے کا وعدہ کرتی ہو؟ ان میں سے ایک عورت نے جواب دیا جی ہاں، اے اللہ کے رسول! انکے سوا کسی اور عورت نے شرم کی وجہ سے کوئی بات نہیں کہی۔ حسن (راوی حدیث) کو اس عورت کا نام معلوم نہیں تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر عورتوں نے صدقہ دینا شروع کیا۔ اور حضرت بلال ﷺ نے اپنا کپڑا پھیلا لیا، عورتیں حضرت بلال ﷺ کے کپڑے میں چھلے اور انگوٹھیاں ڈالنے لگیں۔

خواتین کا حضور اقدس ﷺ سے بیعت لینا

اس آیت کی تشریح حدیث کی روشنی میں مسلمان عورتوں سے ایک تفصیلی بیعت لینے کا ذکر ہے، جس میں

ایمان وعقائد کے ساتھ احکامِ شرعیہ کی پابندی کا بھی معاہدہ ہے، سابقہ آیات میں جن کے سیاق میں یہ آیتِ بیعت آئی ہے، وہ اگرچہ اُن مہاجرات کے ایمان کا امتحان کرنے کے سلسلے میں ہے اور یہ بیعت اُن کے امتحانِ ایمان کی تکمیل ہے، لیکن الفاظ آیت عام ہیں، نومسلم مہاجرات کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ سب مسلمان عورتوں کے لئے عام ہے، واقعہ بھی اسی طرح پیش آیا کہ بیعت مذکورہ میں رسول اللہ ﷺ سے بیعت کرنے والی صرف نومسلم مہاجرات ہی نہیں دوسری قدیم عورتیں بھی شامل تھیں، جیسا کہ پیچھے حضرت امّ عطیہ رضی اللہ عنہا کی روایت گزری ہے۔

اس کے علاوہ حضرت امیمہ بنت رقیہ رضی اللہ عنہا سے بھی منقول ہے کہ وہ فرماتی ہیں میں نے چند دوسری عورتوں کی معیت میں رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تو آپ ﷺ نے جن احکامِ شرعیہ کی پابندی کا معاہدہ اس بیعت میں لیا، اس کے ساتھ یہ کلمات بھی تلقین فرمائے کہ **"فیما استطعتن واطقتن"** یعنی ہم اُن چیزوں کی پابندی کا عہد اسی حد تک کرتے ہیں جہاں تک ہماری استطاعت وطاقت ہے۔ حضرت امیمہ رضی اللہ عنہا نے اس کو نقل کر کے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کی رحمت وشفقت ہم پر خود ہماری ذات سے بھی زیادہ تھی کہ ہم نے تو بلا کسی قید وشرط کے عہد کرنا چاہا تھا، آپ ﷺ نے اس شرط کی تلقین فرما دی تاکہ کسی اضطراری حالت میں خلاف ورزی ہو جائے تو عہد شکنی میں داخل نہ ہو۔ [۳]

اس کے علاوہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت بھی گزری ہے کہ آپ ﷺ اس بیعت نساء کے بارے میں فرماتی ہیں کہ عورتوں کی یہ بیعت صرف گفتگو اور کلام کے ذریعہ ہوئی، مردوں کی بیعت میں جو ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کا دستور ہے، عورتوں کی بیعت میں ایسا ہرگز نہیں کیا گیا اور رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک نے کبھی کسی غیر محرم کے ہاتھ کو نہیں چھوا۔

اور روایاتِ حدیث سے ثابت ہے کہ بیعتِ نساء صرف اس واقعۂ حدیبیہ کے بعد ہی نہیں بلکہ بار بار ہوتی رہی، یہاں تک کہ فتحِ مکہ کے روز بھی رسول اللہ ﷺ نے مردوں کی بیعت سے فارغ ہونے بعد کوہِ صفاء پر عورتوں سے بیعت لی، اور پہاڑ کے دامن میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی طرف سے حضور اقدس ﷺ کے الفاظ دُہرا کر نیچے جمع ہونے والی عورتوں کو پہنچا رہے تھے جو اس بیعت میں شریک تھیں۔ [۴]

---

[۳] سنن الترمذی، ابواب السیر، باب ماجاء فی بیعة النساء، رقم: ۱۵۹۷

[۴] التفسیر المظهری، ج: ۹، ص: ۲۶۷، معارف لقرآن، ج۸، ص:۳۱۶، ۳۱۷، وعمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۳۵۶

(٦١) سورة الصف

سورۂ صف کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورت کا پس منظر اور وجہ تسمیہ

یہ سورت مدینہ منورہ میں اُس وقت نازل ہوئی تھی، جب منافقین آس پاس کے یہودیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کیا سازشیں کرر ہے تھے۔ اس سورت میں بنی اسرائیل کے یہودیوں کا یہ کردار خاص پر ذکر فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے خود اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طرح طرح سے تکلیفیں پہنچائیں، جس کے نتیجے میں اُن کے مزاج میں ٹیڑھ پیدا ہوگئی ہے، جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے اُن کی نبوت کا بھی انکار کیا، اور انہوں نے حضور سرورِ عالم ﷺ کی تشریف آوری کی جو بشارتیں دی تھیں، اُن پر بھی کان نہیں دھرا، چنانچہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے تو انہوں نے نہ صرف یہ کہ آپ کی نبوت پر ایمان لانے سے انکار کر دیا، بلکہ آپ کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔

بنی اسرائیل کے اس کردار کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ اس سورت میں مخلص مسلمانوں کو یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ اگر انہوں نے حضور نبی کریم ﷺ کی ٹھیک ٹھیک پیروی کی، اور وہ کام کئے جن کا اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں خاص طور پر حکم دیا ہے، اور اُن میں جہاد خصوصی اہمیت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُن کو عنقریب فتح و نصرت عطاء فرمانے والے ہیں جس کے نتیجے میں منافقین اور یہودیوں کی ساری سازشیں خاک میں مل جائیں گی۔

اسی سیاق میں اس سورت کی چوتھی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی تعریف فرمائی ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں صف بنا کرتے ہیں، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام سورۂ صف ہے۔

وقال مجاهد: ﴿مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ﴾: من يتبعني إلى الله. وقال ابن عباس: ﴿مَرْصُوصٌ﴾: ملصق بعضه إلى بعض. وقال يحيى: بالرصاص.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ﴿مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ﴾ کے معنی ہیں کون ہے اللہ جل جلالہ کے راستہ پر چلنے میں میری پیروی کرے گا؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "مَرْصُوصٌ" کے معنی ہیں کہ اس کا بعض حصہ بعض حصہ

سے جڑا ہوا ہو، یعنی مضبوط ہے۔ حضرت یحیٰ بن زیاد کہتے ہیں کہ **"مَرْصُوصٌ"** کے معنی ہیں سیسہ پلایا ہوا ہے، سیسہ سے جڑا ہوا۔

(۱) بابُ: ﴿مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ﴾

باب: ''میرے بعد، جس کا نام احمد ہے۔''

﴿يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ﴾ یہ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے کہا گیا ہے۔

یہ جو موجودہ انجیل ہیں، یہ اصل میں انجیل نہیں ہے۔ انجیل تو وہی تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بطور کتاب الٰہی نازل ہوئی تھی اور موجودہ جو انجیل کے نسخے ہیں یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح ہیں، جو ان کے شاگردوں کی طرف منسوب ہیں یا شاگردوں کے شاگردوں کی طرف منسوب ہیں۔

اس میں چار نسخے مشہور ہیں: انجیل متّی، انجیل لوقا، انجیل مرقس اور انجیل یوحنا۔

ان میں متّی اور یوحنا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری ہیں اور لوقا اور مرقس کا درجہ تابعین جیسا ہے، ان کی طرف منسوب ہے اور دراصل ان کی طرف نسبت بھی صحیح نہیں ہے، بلکہ مشکوک ہے۔ بہر حال ان انجیلوں کے اندر کچھ ٹکڑے آجاتے ہیں۔

اسْمُهُ أَحْمَدُ — احمد حضور اقدس ﷺ کا نام ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی نام سے آپ کی بشارت دی تھی، اس قسم کی ایک بشارت آج بھی انجیل یوحنا میں تحریف شدہ حالت میں موجود ہے، انجیل یوحنا کی عبارت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے فرمایا: **''اور میں باپ سے درخواست کروں گا تو تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ جو ابد تک تمہارے ساتھ رہے''**۔ [یوحنا ۱۴:۱۶]

یہاں جس لفظ کا ترجمہ **مددگار** لیا گیا ہے وہ اصل یونانی میں **فارقلیط (Periclytos)** تھا، جس کے معنی ہیں **قابل تعریف شخص** اور یہ **احمد** کا لفظی ترجمہ ہے۔ لیکن اس لفظ کو **(Paracletus)** سے بدل دیا گیا ہے، جس کا ترجمہ **مددگار** اور بعض تراجم میں وکیل یا **شفیع** کیا گیا ہے، اگر **فارقلیط** کا لفظ مدنظر رکھا جائے تو صحیح ترجمہ یہ ہوگا کہ **''وہ تمہارے پاس اس قابل تعریف شخص (احمد) کو بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا''**۔

اس میں یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ پیغمبر آخر الزماں ﷺ کسی خاص علاقے یا یا کسی خاص زمانے کیلئے نہیں ہوں گے، بلکہ آپ کی نبوت قیامت تک آنے والے ہر زمانے کیلئے ہوگی، نیز برنا باس کی انجیل میں کئی مقامات پر حضور اقدس ﷺ کا نام لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارتیں موجود ہیں۔ اگرچہ عیسائی مذہب والے اس انجیل کو

معتبر نہیں مانتے، لیکن ہمارے نزدیک وہ ان چاروں انجیلوں سے زیادہ مستند ہے، جنہیں عیسائی مذہب میں معتبر مانا گیا ہے۔ اس کے مفصل دلائل میں نے اپنی کتاب ''عیسائیت کیا ہے؟'' میں بیان کئے ہیں۔ [1]

۴۸۹۶ ـ حدثنا أبو اليمان: أخبرنا شعيب، عن الزهري قال: أخبرني محمد بن جبير ابن مطعم، عن أبيه ﷺ قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ((إن لي اسماء: أنا محمد، وأنا الماحي الذي يمحو الله بي الكفر، وأنا الحاشر الذي يحشر الناس على قدمي، وأنا العاقب)). [راجع: ۳۵۳۲]

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم ﷺ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ فرمارہے تھے کہ میرے کئی نام ہیں: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، ماحی ہوں کہ اللہ ﷻ میرے ذریعے کفر کو مٹادے گا، اور میں حاشر ہوں کہ سب لوگ میرے قدموں پر جمع کئے جائیں گے، اور میں عاقب ہوں یعنی سب پیغمبروں کے بعد آنے والا ہوں۔

---

[1] تفصیل کیلئے مراجعت فرمائیں: معارف القرآن، ج: ۸، ص: ۴۲۶، ۴۲۱۔ آسان ترجمہ قرآن، ج: ۳، ص: ۱۷۲۷۔ توضیح القرآن، و اظہار الحق مؤلف: مولانا رحمت اللہ کیرانوی، ۔ اور عیسائیت کیا ہے؟ از: شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی حفظہ اللہ۔

(٦٢) سورة الجمعة

سورۂ جمعہ کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

معاشی سرگرمیوں میں جمعہ کے احکام اور وجہ تسمیہ

اس سورت کے پہلے رکوع میں حضور نبی کریم ﷺ کی رسالت اور آپ کی بعثت کے مقاصد بیان فرما کر پوری انسانیت کو آپ ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔

خاص طور پر یہودیوں کی مذمت کی گئی ہے کہ وہ جس کتاب یعنی توریت پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں، اس میں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کی بشارت موجود ہے، اس کے باوجود آپ ﷺ پر ایمان نہ لا کر خود اپنی کتاب کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔

دوسرے رکوع میں مسلمانوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ انکی تجارتی سرگرمیاں اللہ ﷻ کی عبادت کے راستے میں رکاوٹ نہیں بننی چاہئیں۔

چنانچہ حکم دیا گیا ہے کہ جمعہ کی اذان کے بعد ہر قسم کی خرید و فروخت بالکل ناجائز ہے۔ نیز جب آپ ﷺ خطبہ دے رہے ہوں اس وقت کسی تجارتی کام کیلئے آپ کو چھوڑ کر چلے جانا جائز نہیں ہے۔

اور اگر دنیوی مصروفیات کا شوق کسی دینی فریضے میں رکاوٹ بننے لگے تو اس بات کا دھیان کرنا چاہئے کہ اللہ ﷻ نے مؤمنوں کیلئے آخرت میں جو کچھ تیار کر رکھا ہے وہ دنیا کی ان دل فریبیوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے اور دینی فرائض کو رزق کی خاطر چھوڑنا سراسر نادانی ہے، کیونکہ رزق دینے والا اللہ ﷻ ہی ہے، لہٰذا رزق اس کی نافرمانی کر کے نہیں، بلکہ اس کی اطاعت کر کے طلب کرنا چاہئے۔

چونکہ دوسرے رکوع میں جمعہ کے احکام بیان فرمائے گئے ہیں، اس لئے اس کا نام سورۂ جمعہ ہے۔

(۱) بابُ قوله: ﴿وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ﴾ [۳]

اس ارشاد کا بیان: ”اور (یہ رسول جن کی طرف بھیجے گئے ہیں) ان میں کچھ اور بھی ہیں جو ابھی

ان کے ساتھ آ کر نہیں ملے۔"

وقرأ عمر: فامضوا إلى ذكر الله.

ترجمہ: حضرت عمرؓ نے "**فامضوا إلى ذكر الله**" پڑھا ہے یعنی ذکر اللہ کی چلو۔

۴۸۹۷ - حدثنا عبدالعزيز بن عبدالله: حدثني سليمان بن بلال، عن ثور، عن أبي الغيث، عن أبي هريرة ؓ قال: كنا جلوسا عند النبي ﷺ فأنزلت عليه سورة الجمعة ﴿وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ﴾ قال: قلت: من هم يارسول الله؟ فلم يراجعه حتى سال ثلاثا وفينا سلمان الفارسي، وضع رسول الله ﷺ يده على سلمان، ثم قال: ((لو كان الإيمان عند الثريا لناله رجال أو رجل من هؤلاء)). [أنظر: ۴۸۹۸] [1]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ پر سورۂ جمعہ کی یہ آیت ﴿وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ﴾ نازل ہوئی۔ کہتے ہیں میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! یہ دوسرے لوگ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے کوئی جواب نہیں دیا، یہاں تک کہ یہ سوال تین مرتبہ کیا اور ہماری مجلس میں حضرت سلمان فارسیؓ بھی موجود تھے، رسول اللہ ﷺ نے سلمانؓ پر اپنا دست مبارک رکھ کر فرمایا کہ اگر ایمان ثریا پر ہوگا تب بھی ان کی قوم کے کچھ لوگ یا فرمایا کہ ایک شخص ان میں سے پالے گا۔

آیت کا مصداق

﴿**وَآخَرِينَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوا بِهِمْ**﴾ اس آیت کے معطوف علیہ میں جو "**هم**" ضمائر ہیں وہ ان لوگوں کی طرف لوٹ رہی ہیں، جن پر نبی کریم ﷺ کو ان کی طرف بھیجے گئے تھے۔ اسی پر عطف ہے۔

"**وآخرين لما يلحقوا بهم**" آنے والے بھی کچھ لوگ ہوں گے جو ابھی تک ان کے ساتھ نہیں ملے ہیں یعنی آنے والی نسلیں۔

جب آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو آپ ﷺ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ "**لو كان الايمان عندالثريا لناله رجال أو رجل من هؤلآء**" اگر ایمان ثریا پر بھی ہو تو ان کی قوم کے لوگ اس کو جالیں گے۔

---

[1] انفرد به البخاری.

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ ایران اور فارس جہاں سے حضرت سلمان فارسی ﷺ کا تعلق تھا، وہاں بڑے بڑے اہل علم پیدا ہوں گے۔

اللہ جل جلالہ کا کرنا ایسا ہوا کہ دین اور علم دین کی جتنی خدمت اہل فارس نے کی، اتنی عربوں نے بھی نہیں کی کیونکہ جتنے بڑے بڑے فقہاء اور محدثین پیدا ہوئے ہیں، ان میں زیادہ تر عجم کے ہیں۔

صحاح ستہ کے مؤلفین سارے کے سارے عجمی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ سے لے کر امام ابن ماجہ رحمہ اللہ تک اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بھی عجمی ہیں۔ بعض لوگوں نے اس حدیث کا مصداق امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ کو قرار دیا ہے۔

شیخ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ وغیرہ نے تسلیم کیا ہے کہ اس پیشنگوئی کے بڑے مصداق حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہیں، لیکن حقیقت میں کسی ایک کی تعیین مشکل ہے، دین کی خدمت کرنے والے سب ہی اس کے مصداق ہیں۔

۴۸۹۸ ـ حدثنا عبداللہ بن عبدالوھاب: حدثنا عبدالعزیز: أخبرنی ثور، عن أبی الغیث، عن أبی ھریرة عن النبی ﷺ: ((لناله رجال من ھؤلاء)). [راجع: ۴۸۹۷]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ان کی قوم میں سے کچھ لوگ اسے پالیں گے۔

(۲) باب: ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا﴾ [۱۱]

باب: ''اور جب کچھ لوگوں نے کوئی تجارت یا کوئی کھیل دیکھا''

۴۸۹۹ ـ حدثنی حفص بن عمر: حدثنا خالد بن عبداللہ: حدثنا حصین، عن سالم بن أبی الجعد، وعن أبی سفیان، عن جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنھما قال: أقبلت عیر یوم الجمعة ونحن مع النبی ﷺ فثار الناس إلا اثنا عشر رجلا فأنزل اللہ ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا﴾. [راجع: ۹۳۶]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ جمعہ کے دن ایک سامان تجارت لئے ہوئے اونٹ آئے، اس وقت ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے (خطبہ سن رہے تھے)، قافلہ کو دیکھ کر سوائے بارہ آدمیوں کے سب لوگ ادھر ہی دوڑ پڑے اس پر اللہ جل جلالہ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿وَإِذَا رَأَوْا

بِجَارَةً أَوْ لَهْوًا﴾۔

حدیث کی تشریح

ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ جمعہ میں خطبہ فرمارہے تھے، اسی وقت ایک تجارتی قافلہ باہر سے غلہ لے کر آپہنچا، اس کے ساتھ اعلان کے غرض سے نقارہ بجتا، پہلے سے شہر میں اناج کی کمی تھی، لوگ دوڑے کہ اس کو ٹھہرائیں۔

شاید انہوں نے خیال کیا ہوگا خطبہ کا حکم عام وعظوں کی طرح ہے، جس میں سے ضرورت کیلئے اٹھ سکتے ہیں، نماز پھر آکر پڑھ لیں گے، یا نماز ہو چکی ہوگی جیسا کہ بعض کا قول ہے کہ اس وقت نماز جمعہ خطبہ سے پہلے ہوتی تھی۔ بہرحال خطبہ کا حکم معلوم نہ تھا۔

اکثر لوگ چلے گئے آنحضرت ﷺ کے ساتھ بارہ آدمی جن میں خلفائے راشدین بھی تھے باقی رہ گئے۔

اس پر یہ آیت اتری ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا﴾ یعنی سوداگری اور دنیا کا کھیل تماشہ کیا چیز ہے، وہ ابدی دولت حاصل کرو جو اللہ ﷻ کے پاس ہے اور جو پیغمبر کی صحبت اور مجالس ذکر وعبادت میں ملتی ہے، باقی قحط کی وجہ سے روزی کا کھٹکا جس کی بناء پر تم اٹھ کر چلے گئے، سو یاد رکھو روزی اللہ ﷻ کے ہاتھ میں ہے اور وہی بہترین روزی دینے والا ہے، اس مالک کے غلام کو یہ اندیشہ نہیں ہونا چاہئے۔

اس تنبیہ وتادیب کے بعد صحابہ کرام ﷺ کی شان وہ تھی جو سورۂ نور میں ہے ﴿رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ﴾ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جمعہ کی صرف نماز ہی فرض نہیں بلکہ خطبہ سننا بھی واجب ہے۔ [۲]

[۲] تفسیر عثمانی، سورہ جمعہ، آیت:۱۱، فائدہ:۱، معارف القرآن، ج:۸، ص:۴۴۳، و آسان ترجمہ قرآن، سورۃ الجمعہ:۱۱، ج:۳، ص:۱۷۳۶۔

(۶۳) سورة المنافقين

سورۂ منافقون کا بیان

بسم الله الرحمٰن الرحيم

شانِ نزول اور پس منظر

یہ سورت ایک خاص واقعہ کے پس منظر میں نازل ہوئی ہے۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنومصطلق عرب کا ایک قبیلہ تھا جس کے بارے میں آنحضرت ﷺ کو یہ اطلاع ملی تھی کہ بنومصطلق کا رئیس حارث بن ضرار مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کیلئے لشکر جمع کر رہا ہے، آپ اپنے صحابہ کرام ؓ کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے، ان سے جنگ ہوئی آخرکار ان لوگوں نے شکست کھائی۔

حارث بن ضرار حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے والد ہیں، جو بعد میں مسلمان ہو کر ازواج مطہرات میں داخل ہوئیں، اور خود حارث بن ضرار بھی بعد میں مسلمان ہوئے۔

جنگ کے بعد چند دن آپ ﷺ نے وہیں ایک چشمے کے قریب پڑاؤ ڈالے رکھا، جس کا نام مریسیع تھا۔

اسی قیام کے دوران ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان پانی ہی کے کسی معاملے پر جھگڑا ہو گیا، جھگڑے میں نوبت ہاتھا پائی کی آگئی اور ہوتے ہوتے مہاجر نے اپنی مدد کے لئے مہاجرین کو پکارا اور انصاری نے انصار کو، یہاں تک کہ اندیشہ ہو گیا کہ کہیں مہاجرین اور انصار کے درمیان لڑائی نہ چھڑ جائے۔

حضور اقدس ﷺ کو علم ہوا تو آپ تشریف لائے اور ناراضگی کا اظہار فرمایا: **"ما بال دعوى الجاهلية"** یعنی یہ جاہلیت کا نعرہ کیسا ہے؟

اور فرمایا کہ مہاجر و انصار کے نام پر لڑائی کرنا وہ جاہلانہ عصبیت ہے جس سے اسلام نے نجات دی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ عصبیت کے بدبودار نعرے ہیں، جو مسلمانوں کو چھوڑنے ہوں گے، ہاں مظلوم جو کوئی بھی ہو اس کی مدد کرنی چاہئے اور ظالم جو کوئی بھی ہو اسے ظلم سے باز رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کے بعد جھگڑا فرو ہو گیا اور جن حضرات میں ہاتھا پائی ہوئی تھی ان کے درمیان معافی تلافی ہو گئی اور یہ جھگڑا ختم ہو گیا۔

لیکن مسلمانوں کے لشکر میں کچھ منافق لوگ بھی تھے، جو مال غنیمت میں حصہ دار بننے کیلئے شامل ہو گئے

تھے ۔ان کے سردار عبداللہ بن ابی کو جب اس جھگڑے کا علم ہوا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم نے مہاجروں کو اپنے شہر میں پناہ دے کر اپنے سر چڑھالیا ہے، یہاں تک کہ اب وہ مدینہ کے اصل باشندوں پر ہاتھ اٹھانے لگے ہیں، یہ صورت حال قابل برداشت نہیں ہے ۔ پھر اس نے یہ بھی کہا کہ جب ہم مدینہ واپس پہنچیں گے تو جو عزت والا ہے، وہ ذلت والے کو نکال باہر کرے گا۔

اس کا واضح اشارہ اس طرف تھا کہ مدینے کے اصل باشندے مہاجرین کو نکال باہر کریں گے۔

اس موقع پر ایک مخلص انصاری صحابی حضرت زید بن ارقم ﷺ بھی موجود تھے، انہوں نے اس بات کو بہت برا سمجھا اور حضور اقدس ﷺ کو بتایا کہ عبداللہ بن ابی نے ایسا کہا ہے، آنحضرت ﷺ نے درگذر فرمایا کہ شاید حضرت زید بن ارقم ﷺ کو غلط فہمی ہوئی ہو۔

حضرت زید بن ارقم ﷺ کو یہ رنج تھا کہ عبداللہ بن ابی نے آنحضرت ﷺ کے سامنے ان کو جھوٹا بنایا، اس کے بعد آپ اپنے صحابہ کرام ﷺ کے ساتھ وہاں سے روانہ ہوگئے، ابھی مدینہ منورہ پہنچے ہی تھے کہ یہ سورت نازل ہوگئی جس میں اللہ تعالیٰ نے زید بن ارقم ﷺ کی تصدیق کی اور منافقین کی حقیقت واضح فرمائی۔ [1]

(۱) باب قوله: ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللهِ﴾ الآية [۱]

اس ارشاد کا بیان: ”جب منافق لوگ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔“

۴۹۰۰ ـ حدثنا عبدالله بن رجاء، حدثنا اسرائيل، عن أبي اسحاق، عن زيد بن أرقم قال: كنت في غزاة فسمعت عبدالله بن أبي يقول: لاتنفقوا على من عند رسول الله ﷺ حتى ينفضوا من حوله، ولئن رجعنا من عنده ليخرجن الأعز منها الأذل. فذكرت ذلك لعمي والعمر فذكره النبي ﷺ فدعاني فحدثته. فأرسل رسول الله ﷺ الى عبدالله بن ابي واصحابه فحلفوا ما قالوا. فكذبني رسول الله ﷺ وصدقه، فاصابني هم لم يصبني مثله قط. فجلست في البيت فقال لي عمي: ما أردت إلى أن كذبك رسول الله ﷺ مقتك؟ فانزل الله تعالى ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ﴾ فبعث الي النبي ﷺ فقرأ فقال: ((إن الله قد

---

[1] تفسير القرطبي، ج:۱۸، ص: ۱۱۹

صدقک یا زید)). [انظر: ۴۹۰۱، ۴۹۰۲، ۴۹۰۳، ۴۹۰۴، ۴۹۰۴] ؎

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم ؓ کا بیان ہے کہ میں ایک غزوہ میں تھا اور میں نے عبداللہ بن ابی کو یہ کہتے سنا کہ جو لوگ یعنی مہاجرین رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہیں ان پر خرچ مت کرو، یہاں تک کہ یہ آپ ہی منتشر ہو جائیں گے انکے پاس سے، جب ہم مدینہ واپس جائیں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والوں کو نکال باہر کرے گا۔ میں نے اس کا ذکر اپنے چچا سے یا حضرت عمر ؓ سے کیا، انہوں نے اس کا ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا تو آپ نے مجھے بلایا میں نے تمام باتیں آپ کو سنا دیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے عبداللہ بن ابی اور اسکے ساتھیوں کو بلایا تو انہوں نے قسم کھائی کہ انہوں نے اس طرح کی کوئی بات نہیں کہی تھی۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو جھوٹا سمجھا اور ان کو سچا سمجھا۔ مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ ایسا صدمہ کبھی نہیں ہوا تھا۔ پھر میں گھر بیٹھ گیا، میرے چچا نے مجھ سے کہا میرا خیال نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ تمہاری تکذیب کریں گے اور تم سے ناراض ہوں گے۔ پھر اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ﴾ اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے مجھے بلوایا، اس آیت کی تلاوت فرمائی اور فرمایا اے زید! اللہ ﷻ نے تمہاری تصدیق کر دی، تم کو سچا قرار دیا۔

عبداللہ بن ابی کا قومیت اور عصبیت پر اُبھارنا

آیت کی تفسیر حدیث کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں: منافقین کی ایک جماعت جو مالِ غنیمت کی طمع میں مسلمانوں کے ساتھ لگی ہوئی تھی، ان کا سردار عبداللہ بن ابی تھا جو دل میں رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں سے دشمنی رکھتا تھا، مگر دنیوی فوائد کی خاطر اپنے کو مسلمان کہتا تھا۔

اس کو جب مہاجرین وانصار کے باہم تصادم کی خبر ملی تو اس نے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کا موقع غنیمت پایا اور اپنی مجلس میں جس میں منافقین جمع تھے اور مؤمنین میں سے صرف زید بن ارقم ؓ موجود تھے، اس نے انصار کو مہاجرین کے خلاف بھڑکایا اور کہنے لگا کہ تم نے ان کو اپنے وطن میں بلا کر اپنے سروں پر مسلط کیا، اپنے اموال و جائدادان کو تقسیم کر کے دیدیئے، یہ تمہاری روٹیوں پر پلے ہوئے اب تمہارے ہی مقابلے پر آئے ہیں، اگر تم میں اب بھی اپنے انجام کو نہ سمجھا تو آگے یہ تمہارا جینا مشکل کر دیں گے۔

؎ وفی صحیح مسلم، کتاب صفات المنافقین واحکامهم، رقم: ۲۷۷۲، وسنن الترمذی، ابواب تفسیر القرآن، باب ومن سورة المنافقین، رقم: ۳۳۱۲، ۳۳۱۳، ۳۳۱۴، ومسند احمد، اول مسند الکوفیین، حدیث زید بن ارقم، رقم ۱۹۲۸۵، ۱۹۲۹۵، ۱۹۳۳۳، ۱۹۳۴۴

اس لئے تمہیں چاہئے کہ آئندہ مال سے ان کی مدد نہ کرو تو خود ہی اِدھر اُدھر بھاگ جائیں گے اور اب تمہیں چاہئے کہ جب مدینہ پہنچ جاؤ تو تم میں سے جو عزت والا ہے وہ ذلیل کو نکال دے۔

اس کی مراد عزت والے سے خود اپنی جماعت اور انصار تھے اور ذلیل سے مراد معاذ اللہ - رسول اللہ ﷺ اور مہاجرین صحابہ تھے۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے جب اس کا یہ کلام سُنا تو فوراً بولے کہ واللہ! تو ہی ذلیل و خوار اور مبغوض ہے اور رسول اللہ ﷺ کی طرف سے دی ہوئی عزت اور مسلمانوں کی دلی محبت سے کامیاب ہیں۔

عبداللہ بن اُبی چونکہ اپنے نفاق پر پردہ ڈالنا چاہتا تھا اسی لئے الفاظ صاف نہ بولے تھے، اس وقت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے اظہارِ غضب سے اس کو ہوش آیا کہ میرا کفر ظاہر ہو جائے گا تو حضرت زید رضی اللہ عنہ سے عذر کیا کہ میں نے تو یہ بات ہنسی میں کہہ دی تھی، میرا مطلب رسول اللہ ﷺ کے خلاف کچھ کرنا نہیں تھا۔

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ اس مجلس سے اُٹھ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، ابن اُبی کا یہ سارا واقعہ کہہ سنایا، رسول اللہ ﷺ پر یہ خبر بہت شاق گزری، چہرۂ مبارک پر تغیر کے آثار نظر آنے لگے۔

زید بن ارقم کم عمر صحابی تھے، آپ نے ان سے کہا کہ لڑکے تم جھوٹ تو نہیں بول رہے ہو؟ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے قسم کھا کر کہا کہ نہیں میں نے اپنے کانوں سے اس کے یہ کلمات سُنے ہیں، آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ تمہیں کچھ شُبہ تو نہیں ہو گیا؟ زید بن ارقم نے پھر وہی جواب دیا۔

اور پھر ابن اُبی کی یہ بات مسلمانوں کے پورے لشکر میں پھیل گئی اور آپس میں اس بات کے سوا کوئی بات ہی نہ رہی، اِدھر حضرات انصار سب زید بن ارقم کو ملامت کرنے لگے کہ تم نے قوم کے سردار پر تہمت لگائی اور قطع رحمی کی۔ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ کی قسم! قبیلۂ خزرج میں مجھے ابن اُبی سے زیادہ کوئی محبوب نہیں، مگر جب اس نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف یہ کلمات کہے تو میں اسے برداشت نہیں کر سکا اور اگر میرا باپ بھی ایسی بات کہتا تو میں اس کو بھی رسول اللہ ﷺ تک پہنچاتا۔

(۲) باب: ﴿اتَّخَذُوا أَيْمَانَهُمْ جُنَّةً﴾ [۲]

باب: ”انہوں نے اپنی قسموں کو ایک ڈھال بنا رکھا ہے۔“

يجتنّون بها.

یعنی جس سے وہ لوگ اپنے کفر و نفاق کو چھپاتے ہیں۔

۴۹۰۱ - حدثنا آدم بن أبی إیاس: حدثنا إسرائیل، عن أبی إسحاق، عن زید بن أرقم ﷺ قال: کنت مع عمی فسمعت عبداللہ بن أبی ابن سلول یقول: لاتنفقوا علی من عند رسول اللہ حتی ینفضوا. وقال أیضا: لئن رجعنا إلی المدینة لیخرجن الأعز منها الأذل. فذکرت ذلک لعمی، فذکر عمی لرسول اللہ ﷺ فأرسل رسول اللہ ﷺ إلی عبداللہ بن أبی وأصحابه فحلفوا ماقالوا فصدقهم رسول اللہ ﷺ وکذبنی. فأصابنی همٌ لم یصبنی مثله فجلست فی بیتی. فأنزل اللہ عزوجل ﴿إِذَاجَاءَ کَ الْمُنَافِقُونَ﴾ إلی قوله: ﴿هُمُ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ لَاتُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ﴾ إلی قوله: ﴿لَیُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ﴾ فأرسل إلی رسول اللہ ﷺ فقرأها علی ثم قال: ((إنّ اللہ قد صدقک)). [راجع: ۴۹۰۰]

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم ﷺ نے بیان کیا کہ میں اپنے چچا کے ساتھ تھا، میں نے عبد اللہ بن ابی بن سلول کو کہتے ہوئے سنا کہ ان لوگوں پر خرچ نہ کرو، جو رسول اللہ کے پاس ہیں، یہاں تک کہ وہ لوگ منتشر ہوجائیں اور یہ بھی کہا کہ اگر ہم مدینہ کی طرف لوٹ کر گئے تو عزت والا ذلیل کو باہر نکال دے گا۔ میں نے یہ بات اپنے چچا سے بیان کی تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا، رسول اللہ ﷺ نے عبد اللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کو بلوایا، تو ان لوگوں نے قسم کھا کر کہا کہ ہم نے ایسا نہیں کہا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان لوگوں کی تصدیق کی اور مجھے جھوٹا سمجھا۔ مجھے اس کا ایسا صدمہ ہوا کہ اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا، چنانچہ میں اپنے گھر میں بیٹھ گیا، اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ﴿إِذَاجَاءَ کَ الْمُنَافِقُونَ﴾ تا ﴿لَیُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ﴾ آخر تک نازل فرمائی، تو رسول اللہ ﷺ نے مجھے بلا بھیجا اور میرے سامنے یہ آیت پڑھی، پھر فرمایا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہاری تصدیق کی ہے۔

تشریح

﴿هُمُ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ لَاتُنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ الخ﴾ ان آیات کے شان نزول میں دو واقعے مذکور ہیں اور دونوں امام بخاری رحمہ اللہ نے روایت کئے ہیں۔

ایک واقعہ یہ ہے کہ جو حضرت زید بن ارقم ﷺ بیان فرما رہے ہیں کہ "کنت فی غزاة" میں ایک غزوے میں تھا کہ میں نے عبداللہ بن ابی کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ "لاتنفقوا علی من عند رسول اللہ ﷺ حتی ینفضوا من حوله، ولئن رجعنا من عنده لیخرجن الأعز منها الأذل" جو لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس جمع ہیں ان پر خرچ مت کرو، یہاں تک کہ یہ آپ ہی منتشر ہوجائیں گے انکے پاس ہے، مراد ہے

مہاجرین یعنی مہاجرین جب تک چلے نہ جائیں ان کے اوپر کوئی خرچہ نہ کرو اور جب ہم مدینہ واپس جائیں گے تو عزت والا وہاں سے ذلت والوں کو نکال باہر کرے گا۔

"فذکرت ذلک لعمی والعمر" حضرت زید بن ارقم ﷺ کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات اپنے چچا سے ذکر کی یا حضرت عمر ﷺ سے ذکر کی، تو انہوں نے نبی کریم ﷺ سے ذکر کر دیا، آپ ﷺ نے مجھے بلایا تو میں نے واقعہ سنایا تو نبی کریم ﷺ نے عبداللہ بن ابی کے پاس پیغام بھیجا تو اس نے آکر قسم کھائی کہ ہم نے کوئی ایسی بات نہیں کہی۔

"فکذبنی رسول اللہ ﷺ وصدقہ" حضور اقدس ﷺ نے مجھے غلط قرار دیا اور ان کی تصدیق کی۔

"فاصابنی ھم لم یصبنی مثلہ قط" مجھے اس بات سے شدید غم پہنچا، اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں پہنچا تھا، اسی غم کے بارے میں گھر میں بیٹھ گیا۔

میرے چچا نے مجھ سے کہا **"ما اردت إلى أن كذبك رسول اللہ ﷺ ومقتک؟"** میرا خیال نہیں تھا کہ رسول اللہ ﷺ تمہاری تکذیب کریں گے اور تم سے ناراض ہوں گے۔

پھر اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی، اسکے بعد نبی کریم ﷺ نے مجھے بلوایا، اس آیت کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ **"إن اللہ قد صدقک یا زید"** اے زید! اللہ ﷻ نے تمہاری تصدیق کر دی، تم کو سچا قرار دیا ہے۔

دوسرا واقعہ یہ بیان ہوا ہے کہ مہاجرین اور انصار کے درمیان تھوڑی سی چپقلش ہوگئی، ایک مہاجر شخص کی کسی انصاری کے ساتھ ہاتھا پائی ہوئی، تو اس انصاری شخص نے **"یا للأنصار"** کہہ کر اپنے ساتھیوں کو پکارا اور مہاجر شخص نے **"یا للمھاجرین"** کہہ کر پکارا، قریب تھا کہ مہاجرین و انصار کے درمیان کوئی باقاعدہ لڑائی کھڑی ہو جاتی۔

نبی کریم ﷺ کو اس جھگڑے کی اطلاع ملی تو آپ تشریف لائے اور آپ نے آکر مہاجرین اور انصار کے درمیان صلح کرائی اور فرمایا کہ **"دعوھا فانھا منتنة"** یعنی یہ جو تم قومیت کے نعرے لگا رہے ہو، یہ بدبودار نعرے ہیں، اللہ ﷻ نے تم سے یہ سب قومیت کے قصے دور کر دئے ہیں، اب تو اللہ ﷻ نے تمہیں اسلام کے جھنڈے تلے جمع کر دیا ہے۔

جب یہ واقعہ ہوا اور عبداللہ بن ابی کو اس کا علم ہوا تو تو اس نے کہا کہ اچھا مہاجرین نے یہ کام کیا تھا؟ ہمارے آدمی کو مارا تھا، اب دیکھو مدینہ پہنچتے ہی عزت والا وہاں سے ذلت والوں کو نکال باہر کرے گا یعنی انصاری مہاجرین کو مدینہ سے نکال دیں گے۔

یہ دو واقعات امام بخاری رحمہ اللہ نے مختلف روایتوں سے روایت کئے ہیں اور دونوں کے بیک وقت سبب نزول ہونے میں بھی کوئی اشکال نہیں۔

وطنیت پر اُکسانا دشمنانِ اسلام کا حربہ

اس واقعہ نے ہمیں یہ بھی سبق دیا ہے کہ دشمنانِ اسلام آج سے نہیں بلکہ ہمیشہ سے مسلمانوں کا شیرازہ منتشر کرنے کے لئے یہی برادری اور وطنی قومیت کا حربہ استعمال کرتے ہیں، جب اور جس وقت موقع مل جاتا ہے اسی سے کام لے کر مسلمانوں میں تفرقہ ڈالتے ہیں۔

افسوس کہ زمانۂ دراز سے پھر مسلمان اپنے اس سبق کو بھول گئے اور اغیار نے مسلمانوں کی اسلامی وحدت کے ٹکڑے کرنے میں پھر وہی شیطانی جال پھیلا دیا اور دین واصولِ دین سے غفلت کی بناء پر عام دنیا کے مسلمان اس جال میں پھنس کر باہمی خانہ جنگیوں کے شکار ہوگئے اور کفر والحاد کے مقابلہ کیلئے انکی متحدہ قوت پاش پاش ہوگئی، صرف عربی وعجمی ہی نہیں عربوں میں مصری، شامی، حجازی، یمنی ایک دوسرے سے متحد نہ رہے۔ [۲]

(۳) باب قوله: ﴿ذٰلِکَ بِأَنَّهُمْ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ﴾ [۳]

اس ارشاد کا بیان: ”یہ ساری باتیں اس وجہ سے ہیں کہ یہ (شروع میں بظاہر) ایمان لے آئے، پھر انہوں نے کفر اپنالیا، اسلئے انکے دلوں پر مہر لگادی گئی، نتیجہ یہ کہ یہ لوگ (حق بات) سمجھتے ہی نہیں ہیں۔“

۴۹۰۲ - حدثنا آدم: حدثنا شعبة، عن الحكم قال: سمعت محمد بن كعب القرظي قال: سمعت زيد بن أرقم ﷺ قال: لما قال عبدالله بن أبي: لاتنفقوا على من عند رسول الله، وقال أيضاً: لئن رجعنا إلى المدينة، أخبرت به النبي ﷺ فلامني الأنصار، وحلف عبدالله بن أبي ما قال ذلك. فرجعت إلى المنزل فنمت، فدعاني رسول الله ﷺ فأتيته، فقال: ((إن الله قد صدقك)) ونزل ﴿هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا﴾ الآية.

وقال ابن أبي زائدة، عن الأعمش، عن عمرو، عن عبدالرحمن بن أبي ليلى، عن

---

[۲] معارف القرآن، ج:۸، ص:۴۵۵

زيد بن أرقم عن النبي ﷺ. [راجع: ۴۹۰۰]

ترجمہ: محمد بن کعب قرظی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت زید بن ارقم ؓ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ جب عبداللہ بن ابی ابن سلول نے کہا کہ جو لوگ رسول اللہ کے ساتھ ہیں ان پر خرچ نہ کرو، اور یہ بھی کہا کہ اب اگر ہم مدینہ واپس گئے تو ایسا ایسا کریں گے۔ تو میں نے یہ خبر نبی کریم ﷺ تک پہنچائی، اس پر انصار نے مجھے ملامت کی اور عبداللہ بن ابی نے قسم کھالی کہ اس نے یہ بات نہیں کہی تھی۔ پھر میں گھر واپس آگیا اور سو گیا، اس کے بعد مجھے رسول اللہ ﷺ نے طلب فرمایا اور میں حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری تصدیق میں آیت نازل کردی ہے۔ اور یہ آیت اتری ﴿هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا﴾۔

اور ابن ابی زائدہ نے اعمش سے بیان کیا، ان سے عمرو نے، ان سے ابن ابی لیلیٰ نے اور ان سے حضرت زید بن ارقم ؓ نے نبی کریم ﷺ سے اسی طرح نقل کیا۔

باب: ﴿وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِنْ يَقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ﴾ الآية [۴]

باب: ”جب تم ان کو دیکھو تو ان کے ڈیل ڈول تمہیں بہت اچھے لگیں، اور اگر وہ بات کریں تو ان کی باتیں سنتے رہ جاؤ“

۴۹۰۳ - حدثنا عمرو بن خالد: حدثنا زهير بن معاوية: حدثنا أبو إسحاق قال: سمعت زيد بن أرقم قال: خرجنا مع النبي ﷺ في سفر أصاب الناس فيه شدة، فقال عبدالله بن أبي لأصحابه: لاتنفقوا على من عند رسول الله حتى ينفضّوا من حوله. وقال: لئن رجعنا إلى المدينة ليخرجن الأعز منها الأذل. فأتيت النبي ﷺ فأخبرته فأرسل إلى عبدالله بن أبي فسأله، فاجتهد يمينه مافعل قالوا: كذب زيد رسول الله ﷺ، فوقع في نفسي مما قالوا شدة، حتى أنزل الله عزوجل تصديقي في ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُوْنَ﴾ فدعاهم النبي ﷺ ليستغفر لهم فلووا رؤوسهم. وقوله: ﴿خُشُبٌ مُسَنَّدَةٌ﴾، قال: كانوا رجالا أجمل شيء. [راجع: ۴۹۰۰]

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم ؓ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر میں تھے جس میں لوگوں کو مشکلات پیش آئیں، تو عبداللہ بن ابی نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس جمع ہیں ان پر خرچ مت کیا کرو، تاکہ وہ ان کے پاس سے منتشر ہو جائیں اور اس نے یہ بھی کہا کہ اگر اب ہم مدینہ لوٹ کر

جائیں گے تو عزت والا وہاں سے ذلیلوں کو نکال باہر کرے گا۔ میں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس کی اطلاع دی، تو آپ نے عبداللہ بن ابی کو بلا کر پوچھا اس نے بڑی قسمیں کھا کر کہا کہ میں نے ایسی کوئی بات نہیں کہی۔ لوگوں نے کہا کہ زید بن ارقم نے رسول اللہ ﷺ سے غلط بیانی کی ہے، لوگوں کی اس طرح کی باتوں سے مجھ کو تکلیف پہنچی، یہاں تک کہ اللہ ﷻ نے میری تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ﴾ پھر نبی کریم ﷺ ان منافقوں کو بلایا کہ وہ اپنے قصور کا اقرار کریں اور استغفار کریں، لیکن انہوں نے اپنے سر پھیر لئے، اور ارشاد الٰہی ﴿خُشُبٌ مُسَنَّدَةٌ﴾ سہارے سے لگائی ہوئی لکڑی ان کے متعلق اس لئے کہا گیا کہ وہ بڑے خوبصورت اور اچھے قدامت کے تھے۔

تشریح

﴿خُشُبٌ مُسَنَّدَةٌ﴾، قال: كانوا رجالا أجمل شيء. یعنی لکڑیاں جو دیوار پر ٹیک لگائے رکھی گئی ہوں تو جو لکڑیاں دیوار پر کسی وجہ سے ٹیک لگا کر رکھی گئی ہو ان کے اندر علم وشعور اور حس وادارک نہیں ہوتا۔

تشبیہ حقیقت میں دو چیزوں میں ہے کہ دیوار میں ٹیک لگا کر لکڑیاں رکھنے سے دیکھنے میں بڑی خوبصورت لگتی ہے لیکن اندر سے علم کچھ نہیں ہوتا، شعور کچھ نہیں ہوتا، تو اس ایسے ہی جو منافقین ہیں کہ دیکھنے میں بڑے خوبصورت ہیں لیکن اندر سے علم اور ایمان سے خالی ہیں تو اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا کہ "قال كانوا رجلاً أجمل شيء"۔

(۴) باب قوله: ﴿وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُولُ اللَّهِ لَوَّوْا رُؤُوسَهُمْ﴾ إلى قوله ﴿مُسْتَكْبِرُونَ﴾ [۵]

اس ارشاد کا بیان: "اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ، اللہ کے رسول تمہارے حق میں مغفرت کی دعاء کریں، تو یہ اپنے سروں کو مٹکاتے ہیں، اور تم انہیں دیکھو گے کہ وہ بڑے گھمنڈ کے عالم میں بے رُخی سے کام لیتے ہیں۔"

حرّكوا: استهزؤا بالنبي ﷺ، ويقرأ بالتخفيف من لويت.

ترجمہ: اپنے سر ہنسی مذاق میں ہلانے لگے یعنی نبی کریم ﷺ کے ساتھ استہزاء کرنے لگے۔

اور بعض نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اس طرح "لَوَیۡتُ" یعنی سر موڑ لیا۔

آیت کی تشریح

اس میں قرآن کریم نے جو لفظ ﴿لَوَّوْا رُءُوْسَهُمْ﴾ استعمال فرمایا ہے، اُس میں ترجمہ سر کا موڑنا ہوسکتا بھی ہے، اور ہلانا بھی۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے شاید اسی لئے اس کا ترجمہ مٹکانے سے کیا ہے جس میں ایک مکاری کا تصور پنہاں اور جو اُن کی کیفیت کی صحیح ترجمانی کرتا ہے۔ [۴]

بعض دفعہ ان منافقین کی کوئی شرارت صاف طور پر کھل جاتی اور کذب وخیانت کا پردہ فاش ہو جاتا تو لوگ کہتے کہ اب بھی وقت نہیں گیا آؤ، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اللہ جل جلالہ سے اپنا قصور معاف کروالو، حضور ﷺ کے استغفار کی برکت سے اللہ جل جلالہ تمہاری خطا معاف فرمادے گا، تو غرور وتکبر سے اس پر آمادہ نہ ہوتے اور بے پروائی سے گردن ہلا کر اور سر مٹکا کر رہ جاتے۔

بلکہ بعض اوقات بدبخت صاف کہہ دیتے کہ ہم کو رسول اللہ کے استغفار کی ضرورت نہیں۔ [۵]

۴۹۰۴ - حدثنا عبداللہ بن موسی، عن اسرائیل، عن أبی اسحاق، عن زید بن أرقم قال: کنت مع عمی، فسمعت عبداللہ بن أبی ابن سلول یقول: لا تنفقوا علی من عند رسول اللہ حتی ینفضوا، ولئن رجعنا إلی المدینة لیخرجن الأعز منها الأذل، فذکرت ذلک لعمی فذکره عمی للنبی ﷺ وصدقهم، فدعانی فحدثته فأرسل الی عبداللہ بن أبی واصحابه فحلفوا ما قالوا وکذبنی النبی ﷺ فأصابنی همٌّ لم یصبنی مثله قط، فجلست فی بیتی، وقال عمی: ما أردت إلی أن کذبک النبی ﷺ ومقتک؟ فأنزل اللہ تعالیٰ ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ﴾ وأرسل إلی النبی ﷺ فقرأها وقال: ((إن اللہ قد صدقک)). [راجع: ۴۹۰۰]

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں نے اپنے چچا کے ساتھ تھا میں نے عبداللہ بن ابی ابن سلول کو کہتے سنا کہ جو لوگ رسول کے پاس ہیں ان پر کچھ خرچ نہ کرو تاکہ وہ منتشر ہو جائیں۔ اور اگر اب ہم

---

[۴] آسان ترجمہ قرآن، سورۃ المنافقون: ۵، ج: ۳، ص: ۱۷۳۱

[۵] تفسیر عثمانی، سورہ منافقون، آیت: ۵، فائدہ ۱۔

مدینہ واپس لوٹیں گے تو ہم میں سے جو عزت والے ہیں ان ذلیلوں کو نکال باہر کردیں گے۔ میں نے اس کا ذکر اپنے چچا سے کیا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا، آپ نے مجھے بلایا تو میں نے سارا واقعہ سنایا، پھر آپ نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں تو انہوں نے قسم کھالی کہ انہوں نے ایسا کچھ بھی نہیں کہا ہے۔ جب آپ نے ان ہی کی تصدیق کردی تو مجھے اس کا اتنا افسوس ہوا کہ پہلے کبھی کسی بات پر نہ ہوا ہوگا، میں غم سے اپنے گھر میں بیٹھ گیا۔ میرے چچا نے کہا کہ تمہارا کیا ایسا خیال تھا کہ نبی کریم ﷺ نے تمہیں جھٹلایا اور تم پر خفا ہوئے ہیں؟ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنَافِقُونَ قَالُوا نَشْهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ﴾ نبی کریم ﷺ نے مجھے بلوا کر اس آیت کی تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری تصدیق نازل کردی ہے۔

(۵) بابُ قوله: ﴿سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ﴾ الآية [۶]

اس ارشاد کا بیان: ”(اے پیغمبر!) ان کے حق میں دونوں باتیں برابر ہیں، چاہے تم ان کے لئے مغفرت کی دعاء کرو۔“

رئیس المنافقین کی ہٹ دھرمی

عبداللہ بن ابی جسکے معاملے میں یہ سورت نازل ہوئی ہے جس میں اسکی قسموں کا جھوٹا ہونا واضح کردیا گیا تو لوگوں نے اسکو ازراہِ خیر خواہی یہ کہا کہ تجھے معلوم ہے کہ تیرے بارے میں قرآن میں کیا نازل ہوا ہے؟ اب بھی وقت نہیں گیا تو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوجا اور اعترافِ جرم کرلے، تو رسول اللہ ﷺ تیرے لئے استغفار فرمادیں گے۔ اس نے جواب میں کہا کہ تم لوگوں نے مجھے کہا کہ ایمان لے آ، میں نے ایمان اختیار کرلیا، پھر تم نے مجھے اپنے مال سے زکوۃ دینے کو کہا تو وہ دینے لگا، اب اسکے سواء کیا رہ گیا ہے کہ میں محمد کو سجدہ کیا کروں؟

اس پر آیاتِ مذکورہ نازل ہوئیں جن میں واضح کردیا گیا کہ جب اُس کے دل میں ایمان ہی نہیں تو اس کے لئے کسی کا استغفار نافع نہیں ہوسکتا ہے۔

۴۹۰۵ ـ حدثنا علی: حدثنا سفيان: قال عمرو: سمعت جابر بن عبدالله رضي الله عنهما قال: كنا في غزاة. قال سفيان مرة: في جيش. فكسع رجل من المهاجرين رجلا من الأنصار، فقال الأنصاري: يا للأنصار، وقال المهاجري: يا للمهاجرين، فسمع ذلك رسول الله ﷺ فقال: ((ما بال دعوى جاهلية؟)) قالوا: يارسول الله، كسع الرجل من المهاجرين رجلا من الأنصار، فقال: ((دعوها فإنها منتنة)). فسمع بذلك عبدالله بن أبي فقال: فعلوها؟ أما والله لئن

رجعنا إلى المدينة ليخرجن الأعز منها الأذل. فبلغ النبی ﷺ، فقام عمر فقال: یارسول الله، دعنی أضرب عنق هذا المنافق. فقال النبی ﷺ: ((دعه، لا یتحدث الناس أن محمدا یقتل أصحابه)). وكانت الأنصار أكثر من المهاجرين حين قدموا المدينة. ثم إن المهاجرين كثروا بعد.

قال سفيان: فحفظته من عمرو، قال عمرو: سمعت جابراً: كنا مع النبی ﷺ.

[راجع: ۳۵۱۸]

ترجمہ: عمرو کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ ہم ایک غزوہ میں تھے، سفیان بن عیینہ نے غزوہ کے بجائے جیش کا لفظ کہا۔ مہاجرین میں سے ایک آدمی نے انصار کے ایک آدمی کو لات ماردی۔ اس پر انصاری نے کہا کہ **یا للانصار** یعنی اے انصاریو! دوڑو اور مہاجر نے کہا کہ **یاللمهاجرین** ۔ یعنی اے مہاجرین! دوڑو۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اسے سنا اور فرمایا کہ کیا قصہ ہے؟ یہ جاہلیت کی پکار کیسی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ اے اللہ کے رسول! ایک مہاجر نے ایک انصاری کو لات سے ماردی ہے۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اس طرح جاہلیت کا نعرہ چھوڑ دو کہ یہ بد بودار نعرہ ہے۔ عبداللہ بن ابی نے بھی یہ بات سنی تو کہا اچھا اب یہاں تک نوبت پہنچ گئی۔ خدا کی قسم! جب ہم مدینہ لوٹیں گے تو ہم میں سے عزت والا ذلیلوں کو نکال کر باہر کردے گا۔ پھر یہ خبر نبی کریم ﷺ کو پہنچ گئی، اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیں کہ میں اس منافق کی گردن ماردوں۔ تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا اسے چھوڑ دو، تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد اپنے ساتھیوں کو قتل کرا دیتے ہیں۔ جس وقت مہاجرین مدینہ آئے تو انصار زیادہ تھے اور مہاجرین کی تعداد ان کی تعداد کم تھی، لیکن بعد میں ان مہاجرین کی تعداد زیادہ ہوگئی تھی۔

سفیان نے بیان کیا کہ میں نے حدیث عمرو سے یاد کی، عمرو نے بیان کیا کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھے۔

(۲) باب قوله: ﴿هُمُ الَّذِينَ يَقُولُونَ لَا تُنْفِقُوا عَلَى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا﴾ [۷]

اس ارشاد کا بیان: ''یہی تو ہیں جو کہتے ہیں کہ جو لوگ رسول اللہ کے پاس ہیں اُن پر کچھ خرچ نہ کرو، یہاں تک کہ یہ خود ہی منتشر ہو جائیں۔''

يَتَفَرَّقُوا.

ترجمہ: خود ہی بکھر جائیں، متفرق ہو جائیں۔

باب: ﴿وَلِلّٰهِ خَزَائِنُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرْضِ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا يَفْقَهُوْنَ﴾

باب: ”حالانکہ آسمانوں اور زمین کے تمام خزانے اللہ ہی کے ہیں، لیکن منافق لوگ سمجھتے نہیں ہیں۔“

۴۹۰۶ - حدثنا إسماعيل بن عبدالله قال: حدثني إسماعيل بن إبراهيم بن عقبة، عن موسى بن عقبة قال: حدثني عبدالله بن الفضل: أنه سمع أنس بن مالک يقول: حزنت على من أصيب بالحرة. فكتب إلى زيد بن أرقم وبلغه شدة حزني يذكر أنه سمع رسول الله ﷺ يقول: ((اللّٰهم اغفر للأنصار ولأبناء الأنصار))، و شک ابن الفضل في أبناء أبناء الأنصار، فسأل أنسا بعض من كان عنده فقال: هو الذي يقول رسول الله ﷺ: ((هذا الذي أوفى الله له بأذنه)). [۷]

ترجمہ: عبداللہ بن فضل بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت انس بن مالک ﷺ کو کہتے ہوئے سنا کہ حرہ میں جو مصیبت پہنچی تھی، اس پر مجھے بہت صدمہ ہوا۔ تو حضرت زید بن ارقم ﷺ کو میرے شدت غم کی خبر ملی تو انہوں نے مجھے لکھ بھیجا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ **((اللّٰهم اغفر للأنصار ولأبناء الأنصار))** یعنی اے اللہ! انصار کی مغفرت فرما اور انصار کے بیٹوں کی بھی مغفرت فرما۔ ابن فضل کو اس میں شک تھا کہ شاید آپ نے انصار کے بیٹوں کے بیٹوں کے متعلق بھی فرمایا تھا یا نہیں۔ جو لوگ وہاں پر تھے، ان میں سے کسی نے حضرت انس ﷺ سے (حضرت زید بن ارقم ﷺ) کے متعلق پوچھا تو حضرت انس ﷺ نے

---

[۷] وفي صحيح مسلم، كتاب الكسوف، باب اعطاء المؤلفة قلوبهم على الاسلام وتصبر من قوى ايمانه، رقم: ۱۰۵۹، وكتاب فضائل الصحابة رضي الله عنهم اجمعين، باب من فضائل الأنصار رضي الله عنهم، رقم: ۲۵۰۷، ۲۵۱۰، وسنن الترمذي، أبواب المناقب، باب من فضل الأنصار وقريش، رقم: ۳۹۰۱، ۳۹۰۷، ۳۹۰۹، وسنن النسائي، كتاب الزكاة، باب ابن اخت القوم منهم، رقم: ۲۶۱۰، ۲۶۱۱، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند أنس بن مالک ﷺ، رقم: ۱۲۱۸۷، ۱۲۳۱۳، ۱۲۵۲۲، ۱۲۵۹۳، ۱۲۶۰۸، ۱۲۶۵۰، ۱۲۶۵۱، ۱۲۶۹۶، ۱۲۷۰۶، ۱۲۷۳۰، ۱۲۷۳۹، ۱۲۷۵۶، ۱۲۷۶۶، ۱۲۷۷۷، ۱۲۸۰۲، ۱۲۸۵۷، ۱۲۸۵۰، ۱۲۹۵۲، ۱۲۹۸۷، ۱۳۰۸۳، ۱۳۱۳۷، ۱۳۲۲۶، ۱۳۲۶۸، ۱۳۳۲۱، ۱۳۳۳۷، ۱۳۳۱۶، ۱۳۵۲۸، ۱۳۵۷۳، ۱۳۶۹۸، ۱۳۹۱۳، ۱۳۹۲۳، ۱۳۹۳۰، ۱۳۹۷۶، ۱۴۰۲۳، وسنن الدارمي، ومن كتاب السير، باب في مولى القوم وابن اختهم منهم، رقم: ۲۵۶۹

فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جس کی دی ہوئی خبر کو اللہ نے پورا کر دیا یعنی تصدیق کر دی۔

انصار کیلئے رسول اللہ ﷺ کی دعاءِ مغفرت

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ **"حزنت علی من اصیب با لحرة"** مجھے بڑا دکھ اور غم تھا ان لوگوں پر جو حرہ کے واقعہ میں شہید ہوئے۔ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کو میرے غم کا پتہ چلا تو انہوں نے مجھے خط لکھا، جس میں انہوں نے لکھا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ **"اللّٰهم اغفر للأنصار ولأبناء الأنصار"** یعنی اے اللہ! انصار کی مغفرت فرما اور انصار کے بیٹوں کی بھی مغفرت فرما۔

عبداللہ بن فضل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے شک ہے کہ آگے پھر **"ابناء ابناء الأنصار"** کہا تھا یا نہیں؟

حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے یہ تسلی کے الفاظ لکھ کر بھیجے کہ حضور اقدس ﷺ نے انصار کے لئے مغفرت کی دعا کی ہے، لہٰذا آپ کو زیادہ صدمہ نہ کرنا چاہئے۔ جو لوگ وہاں بیٹھے تھے ان میں سے کسی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے متعلق پوچھا یا یہ پوچھا کہ یہ کس کا خط ہے؟

تو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ وہ شخص ہے جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ **"هذا الذی أوفی الله له باذنه"** یہ وہ شخص ہے جس کی دی ہوئی خبر کو اللہ نے پورا کر دیا یعنی وہ شخص ہے جن کے بارے میں اللہ ﷻ نے پوری پوری تصدیق کی ان کے سننے کی یعنی وہی بات ہے، جو انہوں نے عبداللہ بن ابی کے بارے میں کہی تھی۔

(۷) باب: ﴿يَقُولُونَ لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ﴾ [الآیة ۸]

باب: "کہتے ہیں کہ: اگر ہم مدینہ کو لوٹ کر جائیں گے تو جو عزت والا ہے، وہ وہاں سے ذلت والے کو نکال باہر کرے گا" [۷]

---

[۷] یعنی منافق یہ نہیں جانتے کہ زور آور اور عزت والا کون ہے، یاد رکھو اصلی اور ذاتی عزت تو اللہ ﷻ کی ہے، اس کے بعد اسی سے تعلق رکھنے کی بدولت درجہ بدرجہ رسول کی اور ایمان والوں کی، روایات میں ہے کہ عبداللہ بن ابی کے وہ الفاظ کہ "عزت والا ذلیل کو نکال دیگا"۔ جب اس کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عبداللہ کو پہنچے جو مخلص مسلمان تھے، تو باپ کے سامنے تلوار لے کر کھڑے ہو گئے، بولے جب تک اقرار نہ کرے گا رسول اللہ عزت والے ہیں اور تو ذلیل ہے، زندہ نہ چھوڑوں گا۔ اور نہ مدینہ میں گھسنے دوں گا، آخر اقرار کرا کر چھوڑا۔ تفسیر عثمانی، سورہ منافقون، آیت: ۸، فائدہ: ۵۔

۴۹۰۷ ـ حدثنا الحمیدی: حدثنا سفیان قال: حفظناه من عمرو بن دینار قال: سمعت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما یقول: کنا فی غزاة فکسع رجل من المهاجرین رجلاً من الأنصار، فقال الأنصاری: یا للأنصار، وقال المهاجری: یا للمهاجرین، فسمعها اللہ ورسوله ﷺ، قال: ((ماهذا؟)) فقالوا: کسع رجل من المهاجرین رجلا من الأنصار فقال الأنصاری: یا للأنصار، وقال المهاجری: یا للمهاجرین. فقال النبی ﷺ: ((دعوها فإنها منتنة)). قال جابر: وکانت الأنصار حین قدم النبی ﷺ أکثر، ثم کثر المهاجرون بعد. فقال عبداللہ بن أبی: أوقد فعلوا؟ واللہ لئن رجعنا إلی المدینة لیخرجن الأعز منها الأذل. فقال عمر بن الخطاب ﷺ: دعنی یارسول اللہ أضرب عنق هذا المنافق. قال النبی ﷺ: ((دعه، لایتحدث الناس أن محمدا یقتل أصحابه)). [راجع: ۳۵۱۸]

قومیت کا بدبودار نعرہ

آپ ﷺ نے فرمایا کہ "دعوها فإنها منتنة" اس طرح جاہلیت کا نعرہ چھوڑ دو کہ یہ بدبودار نعرہ ہے۔

اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کو قومیت کے نام پر لڑائی جھگڑا کتنا مبغوض اور ناپسند تھا کہ یوں فرمایا کہ بدبودار چیز جہالت کا دعوی ہے۔ افسوس ہے کہ یہ جراثیم مسلمانوں سے ختم نہیں ہوتے، قومیت کے نام پر اپنی قوم کے آدمی کو اپنا اور دوسری قوم کے آدمی کو غیر سمجھنا، یہ جراثیم اب تک ختم نہیں ہوئے، اہل علم کو اللہ اس سے بچائے بڑی خطرناک بات ہے۔

(۶۴) سورة التغابن

سورۂ تغابن کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وجہ تسمیہ

اگر چہ بعض مفسرین نے اس سورت کی کچھ آیتوں کو مکہ اور کچھ کو مدنی کہا ہے، لیکن اکثر مفسرین نے پوری سورت کو مدنی قرار دیا ہے، البتہ اس کے مضامین مکی سورتوں کی طرح اسلام کے بنیادی عقائد کی دعوت پر مشتمل ہیں، اللہ ﷻ کی قدرت کاملہ کے حوالے سے توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان کی دعوت دی گئی ہے اور پچھلی امتوں کی تباہی کے اسباب بتاتے ہوئے توجہ دلائی گئی ہے کہ ہر انسان کو اللہ ﷻ کے رسول برحق اور ان پر نازل ہونے والی کتاب پر ایمان لاکر آخرت کی تیاری کرنی چاہئے اور اگر انسان کے بیوی بچے اس راستے میں رکاوٹ بنیں تو سمجھنا چاہئے کہ وہ انسان کی خیر خواہی نہیں، دشمنی کر رہے ہیں۔

سورت کا نام آیت نمبر:۹ ﴿ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ﴾ سے ماخوذ ہے۔

وقال علقمة، عن عبدالله: ﴿وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهُ﴾: هو الذى إذا أصابته مصيبة رضى بها وعرف أنها من الله. وقال مجاهد: ﴿التَّغَابُنِ﴾: غبن أهل الجنة أهل النار.

ترجمہ وتشریح

حضرت علقمہ رحمہ اللہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ سے روایت کی کہ آیت کریمہ ﴿وَمَنْ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهُ﴾ سے مراد وہ شخص ہے کہ جب اس کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو اس پر وہ راضی رہتا ہے اور یہ خوب سمجھتا ہے کہ یہ اللہ ﷻ ہی طرف سے ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "التَّغَابُنِ" کے معنی یہ ہیں کہ جنتی لوگ اہل جہنم کو نقصان یا حسرت میں مبتلاء کریں گے، یعنی جہنم میں جانے والے لوگ حسرت کریں گے کہ کاش وہ بھی ایمان لاتے۔

(۶۵) سورة الطلاق

سورۂ طلاق کا بیان

بسم الله الرحمٰن الرحیم

متوازن خاندانی نظام کی تفسیر

پچھلی دو سورتوں میں مسلمانوں کو یہ تنبیہ فرمائی گئی تھی کہ وہ اپنے بیوی بچوں کی محبت میں گرفتار ہو کر اللہ ﷻ کی یاد سے غافل نہ ہوں، اب اس سورت اور اگلی سورت میں میاں بیوی کے تعلقات سے متعلق کچھ ضروری احکام بیان فرمائے گئے ہیں۔

ازدواجی تعلقات کے مسائل میں طلاق ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں عملاً بہت افراط وتفریط پائی جاتی ہے، چنانچہ قرآن کریم نے اسکے بارے میں متوازن طرز عمل اختیار کرنے کیلئے طلاق کے کچھ احکام سورۂ بقرہ میں فرمائے ہیں، اب اس سورت میں طلاق کے وہ احکام بیان فرمائے گئے ہیں، جو وہاں نہیں ہوئے تھے۔

چنانچہ بتایا گیا کہ اگر طلاق دینی ہو تو اس کے لئے صحیح وقت اور صحیح طریقہ کیا ہے؟

نیز جن عورتوں کو حیض نہ آتا ہو ان کی عدت کا کیا ہوگی؟

عدت کے دوران ان کے سابق شوہروں کو ان کا خرچ کس معیار پر اور کب تک اٹھانا ہوگا؟

اگر اولاد ہو چکی ہو تو اس کو دودھ پلانے کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟

اس قسم کے احکام بیان فرماتے ہوئے بار بار اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ہر مرد اور عورت کو اللہ ﷻ سے ڈرتے ہوئے اپنے فرائض ادا کرنے چاہئیں، کیونکہ میاں بیوی کا تعلق ایسا ہے کہ ان کی ہر شکایت کا علاج عدالتوں سے نہیں مل سکتا۔

ایک متوازن خاندانی نظام اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک ہر فریق اللہ ﷻ کے سامنے جواب دہی کا احساس کرتے ہوئے اپنے فرائض انجام نہ دے، اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں، انہی کو دنیا اور آخرت میں کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

وقال مجاهد: ﴿وَبَالَ أَمْرِهَا﴾: جزاء أمرها.

﴿إِنِ ارْتَبْتُمْ﴾: إن لم تعلموا أتحيض أم لا تحيض، فاللائي قعدن عن المحيض

واللائي لم يحضن بعد فعدتهن ثلاثة اشهر.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے کہا کہ ﴿وَبَالَ أَمْرِهَا﴾ کے معنی ہیں اپنے کام اپنے اعمال کی سزا۔

﴿إِنِ ارْتَبْتُمْ﴾ سے مراد یہ ہے کہ جن کے عورتوں کے بارے میں شک ہو کہ ان کے حیض آتا ہے یا نہیں، تو اس صورت میں ان کی عدت کی مدت تین ماہ ہوگی۔

تین ماہ کی عدت کا حکم

عدت طلاق عام حالات میں تین حیض پورے ہیں، لیکن وہ عورتیں جن کو عمر کی زیادتی یا کسی بیماری وغیرہ کے سبب حیض آنا بند ہو چکا ہو، اسی طرح وہ عورتیں جن کو کم عمری کے سبب ابھی تک حیض آنا شروع نہ ہوا ہو۔

﴿وَالّٰئِي يَئِسْنَ مِنَ الْمَحِيضِ مِن نِّسَائِكُمْ إِنِ ارْتَبْتُمْ فَعِدَّتُهُنَّ ثَلَاثَةُ أَشْهُرٍ وَالّٰئِي لَمْ يَحِضْنَ﴾ [الطلاق: ۴]

ترجمہ: اور تمہاری عورتوں میں سے جو ماہواری آنے سے مایوس ہو چکی ہوں، اگر تمہیں (ان کی عدت کے بارے میں) شک ہو تو (یاد رکھو کہ) ان کی عدت تین مہینے ہے۔

ان کی عدت اس آیت میں تین حیض کے بجائے تین مہینے مقرر فرمادی اور حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل قرار دی ہے خواہ وہ کتنے ہی دنوں میں ہو۔

(۱) بابٌ:

یہ باب بلا عنوان ہے۔

۴۹۰۸ ـ حدثنا يحيى بن بكير: حدثنا الليث: حدثني عقيل، عن ابن شهاب قال: أخبرني سالم: أن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما أخبره أنه طلق امرأته وهي حائض، فذكر عمر لرسول الله ﷺ فتغيظ فيه رسول الله ﷺ ثم قال: ((ليراجعها ثم يمسكها حتى تطهر، ثم تحيض فتطهر، فإن بدا له أن يطلقها فليطلقها طاهرا قبل أن يمسها، فتلك العدة كما

أمره الله)). [أنظر: ۵۲۵۱، ۵۲۵۲، ۵۲۵۳، ۵۲۵۸، ۵۲۶۴، ۵۳۳۲، ۵۳۳۳، ۷۱۶۰] ؎

ترجمہ: حضرت سالم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے انہیں بتایا کہ انہوں نے اپنی بیوی کو جب وہ حائضہ تھی تو طلاق دی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا اس پر رسول اللہ ﷺ بہت غصہ ہوئے اور پھر فرمایا کہ وہ ان سے یعنی اپنی بیوی سے رجوع کرلیں اور اپنے ساتھ نکاح میں رکھیں، یہاں تک کہ وہ ماہواری سے پاک ہوجائے اور پھر ماہواری آئے اور پھر وہ اس سے پاک ہو۔ اب اگر طلاق دینا چاہے تو اس پاکی کے زمانہ میں اس کے ساتھ ہم بستری سے پہلے طلاق دے سکتے ہیں، پاس یہی وقت ہے جس میں اللہ ﷻ نے مردوں کو حکم دیا ہے کہ اس حالت میں طلاق دیں۔

حدیث سے ثابت ہونے والے احکام

اس حدیث سے چند احکام ثابت ہوتے ہیں:

اول: یہ کہ حالتِ حیض میں طلاق دینا حرام ہے۔

دوسرے: یہ کہ اگر کسی نے ایسا کرلیا تو اس طلاق سے رجعت کرلینا واجب ہے، بشرطیکہ طلاق قابلِ

؎ وفی صحیح مسلم، کتاب الطلاق، باب تحریم الطلاق والحائض بغیر رضاها، وانه لو خالف وقع الطلاق، ویؤمر برجعتها، رقم: ۱۴۷۱، وسنن ابی داؤد، کتاب الطلاق، باب فی طلاق السنة، رقم: ۲۱۷۹، ۲۱۷۱، ۲۱۸۲، ۱۲۸۳، ۲۱۸۵، وسنن الترمذی، أبواب الطلاق واللعان، باب ماجاء فی طلاق السنة، رقم: ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، وسنن النسائی، کتاب الطلاق، باب وقت الطلاق للعدة التی امر الله عزوجل ان تطلق لها النساء، رقم: ۳۳۸۹، ۳۳۹۷، ۳۳۹۱، ۳۳۹۲، وباب ما یفعل اذا طلق تطلیقة وهی حائض، رقم: ۳۳۹۶، ۳۳۹۷، وباب الطلاق لغیر العدة، رقم: ۳۳۹۸، وباب الطلاق لغیر العدة ومایحتسب منه علی المطلق، رقم: ۳۳۹۹، ۳۴۰۰، وباب الرجعة، رقم: ۳۵۵۵، ۳۵۵۶، ۳۵۵۷، ۳۵۵۸، ۳۵۵۹، وسنن ابن ماجه، کتاب الطلاق، باب طلاق السنة، رقم: ۲۰۱۹، ۲۰۲۲، وباب الحامل کیف الطلاق، رقم: ۲۰۲۳، وموطا مالک، کتاب الطلاق، باب ماجاء فی الأقراء، وعدة الطلاق وطلاق الحائض، رقم: ۵۳، وباب جامع الطلاق، رقم: ۷۹، ومسند أحمد، مسند العشرة المبشرین بالجنة، مسند الخلفاء الراشدین، أول مسند عمر بن الخطاب رضی الله عنه، رقم: ۳۰۴، ومسند المکثرین من الصحابة، مسند عبدالله بن رضی الله عنهما، رقم: ۴۵۰۰، ۴۷۸۹، ۵۰۲۵، ۵۱۲۱، ۵۱۶۴، ۵۲۲۸، ۵۲۶۸، ۵۲۶۹، ۵۲۷۰، ۵۲۷۲، ۵۲۹۹، ۵۳۲۱، ۵۳۳۳، ۵۳۳۴، ۵۴۸۹، ۵۵۰۴، ۵۵۲۴، ۵۵۲۵، ۵۷۹۲، ۶۰۶۱، ۶۱۱۹، ۶۱۴۱، ۶۲۳۲، ۶۳۲۹، ۲۳۲۹، وسنن الدارمی، ومن کتاب الطلاق، باب السنة فی الطلاق، رقم: ۲۳۰۸، ۲۳۰۹

رجعت ہو، جیسا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے واقعہ میں ہے۔

تیسرے: یہ کہ جس طہر میں طلاق دینا واجب ہے، اس میں عورت سے مباشرت وصحبت نہ ہو۔

چوتھے: یہ کہ آیت ﴿فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ﴾ کی یہی تفسیر ہے۔

(۲) باب: ﴿وَأُوْلَاتُ الْأَحْمَالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ وَمَنْ يَتَّقِ اللهَ يَجْعَلْ لَهُ مِنْ أَمْرِهِ يُسْراً﴾ [۴]

باب: ''اور جو عورتیں حاملہ ہوں، اُن کی (عدت کی) میعاد یہ ہے کہ وہ اپنے پیٹ کا بچہ جن لیں، اور جو کوئی اللہ سے ڈرے گا، اللہ اُس کے کام میں آسانی پیدا کردے گا۔''

وأولات الأحمال: وحدها ذات حمل.

ترجمہ: ''**وأولات الأحمال**'' یعنی حاملہ عورتیں یہ جمع ہے اور ''**ذات حمل**'' اس کی واحد ہے۔

۴۹۰۹ ـ حدثنا سعد بن حفص: حدثنا شيبان، عن يحيى قال: أخبرني أبو سلمة قال: جاء رجل إلى ابن عباس وأبوهريرة جالس عنده فقال: أفتني في امرأة ولدت بعد زوجها بأربعين ليلة. فقال ابن عباس: آخر الأجلين. قلت أنا: ﴿وَأُوْلَاتِ الأحمالِ اَجَلُهُنَّ اَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ قال أبوهريرة: أنا مع ابن اخي، يعني أباسلمة. فأرسل ابن عباس غلامه كريبا إلى أم سلمة يسألها فقالت: قُتِلَ زوج سبيعة الأسلمية وهي حبلى فوضعت بعد موته بأربعين ليلة، فخطبت فأنكحها رسول الله ﷺ وكان أبوالسنابل فيمن خطبها. [أنظر: ۵۳۱۸] ۲

---

۲ وفي صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب انقضاء عدة المتوفى عنها زوجها، وغيرها بوضع الحمل، رقم: ۱۴۸۵، وسنن الترمذي، أبواب الطلاق واللعان، باب ماجاء في الحامل المتوفى عنها زوجها تضع، رقم: ۱۱۹۴، وسنن النسائي، كتاب الطلاق، باب عدة الحامل المتوفى عنها زوجها، رقم: ۳۵۰۹، ۳۵۱۰، ۳۵۱۱، ۳۵۱۲، ۳۵۱۳، ۳۵۱۴، ۳۵۱۵، ۳۵۱۶، وموطا مالك، كتاب الطلاق، باب عدة المتوفى عنها زوجها اذا كانت حاملاً، رقم: ۸۳، ۸۲، ومسند احمد، حديث ام سلمة زوج النبي ﷺ، رقم: ۲۶۳۷۱، ۲۶۶۵۸، ۲۶۶۷۵، ۲۶۷۱۵، وسنن الدارمي، ومن كتاب الطلاق، باب في عدة الحامل المتوفى عنها زوجها والمطلقة، رقم: ۲۳۲۵، ۲۳۲۶

ترجمہ: ابوسلمہ بن عبدالرحمن نے بیان کیا کہ ایک شخص حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آیا، حضرت ابو ہریرہ ﷺ بھی ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، اس آدمی نے پوچھا کہ آپ مجھے اس عورت کے متعلق مسئلہ بتائیے جس نے اپنے شوہر کی وفات کے چالیس دن بعد بچہ جنا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا اس کی عدت "آخر الأجلین" ہے، یعنی وہ عدت جو دونوں مدتوں میں دراز ہو۔ میں نے کہا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرض کیا کہ قرآن میں تو ہے ﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ یعنی حاملہ عورتوں کی عدت ان کے اس حمل کا پیدا ہو جانا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے کہا کہ میں بھی اس مسئلے میں اپنے بھتیجے کیساتھ ہوں یعنی ابوسلمہ بن عبدالرحمن کے ساتھ ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اپنے غلام کریب کو ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں بھیجا، یہی مسئلہ پوچھنے کے لئے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ سبیعہ اسلمیہ کے شوہر اسعد بن خولہ ﷺ شہید ہو گئے تھے اور وہ اس وقت حاملہ تھیں، شوہر کی شہادت کے چالیس دن بعد انہوں نے بچہ جنا، پھر انکے پاس نکاح کا پیغام پہنچا اور رسول اللہ ﷺ نے ان کا نکاح کر دیا اور ابوالسنابل بھی انکے پاس پیغام نکاح بھیجنے والوں میں سے تھے۔

۴۹۱۰ ـ وقال سليمان بن حرب وأبو النعمان: حد . حماد بن زيد، عن أيوب، عن محمد، قال: كنت في حلقة فيها عبدالرحمن بن أبي ليلى وكان أصحابه يعظمونه. فذكر آخر الأجلين فحدثت بحديث سبيعة بنت الحارث، عن عبدالله بن عتبة، قال: فضمز لي بعض اصحابه، قال محمد: ففطنت له فقلت: إني إذا لجرىءٌ إن كذبت على عبدالله بن عتبة وهو في ناحية الكوفة، فاستحيا وقال: لكن عمه لم يقل ذاك. فلقيت أبا عطية مالك بن عامر فسألته فذهب يحدثني حديث سبيعة، فقلت: هل سمعت عن عبدالله فيها شيئا؟ فقال: كنا عند عبدالله فقال: أتجعلون عليها التغليظ ولاتجعلون عليها الرخصة؟ نزلت سورة النساء القصرى بعد الطولى ﴿وأُولاتُ الأحمالِ أجَلُهُنَّ أنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾.

[راجع: ۴۵۳۲]

ترجمہ: محمد بن سیرین بیان کرتے ہیں کہ میں ایک علمی مجلس میں تھا، جس میں عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ بھی موجود تھے، انکے اصحاب انکی تعظیم کر رہے تھے۔ (حاملہ کی عدت) عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ نے "**آخر الأجلين**" بیان کی تو میں نے وہاں سبیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا کی حدیث عبداللہ بن عتبہ کے واسطہ سے بیان کی، محمد بن سیرین نے بیان کیا کہ عبدالرحمن بن ابی لیلی کے بعض اصحاب نے مجھ کو اشارے سے تنبیہ کی کہ چپ رہو۔ محمد بن سیرین نے بیان کیا کہ میں سمجھ گیا اور میں نے کہا عبداللہ بن عتبہ کوفہ میں موجود ہیں اگر میں ان کی طرف جھوٹ کی نسبت کرتا ہوں تو بہت جرأت کی بات ہوگی۔ اس پر مجھے تنبیہ کرنے والے صاحب شرمندہ ہوئے اور عبدالرحمن

بن ابی لیلیٰ نے کہا لیکن ان کے چچا تو یہ بات نہیں کہتے تھے۔ ابن سیرین نے بیان کیا کہ پھر میں ابوعطیہ مالک بن عامر سے ملا اور ان سے مسئلہ پوچھا تو وہ بھی سبیعہ والی حدیث بیان کرنے لگے، لیکن میں نے ان سے کہا کہ آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس سلسلے میں کچھ سنا ہے؟ تو انہوں نے بیان کیا ہم حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر تھے تو انہوں نے کہا کیا تم اس عورت پر (جس کا شوہر انتقال ہوگیا اور وہ حاملہ ہو اس کی مدت عدت کو طول دے کر) سختی کرنا چاہتے ہو اور رخصت و سہولت دینے کیلئے تیار نہیں؟ بات یہ ہے کہ چھوٹی سورۂ نساء یعنی سورۂ طلاق بڑی سورۂ نساء کے بعد نازل ہوئی ﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾۔

عدتِ وضع حمل

سورۂ بقرہ میں طلاق یافتہ عورتوں کی عدت تین ماہواری بتائی گئی ہے، اس پر بعض حضرات کے دل میں سوال پیدا ہوا کہ جن عورتوں کی ماہواری بڑی عمر میں پہنچنے پر بند ہو جاتی ہیں، ان کی عدت کیا ہوگی؟

اس آیت نے واضح کر دیا کہ تین ماہواری کے بجائے ان کی عدت تین مہینے ہوگی۔

اسی طرح وہ نابالغ لڑکیاں جنہیں ابھی ماہواری آنی شروع ہی نہیں ہوئی، انکی عدت بھی تین مہینے ہوگی۔

اور جن عورتوں کو حمل کی حالت میں طلاق دی گئی ہو، ان کی عدت اس وقت تک جاری رہے گی جب تک ان کے یہاں بچہ پیدا ہو جائے، یا حمل کسی وجہ سے گر جائے، چاہے وہ تین مہینے سے کم مدت میں ہو یا زیادہ مدت میں۔ [۳]

---

[۳] آسان ترجمۃ القرآن، سورہ طلاق، ص: ۱۷۵۸۔

(٦٦) سورة التحريم

سورۂ تحریم کا بیان

بسم الله الرحمن الرحیم

سورت کا مرکزی موضوع اور وجہ تسمیہ

اس سورت کا بنیادی موضوع بھی یہ ہے کہ میاں بیوی کو آپس میں اور اپنی اولاد کے ساتھ کس طرح معتدل اور متوازن رویہ اختیار کرنا چاہئے، ایک طرف ان سے معقول حدود میں محبت بھی دینے کا تقاضا ہے اور دوسری طرف ان کی یہ نگرانی بھی ضروری ہے کہ وہ اللہ ﷻ کے احکام سے انحراف نہ کریں۔

اسی سلسلے میں ایک واقعہ خود آنحضرت ﷺ کے ساتھ پیش آیا تھا کہ اپنی کچھ ازواج مطہرات کی خوشنودی کی خاطر آپ نے یہ قسم کھالی تھی کہ میں آئندہ شہد نہیں پیوں گا، اس پر اللہ ﷻ نے آپ سے یہ فرمایا کہ جو چیز اللہ ﷻ نے آپ کیلئے حلال کی ہے، اسے آپ اپنے اوپر کیوں حرام کرتے ہیں؟

اسی لئے سورت کا نام "التحریم" ہے جس کے معنی ہیں حرام کرنا۔

(١) باب: ﴿يا أيها النبي لم تحرم ما أحل الله لك﴾ [الآية: ١]

باب: ''اے نبی! جو چیز اللہ نے تمہارے لئے حلال کی ہے، اُسے کیوں حرام کرتے ہو؟''

آیاتِ تحریم کے نزول کا سبب

اس آیت میں بھی قرآن کریم کے عام اسلوب کے مطابق رسول اللہ ﷺ کو آپ کا نام لے کر خطاب نہیں کیا بلکہ ﴿يا أيها النبي﴾ کے لقب سے خطاب فرمایا جو آپ کا خصوصی اعزاز واکرام ہے اور پھر فرمایا کہ اپنی ازواج کی رضا جوئی کے لئے آپ اپنے اوپر ایک حلال چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں۔

یہ کلام اگرچہ از روئے شفقت ہوا مگر صورت جواب طلبی کی تھی جس سے یہ خیال ہوسکتا تھا کہ شاید آپ سے کوئی بڑی غلطی ہوگئی، اس لئے ساتھ ہی آیت کے آخر میں فرمایا: ﴿وَاللهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ یعنی اگر گناہ ہوتا

بھی تو اللہ تعالیٰ مغفرت اور معاف کرنے والے ہیں۔

حضورِ اقدس ﷺ کا معمول تھا کہ عصر کے بعد اپنی ازواجِ مطہرات کے پاس تھوڑی دیر کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ اسی معمول کے مطابق آپ حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے تو انہوں نے آپ کو شہد پیش کیا جو آپ نے پیا۔

اس کے بعد آپ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو دونوں نے پوچھا کہ کیا آپ نے مغافیر کھایا ہے؟

(مغافیر ایک گھاس کا نام ہے جس میں کچھ بو ہوتی تھی۔)

آپ ﷺ نے نفی میں جواب دیا تو انہوں نے پوچھا کہ ''آپ کے منہ میں یہ بو کیسی ہے؟''

آپ ﷺ کو اس سے شبہ ہوا کہ شاید جو شہد میں نے پیا تھا، اس کی مکھی نے مغافیر چوسا ہو۔ چونکہ آپ کو اپنے مبارک منہ سے کوئی ناگوار بو محسوس ہونا انتہائی ناپسند تھا، اس لئے آپ نے اُس وقت یہ قسم کھالی کہ میں آئندہ شہد نہیں پیوں گا۔

۴۹۱۱ - حدثنا معاذ بن فضالة: حدثنا هشام، عن يحيى، عن ابن حكيم، عن سعيد ابن جبير: أن ابن عباس رضي الله عنهما قال في الحرام: يكفر. وقال ابن عباس ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾. [أنظر: ۵۲۶۶] [۱]

ترجمہ: سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حرام میں کفارے دے (یعنی اگر کسی نے اپنے اوپر کوئی حلال چیز حرام کرلی تو اس کا کفارہ یعنی کفارۂ قسم دینا ہوگا)۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ یعنی جس طرح حضورِ اقدس ﷺ نے کفارہ ادا کیا اسی طرح تم لوگ ایسی صورت میں اپنے رسول کی پیروی کیا کرو۔

نامناسب قسم کو توڑنے کا حکم

آنحضرت ﷺ نے شہد نہ پینے کی وجہ جو قسم کھالی تھی، اُس پر اس آیت میں ہدایت دی گئی ہے کہ آپ وہ قسم توڑ دیں اور کفارہ ادا کریں۔

---

[۱] وفي صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب وجوب الكفارة على من حرم امرأته، ولم ينو الطلاق، رقم: ۱۴۷۳، وسنن ابن ماجه، كتاب الطلاق، باب الحرام، رقم: ۲۰۷۳

چنانچہ اس حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی نامناسب قسم کھالے تو اُسے فوراً توڑ دینا چاہئے۔

۴۹۱۲ ـ حدثنا ابراهيم بن موسى: أخبرنا هشام بن يوسف، عن ابن جريج، عن عطاء، عن عبيد بن عمير، عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله ﷺ يشرب عسلا عند زينب ابنة جحش ويمكث عندها، فواطأت أنا وحفصة عن أيتنا دخل عليها فلتقل له: أكلت مغافير، انى أجد منك ريح مغافير. قال: ((لا، ولكني كنت اشرب عسلا عند زينب ابنة جحش فلن أعود له، وقد حلفت، لا تخبرى بذلك احدا)). [أنظر: ۵۲۱۶، ۵۲۶۷، ۵۲۶۸، ۵۴۳۱، ۵۵۹۹، ۵۶۸۲، ۶۶۹۱، ۶۹۷۲] [۱]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس شہد پیتے اور ان کے پاس ٹھہرتے تھے۔ پھر میرا اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا اس پر اتفاق ہوا کہ ہم میں سے جس کے پاس بھی آپ ﷺ داخل ہوں تو وہ کہے آپ نے مغافیر نوش فرمایا ہے؟ میں آپ سے مغافیر کی بو محسوس کرتی ہوں۔ (چنانچہ آپ ﷺ جب تشریف لائے تو ایسا ہی کیا) آپ ﷺ نے فرمایا میں نے مغافیر نہیں کھائی ہے، البتہ زینب بنت جحش کے یہاں شہد پیا ہے، اب اسے کبھی نہیں پیوؤں گا، میں نے قسم کھالی ہے، اور اس بات کی خبر کسی کو مت ہونے دینا، کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔

(۲) باب: ﴿تَبْتَغِي مَرْضَاةَ أَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ أَيْمَانِكُمْ﴾ [۲]

باب: ”تاکہ تم اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرسکو، اور اللہ بہت بخشنے والا، بہت مہربان ہے۔ اللہ نے تمہاری قسموں سے نکلنے کا طریقہ مقرر کردیا ہے۔“

---

[۱] وفي صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب وجوب الكفارة على من حرم امرأته، ولم ينو الطلاق، رقم: ۱۴۷۴، وسنن ابي داود، كتاب الأشربة، باب في شراب العسل، رقم: ۳۷۱۴، وسنن الترمذي، أبواب الأطعمة، باب ماجاء في حب النبي ﷺ الحلو والعسل، رقم: ۱۸۳۱، وسنن النسائي، كتاب الطلاق، تأويل هذه الآية على وجه آخر، رقم: ۳۴۲۱، وكتاب الأيمان والنذور، باب تحريم ما أحل الله عزوجل، رقم: ۳۷۹۵، وكتاب عشرة النساء، باب الغيرة، رقم: ۳۹۵۸، وسنن ابن ماجه، كتاب الأطعمة، باب الحلواء، رقم: ۳۳۲۳، ومسند أحمد، مسند الصديقة عائشة بنت الصديق رضي الله عنها، رقم: ۲۴۳۱۶، ۲۵۸۵۲، وسنن الدارمي، ومن كتاب الأطعمة، باب في الحلوء والعسل، رقم: ۲۱۱۹

واقعہ تحریم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبانی

ازواجِ مطہرات میں سے جن دو کا اجمالی ذکر آیا ہے کہ انہوں نے باہم مشورہ کر کے آنحضرت ﷺ کے شہد پینے پر ایسا طرز اختیار کیا، جس سے آپ ﷺ نے شہد پینے سے قسم کھالی اور پھر آپ نے اس کے اخفاء کیلئے فرمایا تھا وہ اخفاء نہیں کیا بلکہ ایک نے دوسری پر یہ کھول دی۔ یہ دونوں کون ہیں؟

ان کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی ذیل میں ایک طویل روایت ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ عرصہ تک میرے دل میں یہ خواہش تھی کہ میں ان دو عورتوں کے متعلق حضرت عمر بن خطاب ؓ سے دریافت کروں جن کے متعلق قرآن میں آیا ہے کہ ﴿إِنْ تَتُوبَآ إِلَى اللهِ﴾ یہاں تک ایک موقع آیا کہ حضرت عمر ؓ حج کیلئے نکلے اور میں بھی شریکِ سفر ہو گیا۔

دورانِ سفر میں ایک روز حضرت عمر ؓ قضائے حاجت کیلئے جنگل تشریف لے گئے اور واپس آئے تو میں نے وضو کیلئے پانی کا انتظام کر رکھا تھا، میں نے آپ کے ہاتھوں پر پانی ڈالا اور وضو کراتے ہوئے میں نے سوال کیا کہ یہ دو عورتیں جن کے متعلق قرآن میں یہ ﴿إِنْ تَتُوبَآ إِلَى اللهِ﴾ آیا ہے، کون ہیں؟

حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ یہ دونوں عورتیں حفصہ اور عائشہ ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمر ؓ نے اپنا ایک طویل قصہ اس واقعہ سے متعلق ذکر فرمایا جو اس روایت میں ملاحظہ فرمائیں:

۴۹۱۳ ـ حدثنا عبدالعزيز بن عبدالله: حدثنا سليمان بن بلال، عن يحيى، عن عبيد بن حنين: أنه سمع ابن عباس رضي الله عنهما يحدث أنّه قال: مكثت سنة أريد أن أسال عمر بن الخطاب عن آية فما أستطيع أن أساله هيبة له حتى خرج حاجًا فخرجت معه. فلما رجعت وكنا ببعض الطريق عدل إلى الأراك لحاجة له. قال: فوقفت له حتى فرغ، ثم سرت معه فقلت له: يا اميرالمؤمنين، من اللّتان تظاهرتا على النبي ﷺ من ازواجه؟ فقال: تلك حفصة وعائشة. قال: فقلت: والله ان كنت لأريد ان اسالك عن هذا منذ سنة فما أستطيع هيبة لك. قال: فلا تفعل، ما ظننت أن عندى من علم فاسألني، فان كان لى علم خبرتك به. قال: ثم قال عمر: والله إن كنا في الجاهلية ما نعد للنساء امراً حتى انزل الله فيهن ما انزل، وقسم لهن ما قسم، قال: فبينا أنا في أمر أتامره إذ قالت امرأتي لو صنعت كذا وكذا، قال: فقلت لها: ما لك ولما ههنا؟ فيما تكلفك في امر أريده؟ فقالت لي: عجبا لك يا ابن الخطاب، ما تريد أن تراجع أنت، وإن ابنتك لتراجع

رسول الله ﷺ حتى يظل يومه غضبان. فقام عمر فأخذه درائه مكانه، حتى دخل على حفصة فقال لها: يا بنية، إنك لتراجعين رسول الله ﷺ حتى يظل يومه غضبان؟ فقالت حفصة: والله إنا لنراجعه. فقلت: تعلمين أني أحذرك عقوبة الله وغضب رسوله ﷺ، يا بنية لا يغرنك هذه التي أعجبها حسنها حب رسول الله ﷺ إياها-يريد عائشة-قال: ثم خرجت حتى دخلت على أم سلمة لقرابتي منها فكلمتها، فقالت أم سلمة: عجبا لك يا ابن الخطاب، دخلت في كل شيء حتى تبتغي ان تدخل بين رسول الله ﷺ وازواجه! فأخذتني والله اخذا كسرتني عن بعض ما كنت أجد. فخرجت من عندها وكان لي صاحب من الأنصار إذا غبت أتاني بالخبر. وإذا غاب كنت أنا آتيه بالخبر، ونحن نتخوف ملكا من ملوك غسان ذكرلنا أنه يريد أن يسير إلينا فقد امتلأت صدورنا منه، فإذا صاحبي الأنصاري يدق الباب، فقال: افتح افتح. فقلت: جاء الغساني؟ فقال: بل أشد من ذلك، اعتزل رسول الله ﷺ أزواجه. فقلت: رغم أنف حفصة وعائشة، فأخذت ثوبي فأخرج حتى جئت، فإذا رسول الله ﷺ في مشربة له يرقى عليها بعجلة، وغلام لرسول الله ﷺ أسود على رأس الدرجة. فقلت له: قل: هذا عمر بن الخطاب، فاذن لي. قال عمر: فقصصت على رسول الله ﷺ هذا الحديث، فلما بلغت حديث أم سلمة تبسم رسول الله ﷺ وإنه لعلى حصير مابينه وبينه شيء، وتحت رأسه وسادة من أدم حشوها ليف، وإن عند رجليه قرظا مصبورا، وعند رأسه أهب معلقة. فرأيت أثر الحصير في جنبه فبكيت، فقال: ((ما يبكيك؟)) فقلت: يا رسول الله، إن كسرى وقيصر فيما هما فيه، وأنت رسول الله، فقال: ((أما ترضى أن تكون لهم الدنيا ولنا الآخرة؟)). [راجع: ۸۹]

حسن معاشرت اور عورتوں کے حقوق

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ ایک آیت کے متعلق حضرت عمر بن الخطاب ﷺ سے پوچھنے کے لئے ایک سال تک میں شش وپنج میں مبتلا رہا، آپ کا رعب اتنا تھا کہ میں آپ سے پوچھ نہ سکا، یہاں تک کہ آپ حج کے لئے نکلے تو میں بھی ان کے ساتھ نکلا، واپسی میں جب ہم راستہ میں تھے تو وہ رفع حاجت کیلئے راہ سے ہٹ کر ایک پیلو کے درخت کی طرف گئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں ان کے انتظار میں کھڑا رہا، جب وہ فارغ ہوکر آئے

تو پھر میں ان کے ساتھ چل پڑا اور میں نے عرض کیا اے امیر المؤمنین! نبی کریم ﷺ کے ازواج میں سے وہ کون سی دو عورتیں تھیں جنہوں نے نبی اکرم ﷺ کے بارے میں منصوبہ بنایا تھا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ حفصہ اور عائشہ تھیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اللہ کی قسم! میں آپ سے یہ سوال کرنے کیلئے ایک سال سے ارادہ کرر ہا تھا، لیکن آپ کے رعب کی وجہ سے پوچھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ایسا نہ کیا کرو، جس مسئلہ کے متعلق تمہارا خیال ہو کہ میرے پاس اس سلسلے میں کوئی علم ہے تو مجھ سے پوچھ لیا کرو، اگر مجھے اسکا کوئی علم ہوگا تو میں تمہیں بتادیا کروں گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ کی قسم! جاہلیت میں ہماری نظر میں عورتوں کی کوئی حیثیت نہیں تھی، یہاں تک کہ اللہ ﷻ نے ان کے بارے میں وہ احکام نازل کئے جو نازل کرنے تھے اور ان کے حقوق مقرر کئے جو مقرر کرنے تھے۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا ایک روز میں سوچ رہا تھا کہ میری بیوی نے کہا اگر آپ اس معاملہ کو اس طرح کرلیں تو بہتر ہوگا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے اس سے کہا تجھ کو کیا ہے؟ اور کیوں ہے تیرا تکلف کرنا اس کام میں جس کا ارادہ میں کرتا ہوں؟

اس پر میری بیوی نے کہا اے ابن خطابؓ! حیرت ہے تمہارے طرز عمل پر کہ تم نہیں چاہتے ہو کہ تم سے مراجعت کی جائے اور جبکہ تمہاری بیٹی تو جواب دیتی ہے رسول اللہ ﷺ کو یہاں تک کہ وہ دن بھر خفا رہتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے اپنی چادر اسی وقت اٹھائی، یہاں تک کہ حفصہ کے پاس آگیا اور ان سے کہا اے بیٹی! کیا تم رسول اللہ ﷺ کی باتوں کا جواب دیتی ہو؟ یہاں تک تم نے ایک دن رسول اللہ ﷺ ناراض بھی رکھا؟ پھر حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ہاں! خدا کی قسم ہم آپ ﷺ کو جواب دیتی ہیں۔

حضرت عمرؓ نے فرماتے ہیں کہ میں کہا کہ جان لو میں تمہیں اللہ ﷻ کے عذاب اور رسول اللہ ﷺ کی ناراضی سے ڈراتا ہوں، اے بیٹی! اس عورت کی باتوں میں نہ آجانا، جس کو اس کے حسن اور رسول اللہ ﷺ کا اس سے محبت کرنے نے تعجب میں ڈال دیا ہے- آپ کا اشارہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف تھا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ پھر میں وہاں سے نکل کر ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا، کیونکہ وہ بھی میری رشتہ دار تھیں، میں نے ان سے بھی گفتگو کی تو انہوں نے فرمایا کہ اے ابن خطاب! حیرت ہے کہ آپ ہر معاملہ میں دخل اندازی کرتے ہیں اور اب چاہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور انکی ازواج کے معاملہ میں بھی دخل دیں۔ پس اللہ کی قسم! انہوں نے میری ایسی گرفت کی کہ میرے غصہ کو توڑ کر رکھ دیا، چنانچہ میں ان کے گھر سے باہر نکل آیا۔

میرے ایک انصاری دوست تھے، جب میں آنحضرت ﷺ کی مجلس میں حاضر نہ ہوتا تو وہ مجلس کی تمام

باتیں مجھ سے آکر بتا دیتے اور جب وہ حاضر نہ ہوتے تو میں انہیں بتا دیا کرتا تھا، اس زمانہ میں ہمیں غسان کے بادشاہ کی طرف سے حملہ کا خوف تھا، ہمیں اطلاع ملی تھی کہ وہ مدینہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کر رہا ہے ہمارے دلوں میں اس کے حملے کا خوف بیٹھا ہوا تھا۔

اچانک میرے انصاری دوست نے دروازہ کھٹکھٹایا اور کہنے لگا کہ دروازہ کھولو، دروازہ کھولو، میں نے کہا کیا غسانی آ گیا ہے؟ تو انہوں نے کہا نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اہم معاملہ پیش آ گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی ازواج سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ میں نے کہا حفصہ اور عائشہ کی ناک غبار آلود ہو۔

چنانچہ میں نے اپنے کپڑے پہنے اور باہر نکل پڑا، یہاں تک کہ میں پہنچا تو معلوم ہوا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے بالا خانے میں تشریف فرما ہیں جس پر سیڑھی سے چڑھا جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ایک حبشی غلام سیڑھی کے سرے پر موجود تھا، میں نے اس غلام سے کہا کہ جا کر عرض کرو عمر بن خطاب آیا ہے اور اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے، آپ ﷺ نے اجازت مرحمت فرمائی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ پھر میں نے آنحضرت ﷺ سے سارا واقعہ سنایا، جب میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی گفتگو پر پہنچا تو رسول اللہ ﷺ نے تبسم فرمایا۔

اس وقت آپ ﷺ ایک چٹائی پر تشریف فرما تھے، آپکے جسم مبارک اور اس چٹائی کے درمیان کوئی اور چیز نہیں تھی اور آپ کے سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ آپ کے پاؤں کی طرف کیکر کے پتوں کا ڈھیر لگا تھا اور سر کی طرف کچے چمڑے لٹک رہے تھے۔ پھر میں نے چٹائی کے نشانات آپ کے پہلو مبارک پر دیکھے تو میں رو پڑا، آپ ﷺ نے فرمایا کس بات پر رو رہے ہو؟

میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! قیصر و کسریٰ کو دنیا کا ہر طرح کا آرام و راحت حاصل ہے، حالانکہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا کیا تم اس پر خوش نہیں ہو کہ انکے حصہ میں دنیا ہے اور ہمارے حصہ میں آخرت۔

(۳) باب: ﴿وَإِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا﴾ إلى ﴿الْخَبِيرُ﴾ [۳]

باب: ''اور یاد کرو جب نبی نے اپنی کسی بیوی سے راز کے طور پر ایک بات کہی تھی۔''

فيه عائشة عن النبي ﷺ.

اس باب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی بھی ایک روایت ہے نبی کریم ﷺ کے واسطے سے۔

۴۹۱۴ - حدثنا علي: حدثنا سفيان: حدثنا يحيى بن سعيد قال: سمعت عبيد بن حنين قال: سمعت ابن عباس رضي الله عنهما يقول: أردت أن أسأل عمر ﷺ فقلت يا أمير المؤمنين، من المرأتان اللتان تظاهرتا على رسول الله ﷺ؟ فما أتممت كلامي حتى قال: عائشة وحفصة. [۳]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ میں نے حضرت عمر ﷺ سے ایک بات پوچھنے کا ارادہ کیا، میں نے عرض کیا اے امیر المؤمنین! نبی کریم ﷺ کے ازواج میں سے وہ کون سی دو عورتیں تھیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے بارے میں منصوبہ بنایا تھا؟ ابھی میں نے اپنی بات ختم بھی نہیں کی تھی کہ اُنہوں نے کہا کہ وہ حفصہ اور عائشہ رضی اللہ عنہما تھیں۔

واضح رہے کہ اس راز کی بات کے متعلق دوسری روایات میں اور بھی چند چیزیں منقول ہیں، مگر صحیح روایت کے یہی بات ہے جو یہاں ذکر ہے۔

(۴) باب: ﴿إِنْ تَتُوْبَا إِلَى اللهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا﴾ [۴]

باب: ”(اے نبی کی بیویو!) اگر تم اللہ کے حضور توبہ کرلو (تو یہی مناسب ہے) کیونکہ تم دونوں کے دِل مائل ہوگئے ہیں۔“

یہ خطاب حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کو ہو رہا ہے، اور اس کا مطلب اکثر مفسرین نے یہ بتایا کہ: تم دونوں کے دل حق سے مائل ہوگئے ہیں، یعنی حق طریقے سے ہٹ گئے۔

---

[۳] وفي صحيح مسلم، كتاب الطلاق، باب في الايلاء، واعتزل النساء، وتخييرهن وقوله تعالى: ﴿وان تظاهرا عليه﴾، رقم: ۱۴۷۹، وسنن ابي داؤد، كتاب الأدب، باب في الرجل يفارق الرجل ثم يلقاه أيسلم عليه؟ رقم: ۵۲۰۱، وسنن الترمذي، أبواب الاستئذان والآداب، باب ماجاء في الاستئذان ثلاثة، رقم: ۲۶۹۱، وأبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة التحريم، رقم: ۳۳۱۸، وسنن النسائي، كتاب الجنائز، كم الشهر وذكر الاختلاف على الزهري في الخبر عن عائشة، رقم: ۲۱۳۲، وسنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب ضجاع آل محمداً ﷺ، رقم: ۴۱۵۳، ومسند أحمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، مسند الخلفاء الراشدين، أول مسند عمر بن الخطاب ﷺ، رقم: ۲۲۲، ۲۳۹، ومن مسند بني هاشم، مسند عبدالله بن العباس بن عبدالمطلب عن النبي ﷺ، رقم: ۲۹۹۲

بعض مفسرین نے اس کی یہ تفسیر کی ہے کہ تمہارے دل توبہ کی طرف مائل تو ہو ہی گئے ہیں، اس لئے اب تمہیں توبہ کرلینی چاہئے۔

صَغَوْتُ وأصْغَيْتُ: ملت. ﴿لِتَصْغَى﴾ [الانعام:۱۱۳]: لتميل.

﴿وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللهَ هُوَ مَوْلاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلائِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيرٌ﴾ [۴] عون، تظاهرون: تعاونون.

وقال مجاهد: ﴿قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ﴾ اوصوا انفسكم واهليكم بتقوى الله وادبوهم.

ترجمہ وتشریح

"**صغوت**" اور "**اصغيت**" بمعنی "**ملت**" ہے یعنی مائل ہوگیا۔

"**لتصغی**" جو سورۂ انعام میں ہے اس کے معنی ہیں "**لتميل**" یعنی مائل ہوجائیں۔

﴿وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ اللهَ هُوَ مَوْلاهُ
وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلائِكَةُ
بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيرٌ﴾

اس آیت میں "**ظَهِيرٌ**" بمعنی "**عون**" یعنی مددگار ہے، "**تظاهرون**" بمعنی "**تعاونون**" یعنی تم آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرتے ہو۔

آیت کی تفسیر

زوجین کے خانگی معاملات بعض اوقات ابتداء بہت معمولی اور حقیر نظر آتے ہیں، لیکن اگر ذرا باگ ڈھیلی چھوڑ دی جائے تو آخر کار نہایت خطرناک اور تباہ کن صورت اختیار کر لیتے ہیں۔

خصوصاً عورت اگر کسی اونچے گھرانے سے تعلق رکھتی ہو تو اس کو طبعاً اپنے باپ بھائی اور خاندان پر بھی گھمنڈ ہوسکتا ہے، اس لئے متنبہ فرمادیا کہ دیکھو اگر تم دونوں اسی طرح کارروائیاں اور مظاہرے کرتی رہیں۔ تو یاد رکھو! ان سے پیغمبر کو کچھ ضرر نہیں پہنچے گا، کیونکہ اللہ اور فرشتے اور نیک بخت ایماندار درجہ بدرجہ جس کے رفیق ومددگار ہوں اس کے سامنے کوئی انسانی تدبیر کامیاب نہیں ہوسکتی، ہاں تم کو نقصان پہنچ جانے کا امکان ہے۔

"**صالح المؤمنين**" کی تفسیر میں بعض سلف نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کا نام لیا ہے، شاید

یہ حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی مناسبت سے ہوگا۔ واللہ اعلم۔ ۴

اپنے اہل خانہ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ﴿قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اللہ کا خوف اختیار کرنے کی وصیت کرو اور انہیں ادب سکھاؤ۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عمر ﷺ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اپنے آپ کو جہنم سے بچانے کی فکر تو سمجھ آ گئی کہ ہم گناہوں سے بچیں اور احکام الٰہیہ کی پابندی کریں، مگر اہل وعیال کو ہم کس طرح جہنم سے بچائیں؟

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو جن کاموں سے منع فرمایا ہے ان کاموں سے سب کو منع کرو اور کاموں کے کرنے کا تم کو حکم دیا ہے تم ان کے کرنے کا اہل وعیال کو بھی حکم کرو تو یہ عمل ان کو جہنم کی آگ سے بچا سکے گا۔ ۵

۴۹۱۵ - حدثنا الحمیدی: حدثنا سفیان: حدثنا یحییٰ بن سعید قال: سمعت عبید ابن حنین یقول: سمعت ابن عباس یقول: أردت ان أسال عمر عن المرأتین اللتین تظاهرتا علی رسول اللہ ﷺ، فمکث سنة فلم اجد له موضعا حتی خرجت معه حاجا. فلما کنا بظهران ذهب عمر لحاجته فقال: أدرکنی بالوضوء. فأدرکته بالإداوة، فجعلت اسکب علیه، ورأیت موضعا فقلت: یا أمیر المؤمنین، مَن المرأتان اللّتان تظاهرتا؟ قال ابن عباس: فما أتممت کلامی حتی قال: عائشة وحفصة. [راجع: ۸۹]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمر ﷺ سے ان دو عورتوں کے متعلق سوال کرنا چاہتا تھا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ پر منصوبہ بنایا تھا، ایک سال میں اسی فکر میں رہا اور مجھے سوال کرنے کا کوئی موقع نہیں ملتا تھا آخر ان کے ساتھ حج کے لئے نکلا، ہم مقام ظہران میں تھے تو حضرت عمر ﷺ رفع حاجت کیلئے گئے، پھر فرمایا میرے لئے وضو کا پانی لاؤ، میں ایک برتن میں پانی لایا اور ان کو وضو کرانے لگا،

---

۴ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ج: ۱۴، ص: ۳۴۸، تفسیر القرطبی، ج: ۱۸، ص: ۱۸۹، معارف القرآن، ج: ۸، ص: ۵۰۱، تفسیر عثمانی، سورہ تحریم، آیت: ۴، فائدہ: ۳۔

۵ روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع المثانی، ج: ۱۴، ص: ۳۵۱

اس وقت مجھ کو موقع ملا میں نے عرض کیا امیر المؤمنین! وہ دو عورتیں کون تھیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کیلئے منصوبہ بنایا تھا، ابھی میں نے اپنی بات پوری نہ کی تھی، کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ عائشہ اور حفصہ تھیں۔

(۵) باب: ﴿عَسَىٰ رَبُّهُ إِنْ طَلَّقَكُنَّ أَنْ يُبْدِلَهُ أَزْوَاجاً خَيْرًا مِنكُنَّ﴾ الآية [۵]

باب: ''اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو تمہارے پروردگار کو اس بات میں دیر نہیں لگے گی کہ وہ اُن کو (تمہارے) بدلے میں ایسی بیویاں عطاء فرمادیں۔''

اس میں عورتوں کے اس خیال کا جواب ہے کہ اگر ہمیں طلاق دیدی تو ہم جیسی دوسری عورتیں شائد آپ کو نہ ملیں۔ حاصلِ ارشاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کیا چیز باہر ہے، اگر وہ تمہیں طلاق دے دیں تو وہ تم جیسی ہی نہیں بلکہ تم سے بہتر عورتیں عطاء فرمادے گا، اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ ان سے بہتر عورتیں اس وقت موجود تھیں، ہوسکتا ہے کہ اس نہ ہوں اور جب ضرورت پڑے اللہ تعالیٰ دوسری عورتوں کو ان سے بہتر بنادیں۔

۴۹۱۶ ـ حدثنا عمرو بن عون: حدثنا هشيم، عن حميد، عن أنس ﷺ قال: قال عمر ﷺ: اجتمع نساء النبي ﷺ في الغيرة عليه فقلت لهن: عسى ربه إن طلقكن أن يبدله أزواجا خيرا منكن، فنزلت هذه الآية. [راجع: ۴۰۲]

ترجمہ: حضرت انس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر ﷺ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات آپ کو غیرت دلانے کے لئے جمع ہوگئیں، تو میں نے ان سے کہا کہ نبی ﷺ تمہیں اگر طلاق دے دیں تو ان کا رب انہیں تم سے بہتر بیویاں عطا فرمائے گا، پھر یہ آیت نازل ہوئی۔

(۶۷) سورة تبارک الذی بیده الملک

سورۂ ملک کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۂ ملک میں اللہ تعالیٰ کے معبود، توحید، اور علم قدرت کے دلائل، مشاہدۂ کائنات سے متعلق بیان ہونے اور کفار ومنکرین پر عذاب شدید ہونے کا ذکر ہے۔

التفاوت: الاختلاف. والتفاوت والتفوت واحد. ﴿تَمَيَّزُ﴾: تقطع. ﴿مَنَاكِبِهَا﴾: جوانبها. ﴿تَدَّعُونَ﴾ وتدعون، وبعد مثل وتذكرون. ﴿وَيَقْبِضْنَ﴾: يضربن بأجنحتهن، قال مجاهد: ﴿صَافَّاتٍ﴾: بسط أجنحتهن. ﴿ونُفُور﴾: الكفور.

ترجمہ وتشریح

"**التفاوت**" بمعنی "**الاختلاف**" یعنی بے ضابطگی، بے ربطی۔

"**تفاوت**" از باب تفاعل اور "**تفوت**" از باب تفعل، یہ دونوں ایک ہی معنی میں ہیں۔

"**تَمَيَّزُ**" بمعنی "**تقطع**" یعنی پھٹ پڑے، ایک دوسرے سے جدا ہو جائے۔

"**مَنَاكِبِهَا**" بمعنی "**جوانبها**" یعنی زمین کے جوانب، اطراف۔

"**تَدَّعُونَ**" اور "**تدعون**" دونوں کے معنی ایک ہی ہیں جیسے "**تذکرون**" اور "**تذکرون**"۔

"**وَيَقْبِضْنَ**" کے معنی ہیں اپنے پروں کو سمیٹ لیتے ہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "**صَافَّاتٍ**" کے معنی ہیں ان کے بازوؤں یعنی پروں کا پھیلانا۔

"**ونُفُور**" سے مراد "**الكفور**" ہے یعنی حق سے بھاگنا، نفرت کرنا۔

(۶۸) سورة نٓ والقَلَم

سورۂ قلم کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کفار کے مطاعن کا جواب

سورۂ قلم میں کفار کے اُن مطاعن کا جواب ہے جو وہ رسول اللہ ﷺ پر کیا کرتے تھے۔

سب سے پہلا اُن کا طعن یہ تھا کہ اللہ کے بھیجے ہوئے کامل العقل، کامل العلم، جامع الفضائل رسول کو معاذ اللہ مجنون کہتے تھے۔

یا تو اس وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ پر جو وحی فرشتہ کے ذریعے نازل ہوتی تھی بوقتِ وحی اُس کا آثار آپ کے جسم مبارک پر دیکھے جاتے تھے۔ پھر آپ وحی سے حاصل شدہ آیات پڑھ کر سناتے تھے، یہ معاملہ کفار کے فہم وادراک سے باہر تھا اس لئے اس کو جنون قرار دیدیا۔

اور یا اس وجہ سے کہ آپ ﷺ نے اپنی قوم اور پوری دُنیا کے عقائدِ موجودہ کے خلاف یہ دعویٰ کیا کہ عبادت کے قابل اللہ کے سواء کوئی نہیں، جن خود تراشیدہ بتوں کو وہ خدا سمجھتے تھے، اُن کا بے علم وشعور نا قابلِ نفع وضرر ہونا بیان کیا، آپ کے اس عقیدہ کا کوئی ساتھی نہ تھا آپ اکیلے یہ دعویٰ لے کر بغیر کسی ظاہری ساز وسامان کے ساری دنیا کے مقابلہ میں کھڑے ہوگئے۔ ظاہر بین نظروں میں اس کی کامیابی کا کوئی امکان نہیں تھا ایسے دعویٰ کو لیکر کھڑا ہونا جنون سمجھا گیا۔

اور بغیر کسی سبب کے بھی بعض طعن برائے طعن ہوسکتا ہے کہ مجنون کہتے ہوں۔

چنانچہ سورۂ قلم کی ابتدائی آیات میں ان کے اس خیالِ باطل کی تردید قسم کے ساتھ مؤکد کر کے بیان فرمائی گئی ہے۔ [۱]

وقال ابن عباس: ﴿يَتَخَافَتُونَ﴾: ينجون السرار والكلام الخفي. وقال قتادة: ﴿حَرْدٍ﴾: جد في أنفسهم. وقال ابن عباس: ﴿إِنَّا لَضَالُّونَ﴾: أضللنا مكان جنتنا.

---

[۱] تفسیر ابن کثیر، ج:۸، ص: ۲۰۶

وقال غیرہ: ﴿کالصّریم﴾: کالصبح انصرم من اللیل، واللیل انصرم من النهار. وهو ایضا کل رملة انصرمت من معظم الرمل. والصریم ایضا المصروم مثل قتیل ومقتول.

ترجمہ وتشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "یَتَخَافَتُونَ" کے معنی ہیں ایک دوسرے سے چھپ چھپ کر باتیں کررہے تھے۔

حضرت ابوقتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "حَرْدٍ" کا معنی ہے اپنی پوری کوشش کرتے ہوئے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ﴿إِنَّا لَضَالُّونَ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں "ضَالّ" سے مراد یہاں نظریاتی گمراہی نہیں، بلکہ اسکا مطلب "اضللنا مکان جنّتنا" یعنی ہم اپنے باغ کا راستہ بھول گئے۔

"الصَّرِیم" کا معنی ہے صبح جس طریقے سے رات سے نکلتی ہے اور رات دن سے نکلتی ہے۔

اس لفظ "صریم" کے اس کے علاوہ بھی کئی معنی ہیں، چھوٹا ریت کا ٹیلہ جب بڑے ریت کے ٹیلے سے جدا ہوکر الگ ہوجائے تو اس کو بھی "صریم" کہتے ہیں۔

اور "صریم" بمعنی "مصروم" بھی ہے جیسے "قتیل" اور "مقتول" ہے۔

(۱) باب: ﴿عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِکَ زَنِیْمٍ﴾ [۱۳]

باب: "بدمزاج ہے، اور اس کے علاوہ نچلے نسب والا بھی۔"

اس روایت میں ایک خاص شریر کافر ولید بن مغیرہ کی صفات رذیلہ بیان کرکے اُس سے اعراض کرنے اور اُس کی بات نہ ماننے کا خصوصی حکم دیا گیا ہے۔

۴۹۱۷ ۔ حدثنا محمود: حدثنا عبیداللہ بن موسی، عن إسرائیل، عن أبی حصین، عن مجاهد، عن ابن عباس رضی اللہ عنهما ﴿عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِکَ زَنِیْمٍ﴾ قال: رجل من قریش له زنمة مثل زنمة الشاة. [۲]

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿عُتُلٍّ بَعْدَ

---

[۲] انفرد به البخاری.

﴿ذٰلِکَ زَنِیۡمٍ﴾ کی تفسیر میں فرمایا کہ یہ آیت قریش کے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئی تھی، اسکی گردن میں ایک نشانی تھی جیسے بکری میں نشانی ہوتی ہے۔

۴۹۱۸ ـ حدثنا أبو نعيم: حدثنا سفيان، عن معبد بن خالد قال: سمعت حارثة بن وهب الخزاعي قال: سمعت النبي ﷺ يقول: ((ألا أخبركم بأهل الجنة؟ كل ضعيف متضعف لو أقسم على الله لأبره، ألا أخبركم بأهل النار؟ كل عتل جوّاظ مستكبر)).
[أنظر: ۶۰۷۱، ۶۶۵۷] ؎

ترجمہ: معبد بن خالد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت حارثہ بن وہب خزاعی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا، آپ فرمارہے تھے کہ کیا میں تمہیں اہل جنت کے متعلق نہ بتاؤں؟ ان میں سے ہر ایک دیکھنے میں کمزور و ناتواں ہوتا ہے، اگر کسی بات پر اللہ ﷻ کی قسم کھالی، تو اللہ ﷻ اسے ضرور پورا کر دیتا ہے، اور کیا میں تمہیں اہل دوزخ کے متعلق نہ بتاؤں؟ ہر بدخوہ بھاری جسم والا اور تکبر کرنے والا جہنم میں ہوگا۔

كلّ عُتُلٍ جَوّاظٍ، مستكبر

ترجمہ: "عُتُلٍ" اور "جَوّاظٍ" دونوں کا معنی ایک ہے، یعنی جھگڑالو، جھگڑا کرنے والا۔

(۲) باب: ﴿يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ﴾ [۴۲]

باب: "جس دن ساق (پنڈلی) کھول دی جائے گی۔"

۴۹۱۹ ـ حدثنا آدم: حدثنا الليث، عن خالد بن يزيد، عن سعيد بن أبي هلال، عن زيد بن أسلم، عن عطاء ابن يسار، عن أبي سعيد ﷺ قال: سمعت النبي ﷺ يقول: ((يكشف ربنا عن ساقه فيسجد له كل مؤمن ومؤمنة، ويبقى من كان يسجد في الدنيا رياء وسمعة فيذهب ليسجد فيعود ظهره طبقا واحدا)). [راجع: ۲۲]

؎ وفي صحيح مسلم، كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب النار يدخلها الجبارون والجنة يدخلها الضعفاء، رقم: ۲۸۵۳، وسنن الترمذي، أبواب صفة جهنم، باب، رقم: ۲۶۰۵، وسنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب من لا يؤبه له، رقم: ۴۱۱۶، ومسند أحمد، أول مسند الكوفيين، حديث حارث بن وهب، رقم: ۱۸۷۲۸، ۱۸۷۳۰

ترجمہ: عطاء بن یسار رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابوسعید خدری ﷺ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا کہ آپ فرمارہے تھے کہ ہمارا رب قیامت کے روز اپنی پنڈلی ظاہر فرمائے گا، تو اس روز ہر مؤمن مرد اور ہر مؤمن عورت اس کیلئے سجدہ میں کریں گے، البتہ وہ باقی رہ جائیں گے، جو دنیا میں دکھاوے اور ریاکاری کیلئے سجدہ کرتے تھے، جب وہ سجدہ کرنا چاہیں گے تو ان کی پیٹھ تختہ ہو جائے گی اور وہ سجدہ نہ کرسکیں گے۔

پنڈلی کھولنے سے مراد

"ساق" پنڈلی کو کہتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں بعض حضرات نے تو یہ فرمایا ہے کہ "پنڈلی" کا کھل جانا عربی میں ایک محاورہ ہے، جو بہت سخت مصیبت پیش آجانے کے لئے بولا جاتا ہے، لہٰذا مطلب یہ ہے کہ جب قیامت کی سخت مصیبت پیش آجائے گی، تو ان کافروں کا یہ حال ہوگا۔

بہت سے مفسرین نے اس کا مطلب یہ بتایا ہے کہ اللہ ﷻ اپنی پنڈلی کھول دیں گے، اسکی پنڈلی انسانوں کی پنڈلی کی طرح نہیں، بلکہ وہ اللہ کی ایک خاص صفت ہے، جس کی حقیقت اللہ ﷻ ہی کو معلوم ہے۔

بہرحال! مطلب یہ ہے کہ اللہ ﷻ اپنی وہ صفت ظاہر فرمائیں گے اور لوگوں کو سجدہ کیلئے بلایا جائے گا، مگر یہ کافر لوگ اس وقت سجدے پر قادر نہیں ہوں گے، کیونکہ جب ان کو قدرت تھی، اس وقت انہوں نے سجدہ سے انکار کیا تھا۔

(۶۹) سورة الحاقة

سورۃ الحاقہ کا بیان

بسم الله الرحمٰن الرحيم

سورت کا موضوع اور وجہ تسمیہ

اس سورت میں قیامت کے ہولناک واقعات اور پھر وہاں کفار و فجار کی سزاء اور مؤمنین و متقین کا جزاء کا ذکر ہے، قیامت کے نام قرآن کریم میں بہت سے آئے ہیں۔ اس سورت میں قیامت کو "حاقّه" کے لفظ سے، پھر "قارعه" کے، پھر "واقعه" کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اور یہ سب قیامت کے نام ہیں۔

لفظ "حاقّه" کے معنی حق اور ثابت کے بھی آتے ہیں اور دوسری چیزوں کو حق ثابت کرنے والی چیز کو بھی "حاقّه" کہتے ہیں۔ قیامت پر یہ لفظ دونوں معنی کے اعتبار سے صادق آتا ہے کیونکہ قیامت بھی حق ہے اور اس کا وقوع ثابت اور یقینی ہے اور قیامت مؤمنین کے لئے جنت اور کفار کے لئے جہنم ثابت اور مقرر کرنے والی بھی ہے۔ اسی لفظ کی نسبت سے اس سورت کو "سورة الحاقه" کا نام دیا گیا ہے۔

﴿عِيْشَةٍ رَاضِيَةٍ﴾ يريد فيها الرضا. ﴿القَاضِيَةَ﴾: الموتة الأولى التى منها، لم أحى بعدها. ﴿مِنْ أَحَدٍ عَنْهُ حاجِزِينَ﴾ أحد يكون للجميع وللواحد.

وقال ابن عباس: ﴿الْوَتِينَ﴾: نياط القلب. قال ابن عباس: ﴿طَغَى﴾: كثر ويقال: ﴿بالطَّاغِيَةِ﴾: بطغيانهم. ويقال: طغت على الخزان كما طغى الماء على قوم نوح.

ترجمہ وتشریح

﴿عِيْشَةٍ رَاضِيَةٍ﴾ اس آیت میں "رضا" مراد ہے، یعنی ایسی زندگی جس میں رضا ہو۔

چونکہ "راضية" ۔ عیش کی صفت نہیں بن سکتی اس لئے تاویل کرنی پڑے گی، دراصل "راضية" عیش کی صفت ہے یعنی وہ اس کی زندگی میں راضی ہوگا، اس کے لئے "عیش" کو لانا استعارہ بالکنایہ ہے۔

"القَاضِيَةَ" سے مراد پہلی موت ہے یعنی وہ موت جس سے مراد ہی فیصلہ کن ہوتی اس کے بعد زندہ نہ

ہوتا۔ "**قاضیۃ**" کے اصل معنی ہیں ختم کر دینے والی، ایسی موت جس کے بعد زندگی نہ ہو، کام تمام ہو جائے۔

﴿مِنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ﴾ اس آیت میں "**اَحَدٍ**" واحد اور جمع دونوں کے لئے آتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "**الوَتِيْنَ**" بمعنی "**نیاط القلب**" یعنی دل کی رگ جس کے کٹنے سے آدمی مر جاتا ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "**طَغَى**" کے معنی ہیں کثیر یعنی پانی بہت ہو۔

اور کہتے ہیں کہ "**بالطَّاغِيَةِ**" کا مطلب ہے اپنی سرکشی اور نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کئے گئے۔

"**طغت علی الخزان کما طغی الماء علی قوم نوح**" یعنی یہاں "**طاغیۃ**" سے مراد آندھی ہے کہ اس آندھی نے اتنا زور پکڑا کہ فرشتوں کے اختیار سے باہر ہوگئی جیسے پانی نے حضرت نوح علیہ السلام کی قوم پر زور کیا تھا۔

"**طاغیۃ**" کے مختلف معنی ہیں نافرمانی، سرکشی، حد سے تجاوز کرنے والی آواز، ایسا حادثہ جو حد سے بڑھ گیا ہو وغیرہ۔

(۷۰) سورة سأل سائل

سورۂ معارج کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الفصيلة: أصغر آبائه القربى: إليه ينتمي من انتمى.

﴿لِلشَّوَى﴾: اليدان والرجلان والأطراف وجلدة الرأس يقال لها: شواة. وما كان غير مقتل فهو شوًى. ﴿عِزِيْنَ﴾ والعزون: الحلق والجماعات، واحدها عزة.

الفاظ کا ترجمہ وتشریح

"**الفصيلة**" کے معنی ہیں اسکے آباء واجداد میں جو سب سے قریبی ہو جس کی طرف نسبت کی جاتی ہو، اور یہاں دادا مراد ہے جس کی طرف وہ منسوب ہوتا ہے۔

دونوں ہاتھ اور دونوں پاؤں اور اطراف بدن اور سر کی کھال ان سب کو "**شواة**" کہا جاتا ہے اور ہر وہ عضو جہاں ضرب لگنے سے قتل نہ ہوتا ہو، یعنی جس حصہ کے کاٹنے سے انسان مرتا نہیں وہ "**شوًى**" ہے۔

"**عِزِيْنَ**" اور "**العزون**" دونوں کے معنی ہیں حلقے اور جماعتیں اس کا واحد "**عِزة**" ہے۔

(۷۱) سورة نوح

سورۂ نوح کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿أطْوَاراً﴾: طوراً كذا وطورا كذا، يقال: عدا طوره، أي قدره.

والكُبَّارُ: أشد منا الكبار، وكذلك جُمَّال وجميلٌ لأنها أشد مبالغة. وكذلك كبُارٌ الكبير. وكُبار أيضاً بالتخفيف، والعرب تقول: رجل حُسَّان وجُمَّال وحُسَان مخفّفٌ، وجُمال مخفّفٌ.

﴿دَيَّاراً﴾ من دورٍ ولكنه فيعال من الدوّران كما قرأ عمر (الحَيُّ القَيَّامُ) وهي من قُمتُ. وقال غيره: ﴿دَيَّاراً﴾: أحدا. ﴿تَباراً﴾: هلاكا. وقال ابن عباس: ﴿مِدْرَاراً﴾: يتبع بعضها بعضا. ﴿وَقَاراً﴾: عظمة.

ترجمہ وتشریح

"اطْوَاراً" یعنی تم کو پیدا کیا ایسے ایسے، مطلب یہ ہے کہ تم کو طرح طرح سے بنایا مثلاً پہلے نطفہ کی شکل میں، پھر علقہ رخون کے لوتھڑے کی شکل میں، پھر اس طرح مختلف مراحل سے گزر کر پیدا ہوا۔ جیسا کہ کہتے ہیں کہ "عدا طوره" یعنی اپنے مرتبہ سے آگے بڑھ گئے۔

"الکُبَّارُ" اس میں "الکِبار" کے مقابلے میں زیادتی ہے اور یہ مبالغہ کا صیغہ ہے، اس کا معنی ہے بہت ہی بڑا اور اسی طرح سے "جُمَّال" اور "جميل" ہے، یعنی ان دونوں میں بھی مبالغہ ہے اور اسی طرح "کبُارٌ" بمعنی "الکبیرُ" ہے۔

اور "کُبار" یعنی تخفیف کے ساتھ، یہ بھی درست ہے، عرب لوگ کہتے ہیں "رجل حُسَّانٌ وجُمَّال" تشدید کے ساتھ، اور تخفیف کے ساتھ "حُسان وجُمال"۔

"دَيَّاراً" مشتق ہے "دور" سے لیکن یہ فیعال کے وزن پر ہے "دوران" سے، جیسا کہ حضرت عمر ﷺ نے "الحي القيوم" کے بجائے "الحَيُّ القَيَّامُ" پڑھا اور یہ "قُمتُ" سے ماخوذ ہے۔

اور بعض حضرات نے کہا کہ "دَیّاراً" بمعنی "احداً" یعنی کسی کو مت چھوڑ۔
"تَبَاراً" ہلاکت کے معنی میں ہے۔
حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "مِدْرَاراً" کے معنی ہیں بعض بعض کے پیچھے، لگا تار بارش۔
"وَقَاراً" بمعنی "عظمة" یعنی بڑائی۔

(۱) باب: ﴿وَدًّا وَّلَا سُوَاعاً وَّلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ﴾ [۲۳]

باب: "نہ وَدّ اور سواع کو کسی صورت میں چھوڑنا، اور نہ یغوث اور یعوق کو چھوڑنا"

بت پرستی کا آغاز

قومِ نوح میں پانچ اللہ کے نیک وصالح بندے تھے جو حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کے درمیانی زمانے میں گزرے تھے، اُن کے بہت سے معتقد اور متبع تھے، ان لوگوں نے ان کی وفات کے بعد بھی ایک عرصہ دراز تک اُنہی کے نقشِ قدم پر عبادت اور اللہ کے احکام کی اطاعت جاری رکھی۔

کچھ عرصہ بعد شیطان نے ان کو سمجھایا کہ تم اپنے جن بزرگوں کے تابع عبادت کرتے ہو اگر ان کی تصویریں بنا کر سامنے رکھا کرو تو تمہاری عبادت بڑی مکمل ہو جائے گی اور خشوع وخضوع حاصل ہوگا۔

یہ لوگ اس فریب میں آکر ان کے مجسمے بنا کر عبادت گاہ میں رکھنے اور ان کو دیکھ کر بزرگوں کی یاد تازہ ہو جانے سے ایک خاص کیفیت محسوس کرنے لگے یہاں تک کہ اسی حال میں یہ لوگ سب یکے بعد دیگرے مرگئے اور بالکل نسل نے ان کی جگہ لے لی تو شیطان نے ان کو یہ پڑھایا کہ تمہارے بزرگوں کے خدا اور معبود بھی بُت تھے، وہ انہی کی عبادت کیا کرتے تھے، یہاں سے بُت پرستی شروع ہوگئی اور ان پانچ بُتوں کی عظمت، ان کے دلوں میں چونکہ سب سے زیادہ بیٹھی ہوئی تھی اس لئے باہمی معاہدے میں ان کا نام خاص طور سے لیا گیا۔ [۱]

۴۹۲۰ ـ حدثنا ابراهيم بن موسىٰ: أخبرنا هشام، عن ابن جريج. وقال عطاء، عن ابن عباس رضى الله عنهما: صارت الأوثان التى كانت فى قوم نوح فى العرب بعد. أمّا ودٌّ فكانت لكلب بدومة الجندل، وأما سواع فكانت لهذيل، وأما يغوث فكانت المراد لم لبني غطيف، بالجرف عند سبا، وأما يعوق فكانت لهمدان، وأما نسر فكانت لحمير، لآل

---

[۱] مختصر تفسير البغوى المسمى بمعالم التنزيل، ج: ٦، ص: ٩٧٧

ذی الکلاع. أسماءُ رجال صالحین من قوم نوح. فلما هلکوا أوحی الشیطان الی قومھم ان انصبوا الی مجالسھم التی کانوا یجلسون أنصابا وسموھا بأسمائھم، ففعلوا فلم تعبد حتی إذا ھلک أولئک وتنسخ العلم عبدت. ۶

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم میں جو بت پوجے جاتے تھے بعد میں عرب لوگوں میں آ گئے، **"وَدّ"** دومۃ الجندل میں بنی کلب کا بت تھا اور **"سواع"** بنی ہذیل کا بت تھا اور **"یغوث"** بنی مراد کا تھا، پھر مراد کی شاخ بنی غطیف کا جو وادی جوف میں قوم سبا کے پاس رہتے تھے اور **"یعوق"** بنی ہمدان کا بت تھا اور **"نسر"** قبیلہ حمیر کا بت تھا، جو ذوالکلاع بادشاہ کی اولاد میں سے تھے۔ یہ نام حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے نیک لوگوں کے تھے، پھر جب ان حضرات کی وفات ہوگئی تو شیطان نے ان کی قوم کے دل میں ڈالا کہ اپنی مجلسوں میں جہاں وہ بیٹھتے تھے بت نصب کرلیں اور ان بتوں کے نام اپنے نیک لوگوں کے نام پر رکھ لیں، تاکہ ان کی یادگار رہیں، چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا، اس وقت ان بتوں کی عبادت پوجا نہیں ہوئی، لیکن جب وہ لوگ مرگئے جنہوں نے بطور یادگار بت نصب کیا تھا اور لوگوں کو علم نہ رہا تو ان کی عبادت ہونے لگی۔

---

۶ انفرد به البخاری.

(۷۲) سورة قل أوحي إليّ

سورۂ جن کا بیان

بسم الله الرحمٰن الرحیم

قال ابن عباس: ﴿لبدا﴾: أعوانا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "لِبدا" بمعنی "اعوانا" یعنی تعجب اور عداوت سے جمع ہوتے تھے۔

سورت کا پس منظر

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے شیاطین آسمان تک پہنچ کر فرشتوں کی باتیں سنتے تھے، آپ کی بعثت کے بعد اُن کو شہاب ثاقب کے ذریعے اس سننے سے روک دیا گیا، اسی واقعہ کی تحقیق میں جنات آپ ﷺ تک پہنچے۔

﴿قل أوحي إلي﴾ سے معلوم ہوا کہ جنات کے جس واقعہ کا یہاں ذکر ہے اس میں آپ ﷺ نے قرآن سننے والے جنات کو دیکھا نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی آپ ﷺ کو اطلاع دی ہے۔

تفصیل روایت حدیث میں ملاحظہ فرمائیں:

۴۹۲۱ ـ حدثنا موسى بن اسماعيل: حدثنا أبوعوانة، عن أبي بشر، عن سعيد ابن جبير، عن ابن عباس قال: انطلق رسول الله ﷺ في طائفة من أصحابه عامدين إلى سوق عكاظ وقد حيل بين الشياطين وبين خبر السماء، وأرسلت عليهم الشُّهُب فرجعت الشياطين. فقالوا: ما لكم؟ فقالوا: حيل بيننا وبين خبر السماء، وأرسلت علينا الشُّهُب. قال: ما حال بينكم وبين خبر السماء إلاّ ما حدث، فاضربوا مشارق الأرض ومغاربها فانظروا ماهذا الأمر الذي حدث. فانطلقوا فضربوا مشارق الأرض ومغاربها ينظرون ما هذا الأمر الذي حال بينهم وبين خبر السماء. قال فانطلق الذين توجهوا نحو تهامة الى رسول الله ﷺ بنخلة وهو عامد إلى سوق عكاظ وهو يصلي بأصحابه صلاة الفجر. فلما سمعوا القرآن تسمعوا له، فقالوا: هذا الذي حال بينكم وبين خبر السماء. فهنالک

رجعوا إلى قومهم فقالوا: يا قومنا ﴿إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآناً عَجَباً يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَداً﴾ وأنزل الله عزوجل على نبيه ﷺ ﴿قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِنَ الْجِنِّ﴾ وإنما أوحي إليه قول الجن. [۱]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ صحابہ کی ایک جماعت کے ساتھ سوق عکاظ کے قصد سے روانہ ہوئے، اس زمانے میں شیاطین اور آسمان کی خبر کے درمیان حجاب ہو چکا تھا اور ان پر آگ کے انگارے پھینکے جانے لگے تھے۔ جب شیاطین اپنی قوم کے پاس واپس ہوئے، تو لوگوں نے ان سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ ان لوگوں نے جواب دیا کہ ہمارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان کوئی چیز حائل ہوگئی ہے، اور ہم پر آگ کے انگارے پھینکے جاتے ہیں۔ کسی نے کہا کہ آسمان کی خبروں اور تمہارے درمیان رکاوٹ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ کوئی خاص بات پیش آئی ہے۔ اس لئے ساری زمین پر مشرق و مغرب میں پھیل جاؤ اور تلاش کرو کہ کون سی نئی بات پیش آئی ہے۔ چنانچہ شیاطین مشرق و مغرب میں پھیل گئے تا کہ اس بات کا پتہ لگائیں کہ آسمان کی خبروں کی ان تک پہنچنے میں جو رکاوٹ پیدا کی گئی ہے وہ کس بڑے واقعہ کی وجہ سے ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ جو شیاطین اس کھوج میں نکلے تھے ان کا ایک گروہ وادی تہامہ کی طرف بھی آنکلا جہاں رسول اللہ ﷺ منڈی عکاظ کی طرف جاتے ہوئے کھجور کے ایک باغ کے پاس ٹھہرے ہوئے تھے، آنحضرت ﷺ اس وقت صحابہ کے ساتھ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ جب شیاطین نے قرآن مجید سنا تو یہ اسکو سننے لگ گئے پھر انہوں نے آپس میں کہا کہ یہی چیز ہے وہ جس کی وجہ سے تمہارے اور آسمان کی خبروں کے درمیان رکاوٹ پیدا ہوئی ہے۔ اسکے بعد وہ اپنی قوم کی طرف لوٹ آئے اور ان سے کہا کہ اے ہماری قوم! ﴿إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآناً عَجَباً يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَداً﴾ اللہ عزوجل نے اپنے نبی ﷺ پر یہ آیت ﴿قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِنَ الْجِنِّ﴾ نازل فرمائی، نبی ﷺ کو جنکے قول کی بذریعہ وحی اطلاع دی گئی۔

حدیث کی تشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ اپنے چند اصحاب کے ساتھ بازار عکاظ کی

---

[۱] وفي صحيح مسلم، كتاب الصلاة، باب الجهر بالقراءة في الصبح والقراءة على الجن، رقم: ۶۴۹، وسنن الترمذي، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة سباء، رقم: ۳۲۲۴، باب ومن سورة الجن، رقم: ۳۳۲۳، ۳۳۲۴، ومسند أحمد، ومن مسند بني هاشم، مسند عبدالله بن العباس بن عبدالمطلب عن النبي ﷺ، رقم: ۱۸۸۲، ۲۲۷۱، ۲۳۸۲، ۲۹۷۷

طرف، مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک میدان جہاں عربوں کا مشہور میلہ لگتا تھا، ارادہ کر کے چلے۔

اس زمانہ میں شیاطین کو آسمان کی خبریں چُرا لینے میں رکاوٹ قائم کردی گئی تھی، اور ان پر شہاب ثاقب چھوڑے جاتے تھے، پس شیاطین اپنی قوم کی طرف لوٹ کر آئے تو قوم نے پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ کہ اب کی مرتبہ کوئی خبر نہیں لائے؟

شیاطین نے بتایا کہ آسمان کی خبر اور ہمارے درمیان رکاوٹ کردی گئی ہے، اور اب ہمارے اوپر شعلے پھینکے جاتے ہیں، تو رئیس الشیطان ابلیس کہنے لگا، آسمان کی خبروں اور تمہارے درمیان رکاوٹ کی کوئی نئی وجہ پیدا ہوئی ہے، مثلاً نبی کی بعثت، لہٰذا تم زمین کے مشرق ومغرب کے سارے اطراف میں سفر کرو اور دیکھو کہ وہ کیا چیز ہے، جو نئی پیدا ہوئی ہے، جس نے تمہارے اور آسمانی خبروں کے درمیان رکاوٹ ڈالدی۔

چنانچہ شیاطین مشرق ومغرب میں پھیل گئے، پھر جو لوگ تہامہ کی طرف متوجہ ہوئے وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس مقام نخلہ میں آئے اور آپ ﷺ اس وقت سوق عکاظ کا ارادہ فرما رہے تھے، چنانچہ جب یہ جنات وہاں پہنچے تو آپ ﷺ اس وقت اپنے اصحاب کے ہمراہ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے، جب ان جنوں نے قرآن سنا تو یہ اس کو سننے میں لگ گئے، یعنی پوری توجہ سے سنتے رہے، پھر کہنے لگے کہ یہی ہے وہ جس نے تمہارے اور آسمان کی خبر کے درمیان رکاوٹ ڈالدی ہے۔

پس وہیں سے اپنی قوم کی طرف لوٹ آئے اور کہنے لگے اے ہماری قوم **﴿إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا﴾** ہم نے ایک عجیب قرآن ہے جو راہ راست بتلایا ہے سو ہم تو اس پر ایمان لے آئے اور ہم اب رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں گے۔

اور اللہ ﷻ نے اپنے نبی کریم ﷺ پر یہ آیت نازل فرمائی **﴿قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِنَ الْجِنِّ﴾** یعنی آپ ان لوگوں سے کہئے کہ میرے پاس اس بات کی وحی آئی ہے کہ جنات میں سے ایک جماعت نے قرآن سنا اور جنوں کا قول آپ ﷺ پر نقل کیا گیا۔

(۷۳) سورة المزمل

سورۂ مزمل کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زمانہ فترت کے بعد وحی کا آغاز اور سورۂ مزمل کا نزول

واقعہ اس کا یہ پیش آیا تھا کہ سب سے پہلے غارِ حراء میں نبی کریم ﷺ پر جبرائیل امین علیہ السلام نازل ہوئے اور سورۂ اقراء کی ابتدائی آیتیں آپ کو سنائیں۔ یہ فرشتے کا نزول اور وحی کی شدت پہلے پہل تھی جس کا اثر طبعی طور پر ہوا اور رسول اللہ ﷺ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے گئے، سخت سردی محسوس فرمارہے تھے، اس لئے فرمایا کہ **"زملونی، زملونی"** یعنی مجھے ڈھانپو، مجھے ڈھانپو۔

اس کا مفصل واقعہ آگے آرہا ہے۔ اس کے بعد کچھ دنوں تک یہ سلسلہ وحی کا بند رہا، اس زمانے کو جس میں سلسلہ وحی بند رہا، زمانہ فترت الوحی کہا جاتا ہے۔

آپ ﷺ نے اس زمانہ فترت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ایک روز میں چل رہا تھا کہ اچانک میں نے آواز سنی تو نظر آسمان کی طرف اُٹھائی دیکھتا کیا ہوں کہ وہی فرشتہ جو غارِ حراء میں میرے پاس آیا تھا، آسمان و زمین کے درمیان ایک معلق کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ مجھے ان کو اس ہیئت میں دیکھ کر پھر وہی رعب و ہیبت کی کیفیت طاری ہوگئی جو پہلی ملاقات کے وقت ہو چکی تھی، میں واپس اپنے گھر چلا آیا اور گھر والوں سے کہا کہ مجھے ڈھانپ دو، اُس پر یہ آیت نازل ہوئی: **﴿يَآ اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾**۔

آنیوالی حدیث میں آیت **﴿يَآ اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾** کے نزول کا ذکر ہے، ہوسکتا ہے اسی حالت کو بیان کرنے کیلئے **﴿يَآ اَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ﴾** کا خطاب بھی آیا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لفظ **"مزمل"** کے لقب کا واقعہ الگ ہو۔

اس عنوان سے خطاب کرنے میں ایک خاص لطف وعنایت کی طرف اشارہ ہے جیسے محبت و شفقت میں کسی کو اس کی وقتی حالت کے عنوان سے محض تلطف کے لئے خطاب کیا جاتا ہے۔ [۱]

اس عنوانِ خاص سے خطاب فرما کر آپ کو نمازِ تہجد کا حکم اور اس کی کچھ تفصیل بتلائی ہے۔

---

[۱] روح المعانی، ج: ۱۵، ص: ۱۱۳

وقال مجاهد: ﴿وَتَبَتَّلْ﴾: اخلص. وقال الحسن: ﴿أنكالا﴾: قيوداً. ﴿مُنفَطِرٌ بِهِ﴾: مثقلة به. وقال ابن عباس: ﴿كَثِيباً مَهِيلاً﴾: الرمل السائل. ﴿وَبِيلاً﴾: شديدا.

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے کہا کہ "**وَتَبَتَّلْ**" بمعنی "**اخلص**" یعنی خالص اس کے ہو جاؤ۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "**انکالاً**" بمعنی "**قیود**" یعنی بیڑیاں ہیں، آہنی لگام۔

"**مُنفَطِرٌ بِهِ**" بمعنی "**مثقلة به**" یعنی اسکے خوف سے آسمان بھاری ہو جائے گا، پھر پھٹ جائے گا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "**كَثِيباً مَهِيلاً**" بمعنی "**الرمل السائل**" کے معنی ہیں ریگ رواں، سیال و بہتی ریت۔

"**وَبِيلاً**" بمعنی "**شديدا**" یعنی سخت۔

(۷۴) سورة المدثر

سورۂ مدثر کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) باب:

یہ باب بلا عنوان ہے۔

سورت کے نزول کا واقعہ

سورۂ مدثر قرآنِ کریم کی ان سورتوں میں سے ہے جو نزولِ قرآن کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے، اسی لئے بعض حضرات نے اس سورت کو سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت بھی کہا ہے۔

اور روایاتِ صحیحہ معروفہ کی رُد سے سب سے پہلے سورۂ اقرأ کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ پھر کچھ مدت تک نزولِ قرآن کا سلسلہ بند رہا، جس کو زمانہ فترت وحی کہا جاتا ہے، اسی زمانہ فترت کے آخر میں یہ واقعہ پیش آیا کہ رسول اللہ ﷺ مکہ مکرمہ میں کسی جگہ تشریف لے جا رہے تھے، اُوپر سے کچھ آواز سنی تو آپ نے آسمان کی طرف نظر اُٹھائی، دیکھا کہ وہی فرشتہ جو غارِ حراء میں سورۂ اقرأ کی آیات لیکر آیا تھا وہی آسمان کے نیچے فضاء میں ایک معلق کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔

اس کو اس حال میں دیکھ کر رسول اللہ ﷺ پر وہی طبعی رعب و ہیبت کی کیفیت طاری ہوگئی جو غارِ حراء میں نزولِ اقرأ کے وقت ہوئی تھی، سخت سردی اور کپکپی کے احساس سے آپ گھر میں واپس تشریف لائے اور فرمایا **"زملونی، زملونی"** یعنی مجھے ڈھانپو، مجھے ڈھانپو۔ اس پر سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔

اس سورت میں آپ کو خطاب ﴿**يَاأَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ**﴾ کے الفاظ سے دیا گیا ہے، یہ لفظ **"دثار"** سے مشتق ہے، جو ان زائد کپڑوں کو کہا جاتا ہے جو آدمی عام لباس کے اوپر کسی سردی وغیرہ کو دفع کرنے کیلئے استعمال کیا کرتا ہے۔

اس لفظ سے خطاب ایک حبیبانہ مشفقانہ خطاب ہے، جیسا کہ سورۂ مزمل میں بیان ہو چکا ہے۔

باعتبارِ نزول سورۂ مزمل اور مدثر

روح المعانی میں جابر بن زید تابعی سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ سورۂ مدثر، سورۂ مزمل کے بعد نازل ہوئی اور بعض حضرات نے یہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی نقل کی ہے مگر صحیح بخاری کی روایت میں تصریح ہے کہ سب سے پہلے سورۂ مدثر نازل ہوئی، (اور مراد اس سے یہ ہے کہ فترت وحی کے بعد سب سے پہلے یہ سورت نازل ہوئی)۔

اگر سورۂ مزمل کا نزول اس سے پہلے ہوتا تو حضرت جابر بن عبداللہ ﷺ اس کو بیان کرتے، اور یہ ظاہر ہے کہ لفظ مزمل اور مدثر دونوں تقریباً ہم معنی ہیں، ہوسکتا ہے کہ ایک ہی واقعہ میں ان دونوں کا نزول ہوا اور وہ واقعہ وہی جبرائیل امین علیہ السلام کا آسمان کے نیچے کرسی پر بیٹھے دیکھنے کا اور آپ ﷺ کا گھر میں واپس ہوکر کپڑوں میں لپٹ جانے کا واقعہ ہے۔[۱]

سورت میں نازل ہونے والے چند احکامات کی تفصیل

اس سے کم از کم اتنا تو ثابت ہو جاتا ہے کہ سورۂ مزمل اور مدثر کی ابتدائی آیتیں فترتِ وحی کے بعد سب سے پہلے نازل ہونے والی آیات ہیں، ان دونوں میں کون مقدم اور کون مؤخر ہے!؟

اسمیں روایتیں مختلف ہوگئیں ہیں اور سورۂ اقرأ کی ابتدائی آیات کا ان سب سے پہلے نازل ہونا تمام روایاتِ صحیحہ سے ثابت ہے، اور یہ دونوں سورتیں اگرچہ متقارب زمانے میں ایک ہی واقعہ میں نازل ہوئی ہیں مگر فرق دونوں میں یہ ہے کہ سورۂ مزمل کے شروع میں جو احکام رسول اللہ ﷺ کو دیئے گئے ہیں اُن میں اپنی ذاتی شخصی اصلاح سے متعلق ہیں اور سورۂ مدثر کے شروع میں جو احکام دیئے گئے ہیں ان کا تعلق زیادہ تر دعوت وتبلیغ اور اصلاحِ خلق سے ہے۔

سورۂ مدثر میں سب سے پہلا حکم آپ کو یہ دیا گیا ہے کہ ﴿قُمْ فَاَنْذِرْ﴾ یعنی کھڑے ہو جاؤ۔ اس کے معنی حقیقی قیام کے بھی ہو سکتے ہیں کہ آپ جو کپڑوں میں لپٹ کر سو گئے ہیں اس کو چھوڑ کر کھڑے ہو جائے اور یہ معنی بھی بعید نہیں کہ قیام سے مراد کام کے لئے مستعد اور تیار ہونا اور مطلب یہ ہوا کہ اب آپ ہمت کر کے خلقِ خدا کی اصلاح سنبھالئے۔

"اَنْذَرَ - اِنْذَار" سے مشتق ہے جس کے معنی ڈرانے کے ہیں مگر ایسا ڈرانا جو شفقت و محبت پر مبنی ہوتا ہے جیسے باپ اپنے بچے کو سانپ، بچھو اور آگ سے ڈراتا ہے انبیاء علیہم السلام کی یہی شان ہوتی ہے اسلئے ان کا لقب "نذیر" اور "بشیر" ہوتا ہے۔

"نذیر" کے معنی شفقت و ہمدردی کی بناء پر مضر چیزوں سے ڈرانے والا اور "بشیر" کے معنی خوش خبری سنانے والا۔ رسول اللہ ﷺ کے بھی دونوں ہی لقب قرآن کریم میں جا بجا مذکور ہیں مگر اس جگہ صرف "انذار" کے ذکر پر اکتفاء اس لئے کیا گیا ہے کہ اس وقت مؤمن مسلمان تو گنے چنے چند ہی تھے باقی سب منکرین و کفار تھے جو کسی بشارت کے مستحق نہیں بلکہ ڈرانے ہی کے مستحق تھے۔

دوسرا حکم یہ دیا گیا کہ ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ یعنی صرف اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے قول سے بھی، عمل سے بھی، لفظ رب اس جگہ اس لئے اختیار کیا گیا کہ یہ خود علت اس حکم کی ہے کہ جو سارے جہان کا پالنے والا ہے، صرف وہی ہر بڑائی اور کبریائی کا مستحق ہے۔

تکبیر کے لفظی معنی اللہ اکبر کہنے کے بھی آتے ہیں، جس میں نماز کی تکبیر تحریمہ اور دوسری تکبیرات بھی داخل ہیں اور خارج نماز بھی اذان اقامت وغیرہ کی تکبیر اس میں شامل ہے۔ اس حکم کو نماز کی تکبیر تحریمہ کے ساتھ مخصوص قرار دینے کا الفاظِ قرآن میں کوئی اشارہ نہیں۔

تیسرا حکم یہ دیا گیا کہ ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ "ثیاب - ثوب" کی جمع ہے اس کے اصلی اور حقیقی معنی کپڑے کے ہیں اور مجازی طور پر عمل کو بھی ثوب اور لباس کہا جاتا ہے، قلب اور نفس کو بھی خُلق اور دین کو بھی۔ انسان کے جسم کو بھی لباس سے تعبیر کیا جاتا ہے جس کے شواہد قرآن اور محاورات عرب میں بکثرت ہے۔

اس آیت میں حضرات مفسرین سے سبھی معنی منقول ہیں اور ظاہر یہ ہے کہ یہ کوئی تضاد اور اختلاف نہیں، بطور عموم مجاز کے اگر ان الفاظ سے سبھی معنی مراد لئے جائیں تو کوئی بُعد نہیں، اور معنی اس حکم کے یہ ہونگے کہ اپنے کپڑوں اور جسم کو ظاہری ناپاکیوں سے پاک رکھئے، قلب اور نفس کو باطل عقائد و خیالات سے اخلاقِ رذیلہ سے پاک رکھئے۔

پائجامہ یا تہہ بند کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کی ممانعت بھی اس سے مستفاد ہوتی ہے کیونکہ نیچے لٹکے ہوئے کپڑوں کا آلودہ ہو جانا بعید نہیں تو تطہیر ثوب کے حکم میں یہ بھی آ گیا کہ کپڑوں کا استعمال اس طرح کرو کہ نجاست سے دُور رہیں اور کپڑوں کے پاک رکھنے میں یہ بھی داخل ہے کہ وہ مال حرام سے نہ بنائے جائیں، کسی ایسی وضع وہیئت کے نہ بنائے جائیں جو شرعاً ممنوع ہیں اور ظاہر آیت یہ ہے کہ تطہیر ثوب کا حکم نماز کے ساتھ خاص نہیں بلکہ تمام حالات میں عام اسی لئے فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ غیر حالت نماز میں بھی بغیر کسی ضرورت کے جسم کو ناپاک رکھنا یا ناپاک کپڑے پہنے رکھنا یا ناپاک جگہ میں بیٹھے رہنا جائز نہیں، ضرورت کے اوقات مستثنیٰ ہیں۔

اللہ تعالیٰ طہارت کو پسند فرماتے ہیں ﴿إِنَّ اللهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾ اور حدیث میں طہارت کو نصف ایمان قرار دیا ہے، اس لئے مسلمان کو ہر حال میں اپنے جسم، مکان اور لباس کی ظاہری طہارت کا بھی اہتمام رکھنا ضروری ہے اور قلب کی باطنی طہارت کا بھی۔

قال ابن عباس: ﴿عَسِيرٌ﴾: شديد. ﴿قَسْوَرَةٍ﴾: ركز الناس وأصواتهم وكل شديد قسورة. وقال أبوهريرة: القسورة قسور الأسد. الركز الصوت. ﴿مُسْتَنْفِرَةٌ﴾: نافرة مذعورة.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "عَسِيرٌ" کے معنی ہیں شدید سخت۔
"قَسْوَرَةٍ" کی ایک تفسیر یہ ہے کہ "ركز الناس وأصواتهم" یعنی لوگوں کی سرگوشیاں اور آوازیں۔
اور اسی طرح ہر سخت چیز کو بھی "قسورة" کہتے ہیں۔
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ "قسورة" کے معنی ہیں شیر۔
"الركز" کے معنی کسی کی آہٹ اور اصوات کے معنی آوازیں۔
"مُسْتَنْفِرَةٌ" کے معنی ہیں بھڑکنے والی، ڈرنے والی۔

۴۹۲۲ - حدثني يحيى: حدثنا وكيع، عن علي بن المبارك، عن يحيى بن أبي كثير: سألت أباسلمة بن عبدالرحمن عن أول مانزل من القرآن قال: ﴿يا أيها المدثر﴾ قلت: يقولون ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ فقال أبوسلمة: سألت جابر بن عبدالله رضي الله عنهما عن ذلك وقلت له مثل الذي قلت، فقال جابر: لا أحدثك إلا ماحدثنا رسول الله ﷺ، قال: ((جاورت بحراء فلما قضيت جواري هبطت فنوديت فنظرت عن يميني فلم أر شيئا، ونظرت عن شمالي فلم أر شيئا. ونظرت أمامي فلم أر شيئا، ونظرت خلفي فلم أر شيئا. فرفعت رأسي فرأيت شيئا، فأتيت خديجة فقلت: دثروني وصبوا علي ماء باردا. قال: فدثروني وصبوا علي ماء باردا، فنزلت ﴿يا أيها المدثر قم فأنذر وربك فكبر﴾)).
[راجع: ۴]

ترجمہ: یحییٰ بن ابی کثیر نے بیان کیا کہ میں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ سے پوچھا کہ سب سے پہلے قرآن کی کون سی آیت نازل ہوئی تھی؟ تو انہوں نے کہا ﴿يا أيها المدثر﴾ نازل ہوئی تھی۔ میں نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ نازل ہوئی تھی۔ تو ابوسلمہ نے کہا کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے اس کے متعلق پوچھا، میں نے ان سے وہی کہا جو تم نے کہا، تو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے کہا میں تم سے وہی بیان کرتا ہوں جو ہم سے رسول اللہ ﷺ نے بیان کیا، آپ ﷺ

نے فرمایا کہ میں حرا میں گوشہ نشین تھا، جب میں نے گوشہ نشینی کی مدت کو پورا کرلیا تو میں وہاں سے اترا تو مجھے پکارا گیا، میں نے اس آواز پر اپنے دائیں طرف دیکھا لیکن کوئی چیز نہیں دکھائی دی، پھر بائیں طرف دیکھا ادھر بھی کوئی چیز دکھائی نہیں دی، سامنے دیکھا ادھر بھی کوئی چیز نہیں دکھائی دی، پیچھے کی طرف دیکھا اور ادھر بھی کوئی چیز نہیں دکھائی دی، پھر میں نے سر اٹھایا تو ایک چیز دیکھی۔ پھر میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا تو میں نے کہا مجھ کو کمبل اڑھا دو اور مجھ پر ٹھنڈا پانی بہاؤ۔ آپ ﷺ نے بیان کیا کہ پھر انہوں نے مجھ پر کمبل اوڑھا دیا اور مجھ پر ٹھنڈا پانی بہایا۔ فرمایا کہ پھر یہ آیت نازل ہوئی ﴿يا أيها المدثر قم فأنذر وربك فكبر﴾۔

تشریح

اس حدیث میں حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ جو مدینہ منورہ کے فقہائے سبعہ میں سے ہیں۔

انہوں نے یہ بات کہی اور اسی بات کو حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کیا کہ سب سے پہلی آیت ﴿يا أيها المدثر﴾ نازل ہوئی، لیکن دوسرے حضرات کا موقف یہ ہے کہ سب سے پہلی آیت ﴿اقرأ باسم ربك الذي خلق﴾ کی ابتدائی آیات ہیں۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کے کہنے کا منشأ یہ ہے کہ زمانۂ فترت کے بعد سب سے پہلی آیت ﴿يا أيها المدثر﴾ نازل ہوئی یا پھر حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو ﴿اقرأ باسم ربك الذي خلق﴾ کے بارے میں معلوم نہ ہوسکا۔

یہ واقعہ آپ ﷺ نے شانِ نزول کے طور پر سنایا تھا کہ مجھے "مدثر" کہہ کر کیوں خطاب کیا گیا؟

آپ ﷺ نے بتایا تھا کہ میں غارِ حرا میں اعتکاف کرتا تھا اور اسکے بعد ایک دن حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور میں نے گھر آکر کہا "دثروني وصبوا علي ماء باردا"، اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

تو گویا یہ شانِ نزول کے طور پر آپ ﷺ نے بیان فرمایا تھا، جس سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ یہ سمجھے کہ سب سے پہلی آیت یہی ﴿يا أيها المدثر﴾ والی نازل ہوئی۔

(۲) باب قوله: ﴿قم فأنذر﴾

اس ارشاد کا بیان: "اُٹھو اور لوگوں کو خبردار کرو۔"

۴۹۲۳ - حدثني محمد بن بشار: حدثنا عبدالرحمٰن بن مهدي وغيره قالا: حدثنا

حرب بن شداد، عن يحيى بن أبي كثير، عن أبي سلمة، عن جابر بن عبدالله رضي الله عنهما عن النبي ﷺ قال: ((جاورت بحراء)). مثل حديث عثمان بن عمر، عن علي بن المبارك. [راجع: ۴]

ترجمہ: یحیٰ بن ابی کثیر نے، ان سے ابوسلمہ نے اور ان سے حضرت جابر عبداللہ رضی اللہ عنہما نے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا میں غار حرا میں تنہائی اختیار کئے ہوئے تھا۔ یہ روایت بھی عثمان بن عمر کی حدیث کی طرح ہے جوانہوں نے علی بن مبارک سے بیان کی ہے۔

(۳) بابُ قوله: ﴿وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾ [۳]

اس ارشاد کا بیان: ''اور اپنے پروردگار کی تکبیر کہو۔''

۴۹۲۴ - حدثنا اسحاق بن منصور: حدثنا عبدالصمد: حدثنا حرب: حدثنا يحيى قال: سألت أبا سلمة: أي القرآن أنزل أول؟ فقال: ﴿يا أيها المدثر﴾ فقلت: انبئت أنه ﴿اقرأ باسم ربك الذي خلق﴾ فقال أبوسلمة: سألت جابر بن عبدالله: أي القرآن أنزل أول؟ فقال: ﴿يا أيها المدثر﴾ فقلت: نبئت أنه ﴿اقرأ باسم ربك الذي خلق﴾ فقال: لا أخبرك إلا بما قال رسول الله ﷺ، قال رسول الله ﷺ: جاورت في حراء فلما قضيت جواري هبطت فاستبطنت الوادي، فنوديت فنظرت أمامي وخلفي وعن يميني وعن شمالي فإذا هو جالس على عرش بين السماء والأرض. فأتيت خديجة فقلت: دثروني وصبوا علي ماءً باردًا. وأنزل علي ﴿يا أيها المدثر قم فانذر وربك فكبر﴾ [۱-۳])). [راجع: ۴]

ترجمہ: یحیٰ بن ابی کثیر نے بیان کیا کہ میں نے ابوسلمہ سے پوچھا کہ قرآن مجید کی کون سی آیت سب سے پہلے نازل ہوئی؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ میں نے کہا مجھے خبر ملی ہے کہ وہ ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ ہے، تو ابوسلمہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت جابر عبداللہ رضی اللہ عنہما سے پوچھا تھا کہ قرآن شریف کی کون سی آیت سب سے پہلے نازل ہوئی تھی؟ تو انہوں نے فرمایا کہ ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ میں نے ان سے کہا کہ مجھے تو معلوم ہوا ہے کہ ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ﴾ سب سے پہلے نازل ہوئی تھی۔ انہوں نے فرمایا میں تمہیں وہی خبر دے رہا ہوں جو رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں غار حرا میں معتکف تھا، تو جب میرا اعتکاف پورا ہو گیا اور میں اتر کر وادی کے بیچ میں پہنچا تو مجھے پکارا گیا، پھر میں اپنے

آگے اور پیچھے اور اپنے دائیں اور بائیں دیکھا، تو دیکھا کہ وہ فرشتہ آسمان وزمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہے۔ پھر میں خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور کہا کہ مجھے کپڑا اوڑھا دو اور میرے اوپر ٹھنڈا پانی ڈالو اور مجھ پر یہ آیت نازل ہوئی ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ﴾۔

(۴) باب: ﴿وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ﴾ [۴]

باب: ''اور اپنے کپڑوں کو پاک رکھو۔''

۴۹۲۵ ــ حدثنا یحیی بن بکیر: حدثنا اللیث، عن عقیل، عن ابن شهاب. وحدثنی عبدالله بن محمد: حدثنا عبدالرزاق: أخبرنا معمر، عن الزهری، فأخبرنی ابوسلمة بن عبدالرحمٰن، عن جابر بن عبدالله قال: سمعت النبی ﷺ وهو یحدث عن فترة الوحی فقال فی حدیثه: ((فبینا أنا أمشی إذ سمعت صوتا من السماء فرفعت رأسی فإذا الملک الذی جاء نی بحراءٍ جالس علی کرسی بین السماء والأرض فجئثت منه رعبا فرجعت فقلت: زَمِّلُونی زَمِّلُونی، فدثّرونی فدثرونی، فأنزل الله تعالیٰ ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ إلی ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ قبل أن تفرض الصلاة وهی الأوثان. [راجع: ۴]

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا آپ درمیان میں وحی کا سلسلہ رک جانے کا حال بیان فرما رہے تھے، آپ نے اپنی حدیث میں فرمایا کہ اس دوران کہ میں چل رہا تھا کہ میں نے آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی، میں نے اپنا سر اوپر اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ ہے، جو میرے پاس غار حراء میں آیا تھا، وہ آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے، میں اس کے خوف سے گھبرا گیا، پھر میں گھر واپس آیا اور خدیجہ رضی اللہ عنہا کہا کہ مجھے کپڑا اُوڑھا دو، انہوں نے مجھے کپڑا اُوڑھا دیا پھر اللہ ﷻ نے آیت ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ﴾ تا ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ نازل فرمائی۔ یہ واقعہ نماز فرض ہونے سے پہلے کا ہے، اور رجز سے مراد بت ہیں۔

تشریح

يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ - یہ اسی طرح کا خطاب ہے جیسا پچھلی سورت کے شروع میں گذرا ہے، فرق صرف یہ ہے کہ وہاں اصل عربی کا لفظ **''مزمل''** تھا اور یہاں **''مدثر''** ہے، معنی دونوں کے تقریباً ایک ہیں۔

صحیح احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ آپ ﷺ پر سب سے پہلے وحی کے طور پر تو سورۃ العلق کی پہلی پانچ آیتیں نازل ہوئیں تھیں، اس کے بعد ایک عرصے تک آپ ﷺ پر وحی کا سلسلہ بند رہا، پھر سورۂ مدثر کی یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

(۵) باب: ﴿وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ [۵]

باب: ''اور گندگی سے کنارہ کرلو۔''

يقال: الرجز والرجس: العذاب.

ترجمہ: بعض حضرات کہتے ہیں کہ "الرجز والرجس" سے مراد عذاب ہے۔

۴۹۲۶ـ حدثنا عبدالله بن يوسف: حدثنا الليث، عن عقيل: قال ابن شهاب: سمعت أبا سلمة قال: أخبرني جابر بن عبدالله أنه سمع رسول الله ﷺ يحدث عن فترة الوحي: فبينا أنا أمشي إذ سمعت صوتا من السماء، فرفعت بصري قبل السماء فإذا الملك الذي جاء ني بحراء قاعد على كرسي بين السماء والأرض، فجئثت منه حتى هويت إلى الأرض، فجئت أهلي فقلت: زمّلوني زمّلوني، فزمّلوني، فأنزل الله تعالى ﴿يا أيها المُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ﴾ إلى قوله: ﴿فاهْجُرْ﴾ ـ قال أبو سلمة: والرجز: الأوثان ـ ثم حمي الوحي وتتابع)). [راجع: ۴]

ترجمہ: ابن شہاب نے بیان کیا کہ میں نے ابوسلمہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سنا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا، آپ درمیان میں وحی کے سلسلے کے رک جانے سے متعلق بیان فرمارہے تھے کہ میں چل رہا تھا کہ میں نے آسمان کی طرف سے آواز سنی۔ اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ نظر آیا جو میرے پاس غار حرا میں آیا تھا۔ وہ کرسی پر آسمان اور زمین کے درمیان میں بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اسے دیکھ کر اتنا ڈرا کہ زمین پر گر پڑا۔ پھر میں اپنی بیوی کے پاس آیا اور ان سے کہا کہ مجھے کپڑا اوڑھادو، مجھے کپڑا اوڑھادو! مجھے کپڑا اوڑھادو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی ﴿يا أيها المُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ﴾ سے لیکر ﴿فاهْجُرْ﴾ تک۔ ابوسلمہ نے بیان کیا کہ الرجز بت کے معنی میں ہے۔ پھر وحی گرم ہوگئی (وحی کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوگیا) اور سلسلہ نہیں ٹوٹا۔

(۷۵) سورة القيامة

سورۂ قیامہ کا بیان

بسم الله الرحمٰن الرحيم

(۱) بابٌ وقوله: ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ﴾ [۱۶]

اس ارشاد کا بیان: ''(اے پیغمبر!) تم اس قرآن کو جلدی جلدی یاد کرنے کے لئے اپنی زبان ہلایا نہ کرو۔''

وقال ابن عباس: ﴿لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ﴾ سوف أتوب، سوف أعمل. ﴿لَا وَزَرَ﴾: لاحصن. ﴿سُدًى﴾ هملا.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ''لِيَفْجُرَ أَمَامَهُ'' کا مطلب ہے کہ ہمیشہ گناہ کرتا رہے اور کہتا رہے کہ عنقریب توبہ کرلوں گا، اب اچھے عمل کروں گا۔

''لَا وَزَرَ'' بمعنی ''لاحصن'' پناہ گاہ، یعنی کوئی پناہ گاہ نہیں۔

''سُدًى'' بمعنی ''هملا'' مہمل، آزاد۔

۴۹۲۷ ـ حدثنا الحميدي: حدثنا سفيان: حدثنا موسى بن أبي عائشة وكان ثقة، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضي الله عنهما قال: كان النبي ﷺ إذا أنزل عليه الوحي حرك به لسانه ـ ووصف سفيان ـ يريد أن يحفظه فأنزل الله ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ﴾ [۱۶]. [راجع: ۵]

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب نبی کریم ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو آپ اس پر اپنی زبان ہلایا کرتے تھے۔ اور سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ آپ کا مقصد اسکو یاد کرنا ہوتا، اس پر اللہ جل جلالہ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ﴾۔

تشریح

﴿لاتحرک به لسانک لتعجل به﴾- آپ ﷺ سے فرمایا جارہا ہے کہ آپ زبان مبارک سے الفاظ دہرانے کی مشقت نہ اٹھائیں، کیونکہ ہم نے ذمہ داری لے لی ہے کہ ہم انہیں آپ کو یاد بھی کرائیں گے اور ان کی تشریح بھی آپ کے قلب مبارک میں واضح کردیں گے۔

باب: ﴿إنّ علینا جمعه وقرآنه﴾ [۱۷]

باب: ''یقین رکھو کہ اس کو یاد کرانا اور پڑھوانا ہماری ذمہ داری ہے۔''

۴۹۲۸ ـ حدثنا عبیداللہ بن موسیٰ، عن اسرائیل، عن موسی بن أبی عائشة: أنه سأل سعید بن جبیر عن قوله تعالیٰ: ﴿لاتحرک به لسانک﴾ قال: وقال ابن عباس: کان یحرک شفتیه إذا أنزل علیه، فقیل له: ﴿لاتحرک به لسانک﴾ یخشی أن ینفلت منه ﴿إنّ علینا جمعه﴾ أن نجمعه فی صدرک ﴿وقرآنه﴾ أن تقرأه ﴿فإذا قرأناه﴾ یقول: أنزل علیه ﴿فاتبع قرآنه ثم إنّ علینا بیانه﴾ أن نبیّنه علی لسانک. [راجع: ۵]

ترجمہ: موسیٰ بن ابو عائشہ نے حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے اس ارشاد باری تعالیٰ ﴿لاتحرک به لسانک﴾ کے متعلق سوال کیا، تو انہوں نے کہا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب آپ ﷺ پر قرآن نازل ہوتا تو آپ اپنے دونوں ہونٹوں کو حرکت دیتے، تو یہ کہا گیا کہ ﴿لاتحرک به لسانک﴾ آپ بھول جانے کے خوف سے اپنی زبان کو حرکت نہ دیں، اس لئے کہ ﴿إنّ علینا جمعه﴾، جمع کرنے سے مراد سینے میں جمع کرنا اور ﴿وقرآنه﴾ یہ ہے کہ آپ اس کو پڑھیں گے، ﴿فإذا قرأناه﴾ یعنی آیت نازل کی جائے تو ﴿فاتبع قرآنه ثم إنّ علینا بیانه﴾ یعنی پھر یہ بھی ہمارا ہی کام ہے کہ ہم آپ کی زبان سے اسکو پڑھوادیں گے۔

تشریح

﴿فاتبع قرآنه ثم إنّ علینا بیانه﴾۔ یعنی اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ اپنی توجہ الفاظ کو یاد رکھنے کے بجائے ان آیات کے عملی پیروی کرنے پر مرکوز رکھیں، اور یہ بھی کہ جس طرح حضرت جبرائیل علیہ السلام

پڑھ رہے ہیں، آئندہ آپ بھی اسی طرح پڑھا کریں۔

(۲) باب: ﴿فإذا قرأناه فاتبع قرآنه﴾ [۱۸]

باب: ”پھر جب ہم اسے (جبرئیل کے واسطے سے) پڑھ رہے ہوں تو تم اسکے پڑھنے کی پیروی کرو۔“

قال ابن عباس: ﴿قَرَأناهُ﴾: بيّناه. ﴿فاتّبِعْ﴾: اعمل به.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ ”قَرَأْنَاهُ“ سے مراد یہ ہے کہ ہم اس کو بیان کریں، اور ”فَاتَّبِعْ“ سے مراد یہ ہے کہ آپ اس پر عمل کریں گے۔

۴۹۲۹ - حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا جرير، عن موسى بن أبي عائشة، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس في قوله: ﴿لاَ تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ﴾ قال: كان رسول الله ﷺ إذا نزل جبريل عليه بالوحي وكان مما يحرك به لسانه وشفتيه فيشتد عليه وكان يعرف منه. فأنزل الله الآية التي في لا أقسم بيوم القيامة ﴿لاَ تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وقُرآنَهُ﴾ قال: علينا أن نجمعه في صدرك وقرآنه، بلسانك. قال: فكان إذا أتاه جبريل أطرق فإذا ذهب قرأه كما وعده الله.

﴿أوْلَى لَكَ فأوْلَى﴾ توعد. [راجع:۵]

ترجمہ: سعید بن جبیر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس ارشادِ باری تعالیٰ ﴿لاَتُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ﴾ کے متعلق بتلایا کہ جب حضرت جبریل امین علیہ السلام آپ پر وحی نازل کرتے تو رسول کریم ﷺ اپنی زبان اور ہونٹ ہلایا کرتے تھے اور آپ پر یہ بہت سخت گزرتا، یہ آپ کے چہرے سے بھی ظاہر ہوتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے وہ آیت نازل کی جو سورۃ البلد یعنی ”لا اقسم بیوم القیامۃ“ میں ہیں ﴿لاَتُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وقُرآنَهُ﴾ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ تو ہمارے ذمہ ہے اس کا جمع کر دینا اور اس کا پڑھوانا، پھر جب ہم اسے پڑھنے لگیں تو آپ اس کے پیچھے یاد کرتے جایا کریں۔ چنانچہ اسکے بعد جب حضرت جبریل امین علیہ السلام وحی لے کر آتے تو آنحضرت ﷺ خاموش ہو جاتے اور جب چلے جاتے تو پڑھتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے وعدہ کیا تھا۔

﴿اَوْلٰی لَکَ فَاَوْلٰی﴾ میں تہدید یعنی ڈرانا دھمکانا مراد ہے۔

قرآن پڑھنے کیلئے تجوید وقراءت ضروری ہیں

اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم کے پڑھنے کا طریقہ بھی ماثور اور مقصود ہے۔ اس میں یہ نہیں کہ جیسا منہ اٹھایا پڑھ لیا، بلکہ اس کو اس طرح پڑھنا چاہئے کہ جس طرح آپ ﷺ نے پڑھا، لہٰذا اس میں قراءت اور تجوید بھی داخل ہے۔

جب تک آدمی کی تجوید درست نہ ہو، حروف کی ادائیگی میں مخارج وصفات درست نہ ہوں، اُس وقت تک اس نے قرآن کریم کو پڑھنے کا صحیح طریقہ ہی نہیں سیکھا، لہٰذا جب قرآن پڑھنا نہیں آتا تو معنی کیا سمجھے گا؟ کیونکہ معنی سمجھنا اور تشریح کرنا یہ اگلا درجہ ہے۔

فرمایا: ﴿اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾ " اس کے بعد فرمایا ﴿ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ تو پہلے قرآن کی تلاوت صحیح ہونی چاہئے پھر اس کی تشریح سمجھے گا، لہٰذا آدمی پر ضروری ہے کہ وہ تجوید سیکھے۔

"قال: جمعه لک صدرک" حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے **"جمعه و قرآنه"** کی تشریح فرمائی کہ اس کے معنی ہیں آپ کے سینے میں اس کو محفوظ کرنا۔

یہاں دو نسخے ہیں:

ایک یہی کہ **"جمعه لک صدرک"** کہ تمہارے لئے جمع کریں گے تمہارا سینہ، یعنی آپ کا سینہ اس کو جمع یعنی محفوظ کرلے گا۔

اور دوسرا نسخہ **"قال: جمعه لک فی صدرک"** کا۔ اس کے معنی واضح ہیں کہ اللہ تعالیٰ قرآن کو آپ ﷺ کے سینے میں جمع فرمادیں گے۔

یعنی دونوں باتوں کی ہماری ذمہ داری ہے کہ جب آپ اس کو یاد کرلیں گے تو یہ خود بخود یاد ہو جائے گا اور جس طرح یہ اترا ہے آپ اس کو بالکل اسی طرح پڑھیں گے۔

"فاذا قرأناه فاتبع قرآنه۔ قال: فاستمع له وانصت" اس کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں:

ایک معنی تو یہی ہے جو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان فرمایا کہ جب ہم قراءت کر رہے ہوں تو آپ کو یاد کرنے کی فکر میں بار بار دہرانے کی ضرورت نہیں، بلکہ اس کو سنئے اور خاموش رہیں یعنی جو کچھ قراءت کی جارہی ہے اس کی اتباع کیجئے اچھی طرح سنیں اور خاموش رہیں۔

دوسرے معنی اس کے یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ جب ہم اس کی قراءت کریں تو آپ اس قراءت کی اتباع

کیجئے یعنی آئندہ جب آپ اس کو پڑھیں تو اسی طرح پڑھیں یہ نہ ہو کہ ضاد کو ذال یا زا پڑھ لیں بلکہ جس طرح پڑھایا گیا تھا اسی طرح اتباع کیجئے گا۔

"ثم ان علینا بیانہ" یعنی پھر ہمارے اوپر ہے اس کا بیان کرنا۔

اس کے معروف معنی یہ ہیں کہ ہم نے جو کچھ آپ کے سامنے پڑھ دیا اور پھر اس کو آپ کے دل میں محفوظ بھی کر دیا اب ہمارے اوپر یہ ذمہ داری بھی ہے کہ ہم اس کے مجملات کی توضیح کریں اور اس کے مبہمات کو واضح کریں اور اس کے صحیح معنی آپ کو سمجھائیں یعنی اس کی صحیح تفسیر آپ کے قلب میں القاء کریں۔ اکثر حضرات نے یہی معنی اختیار کئے ہیں کہ یہاں بیان سے قرآن کی تفسیر مراد ہے۔

"ثم ان علینا أن تقرأہ" لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہاں **"بیانہ"** سے مراد آپ ﷺ کا پڑھنا ہے یعنی اللہ جل جلالہ فرما رہے ہیں ہم نے اس کو ایک مرتبہ آپ کو پڑھ کر سنا دیا اور اب ہماری یہ ذمہ داری بھی ہے کہ آپ بھی اس کو یکے بعد دیگرے، بار بار پڑھتے رہیں گے تا کہ یہ پوری طرح راسخ ہو جائے۔

اس تفسیر سے اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ایسا نہیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام ایک مرتبہ قرآن پڑھ کر چھوڑ دیں گے بلکہ ہر سال آپ کے ساتھ دور کیا کریں گے، تو یہ دور کرنا اور حضرت جبرئیل علیہ السلام اور حضور اقدس ﷺ کا بار بار پڑھنا یہ سب **"بیانہ"** ہے۔ [1]

---

[1] انعام الباری شرح صحیح البخاری، ج:۱، ص: ۲۴۲،۲۴۱

(۷۶) سورة ﴿هل أتى على الانسان﴾

سورۂ دہر کا بیان

بسم الله الرحمٰن الرحيم

سورۂ دہر کا نام سورۂ انسان اور سورۃ الابرار بھی ہے۔ [1]

اس میں تخلیق انسانی کی ابتدائی وانتہاء اور اعمال پر جزاء وسزاء قیامت اور جنت ودوزخ کے خاص حالات نہایت بلیغ اور مؤثر انداز میں بیان ہوئے۔

يقال: معناه أتى على الإنسان، و ((هل)) تكون جحداً وتكون خبراً. وهذا من الخبر، يقول: كان شيئا فلم يكن مذكورا، وذلك من حين خلقه من طين إلى أن ينفخ فيه الروح.

﴿أمشاج﴾: الأخلاط، ماء المرأة وماء الرجل، الدم والعلقة. ويقال إذا خُلط: مشيج، كقولك: خليط، وممشوج مثل مخلوط.

﴿سَلاسِلاً وأغلالا﴾ ولم يجر بعضهم. مستطيراً: ممتدا، البلاء. والقمطرير: الشديد، يقال: يوم قمطرير ويوم قماطر، والعبوس والقمطرير والقماطر، والعصيب أشد ما يكون من الأيام في البلاء. وقال الحسن: النضرة في الوجه، والسرور في القلب.

وقال ابن عباس: ﴿الأَرَائِكِ﴾: السُرر. وقال مقاتل: الصرر: الحجال من الدُرّ والياقوت. وقال البراءُ: ﴿وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا﴾: يقطفون كيف شاؤا. وقال مجاهد: ﴿سَلْسَبِيلا﴾: حديد الجرية.

وقال معمر: ﴿أسرهم﴾: شدة الخلق، وكل شيء شددته من قتب فهو مأسور.

انسان کی پیدائش حقیر نطفہ سے

"هل اتى على الانسان" کا مطلب یہ ہے کہ انسان پر ایک وقت آچکا ہے۔

---

[1] روح المعاني في تفسير القرآن العظيم والسبع المثاني، ج: ١٥، ص: ١٦٦

لفظ "**هـل**" کبھی تو انکار یعنی نفی کیلئے آتا ہے یعنی استفہام انکاری اور کبھی کبھی خبر یعنی تحقیق و اثبات کیلئے "**قد**" کے معنی میں آتا ہے، اور یہ خبر یعنی "**قد**" ہی کے معنی میں ہے کہ اس سے خبر دی جاتی ہے۔

"**یقول کان شیئا**" کہتے ہیں کہ انسان کبھی ایک چیز تھا، لیکن قابل تذکرہ نہیں تھا، یعنی نطفہ تھا، اور یہ مٹی سے اس کی پیدائش کے بعد سے اس میں روح پھونکے جانے تک کی مدت ہے۔

بچہ کی مشابہت ماں یا باپ سے

"**امشاج**" بمعنی "**الأخلاط**" یعنی ملے ہوئے، عورت کا پانی اور مرد کا پانی، یعنی دونوں کی منی بچہ دانی میں مخلوط ہو جاتی ہے، پس اگر مرد کی منی غالب ہوتی ہے تو بچہ باپ کے مشابہ ہوگا اور اگر عورت کی منی غالب ہوتی ہے تو بچہ ماں کے مشابہ ہوگا۔

"**الدم و العلقة**" یعنی منی سے خون ولوتھڑا بنتا ہے، پھر مضغہ اور جسم۔

"**ویقال اذا خلط**" جب کوئی چیز کسی دوسری چیز سے ملا دی جائے تو اس کو "**مشیج**" کہا جاتا ہے جیسے "**خلیط**" بمعنی "**ممشوج**" اس کی مثال ہے جیسے مخلوط۔

بعض حضرات نے "**سَلاسِلاً**" پڑھا ہے تنوین کے ساتھ اور بعضوں نے اس کو جائز نہیں کہا ہے۔

"**مستطیراً**" کے معنی ہیں اس کی برائی پھیلی ہوئی عام ہے۔

"**القمطریر**" کے معنی ہیں سخت۔

عرب لوگ کہتے ہیں "**یوم قمطریر**" اور "**یوم قماطر**" یعنی سخت مصیبت کا دن اور "**العبوس - القمطریر - القماطر - العصیب**" یہ سب ایک ہی معنی میں ہیں، مصیبت کے انتہائی سخت اور تلخ ترین ایام کیلئے استعمال ہوتے ہیں۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چہرے کی شادابی اور دل میں خوشی مراد ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "**الأرائِک**" بمعنی "**السُّرر**" یعنی تکیے مراد ہیں۔

اور حضرت مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ "**الصور**" ہے یعنی صاد کے ساتھ ہے۔

حضرت براء فرماتے ہیں کہ ﴿**وَذُلِّلَتْ قُطُوفُهَا**﴾ اس سے مراد یہ ہے کہ ان کے پھل مکمل طور سے ان کے آگے رام کر دیئے جائیں گے یعنی تمام پھل ان کی دسترس اور ان کے قابو میں دے دیئے جائیں جیسے چاہیں گے وہ ان پھلوں کو توڑ لیں گے۔

حضرت معمر رحمہ اللہ نے کہا کہ "**اسرهم**" سے مراد پیدائش کی مضبوطی اور ہر وہ چیز جس کو اونٹ کے پالان سے مضبوط کیا جاتا ہے، اس کو "**ماسور**" کہتے ہیں۔

(۷۷) سورة والمرسلات

سورۂ مرسلات کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

﴿جُمالاتٌ﴾: حبال.

وقال مجاهد: ﴿ارْكَعُوا﴾: صلّوا. ﴿لا يَرْكَعُوْنَ﴾: لا يصلون،

وسئل ابن عباس: ﴿لا يَنْطِقُونَ﴾، ﴿واللهِ رَبِّنا ما كُنّا مُشْرِكِينَ﴾، ﴿اليَوْمَ نَخْتِمُ على أفواهِهِمْ﴾ فقال: إنّه ذو ألوان، مرة ينطقون، ومرة يختم عليهم.

ترجمہ وتشریح

"جُمالاتٌ" بمعنی "حبال" یعنی موٹی رسیاں جس سے بڑی بڑی کشتیوں کو باندھتے ہیں اور اگر جیم کے زیر کے ساتھ پڑھا جائے "جِمالاتٌ"- تو اس صورت میں یہ "جمل" کی جمع ہوگی بمعنی اونٹ۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "ارْكَعُوا" بمعنی "صلّوا" نماز پڑھو اور "لا يَرْكَعُوْنَ" کے معنی ہیں "لا يصلون" یعنی جب کہا جاتا ہے کہ نماز پڑھو تو نماز نہیں پڑھتے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ قرآن کریم میں ہے ﴿لا يَنْطِقُونَ﴾ یعنی وہ بول نہیں سکیں گے۔

جبکہ دوسری جگہ ہے ﴿واللهِ رَبِّنا ما كُنّا مُشْرِكِينَ﴾ یعنی اللہ کی قسم! اے ہمارے رب ہم مشرکین میں سے نہیں تھے۔

اس کے علاوہ ایک تیسری جگہ اس طرح ہے ﴿اليَوْمَ نَخْتِمُ على أفواهِهِمْ﴾ یعنی آج کے دن ہم ان کے منہ پر مہر لگادیں گے۔

بظاہر تینوں جگہ مختلف بات ذکر کی گئی ہے تو اس بارے میں پوچھا گیا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمایا کہ قیامت کے دن کافروں کے مختلف حالات ہوں گے، کبھی تو وہ بولیں گے اور کبھی ان کی منہ پر مہر لگادی جائے گی۔

(۱) بابٌ:

یہ باب بلا عنوان ہے۔

۴۹۳۰ ـ حدثنا محمود: حدثنا عبیداللہ، عن اسرائیل، عن منصور، عن إبراهیم، عن علقمة، عن عبداللہ ﷺ قال: کنا مع النبی ﷺ وأنزلت علیه والمرسلات، وإنا لنتلقاها من فیه، فخرجت حیّة فابتدرناها فسبقتنا فدخلت جحرها. فقال رسول اللہ ﷺ: ((وقیت شرکم کما وقیتم شرّها)). [راجع: ۱۸۳۰]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے اور آپ پر سورۂ مرسلات نازل ہوئی تھی اور ہم اس کو آپ ﷺ کے منہ سے سیکھ رہے تھے کہ اتنے میں ایک سانپ نکل آیا، ہم لوگ اس کی طرف بڑھے، تاکہ اس کو مار ڈالیں، لیکن وہ ہم سے بچ نکلا اور اپنے سوراخ میں گھس گیا۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ تمہارے شر سے بچ گیا اور تم اس کے شر سے محفوظ رہے۔

۴۹۳۱ ـ حدثنا عبدة بن عبداللہ: أخبرنا یحیی بن آدم، عن إسرائیل، عن منصور بهذا. وعن إسرائیل، عن الأعمش، عن إبراهیم، عن علقمة، عن عبداللہ مثله. وتابعه أسود بن عامر، عن إسرائیل. وقال حفص وأبومعاویة وسلیمان بن قرم، عن الأعمش، عن إبراهیم، عن علقمة، عن عبداللہ. وقال یحیی بن حماد: أخبرنا أبوعوانة، عن مغیرة، عن إبراهیم، عن علقمة، عن عبداللہ. وقال ابن إسحاق، عن عبدالرحمن ابن الأسود، عن أبیه، عن عبداللہ. [راجع: ۱۸۳۰]

حدثنا قتیبة: حدثنا جریر، عن الأعمش، عن إبراهیم، عن الأسود قال: قال عبداللہ: بینا نحن مع رسول اللہ ﷺ في غار، إذ نزلت علیه والمرسلات، فتلقیناها من فیه وإن فاه لرطب بها، إذ خرجت حیة فقال رسول اللہ ﷺ: ((علیکم اقتلوها))، قال: فابتدرناها فسبقتنا. قال: فقال: ((وقیت شرکم کما وقیتم شرها)).

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے بیان کیا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک غار میں تھے کہ آپ پر سورۃ والمرسلات نازل ہوئی۔ ہم نے اسے آپ کے منہ سے یاد کرلیا۔ اس وحی سے آپ کے دہن مبارک کی تازگی ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کہ اتنے میں ایک سانپ نکل پڑا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اسے زندہ نہ چھوڑو۔ بیان

کیا کہ ہم اس کی طرف بڑھے لیکن وہ نکل گیا۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم اس کے شر سے بچ گئے اور وہ تمہارے شر سے بچ گیا۔

(۲) باب قوله: ﴿إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ﴾ [۳۲]

اس ارشاد کا بیان: ''وہ آگ تو محل جیسے بڑے بڑے شعلے پھینکے گی۔''

۴۹۳۲ - حدثنا محمد بن كثير: أخبرنا سفيان: حدثنا عبدالرحمٰن بن عابس قال: سمعت ابن عباس يقول: ﴿إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ﴾، قال: كنا نرفع الخشب بقصر ثلاثة أذرع أو أقل فنرفعه للشتاء فنسميه القصر. [أنظر: ۴۹۳۳] [۱]

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عابس رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس آیت ﴿إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے سنا، وہ فرما رہے تھے کہ ہم بقدر تین ہاتھ یا اس سے کم کاٹ کر لکڑیاں اٹھا کر رکھتے تھے، ہم ایسا جاڑوں کیلئے کیا کرتے تھے، تاکہ اس کو جلا کر سے گرمی حاصل کریں اور اس کا نام ''قصر'' رکھتے تھے۔

آیت کی دو قراءتیں

اس روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت ﴿إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ﴾ کی تفسیر بیان فرما رہے ہیں۔ اس آیت میں دو قراءتیں ہیں:

پہلی قراءت: ﴿إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ﴾ اس کے معنی یہ ہے کہ وہ محل کی طرح چنگاریاں اڑیں گی اور شعلے اٹھیں گے۔ **"قصر"** - سے محل مراد ہے۔

دوسری قراءت: **"قصر"** کی تفسیر ابن عامر کے حوالہ سے یہ کی گئی ہے کہ **"قصر"** بڑی لکڑیوں کو کہتے ہیں، عرب لوگ بڑی بڑی لکڑیوں کو اٹھا کر سردی کے موسم کیلئے رکھ دیتے تھے۔

اس صورت میں ترجمہ ہوا تو ﴿إِنَّهَا تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ﴾ کہ وہ ایسے شعلے پھینک رہی ہو گی جیسا کہ بڑی بڑی لکڑیوں کے شعلے ہوتے ہیں۔

---

[۱] انفرد به البخاري.

(۳) باب قوله: ﴿كَأَنَّهُ جمالاتٌ صُفْرٌ﴾ [۳۳]

اس ارشاد کا بیان: ''ایسا لگے گا جیسے وہ زرد رنگ کے اُونٹ ہوں۔''

۴۹۳۳ - حدثنا عمرو بن علي: حدثنا يحيى: أخبرنا سفيان: حدثنا عبدالرحمٰن ابن عابس قال: سمعت ابن عباس رضي الله عنهما ﴿تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ﴾ قال: كنا نعمد إلى الخشبة ثلاثة أذرع وفوق ذلك فنرفعه للشتاء فنسميه القصر ﴿كَأَنَّهُ جِمَالاتٌ صُفْرٌ﴾ حبال السّفن تجمع حتى تكون كأوساط الرجال. [راجع: ۴۹۳۲]

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن عابس رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ﴿**تَرْمِي بِشَرَرٍ كَالْقَصْرِ**﴾ کے متعلق بیان کرتے ہوئے سنا کہ ہم لکڑیاں تین گز یا اس سے زیادہ کی اکٹھی کر کے اس کو جاڑے کے لئے بلند کر لیتے، اور اس کو قصر کہتے تھے، ﴿**كَأَنَّهُ جِمَالاتٌ صُفْرٌ**﴾ کشتیوں کی رسیاں جو جمع کی جائیں تو وہ اوسط آدمی کے برابر ہو جائیں۔

تشریح

''**جِمَالاتٌ**'' کا معنی یہاں پر ''**حبال السفن**'' سے کیا ہے یعنی کشتی کی رسیاں، اس میں ایک قرأت ''**جمالات**'' کی بھی ہے، معنی یہ ہے کہ رسیاں جمع کی جاتی ہیں، یہاں تک کہ آدمی کے قد کے برابر ہو جاتی ہیں۔ دوسرا معنی یہ ہے کہ ''زرد رنگ کے اونٹ''۔

(۷۸) سورة عمّ يتساء لون

عم يتساء لون - یعنی سورۂ نباء کا بیان

بسم الله الرحمٰن الرحيم

کفار کے روزِ قیامت پر اشکالات کے جواب

جب قرآن کریم نازل ہونا شروع ہوا تو کفار مکہ اپنی مجلسوں میں بیٹھ کر اس کے متعلق قسم قسم کی رائے زنی اور چہ مگوئیاں کیا کرتے تھے۔ قرآن میں قیامت کا ذکر اہمیت کے ساتھ آیا ہے، اور ان کے نزدیک گویا یہ محال چیز تھی، اس لئے اس میں گفتگو بکثرت چلتی تھی، کوئی تصدیق کرتا کوئی انکار، اس لئے اس سورت کے شروع میں ان کا یہ حال ذکر کر کے آگے قیامت کے واقع ہونا مذکور ہے۔ اور ان کے نزدیک جو اس کے واقع ہونے میں اشکال اور استبعاد تھا اس کا جواب دیا گیا ہے۔

اور بعض حضرات مفسرین نے فرمایا کہ یہ سوال جواب کوئی واقعی تحقیق کے لئے نہیں بلکہ محض استہزاء و تمسخر کے لئے تھا۔

﴿لايَرْجُونَ حِسَاباً﴾: لايخافونه. ﴿لايَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَاباً﴾: لا يملكون إلا أن يأذن لهم. وقال ابن عباس: ﴿وَهَّاجاً﴾: مضيئاً.

وقال غيره: ﴿غَسَّاقاً﴾: غسقت عينه. ويغسق الجرح يسيل كأن الغساق والغسيق واحد. ﴿عطاءً حِساباً﴾: جزاء كافيا. اعطاني ما أحسبني: أي كفاني.

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "لایَرْجُونَ" کے معنی ہیں وہ لوگ حساب کا خوف نہیں رکھتے یعنی قیامت میں اعمال کا حساب ہوگا اس کا کوئی خوف نہ تھا، چونکہ قیامت کا انکار کرتے تھے۔

﴿لايَمْلِكُونَ مِنْهُ خِطَاباً﴾ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ ﷻ سے کوئی شخص بات نہ کر سکے گا، بجز ان کے جنہیں اللہ ﷻ اجازت دے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "وَهَّاجاً" کے معنی ہیں روشن۔
بعض حضرات کہتے ہیں کہ "غَسَّاقاً" سے مراد یہ ہے کہ ان کی آنکھوں سے پیپ لہو بہے گا۔
"عطاءً حِساباً" کے معنی ہیں "جزاء كافيا" یعنی پورا بدلہ، کہتے ہیں کہ "اعطاني ما أحسبني" یعنی مجھ کو اتنا دیا کہ کافی ہو گیا۔

(۱) باب: ﴿يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّورِ فَتَأْتُونَ أَفْوَاجاً﴾ [۱۸]

باب: "وہ دن جب صور پھونکا جائے تو تم سب فوج در فوج چلے آؤ گے۔"

زمراً.

"أفواجاً" بمعنی "زمراً" یعنی گروہ، جماعت۔

۴۹۳۵ ـ حدثني محمد: أخبرنا أبومعاوية، عن الأعمش، عن أبي صالح، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال رسول الله ﷺ: ((ما بين النفختين أربعون)). قال: أربعون يوماً؟ قال: أبيت، قال: أربعون شهرا؟ قال: أبيت، قال: أربعون سنة؟ قال: أبيت، قال: ((ثم ينزل الله من السماء ماء فينبتون كما ينبت البقل، ليس من الانسان شيء لا يبلى، إلا عظما واحدا وهو عجب الذنب ومنه يركب الخلق يوم القيامة)). [راجع: ۴۸۱۴]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دو صور پھونکے جانے کے درمیان چالیس کا فاصلہ ہوگا، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے شاگردوں نے پوچھا کیا چالیس دن مراد ہیں؟ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا میں نہیں کہہ سکتا، شاگردوں نے پوچھا کیا چالیس مہینے مراد ہیں؟ فرمایا مجھے معلوم نہیں، شاگردوں نے پوچھا چالیس سال مراد ہیں؟ فرمایا مجھے معلوم نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پھر اللہ جل جلالہ آسمان سے پانی برسائے گا، جس سے تمام مردے جی اٹھیں گے، جیسے سبزی پانی سے اُگ آتی ہے، اس وقت انسان کا ہر حصہ گل چکا ہوگا، سوائے ایک ہڈی کے اور وہ ریڑھ کی ہڈی ہے اور اسی سے قیامت کے دن تمام مخلوق دوبارہ بنائی جائے گی۔

(۷۹) سورة والنازعات

سورۂ نازعات کا بیان

بسم الله الرحمٰن الرحیم

انسان کی موت ونزع

قرآن کریم میں اصل لفظ صرف اتنا ہے کہ "قسم ان کی جوسختی سے کھینچتے ہیں" لیکن حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا کہ اس سے مراد روح قبض کرنے والے فرشتے ہیں، جو کسی کی اور عام طور سے کافروں کی روح کوسختی سے کھینچتے ہیں، اور کسی کی عام طور سے مؤمنوں کی روح کو آسانی سے اس طرح کھینچ لیتے ہیں کہ جیسے کوئی گرہ کھول دی ہو۔ پھر وہ ان روحوں کو لے کر تیرتے ہوئے جاتے ہیں اور جلدی جلدی ان کی منزل پر پہنچا کر ان احکام کے مطابق ان کا انتظام کرتے ہیں، جو اللہ ﷻ نے ان کے بارے میں دیئے ہوئے ہوتے ہیں۔

اس سورت کی پہلی چار آیتوں کا یہی مطلب ہے۔

فرشتوں کی قسم وذکر

ان فرشتوں کی قسم کھا کر اللہ ﷻ نے قیامت کے حالات بیان فرمائے ہیں کہ جب وہ آئے گی تو بہت سے دل لرز رہے ہوں گے، پیچھے گذر چکا ہے کہ اللہ ﷻ کو اپنی بات کا یقین دلانے کے لئے قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہے، لیکن عربی بلاغت کے قاعدے سے بات میں زور پیدا کرنے کیلئے قسمیں کھائی گئی ہیں، اور عام طور سے جس چیز کی قسم کھائی جاتی ہے، وہ اس دعوے پر گواہ ہوتی ہے، جو بعد میں بیان ہو رہا ہے۔

یہاں مطلب یہ ہے کہ یہ فرشتے اس بات کے گواہ ہیں کہ جس طرح اللہ ﷻ فرشتوں کے ذریعے روح قبض فرماتا ہے، اسی طرح فرشتوں سے صور پھونکوا کر انہیں دوبارہ زندہ بھی کرسکتا ہے۔

وقال مجاهد: ﴿الْآيَةَ الْكُبْرَىٰ﴾: عصاه ويده. ويقال: النّاخرة والنخرة سواء مثل الطّامع والطّمع، والباخل والبخيل.

وقال بعضهم: النخرة: البالية، والناخرة: العظم المجوف الذى تمر فيه الريح فينخر، وقال ابن عباس: ﴿الْحَافِرَةِ﴾: إلى أمرنا الأول: الى الحياة.

وقال غيره: ﴿أَيَّانَ مُرْسَاهَا﴾: متى منتهاها، ومرسى السفينة حيث تنتهي.

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ﴿الْآيَةَ الْكُبْرَىٰ﴾ سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا/لاٹھی اور ید بیضاء ہے۔

"الناخرة" اور "النخرة" دونوں ہم معنی ہیں، جیسے "الطّامع والطَّمِع" اور "الباخل والبخيل"۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ دونوں میں فرق ہے "النخرة" کے معنی ہیں بوسیدہ ہڈی، گلی ہوئی ہڈی، اور "الناخرة" کے معنی ہیں کھوکھلی ہڈی کہ جس کے اندر ہوا جائے تو آواز نکلے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "الْحَافِرَةِ" کے معنی ہیں پہلی حالت یعنی زندگی کی طرف۔

بعض نے کہا ہے کہ "أَيَّانَ مُرْسَاهَا" کے معنی ہیں اسکی انتہا کہاں ہے؟

یہ لفظ ماخوذ ہے "مرسى السفينة" جہاں کشتی آخر میں جا کر ٹھہرتی ہے۔

(۱) باب:

یہ باب بلا عنوان ہے۔

۴۹۳۶ ـ حدثنا أحمد بن المقدام: حدثنا الفضيل بن سليمان: حدثنا أبو حازم: حدثنا سهل بن سعد رضي الله عنه قال: رأيت رسول الله ﷺ قال بإصبعيه هكذا بالوسطى والتي تلي الإبهام: ((بعثت والساعة كهاتين)).

﴿الطَّامَّةُ﴾ تطم على كل شيء. [أنظر: ۵۳۰۱، ۶۵۰۳] [۱]

---

[۱] وفي صحيح مسلم، كتاب الفتن وأشراط الساعة، باب ماقرب الساعة، رقم: ۲۹۵۰، ومسند أحمد، تتمة مسند الأنصار، حديث أبي مالك بن سهل بن سعد الساعدي، رقم: ۲۲۷۹۶، ۲۲۸۰۹، ۲۲۸۳۴، ۲۲۸۶۲

ترجمہ: ابوحازم رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ ہم سے حضرت سہل بن سعد ﷺ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ نے بیچ کی اور انگوٹھے کے پاس والی انگلی کے اشارے سے فرمایا، کہ میں اور قیامت اس طرح بھیجے گئے ہیں۔

تشریح

حضرت سہل بن سعد ﷺ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنی بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کے قریب والی انگلی یعنی کلمہ کی انگلی سے اشارہ کرکے فرمایا:

"بعثت والساعة كهاتين" یعنی میں ایسے وقت میں مبعوث ہوا ہوں کہ میں اور قیامت دونوں اس طرح ہیں، یعنی میرے اور قیامت کے درمیان اب کوئی پیغمبر یا کوئی نئی شریعت والا نہیں آئے گا۔

(۸۰) سورة عبس

سورۂ عبس کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شانِ نزول اور وجہ تسمیہ

یہ سورت ایک خاص واقعے میں نازل ہوئی تھیں، واقعہ یہ ہے ایک دن سرورِ دو عالم ﷺ قریش کے کچھ بڑے سرداروں کو اسلام کی تبلیغ فرما رہے تھے، اور ان سے گفتگو میں مشغول تھے کہ اتنے میں آپ کے ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ وہاں آ گئے، چونکہ وہ نابینا تھے اس لئے یہ نہ دیکھ سکے کہ آپ کن کے ساتھ گفتگو میں مصروف ہیں، چنانچہ انہوں نے آتے ہی آنحضرت ﷺ سے کچھ سکھانے کی درخواست شروع کر دی۔

آنحضرت ﷺ کو ان کا یہ طریقہ پسند نہ آیا کہ دوسروں کی بات کاٹ کر انہوں نے بیچ میں مداخلت کی، اس لئے آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر ناگواری کے آثار ظاہر ہوئے اور آپ ﷺ نے ان کی بات کا جواب دینے کے بجائے ان کافروں کے ساتھ اپنی گفتگو جاری رکھی۔ جب وہ لوگ چلے گئے تو یہ سورت نازل ہوئی، جس میں آنحضرت ﷺ کے اس طریقے پر اللہ جل جلالہ نے ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا۔

منہ بنانے کو عربی میں "عبس" کہتے ہیں، چونکہ یہ سورت اسی لفظ سے شروع ہوئی ہے، اس لئے اس کا نام "عبس" ہے اور اس میں بنیادی تعلیم یہ دی گئی ہے کہ جو شخص دل میں حق کی طلب رکھتا ہو اور سچے دل سے اپنی اصلاح چاہتا ہو، وہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ اس کو وقت دیا جائے، اس کے برخلاف جن لوگوں کے دل میں حق کی طلب ہی نہیں ہے اور وہ اپنی کسی اصلاح کی ضرورت نہیں سمجھتے، حق کے طلبگاروں سے منہ موڑ کر انہیں ترجیح نہیں دینی چاہئے۔

﴿عَبَسَ وَتَوَلّٰى﴾: كلح وأعرض. وقال غيره: ﴿مُطَهَّرَةٍ﴾: لا يمسه إلا المطهرون وهم الملائكة. وهذا مثل قوله: ﴿فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا﴾ جعل الملائكة والصحف مطهرة، لأن الصحف يقع عليها التطهير فجعل التطهير لمن حملها أيضا.

﴿سَفَرَةٍ﴾: الملائكة، واحدهم سافر. سفرت: أصلحت بينهم. وجعلت الملائكة إذا نزلت بوحي الله وتأديته كالسفير الذي يصلح بين القوم. ﴿تَصَدّٰى﴾: تغافل عنه.

وقال مجاهد: ﴿لَمَّا يَقْضِ﴾: لايقضي أحد ما أمر به.

وقال ابن عباس: ﴿تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ﴾: تغشاها شدة. ﴿مُسْفِرَةٌ﴾: مشرقة. ﴿بِأَيْدِي سَفَرَةٍ﴾. وقال ابن عباس: كتبة، اسفار: كتباً. ﴿تَلَهَّى﴾: تشاغل. يقال: واحد الأسفار سفرٌ.

ترجمہ وتشریح

"**عَبَسَ**" کے معنی ہیں "**كلح**" یعنی ترش رو ہوا، چیں بجبیں ہوا، "**وَتَوَلَّى**" بمعنی اعراض ہے یعنی متوجہ نہیں ہوا، منہ پھیر لیا۔

"**مُطَهَّرَةٍ**" کے معنی ہیں "**لايمسه إلا المطهرون**" یعنی ان صحیفوں کو صرف وہی ہاتھ لگاتے ہیں، جو پاک ہیں، اور وہ فرشتے ہیں۔ اور یہ اس ارشاد باری تعالیٰ کی طرح ہے کہ ﴿**فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْراً**﴾ یعنی فرشتے جو انتظام کائنات پر اللہ ﷻ کی طرف سے مامور ہیں، دراصل یہ محمول ہیں مجازاً ان کے حاملوں یعنی گھوڑوں کو "**مُدَبِّرَات**" کہہ دیا۔

چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "**جعل الملائكة والصحف**" کہ اللہ ﷻ نے فرشتوں اور صحیفوں کو مطہر اور پاک فرمایا اس لئے کہ تطہیر یعنی پاک ہونا دراصل صحیفوں کی صفت ہے تو اس کے حاملین یعنی اٹھانے والے فرشتوں کو بھی مطہر فرمایا گیا۔

"**سفَرَةٌ**" سے مراد فرشتے ہیں، یہ جمع ہے اور اس کا واحد "**سافر**" ہے۔ یعنی لکھنے والا۔

عرب لوگ کہتے ہیں "**سفرت: أصلحت بينهم**" یعنی میں نے ان میں صلح کرادی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کو لانے اور اس کو پیغمبر تک پہنچانے میں فرشتوں کو مثل سفیر قرار دیا گیا، جو لوگوں کے درمیان صلح کراتا ہے۔

"**تَصَدَّى**" کے معنی ہیں "**تغافل عنه**" یعنی اس سے غافل ہو جاتے ہیں، غفلت برتتے ہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "**لَمَّا يَقْضِ**" کے معنی ہیں کہ جس بات کا حکم دیا گیا تھا، وہ کسی نے پورا پورا ادا نہیں کیا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "**تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ**" کے معنی ہیں اس پر سختی برس رہی ہوگی۔

"**مُسْفِرَةٌ**" کے معنی ہیں روشن، چمکدار۔

﴿**بِأَيْدِي سَفَرَةٍ**﴾ کے متعلق حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "**سفرة**" بمعنی "**كتبة**"

یعنی لکھنے والے اور اسی سے ''اسفار'' ہے، جس کے معنی ہیں کتابیں۔

''**تَلَهّٰی**'' بمعنی ''**تشاغل**'' یعنی بے رخی برتنا، بے اعتنائی کا مظاہرہ کرنا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ''**أسفار**'' کا واحد ''**سفر**'' ہے۔

۴۹۳۷ - حدثنا آدم: حدثنا شعبة: حدثنا قتادة قال: سمعت زرارة بن اوفی یحدث عن سعد بن هشام، عن عائشة عن النبی ﷺ قال: ((مثل الذی یقرأ الذی القرآن وهو حافظ له مع السفرة الكرام البررة، ومثل الذی یقرأ القرآن وهو یتعاهده وهو علیه شدید فله أجران)). [۱]

ترجمہ: سعد بن ہشام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اس شخص کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے اور اس کا حافظ بھی ہے، محترم و نیک لکھنے والے فرشتوں جیسی ہے اور جو شخص قرآن مجید پڑھتا ہے اور اس کی مداومت رکھتا ہے یعنی بار بار پڑھتا ہے تاکہ بھول نہ جائے اور وہ اس پر سخت ودشوار ہے تو اسکو دگنا ثواب ملے گا۔

قرآن مجید پڑھنے کا دُہرا اجر

مطلب یہ ہے کہ بعض لوگوں کی زبان پر قرآن پاک کے الفاظ نہیں چڑھتے اور وہ ان کو بار بار مشق کرتا ہے اور یاد کرتا ہے ان ہی کے لئے دوہرا اجر ہے ایک قرآن مجید پڑھنے کا دوسرا مشقت اٹھانے کا، مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اول شخص یعنی ماہر حافظ سے اس کا درجہ بلند ہوگا ہر حال میں اول اول ہی ہے اور ماہر کو بے شمار اجر ملیں گے۔

---

[۱] وفی صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرین وقصرها، باب فضل الماهر فی القرآن، والذی یتتعتع فیه، رقم: ۸۹۸، وسنن ابی داؤد، کتاب الصلاة، باب فی ثواب قراءة القرآن، رقم: ۱۲۵۴، وسنن الترمذی، ابواب فضائل القرآن، باب ماجاء فی فضل قارئ القرآن، رقم: ۲۹۰۴، وسنن ابن ماجه، کتاب الأدب، باب ثواب القرآن، رقم: ۳۷۷۹، ومسند احمد، مسند الصديقة عائشة بنت الصديق رضی الله عنها، رقم: ۲۳۲۱۱، ۲۳۶۳۳، ۲۳۶۶۷، ۲۳۷۸۸، ۲۵۳۶۵، ۲۵۳۶۵، ۲۵۵۹۱، ۲۶۰۲۸، ۲۶۲۹۲، وسنن الدارمی، ومن کتاب فضائل القرآن، باب فضل من یقرأ القرآن ویشتد علیه، رقم: ۳۲۱۱

(۸۱) سورة إذا الشمس كورت

سورۂ تکویر کا بیان

بسم الله الرحمٰن الرحيم

سورت کی وجہ تسمیہ

﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ اس سورت میں قیامت اور آخرت کے حالات بیان فرمائے گئے ہیں، سورج کو لپٹنے کی کیا کیفیت ہوگی؟

اس کی حقیقت تو اللہ ﷻ ہی کو معلوم ہے، البتہ یہ بات ظاہر ہے کہ اس کے نتیجے میں سورج میں روشنی باقی نہیں رہے گی، چنانچہ بعض حضرات نے اس آیت کا ترجمہ یہ بھی فرمایا کہ جب سورج بے نور ہو جائے گا۔

چونکہ لپٹنے کو عربی میں "التکویر" کہا جاتا ہے، اس لئے اس سورت کا نام "سورة التكوير" ہے۔

﴿انْكَدَرَتْ﴾: انتثرت. وقال الحسن: ﴿سُجِّرَتْ﴾: يذهب ماءها فلا يبقى قطرة.

وقال مجاهد: ﴿الْمَسْجُورِ﴾ [الطور: ٦] المملوء.

وقال غيره: ﴿سُجِرَتْ﴾: أفضى بعضها الى بعض فصارت بحراً واحداً.

والخُنَّس: تخنس في مجراها، ترجع. وتكنس: تستتر في بيوتها كما تكنس الظباء.

﴿تَنَفَّسَ﴾: ارتفع النهار. والظَّنين: المتهم. والضنين: يضن به.

وقال عمر: ﴿النُّفُوسُ زُوِّجَتْ﴾: يزوج نظيرة من أهل الجنة والنار، ثم قرأ ﴿احْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ﴾. ﴿عَسْعَسَ﴾: أدبر.

ترجمہ وتشریح

"انْكَدَرَتْ"، بمعنی "انتثرت" یعنی بکھر جائیں گے، گر پڑیں گے۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ "سُجِّرَتْ" کا معنی ہے کہ اس (سمندر) کا پانی ختم ہو جائے گا یعنی سوکھ جائے گا اور اس میں ایک قطرہ بھی پانی نہیں رہے گا۔

اورحضرت مجاہد نے فرمایا کہ "الْمَسْجُوْر" کا معنی بھرا ہوا۔
بعضوں نے کہا کہ "سُجِّرَتْ" کے معنی ہیں سمندر پھوٹ کر ایک دوسرے سے مل کر ایک سمندر بن جائیں گے، مطلب یہ ہے کہ سارے دریا اور سمندر خلط ملط کر کے ایک کر دیئے جائیں گے۔
حقیقت یہ ہے کہ پہلے سمندر اور میٹھے دریاؤں کو ایک کر دیا جائے گا، درمیان کی رکاوٹیں ختم کر دی جائیں گی جس سے دریائے شور اور شیریں دریاؤں کے پانی خلط ملط بھی ہو جائیں گے، پھر شمس وقمر اور ستاروں کو اس میں ڈالا جائے گا۔ پھر اس تمام پانی کو آگ بنا دیا جائے گا، جو جہنم میں شامل ہو جائے گا۔

پانچ سیارے

آیت کریمہ میں "الخُنَّس" کے معنی ہیں وہ ستارے جو اپنے چلنے کے مقام سے واپس پیچھے اپنی جگہ لوٹ آتے ہیں، "مجراھا" بمعنی چلنے والی، "ترجع" بمعنی واپس لوٹ آنا۔
"تکنس" وہ ستارے رسیارے مراد ہیں جو ہرنی کی طرح چھپ جاتے ہیں۔ اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ مراد پانچ سیارے ہیں: مریخ، زحل، مشتری، زہرہ، عطارد۔
"تَنَفَّسَ" کے معنی ہیں دن چڑھ جائے۔
﴿وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِينٍ﴾ اس آیت میں دو قرأتیں ہیں۔
پہلی قرأت: "الظنین" بمعنی "المتھم" یعنی تہمت لگایا گیا۔
اور دوسری قرأت: "الضنین" کے معنی ہیں بخیل۔
مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ آسمانی خبر وحی الٰہی میں بخل نہیں کرتے بلکہ امت کو تعلیم دیتے اور بتلاتے ہیں۔
﴿النُّفُوسُ زُوِّجَتْ﴾ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں فرمایا کہ ہر آدمی کو اسکے ہم مثل سے جوڑ دیا جائے گا خواہ جنتی ہو یا دوزخی یعنی نیک کو نیک کے ساتھ اور بد کو بد کے ساتھ رکھا جائیگا۔
پھر آپ رضی اللہ عنہ نے سورۃ الصافات کی یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿احْشُرُوا الَّذِينَ ظَلَمُوا وَأَزْوَاجَهُمْ﴾۔
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس روایت کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ایک جیسے اعمال کرتے ہوں گے وہ ایک جگہ کر دیئے جائیں گے، اعمال حسنہ ہوں یا سیئہ مثلاً اچھے مسلمانوں میں علمِ دین کی خدمت کرنے والے علماء ایک جگہ، عباد وزہاد ایک جگہ، جہاد کرنے والے غازی ایک جگہ، صدقہ خیرات میں خصوصیات رکھنے والے ایک جگہ۔
اسی طرح بد اعمال لوگوں میں چور ڈاکو ایک جگہ، زنا کار فحاش ایک جگہ، دوسرے خاص خاص گناہوں میں باہم شریک رہنے والے ایک جگہ ہو جائیں گے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ محشر میں ہر شخص اپنی قوم کے ساتھ ہوگا، (مگر یہ قومیت نسبی یا وطنی نہیں بلکہ عمل وعقیدہ کے اعتبار سے ہوگی) نیک عمل کرنے والے ایک جگہ بدعمل والے دوسری جگہ ہوں اور اس پر آیتِ قرآنی سے استشہاد فرمایا ﴿وَكُنتُمْ أَزْوَاجًا ثَلَاثَةً﴾ یعنی محشر میں لوگوں کے بڑے گروہ تین ہوں گے ایک گروہ سابقین اولین کا ہوگا، دوسرا اصحاب یمین کا ہوگا، یہ دونوں گروہ نجات پانے والے ہوں گے۔ تیسرا گروہ اصحاب شمال کا ہوگا جو کفار فجار پر مشتمل ہوگا۔ [1]

"عَسْعَسَ" کے معنی ہیں پیٹھ پھیری۔

---

[1] تفسیر ابن کثیر، ج:۸، ص: ۳۳۲

(۸۲) سورة إذا السماء انفطرت

سورۂ انفطار کا بیان

بسم الله الرحمٰن الرحیم

وقال الربیع بن خثیم: ﴿فُجِّرَتْ﴾: فاضت. وقرأ الأعمش وعاصم: ﴿فَعَدَلَکَ﴾ بالتخفیف، وقرأه أهل الحجاز بالتشدید. وأراد معتدل الخلق. ومن خفف یعنی فی أی صورة شاء. إما حسن، وإما قبیح، أو طویل أو قصیر.

ترجمہ وتشریح

حضرت ربیع بن خثیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "**فُجِّرَتْ**" کے معنی "**فاضت**" یعنی بہہ نکلیں۔

حضرت عاصم اور حضرت اعمش رحمہما اللہ نے "**فَعَدَلَکَ**" کو تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے، اور اہل حجاز نے اس کو تشدید کے ساتھ پڑھا ہے۔

اہل حجاز اس سے "**معتدل الخلق**" مراد لیتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ نے خلقت میں اعتدال سے کام لیا ہے، ہر اعضاء کو برابر اور مناسب رکھا ہے ایسا نہیں کہ ایک ہاتھ لمبا ہو ایک چھوٹا، ایک پاؤں بڑا اور ایک چھوٹا۔ جن حضرات نے تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے وہ یہ مراد لیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس صورت میں چاہا تجھے بنا دیا خوبصورت یا بدصورت اور لمبا یا کوتاہ قد۔

علامہ عینی رحمہ فرماتے ہیں کہ "**ومن خفف**" کا عطف "اراد" کے فاعل پر کیا جائے تو دونوں صورتوں میں مراد "**معتدل الخلق**" ہی ہوگا۔ [۱]

---

[۱] عمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۳۳۳

(۸۳) سورة ويل للمطففين

سورۂ مطففین کا بیان

بسم الله الرحمٰن الرحيم

مرکزی موضوع اور وجہ تسمیہ

اس سورت میں ان لوگوں کیلئے بڑی سخت وعید بیان فرمائی گئی ہے جو دوسروں سے اپنا حق وصول کرنے میں تو بڑی سرگرمی دکھاتے ہیں، لیکن جب دوسروں کا حق دینے کا وقت آتا ہے تو ڈنڈی مارتے ہیں۔

یہ وعید صرف ناپ تول ہی سے متعلق نہیں ہے، بلکہ ہر قسم کے حقوق کو شامل ہے۔

اس طرح ڈنڈی مارنے کو عربی میں **"تطفیف"** کہتے ہیں، اسی لئے اس سورت کا نام **"سورة المطففین"** ہے۔

وقال مجاهد: ﴿بَلْ رَانَ﴾: ثبت الخطايا.

﴿ثُوِّبَ﴾: جوزى. الرحيق: الخمر.

﴿خِتَامُهُ مِسْكٌ﴾: طينه. التسنيم: يعلو شراب أهل الجنة.

وقال غيره: المُطَفِّفُ لايوفى غيره يوم يقوم الناس لرب العالمين.

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ آیت کریمہ **"رَانَ"** کا معنی ہے گناہوں کا جم جانا۔

"ثُوِّبَ" بمعنی **"جوزی"** یعنی ان کو سزا دی گئی۔

"الرحیق" سے شراب مراد ہے۔

﴿خِتَامُهُ مِسْكٌ﴾ اہل جنت کو جو شراب پلائی جائے گی اس کی مہر بھی مشک ہی ہوگی۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ **"المُطَفِّفُ"** وہ جو اپنے غیر کو پورا تول کر نہ دے، بلکہ دغا بازی کرے۔

باب: ﴿يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ [٦]

باب: ’’جس دن سب لوگ ربّ العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے۔‘‘

۴۹۳۸ ۔ حدثنا إبراهيم بن المنذر: حدثنا معن: حدثني مالک، عن نافع، عن عبدالله بن عمر رضي الله عنهما: أنّ النبي ﷺ قال: ((﴿يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ حتى يغيب أحدهم في رشحه إلى أنصاف أذنيه)). [أنظر: ۶۵۳۱] [1]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ﴿يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ یعنی جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے تو اپنے پسینے میں نصف کانوں تک غرق ہوں گے۔

---

[1] وفي صحيح مسلم، كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب صفة يوم القيامة أعاننا الله على أهوالها، رقم: ۲۸۶۲، وسنن الترمذي، أبواب صفة القيامة والرقائق والورع، باب ماجاء في شأن الحساب والقصاص، رقم: ۲۴۲۲، وأبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة ويل للمطففين، رقم: ۲۴۲۲، ۳۳۳۵، ۳۳۳۶، وسنن ابن ماجه، كتاب الزهد، باب ذكر البعث، رقم: ۴۲۷۸، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند عبدالله بن عمر رضي الله عنهما، رقم: ۴۶۱۳، ۴۶۹۷، ۴۸۶۲، ۵۳۱۸، ۵۳۸۸، ۵۸۲۳، ۵۹۱۲، ۶۰۷۵، ۶۰۸۶، ۱۱۸۵۹

(۸۴) سورة إذا السماء انشقّت

سورۂ انشقاق کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وجہ تسمیہ

پچھلی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی قیامت کے احوال، حساب، کتاب اور نیک و بد کی جزاء وسزاء کا، پھر غافل انسان کو خود اس کی ذات اور گرد وپیش کے حالات میں غور کرنے اور ان سے ایمان باللہ والقرآن تک پہنچنے کی ہدایت ہے۔

عربی میں پھٹ پڑنے کو "الشقاق" کہتے ہیں، اسی لئے اس سورت کا نام "الشقاق" ہے۔

وقال مجاهد: ﴿كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ﴾ [الحاقة: ۲۵]، يأخذ كتابه من وراءِ ظهره. ﴿وَسَقَ﴾: جمع من دابّةٍ. ﴿ظَنَّ أَنْ لَنْ يَحُورَ﴾: لا يرجع الينا.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ﴿كِتَابَهُ بِشِمَالِهِ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنا نامۂ اعمال اپنی پیٹھ پیچھے سے لے گا، مطلب یہ ہے کہ اس کافر کا بایاں ہاتھ پشت کی طرف نکال دیا جائے گا اور اسی ہاتھ میں وہ اپنا نامۂ اعمال لے گا اور اس کا داہنا ہاتھ گردن میں باندھ دیا جائے گا۔

"وَسَقَ" سے مراد چوپائے وغیرہ کو جمع کر لیتی ہے یعنی رات سب کو سمیٹ کر ٹھکانے پر پہنچا دیتی ہے۔

"لَنْ يَحُورَ" کے معنی ہیں ہرگز نہیں لوٹے گا ہماری طرف۔

(۱) باب: ﴿فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَاباً يَسِيراً﴾ [۸]

باب: "اُس سے تو آسان حساب لیا جائے گا"

۴۹۳۹ ـ حدثنا عمرو بن علي: حدثنا يحيى، عن عثمان بن الأسود قال: سمعت ابن أبي مليكة: سمعت عائشة قالت: سمعت النبي ﷺ.

حدثنا سليمان بن حرب: حدثنا حماد بن زيد، عن ايّوب، عن ابن أبي مليكة، عن عائشة رضي الله عنها عن النبي ﷺ.

حدثنا مسدد، عن يحيى، عن أبي يونس حاتم بن أبي صغيرة، عن ابن أبي مليكة، عن القاسم، عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله ﷺ: ((ليس أحد يحاسب إلا هلک))، قالت: قلت: يا رسول الله ﷺ، جعلني الله فداء ک، أليس يقول الله عزوجل: ﴿فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِيْنِهِ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَاباً يَسِيْراً﴾ [۸] قال: ((ذاک العرض يعرضون، ومن نوقش الحساب هلک)). [راجع:۱۰۳]

ترجمہ: (پہلی روایت) عثمان بن اسود نے بیان کیا کہ انہوں نے ابن ابی ملیکہ سے سنا اور انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ سے سنا۔

(دوسری روایت) ایوب روایت کرتے ہیں کہ ان سے ابن ابی ملیکہ نے اور ان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے، اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے سنا۔

(تیسری روایت) ابن ابی ملیکہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے قاسم نے روایت کی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس کسی سے بھی قیامت کے دن حساب لے لیا گیا وہ ہلاک ہو جائے گا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! اللہ جل جلالہ مجھے آپ پر قربان کرے، کیا اللہ عزوجل نے یہ ارشاد نہیں فرمایا ﴿فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِيْنِهِ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَاباً يَسِيْراً﴾ ؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ حساب نہیں ہے، یہ تو پیشی ہے کہ وہ صرف پیش کئے جائیں گے (اور بغیر حساب چھوٹ جائیں گے) اور وہ شخص جس کے حساب جانچ پڑتال کی گئی تو سمجھ لو کہ وہ ہلاک ہو گیا۔

اہلِ ایمان پر روزِ قیامت اللہ جل جلالہ کی رحمت وشفقت

آیت کی تفسیر میں امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "**ليس احد يحاسب إلا هلک**" یعنی جس کسی سے بھی قیامت کے دن حساب لے لیا گیا وہ ہلاک ہو جائے گا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! اللہ جل جلالہ مجھے آپ پر قربان کرے، کیا اللہ عزوجل قرآن کریم میں یہ ارشاد نہیں فرمایا ﴿فَأَمَّا مَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِيْنِهِ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَاباً يَسِيْراً﴾ ؟

توجناب رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ "ذاک العرض بعرضون، ومن نوقش الحساب هلک" اس آیت میں جس کو حسابِ یسیر ر آسان حساب فرمایا ہے، وہ درحقیقت مکمل حساب نہیں ہے بلکہ یہ تو رب العزت کے سامنے پیشی ہے کہ صرف پیش کیا جائے گا اور بغیر حساب کتاب کے چھوٹ جائیں گے، اور جس شخص سے اس کے اعمال کا پورا پورا حساب لے لیا گیا تو سمجھ لو کہ وہ ہلاک ہو گیا کہ وہ عذاب سے ہرگز نہیں بچ پائے گا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مؤمنین کے اعمال بھی رب العزت کے سامنے پیش تو سب ہوں گے مگر ان کے ایمان کی برکت سے اُن کے ہر ہر عمل پر مناقشہ رجانچ پڑتال نہیں ہوگی، آیت میں جو ﴿حِسَاباً يَسِيراً﴾ بیان کیا گیا ہے اس سے یہی صورت مراد ہے۔ [۱]

(۲) باب: ﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقاً عَنْ طَبَقٍ﴾ [۱۹]

باب: "کہ تم سب ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف چڑھتے جاؤ گے۔"

انسانی وجود میں بیشمار انقلابات اور دائمی سفر اور اس کی آخری منزل

﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقاً عَنْ طَبَقٍ﴾ یعنی انسان اپنی زندگی میں مختلف مراحل سے گذرتا ہے۔ بچپن، جوانی، ادھیڑ عمر اور پھر بڑھاپا۔ نیز اس کی سوچ میں بھی مسلسل تبدیلیاں آتی رہتی ہیں۔ یہ سارے مراحل اس آیت کے مفہوم میں داخل ہیں۔

جو چیزیں تہ بر تہ ہوتی ہیں اسکی ایک تہہ کو "طبق" یا "طبقه" کہتے ہیں، اسکی جمع "طبقات" آتی ہے۔

"لتركبن" یہ "رکوب" بمعنی سوار ہونے سے مشتق ہے۔

معنی یہ ہیں کہ اے بنی نوعِ انسان! تم ہمیشہ ایک طبقہ سے دوسرے طبقے پر سوار ہوتے اور چڑھتے جاؤ گے یعنی انسان اپنی تخلیق کے ابتداء سے انتہاء تک کسی وقت ایک حال پر نہیں رہتا ہے بلکہ اس کے وجود پر تدریجی انقلابات آتے رہتے ہیں۔

نطفہ سے منجمد خون بنا پھر اُس سے ایک مضغۂ گوشت بنا پھر اُس میں ہڈیاں پیدا ہوئیں، پھر ہڈیوں پر گوشت چڑھا اور اعضاء کی تکمیل ہوئی، پھر اُس میں رُوح لا کر ڈالی گئی اور وہ ایک زندہ انسان بنا جس کی غذا بطن

---

[۱] تفسیر القرطبی، ج: ۱۹، ص: ۲۷۱

مادر کے اندر رحم کا گندا خون تھا، نو مہینے کے بعد اللہ اُس کے دنیا میں آنے کا راستہ آسان کر دیا اور گندی غذا کی جگہ ماں کا دودھ ملنے لگا۔

دُنیا کی وسیع فضاء اور ہوا دیکھی بڑھنے اور پھلنے پھولنے لگا، دو برس کے اندر چلنے پھرنے اور بولنے کی قوت بھی حرکت میں آئی، ماں کا دودھ چھوٹ کر اُس سے زیادہ لذیذ اور طرح طرح کی غذائیں ملیں، کھیل کود اور لہو ولعب اس کے دن رات کا مشغلہ بنا۔ کچھ ہوش وشعور بڑھا تو تعلیم وتربیت کے شکنجے میں کسا گیا، جوان ہوا تو پچھلے سب کام متروک ہو کر جوانی کی خواہشات نے اُن کی جگہ لے لی اور ایک نیا عالم شروع ہوا۔ نکاح، شادی، اولاد اور خانہ داری کے مشاغل دن رات کا مشغلہ بن گئے۔

آخر یہ دور بھی ختم ہونے لگا، قویٰ میں اضمحلال اور ضعف پیدا ہوا، بیماریاں آئے دن رہنے لگیں، بڑھاپا آ گیا اور اس جہاں کی آخری منزل یعنی قبر تک پہنچنے کے سامان ہونے لگے۔

یہ سب چیزیں تو آنکھوں کے سامنے ہوتی ہیں کسی کو مجال انکار نہیں مگر حقیقت سے ناآشنا انسان سمجھتا ہے کہ یہ موت اور قبر اس کی آخری منزل ہے آگے کچھ نہیں۔

اللہ تعالیٰ جو خالقِ کائنات اور علیم وخبیر ہے اُس نے آگے آنیوالے مراحل کو اپنے انبیاء کرام ﷺ کے ذریعہ غافل انسان تک پہنچایا کہ قبر تیری آخری منزل نہیں بلکہ یہ صرف ایک انتظارگاہ ہے اور آگے ایک بڑا جہاں آنے والا ہے اور اس میں ایک بڑے امتحان کے بعد انسان کی آخری منزل مقرر ہو جائے گی، جو یا دائمی راحت وآرام کی ہوگی یا پھر دائمی عذاب مصیبت کی، اور اس آخری منزل پر ہی انسان اپنے حقیقی مستقر پر پہنچ کر انقلابات کے چکر سے نکلے گا۔ [۶]

۴۹۴۰ - حدثنا سعيد بن النضر، أخبرنا هشيم: أخبرنا أبو بشر جعفر بن إياس، عن مجاهد قال: قال ابن عباس: ﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقاً عَنْ طَبَقٍ﴾: حالاً بعد حال. قال هذا نبيكم ﷺ.

ترجمہ: مجاہد کہتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ آیت ﴿لَتَرْكَبُنَّ طَبَقاً عَنْ طَبَقٍ﴾ تم کو ضرور ایک حالت کے بعد دوسری حالت پر پہنچنا ہے، فرمایا یہاں تمہارے نبی ﷺ مراد ہیں۔

---

[۶] معارف القرآن، ج:۸، ص:۷۰۷،۷۰۶، تفسیر القرطبی، ج: ۱۹، ص: ۲۷۸

(۸۵) سورة البروج

سورۂ بروج کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصحاب الاخدود کا قصہ اور وجہ تسمیہ

مشہور تفسیر کے مطابق ان آیتوں میں ایک واقعے کی طرف اشارہ ہے، جو حضور ﷺ سے صحیح مسلم کی ایک حدیث میں منقول ہے، اور وہ یہ کہ پچھلی کسی امت میں ایک بادشاہ تھا، جو ایک جادوگر سے کام لیا کرتا تھا، جب وہ جادوگر بوڑھا ہو گیا تو اس نے بادشاہ سے کہا میرے پاس کوئی لڑکا بھیج دیا کرو، جسے میں سکھاؤں، تاکہ میرے بعد وہ تمہارے کام آسکے، بادشاہ نے ایک لڑکے کو جادوگر کے پاس بھیجنا شروع کیا۔

یہ لڑکا جب جادوگر کے پاس جاتا تو راستے میں ایک عبادت گذار شخص کے پاس سے گذرتا، جو حضرت عیسی علیہ السلام کے اصلی دین پر تھا ایسے شخص کو راہب کہتے ہیں، اور وہ توحید کا قائل تھا، یہ لڑکا اس کے پاس بیٹھ جاتا اور اس کی باتیں سنتا جو اسے اچھی لگتی تھیں۔

ایک دن وہ جادوگر کے پاس جارہا تھا تو راستے میں ایک بڑا جانور نظر آیا جس نے لوگوں کا راستہ روکا ہوا تھا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ وہ جانور شیر تھا اور لوگ اس سے ڈر رہے تھے، لڑکے نے ایک پتھر اٹھایا اور اللہ جل جلالہ سے دعا کی کہ یا اللہ! اگر راہب کی باتیں آپ کو جادوگر کی باتوں سے زیادہ پسند ہیں تو اس پتھر سے اس جانور کو مروا دیجئے۔ اب جو اس نے پتھر اس جانور کی طرف پھینکا تو جانور مر گیا اور لوگوں کا راستہ کھل گیا۔

اس کے بعد لوگوں کو اندازہ ہوا کہ اس لڑکے کے پاس کوئی خاص علم ہے، چنانچہ ایک اندھے شخص نے اس سے درخواست کی کہ اس کی بینائی واپس آجائے، لڑکے نے کہا کہ شفا دینے والا تو اللہ جل جلالہ ہے، اس لئے اگر تم یہ وعدہ کرو کہ اللہ جل جلالہ کی توحید پر ایمان لے آؤ گے تو میں تمہارے لئے اللہ جل جلالہ سے دعا کروں گا، اس نے یہ شرط مان لی، لڑکے نے دعا کی تو اللہ جل جلالہ نے اس کو بینائی عطا فرما دی، اور وہ توحید پر ایمان لے آیا۔

ان واقعات کی خبر جب بادشاہ کو ہوئی تو اس نے نابینا کو بھی گرفتار کیا اور لڑکے اور راہب کو بھی۔ ان سب کو توحید کے انکار پر مجبور کیا، جب وہ نہ مانے تو اس نے اس نابینا شخص اور راہب کو آری سے چروا دیا، اور لڑکے کے بارے میں اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ اسے کسی اونچے پہاڑی پر لے جا کر نیچے پھینک دیں۔ لیکن جب

وہ لڑکے کو لے کر گئے تو اس نے اللہ ﷻ سے دعا کی، پہاڑ پر زلزلہ آیا جس سے وہ لوگ مر گئے، اور لڑکا زندہ رہا، بادشاہ نے حکم دیا کہ اسے کشتی میں لے جا کر سمندر میں ڈبو دیا جائے۔ لڑکے نے پھر دعا کی، جس کے نتیجے میں کشتی الٹ گئی، وہ سب ڈوب گئے اور لڑکا سلامت رہا۔

بادشاہ جب عاجز آ گیا تو لڑکے نے اس سے کہا اگر تم مجھے واقعی مارنا چاہتے ہو تو اس کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ کہ تم سب لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر کے مجھے سولی پر چڑھاؤ اور اپنے ترکش سے تیر نکال کر کمان میں چڑھاؤ، اور یہ کہو کہ **اس اللہ ﷻ کے نام پر جو اس لڑکے کا پروردگار ہے، پھر تیر سے میرا نشانہ لگاؤ۔**

بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور تیر اس لڑکے کی کنپٹی پر جا لگا اور اس سے وہ شہید ہو گیا، لوگوں نے جب یہ نظارہ دیکھا تو بہت سے ایمان لے آئے، اس موقع پر بادشاہ نے ان کو سزا دینے کیلئے راستوں کے کناروں پر خندقیں کھدوا کر ان میں آگ بھڑکائی، اور حکم دیا کہ جو کوئی دین حق کو نہ چھوڑے، اسے ان خندقوں میں ڈال دیا جائے، چنانچہ اس طرح ایمان والوں کی ایک بڑی تعداد کو زندہ جلا دیا گیا۔

حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہارویؒ نے **قصص القرآن** میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ اہل علم اس کی مراجعت فرمائیں۔ [۱]

صحیح مسلم میں کی اس حدیث میں صراحت نہیں ہے کہ **سورۃ البروج** میں خندق والوں کا جو ذکر ہے اس سے یہی واقعہ مراد ہے۔ محمد بن اسحاق نے اس سے ملتا جلتا ایک اور واقعہ بیان کیا ہے اور اس کو **سورۃ البروج** کی تفسیر قرار دیا ہے۔ یہاں اس تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ [۲]

وقال مجاهد: ﴿الْأُخْدُودِ﴾: شق في الأرض. ﴿فَتَنُوا﴾: عذبوا. وقال ابن عباس: ﴿الْوَدُودُ﴾: الحبيب. ﴿الْمَجِيدُ﴾: الكريم.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ **"الْأُخْدُودِ"** کے معنی ہیں زمین میں جو گڑھا کھودا جائے۔

"فَتَنُوا" کے معنی ہیں تکلیف پہنچائی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ **"الْوَدُودُ"** کے معنی ہیں بڑا محبت کرنے والا۔

"الْمَجِيدُ" بڑی بزرگی والا۔

---

[۱] صحيح مسلم، كتاب الزهد والرقائق، باب قصة أصحاب الأخدود والساحر والراهب والغلام، رقم: ۳۰۰۵، سيرة ابن هشام، ج: ۱، ص: ۲۶، وقصص القرآن، ج: ۳، ص: ۱۹۲ – ۲۰۷

[۲] تفسير ابن كثير، ج: ۸، ص: ۳۶۸

(۸٦) سورة الطارق

سورۂ طارق کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورت کا پس منظر

اس سورت میں حق تعالیٰ نے آسمان اور ستاروں کی قسم کھا کر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ہر انسان پر ایک محافظ نگراں ہے، جو اُس کے تمام افعال و اعمال اور حرکات وسکنات کو دیکھتا جانتا ہے، اس کا تقاضائے عقلی یہ ہے کہ انسان اپنے انجام پر غور کرے کہ دُنیا میں وہ جو کچھ کر رہا ہے وہ اللہ کے یہاں محفوظ ہے اور یہ محفوظ رکھنا حساب کے لئے ہے جو قیامت میں ہوگا، اس لئے کسی وقت آخرت اور قیامت کی فکر سے غافل نہ ہو۔

اسکے بعد اس شبہ کا جواب ہے جو شیطان لوگوں کے دِلوں میں ڈالتا ہے کہ مر کر مٹی اور ذرّہ ہو جانے کے بعد پھر سب اجزاء کا جمع ہونا اور اس میں زندگی پیدا ہونا ایک موہوم خیال بلکہ عوام کی نظر میں محال و ناممکن ہے۔

جواب میں انسان کی ابتدائی تخلیق پر غور کرنے کی ہدایت ہے کہ وہ کس طرح مختلف ذرّات اور مختلف مواد سے ہوتی ہے جیسے ابتدائی تخلیق میں دنیا بھر کے مختلف ذرّات کو جمع کر کے ایک زندہ سمیع وبصیر انسان بنادیا، اُس کو اس پر بھی قدرت کیوں نہ ہوگی کہ پھر اس کو اسی طرح لوٹا دے!!

اسکے بعد کچھ حال قیامت کا بیان فرما کر دوسری قسم زمین اور آسمان کی کھا کر غافل انسان کو یہ جتلایا کہ جو کچھ اس کو فکر آخرت کی تلقین کی گئی ہے اس کو مذاق و دل لگی نہ سمجھے، یہ ایک حقیقت ہے جو سامنے آ کر رہے گی۔

هو النجم، وما أتاك ليلاً فهو طارق. ﴿النَّجْمُ الثَّاقِبُ﴾: المضئ. وقال مجاهد: ﴿ذَاتِ الرَّجْعِ﴾: سحاب يرجع بالمطر. و﴿ذَاتِ الصَّدْعِ﴾: الأرض تتصدع بالنبات. وقال ابن عباس: ﴿لَقَوْلٌ فَصْلٌ﴾: لحق. ﴿لَمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ﴾: إلا عليها حافظ.

وجہ تسمیہ

"الطارق" یعنی وہ ستارہ ہے اور "طارق" اس کو بھی کہتے ہیں جو رات کو تمہارے پاس آئے۔

اگلی دو آیتوں میں اس کا مطلب خود بتا دیا گیا کہ اس سے مراد چمکتا ہوا ستارہ ہے، کیونکہ وہ رات ہی کے وقت نظر آتا ہے، اس کی قسم کھا کر فرمایا گیا ہے کہ کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس پر کوئی نگران مقرر نہ ہو۔

"النَّجْمُ الثَّاقِبُ" روشن ستارہ۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "**﴿ذَاتِ الرَّجْعِ﴾**" سے مراد بادل ہے جو بارش کو لوٹا تا رہتا ہے۔

"**ذَاتِ الصَّدْعِ**" سے مراد وہ زمین ہے جو بیج نکلنے کے وقت پھٹ جاتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "**لَقَوْلٌ فَصْلٌ**" یعنی حق بات۔

﴿لَمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ﴾ میں "**لَمَّا**" بمعنی "**اِلَّا**" یعنی کوئی نفس ایسا نہیں ہے جس پر خدا کی طرف سے نگہبان و محافظ مامور نہ ہو۔

(۸۷) سورة سبّح اسم ربک الأعلىٰ

سورۂ اعلیٰ کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وقال مجاهد: ﴿قَدَّرَ فَهَدَى﴾: قدر للإنسان الشّقاءَ والسعادة، وهدى الأنعام لمراتعها.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿قَدَّرَ فَهَدَى﴾ کی تفسیر یہ ہے کہ انسان کے لئے اللہ تعالیٰ نے شقاوت اور سعادت کو مقرر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی ہر چیز ایک خاص انداز سے بنائی ہیں، پھر ہر ایک کو اس کے مناسب دنیا میں رہنے کا طریقہ بھی بتادیا ہے۔

۴۹۴۱ ۔ حدثنا عبدان قال: أخبرني أبي، عن شعبة، عن أبي إسحاق، عن البراء قال: أول من قدم علينا من أصحاب النبي ﷺ مصعب بن عمير وابن أم مكتوم فجعلا يُقرآننا القرآن. ثم جاء عمار وبلال وسعد، ثم جاء عمر بن الخطاب في عشرين، ثم جاء النبي ﷺ فما رأيت أهل المدينة فرحوا بشيءٍ فرحهم به حتى رأيت الولائد والصبيان يقولون: هذا رسول الله ﷺ قدجاء، فما جاء حتى قرأت ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾ في سور مثلها. [۱]

ترجمہ: حضرت براء رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب میں سے جو سب سے پہلے ہمارے پاس پہنچے تو وہ حضرت مصعب بن عمیر اور حضرت ابن مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے، وہ دونوں ہم لوگوں کو قرآن پڑھانے لگے، پھر حضرت عمار رضی اللہ عنہ، حضرت بلال رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ آئے، پھر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بیس صحابہ کے ساتھ آئے، پھر نبی کریم ﷺ خود تشریف لائے۔ ہم نے اہل مدینہ کو دیکھا، کہ وہ اس سے پہلے اس قدر کسی چیز سے خوش نہ ہوئے تھے، یہاں تک کہ میں نے بچیوں اور بچوں کو یہ کہتے ہوئے دیکھا کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ تشریف لے آئے، اور آپ کے تشریف لانے سے پہلے میں نے ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى﴾

---

[۱] وفي مسند أحمد، مسند أول الكوفيين، حديث البراء بن عازب، رقم: ۱۸۵۲۸، ۱۸۵

اوراس جیسی چھوٹی چھوٹی سورتیں سیکھ لی تھیں۔

تشریح

حضرت براء بن عازب ﷜ فرماتے ہیں کہ **"أول من قدم علينا من أصحاب النبي مصعب بن عمير وعبد الله ابن أم مكتوم الخ"** ہمارے قبیلہ کے پاس حضور اقدس ﷺ کے صحابہ میں سے سب سے پہلے حضرت معصب بن عمیر اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہما آئے اوران دونوں حضرات نے آکر ہمیں قرآن کریم پڑھانا شروع کیا، بعد میں حضرت عمار، حضرت بلال اور حضرت سعد ﷜ تشریف لائے۔ پھر حضرت عمر بیس صحابہ کرام ﷜ کی جماعت کے ساتھ آئے۔ اس کے بعد پھر نبی کریم ﷺ تشریف لائے۔

حضرت براء بن عازب ﷜ ہجرت کی بات کررہے ہیں کہ ہجرت سے پہلے آنحضرت ﷺ نے کچھ صحابہ کرام ﷜ کو بھیجا جن میں مصعب بن عمیر اور عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہما داخل تھے، پھر حضرت عمار، حضرت بلال اور حضرت سعد ﷜ آئے، اورانکے بعد حضرت عمر صحابہ کرام ﷜ کی ایک جماعت کے ساتھ آئے، پھر نبی کریم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے۔

حضرت براء ﷜ فرماتے ہیں کہ **"فما رأيت أهل المدينة فرحوا بشيء فرحهم به الخ"** میں نے دیکھا کہ اہل مدینہ جتنا خوش حضور اقدس ﷺ کی آمد سے ہوئے تھے، اتنی خوش ان لوگوں کو کبھی نہیں ہوئی تھی، یہاں تک کہ میں نے چھوٹے بچے، بچیوں کو یہ کہتے ہوئے دیکھا کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ تشریف لے آئے۔ **"فما جاء حتى قرأت الخ"** جب آپ ﷺ تشریف لائے تو میں نے ﴿ **سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى** ﴾ اوراس جیسی سورتیں یاد کرلی تھی۔

اسی آخری جملہ کی وجہ سے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ روایت اس سورت کے باب میں بیان کی ہے۔

(۸۸) سورة هل أتاک

سورۂ غاشیہ کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وقال ابن عباس: ﴿عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ﴾: النصاری.
وقال مجاهد: ﴿عَيْنٍ آنِيَةٍ﴾: بلغ إناها وحان شربها.
﴿حَمِيمٍ آنٍ﴾: بلغ إناه.
﴿لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً﴾: شتماً.
ويقال: الضَّريع: نبت يقال له: الشِّبرق، تسمّيه أهل الحجاز الضريع إذا يبس وهو سم.
﴿بِمُسَيْطِرٍ﴾: بمسلط، ويقرأ بالصاد والسين.
وقال ابن عباس: ﴿إِيَابَهُمْ﴾: مرجعهم.

ترجمہ وتشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿عَامِلَةٌ نَاصِبَةٌ﴾ سے مراد نصاریٰ ہیں۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "عَيْنٍ آنِيَةٍ" کے معنی ہیں "بلغ إناها وحان شربها" یعنی اس کی گرمی انتہا کو پہنچ گئی اور اس کے پینے کا وقت آن پہنچا۔

﴿حَمِيمٍ آنٍ﴾ جو سورۃ الرحمٰن میں ہے وہ بھی اسی معنی میں ہے۔

﴿لَا تَسْمَعُ فِيهَا لَاغِيَةً﴾ یعنی اس میں کوئی گالی گلوچ نہ سنیں گے۔

"الضریع" ایک گھاس کو کہتے ہیں جس کو "الشِّبرق" کہا جاتا ہے، یہی گھاس جب سوکھ جاتی ہے تو اہل حجاز اس کو "الضریع" سے موسوم کرتے ہیں اور یہ زہر ہے۔

تبلیغ دین کا ایک بنیادی اصول

"بِمُسَيْطِرٍ" کے معنی ہیں مسلط ہونا اور یہ صاد اور سین دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔

آنحضرت ﷺ کو کافروں کی ہٹ دھرمی سے جو تکلیف ہوتی تھی، اس پر آپ کو یہ تسلی دی گئی ہے کہ آپ کا فریضہ صرف تبلیغ کرکے پورا ہو جاتا ہے، آپ پر یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ انہیں زبردستی مسلمان بنائیں، اس میں ہر مبلغ اور حق کے داعی کیلئے بھی اصول بیان فرمایا گیا ہے کہ اسے اپنا تبلیغ کا فریضہ ادا کرتے رہنا چاہئے اور یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ ان سے زبردستی اپنی بات منوانے کا ذمہ دار ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ "**إِيَابَهُمْ**" بمعنی "**مرجعهم**" یعنی ان کا لوٹنا، ان کی واپسی۔

(۸۹) سورة والفجر

سورۂ فجر کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فجر سے مراد

فجر کا وقت دنیا کی ہر چیز میں ایک نیا انقلاب لے کر نمودار ہوتا ہے، اس لئے اس سورت کی ابتداء میں اس کی قسم کھائی گئی ہے۔

بعض مفسرین نے اس آیت میں خاص دس ذوالحجہ کی صبح مراد لی ہے، اور دس راتوں سے مراد ذوالحجہ کے مہینے کی پہلی دس راتیں ہیں، جن کو اللہ ﷻ نے خصوصی تقدس عطا فرمایا ہے اور اس میں عبادت کا بہت ثواب ہے۔

وقال مجاهد: ﴿إِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ﴾: يعني القديمة. والعماد: يعني أهل عمودٍ لايقيمون. ﴿سَوْطَ عَذَابٍ﴾: الذي عذبوا به.

﴿أَكْلاً لَمًّا﴾: السف. و﴿جَمًّا﴾: الكثير. وقال مجاهد: كل شيء خلقه فهو شفع، السماء شفع، والوتر: الله تبارك وتعالىٰ.

وقال غيره: ﴿سَوْطَ عَذَابٍ﴾ كلمة تقولها العرب لكل نوعٍ من العذاب يدخل فيه السوط. ﴿لَبِالْمِرْصَادِ﴾: إليه المصيرُ.

﴿تَحَاضُّونَ﴾: تحافظون، وتحضون تأمرون بإطعامه. ﴿الْمُطْمَئِنَّةُ﴾: المصدقة بالثواب.

وقال الحسن: ﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ﴾: إذا أراد الله عزوجل قبضها اطمأنّت إلى الله واطمأن الله إليه، ورضيت عن الله ورضي الله عنه، فأمر بقبض روحها وادخله الله الجنة، وجعله من عباده الصالحين.

وقال غيره: ﴿جَابُوا﴾: نقبوا، من جيب القميص قطع له جيب. يجوب الفلاة: يقطعها. ﴿لَمًّا﴾: لممته اجمع: أتيت على آخره.

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **"اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ"** سے قدیم قومیں مراد ہیں، اور **"عماد"** یعنی ستونوں والے ایک جگہ قیام نہیں کرتے۔

"سَوْطَ عَذَابٍ" سے مراد وہ چیز ہے، جس کے ذریعے عذاب دیا گیا۔

"اَكْلًا لَمًّا" کے معنی ہیں **"السف"** یعنی پھانک جانا، سمیٹ کر کھا جانا۔

"جَمًّا" کے معنی ہیں کثیر ہے، بہت ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ **"الشفع والوتر"** کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اللہ ﷻ نے جتنی بھی چیزوں کو پیدا کیا ہے وہ تمام کی تمام شفع یعنی جوڑ ہیں ہے، آسمان بھی زمین کا جوڑ ہے اور وتر صرف اللہ ﷻ ہے۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ **"سَوْطَ عَذَابٍ"** ایک کلمہ ہے جس کو اہل عرب ہر قسم کے عذاب کیلئے استعمال کرتے ہیں، جس میں کوڑے کا عذاب بھی شامل ہے۔

"لَبِالْمِرْصَادِ" یعنی خدا کی طرف سب کو پھر جانا ہے۔

آیت کریمہ ﴿**وَلَا تَحَاضُّونَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ**﴾ اس آیت میں دو قرأتیں ہیں:

ایک قرأت ہے "تَحَاضُّونَ" بمعنی "تُحَافِظُون" - اس صورت میں اس آیت کا ترجمہ ہوگا اور تم مسکین کو کھانا دینے میں حفاظت نہیں کرتے ہو یعنی اس کے حقوق کی حفاظت نہیں کرتے ہو۔

دوسری قرأت ہے **"وَتَحُضُّون"** یعنی کھلانے کا حکم دیتے ہو۔ اس صورت میں اس آیت کا ترجمہ ہوگا **اور تم مسکین کو کھانا کھلانے کا حکم نہیں دیتے ہو۔**

"اَلْمُطْمَئِنَّةُ" کے معنی ہیں اللہ ﷻ کے ثواب پر یقین رکھنے والا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ اس آیت کریمہ ﴿**يَا اَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ**﴾ کے متعلق فرماتے ہیں کہ جب اللہ ﷻ اس مؤمن بندہ کی روح کو قبض کرنا چاہیں، تو وہ اللہ ﷻ کی طرف مطمئن ہو اور اللہ ﷻ کو اس کی طرف اطمینان ہو، وہ اللہ ﷻ سے راضی اور خوش ہوں گے اور اللہ ﷻ اس سے راضی اور خوش ہوں گے۔ چنانچہ اللہ ﷻ اس کی روح کے قبض کرنے کا حکم دے گا اور اس کو جنت میں داخل کرے گا اور اس کو اپنے نیک بندوں میں سے بنالے گا۔

بعض حضرات نے کہا کہ **"جابوا"** بمعنی **"نقبوا"** یعنی سوراخ کیا اور یہ **"جابوا"** ماخوذ ہے **"جیب القمیص"** سے کہ جب قمیص کاٹ کر اس میں جیب لگائی جاتی ہے۔ اسی طرح لوگ کہتے ہیں **"یجوب**

الفلاۃ" وہ جنگل کو کاٹ رہا ہے۔

"**لَمّاً**" کے بارے میں بتا رہے ہیں کہ اس سے مراد "**لمعه أجمع**" یعنی میں اسکے آخر تک پہنچ گیا۔

(۹۰) سورة لا أقسم

سورۂ بلد کا بیان

بسم الله الرحمٰن الرحيم

وقال مجاهد: ﴿وَأَنتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾: مكة ليس عليك ما على الناس فيه من الإثم. ﴿وَوَالِدٍ﴾: آدم، ﴿وَمَا وَلَدَ﴾. ﴿لُبَدًا﴾: كثيرا. ﴿وَالنَّجْدَيْنِ﴾: الخير والشر. ﴿مَسْغَبَةٍ﴾: مجاعة.

﴿مَتْرَبَةٍ﴾: الساقط فى التراب. يقال: ﴿فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ﴾: فلم يقتحم العقبة فى الدنيا، ثم فسر العقبة فقال: ﴿وَمَا أَدْرَاكَ مَا الْعَقَبَةُ فَكُّ رَقَبَةٍ، أَوْ إِطْعَامٌ فِى يَوْمٍ ذِى مَسْغَبَةٍ﴾. [﴿فِى كَبَدٍ﴾: شدة].

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ﴿وَأَنتَ حِلٌّ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ سے مراد مکہ ہے یعنی آپ پر اللہ ﷻ کے حکم سے اس شہر میں قتال کو حلال کر لینے میں کوئی گناہ نہیں ہے، جو دوسرے لوگوں پر اس میں گناہ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کے لئے حرم میں قتالِ کفار حلال ہونے والا ہے جیسا کہ فتح مکہ میں ایک روز کے لئے آپ سے احکامِ حرم اُٹھا لئے گئے تھے اور کفار کا قتل حلال کر دیا گیا تھا۔

"وَالِدٍ" سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں، جو سب انسانوں کے باپ ہیں اور "وَمَا وَلَدَ" سے ان کی اولاد مراد ہے۔

"لُبَدًا" بمعنی "كثيرا" یعنی بہت سارا۔

"وَالنَّجْدَيْنِ" بمعنی "خير وشر" یعنی نیکی وبدی کے راستے۔

"مَسْغَبَةٍ" بمعنی "مجاعة" یعنی فاقہ، بھوک۔

"مَتْرَبَةٍ" کے معنی ہیں ایسی محتاجی جو مٹی میں گرا دے، اٹھنے کی سکت نہ چھوڑے۔

کہتے ہیں کہ ﴿فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ﴾ کے معنی ہیں اس نے دنیا میں گھاٹی نہیں پھاندی، پھر "عقبة" کی تفسیر اس آیت سے کی ﴿وَمَا أَدْرَاکَ مَا الْعَقَبَةُ فَکُّ رَقَبَةٍ، أَوْ إِطْعَامٌ فِي يَوْمٍ ذِي مَسْغَبَةٍ﴾ یعنی آپ کو معلوم ہے کہ گھاٹی سے کیا مراد ہے؟ وہ کسی کی گردن کا غلامی سے چھڑا دینا ہے یا کھانا کھلانا فاقہ کے دن۔

انسانی زندگی مشقتوں سے پُر رہی

"فِي كَبَدٍ" بمعنی **"شدة"** یعنی مشقت میں ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ دنیا میں انسان کو اس طرح پیدا کیا گیا ہے کہ وہ کسی نہ کسی مشقت میں لگا رہتا ہے، چاہے کوئی کتنا بڑا حاکم ہو یا دولت مند شخص ہو اور زندہ رہنے کیلئے مشقت اٹھانی پڑتی ہے، لہٰذا اگر کوئی شخص یہ چاہے کہ اسے دنیا میں کبھی کوئی محنت نہ کرنی پڑے تو یہ اس کی خام خیالی ہے، ایسا کبھی ممکن ہی نہیں ہے۔

ہاں مکمل راحت کی زندگی جنت کی زندگی ہے جو دنیا میں کی ہوئی محنت کے نتیجے میں ملتی ہے، ہدایت یہ دی گئی ہے کہ انسان کو دنیا میں جب کسی مشقت کا سامنا ہوتا ہے تو اسے یہ حقیقت یاد کر لینی چاہئے۔

خاص طور پر آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام ﷺ کو مکہ مکرمہ میں جو تکلیفیں پیش آرہی تھیں، اس سورت میں ان کو بھی تسلی دی ہے اور یہ بات کہنے کیلئے اول تو شہر مکہ کی قسم کھائی ہے، شاید اس لئے کہ مکہ مکرمہ کو اگرچہ اللہ ﷻ نے دنیا کا سب سے مقدس شہر بنایا ہے، لیکن وہ شہر بذات خود مشقتوں سے بنا اور اس کے تقدس سے فائدہ اٹھانے کیلئے آج بھی مشقت کرنی پڑتی ہے، پھر خاص طور پر اس میں آنحضرت ﷺ کے مقیم ہونے کا حوالہ دینے میں شاید یہ اشارہ ہے کہ افضل ترین پیغمبر، افضل ترین شہر میں مقیم ہیں، شہر مکہ خود بھی محرم اور مقدس ہے تو مکین کی فضیلت سے بھی مکان کی فضیلت بڑھ جاتی ہے، اس لئے شہر کی عظمت و حرمت آپ کے اس مقیم ہونے سے دہری ہوگئی، لیکن مشقتیں ان کو بھی اٹھانی پڑ رہی ہیں۔

پھر حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی ساری اولاد کی قسم کھانے سے اشارہ ہے کہ انسان کی پوری تاریخ پر غور کر جاؤ، یہ حقیقت ہر جگہ نظر آئے گی کہ انسان کی زندگی مشقتوں سے پر رہی ہے۔

(۹۱) سورة والشمس وضحاها

سورۂ شمس کا بیان

بسم الله الرحمٰن الرحيم

وجہ تسمیہ اور نفس انسانی کی تخلیق

سورج کو عربی زبان میں "شمس" کہتے ہیں اور اسی کے نام پر اس کا نام "سورة الشمس" ہے۔

سورت میں اصل مضمون یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اللہ ﷻ نے ہر انسان کے دل میں نیکی اور بدی دونوں قسم کے تقاضے پیدا فرمائے ہیں۔ اب انسان کا کام یہ ہے کہ وہ نیکی کے تقاضوں پر عمل کرے اور برائی سے اپنے آپ کو روکے۔ یہ بات کہنے کے لئے اللہ ﷻ نے سورج، چاند اور دن رات کی قسمیں کھائی ہیں۔ اس میں شاید اشارہ ہے کہ جس طرح اللہ ﷻ نے سورج کی اور دن کی روشنی پیدا کی ہے اور رات کا اندھیرا بھی، اسی طرح انسان کو نیکی کے کاموں کی بھی صلاحیت دی ہے اور بدی کے کاموں کی بھی۔

وقال مجاهد: ﴿ضُحَاهَا﴾: ضوء ها. ﴿إِذَا تَلَاهَا﴾: تبعها. و ﴿طَحَاهَا﴾: دحاها. ﴿دَسَّاهَا﴾: أغواها. ﴿فَأَلْهَمَهَا﴾: عرفها الشقاء والسعادة. وقال مجاهد: ﴿بِطَغْوَاهَا﴾: بمعاصيها. ﴿وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا﴾: عقبى أحد.

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **ضُحَاهَا** بمعنی "**ضوء ها**" یعنی سورج کی روشنی۔

"**إِذَا تَلَاهَا**" بمعنی "**تبعها**" یعنی اس کی اتباع کرتا ہے، پیچھے پیچھے جاتا ہے۔

"**طَحَاهَا**" بمعنی "**دحاها**" یعنی اس کو بچھایا ہے۔

"**دَسَّاهَا**" بمعنی "**أغواها**" یعنی دھنسا دے گا۔

"**فَأَلْهَمَهَا**" یعنی اس کے دل میں اچھی اور بری چیز کی پہچان ڈال دی۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "**بِطَغْوَاهَا**" بمعنی "**بمعاصيها**" یعنی اپنی گناہوں کی وجہ سے۔

﴿وَلَا يَخَافُ عُقْبَاهَا﴾ سے مراد ہے کہ "عقبى احد" یعنی اللہ جل جلالہ کو کسی کا اندیشہ نہیں کہ کوئی اس سے بدلہ لے گا۔

۴۹۴۲ ـ حدثنا موسى بن إسماعيل: حدثنا وهيب: حدثنا هشام، عن أبيه: أنه أخبره عبدالله بن زمعة أنه سمع النبي ﷺ يخطب وذكر الناقة والذى عقر، فقال رسول الله ﷺ: ((﴿إِذِ انْبَعَثَ أَشْقَاهَا﴾ انبعث لها رجل عزيز عارم منيع فى رهطه مثل أبى زمعة)). وذكر النساء فقال: ((يعمد أحدكم يجلد امرأته جلد العبد فلعله يضاجعها من آخر يومه))، ثم وعظهم فى ضحكهم من الضرطة، وقال: ((لم يضحك أحدكم مما يفعل؟)).

وقال أبو معاوية: حدثنا هشام، عن أبيه، عن عبدالله بن زمعة، قال النبي ﷺ: ((مثل أبى زمعة عم الزبير بن العوام)). [راجع: ۳۳۷۷]

ترجمہ: ہشام بن عروہ بیان کرتے ہیں، اوران سے ان کے والد بیان کرتے ہیں کہ انہیں حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ انہوں نے سنا کہ نبی کریم ﷺ خطبہ دے رہے تھے اور آپ ﷺ نے خطبہ میں حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا ذکر فرمایا اور اس شخص کا بھی ذکر فرمایا جس نے اس کی کونچیں کاٹ ڈالی تھیں، پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ﴿إِذِ انْبَعَثَ أَشْقَاهَا﴾ یعنی اس اونٹنی کو مارڈالنے کے لئے ایک مفسد بدبخت (قدارنامی) جو اپنی قوم میں ابوزمعہ کی طرح غالب اور طاقت ور تھا، اٹھا۔ اور آپ ﷺ نے عورتوں کا بھی ذکر فرمایا اور فرمایا کہ تم میں بعض اپنی بیوی کو غلام کی طرح کوڑے مارتے ہیں، حالانکہ اسی دن کے ختم ہونے پر وہ اس سے ہمبستری بھی کرتے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں ریاح خارج ہونے پر ہنسنے سے منع فرمایا کہ ایک کام جو تم میں ہر شخص کرتا ہے اسی پر تم دوسروں پر کس طرح ہنستے ہو؟

ابومعاویہ نے بیان کیا کہ ہم سے ہشام بن عروہ بن زبیر نے، ان سے حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے (اس حدیث میں) یوں فرمایا ابوزمعہ کی طرح جو زبیر بن عوام کا چچا تھا۔

حدیث میں عاداتِ شنیعہ کا ذکر

خطبہ میں آپ ﷺ نے کئی چیزیں ذکر فرمائی اس میں قوم ثمود کی ناقہ کا بھی ذکر کیا، جس کو قوم ثمود نے ذبح کیا تھا اور فرمایا کہ ﴿إِذِ انْبَعَثَ أَشْقَاهَا﴾ یعنی اس اونٹنی کو مارڈالنے کیلئے ایک مفسد بدبخت اٹھا۔

"انْبَعَثَ" کا معنی اٹھ کھڑا ہوا یعنی اس نے اس کام کو اپنے ذمے لے لیا یعنی اس کام کیلئے ایک ایسا شخص کھڑا ہو گیا جو اپنے قبیلے کے اندر عزت والا تھا۔

"عارم" کے معنی مفسد شخص، **"منیع فی رھطه"** اپنے گھر میں صاحبِ اقتدار تھا اور اس کی مثال ایسی ہے جیسا کہ ابوزمعہ۔ یہ اپنی قوم کے اندر اس کو بڑا مقام حاصل تھا اور کفر کی حالت میں اس کا انتقال ہوا۔

"وذکر النساء" اور آپ نے عورتوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ **"یعمد احدکم یجلد امرأته جلد العبد"** تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو مارتا ہے اس طرح جیسا کہ غلام کو مارا جاتا ہے، **"فلعله یضاجعها من آخر یومه"** پھر دن کے آخر میں وہ اس کے ساتھ ہم بستری بھی کرتا ہے، یعنی یہ کتنی بری بات ہے کہ ایک تو اس کو مار رہا ہے، دوسری طرف اس سے ہم بستری بھی کر رہا ہے۔

پھر آپ ﷺ نے انہیں ریاح خارج ہونے پر ہنسنے سے منع فرمایا کہ **"لم یضحک احدکم مما یفعل؟"** ایک کام جو تم میں ہر شخص کرتا ہے اسی پر تم دوسروں پر کس طرح ہنستے ہو؟

(۹۲) سورة والليل إذا يغشى

سورت اللیل کا بیان

بسم الله الرحمٰن الرحيم

وقال ابن عباس: ﴿وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى﴾: بالخلف.
وقال مجاهد: ﴿تَرَدَّى﴾: مات.
و﴿تَلَظَّى﴾: توهج.
وقرأ عبيد بن عمير: ﴿تَتَلَظَّى﴾.

ترجمہ وتشریح

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ﴿وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى﴾ سے اعمال اور انجام کا بدلہ وثواب مراد ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "تَرَدَّى" بمعنی ہلاک ہوا، مرگیا۔
"تَلَظَّى" بمعنی "توهج" یعنی بھڑکتی ہے، شعلہ مارتی ہے۔
اور عبید بن عمیر رحمہ اللہ نے اس کو "تتلظى" پڑھا ہے یعنی دو تا کے ساتھ۔

(۱) باب: ﴿وَالنَّهَارِ إِذَا تَجَلَّى﴾ [۲]

باب: "اور دن کی قسم! جب اُس کا اُجالا پھیل جائے۔"

۴۹۴۳ ـ حدثنا قبيصة بن عقبة: حدثنا سفيان، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن علقمة قال: دخلت في نفر من أصحاب عبدالله الشام فسمع بنا أبو الدرداء فأتانا فقال: أفيكم من يقرأ؟ فقلنا: نعم. قال: فأيكم أقرأ؟ فأشاروا إليّ، فقال: اقرأ، فقرأت (واللّيل إذا يغشى والنهار إذا تجلى والذكر والأنثى) قال: آنت سمعتها من في صاحبك؟ قلت:

نعم. قال: و أنا سمعتها من في النبی ﷺ وهؤلاء يأبون علينا. [۱]

ترجمہ: علقمہ بن قیس نے بیان کیا کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگردوں کے ساتھ میں ملک شام پہنچا ہمارے متعلق حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے سنا تو ہم سے ملنے خود تشریف لائے اور دریافت فرمایا تم میں کوئی قرآن مجید کا قاری بھی ہے؟ ہم نے کہا جی ہاں ہے۔ دریافت فرمایا کہ سب سے اچھا قاری کون ہے؟ لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا۔ آپ نے فرمایا کہ پھر کوئی آیت تلاوت کرو۔ میں نے (**واللیل إذا یغشی والنهار إذا تجلی والذکر والأنثی**) کی تلاوت کی۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا تم نے خود یہ آیت اپنے استاد عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی زبانی اسی طرح سنی ہے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ انہوں نے اس پر کہا کہ میں نے بھی نبی کریم ﷺ کی زبانی یہ آیت اسی طرح سنی ہے، لیکن یہ شام والے ہم پر انکار کرتے ہیں۔

(۲) باب: ﴿وما خلق الذكر والأنثى﴾ [۳]

باب: ''اور قسم اُس ذات کی جس نے نر اور مادہ کو پیدا کیا۔''

۴۹۴۴ - حدثنا عمر: حدثنا أبي: حدثنا الأعمش، عن إبراهيم قال: قدم أصحاب عبدالله على أبي الدرداء فطلبهم فوجدهم فقال: أيكم يقرأ على قراءة عبدالله؟ قال: كلنا، قال: فأيكم يحفظ؟ وأشاروا إلى علقمة، قال: كيف سمعته يقرأ ﴿وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ﴾؟ قال علقمة (والذكر والأنثى) قال: أشهد أني سمعت النبي ﷺ يقرأ هكذا وهؤلاء يريدونني على أن أقرأ ﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ﴾ والله لا أتابعهم. [۲]

ترجمہ: ابراہیم نخعی رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے کچھ شاگرد حضرت

---

[۱] وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب ما يتعلق بالقراءات، رقم: ۸۲۴، وسنن الترمذي، أبواب القراءات، باب ومن سورة الليل، رقم: ۲۹۳۹، ومسند أحمد، الملحق المستدرك من مسند الأنصار بقية خامس عشر الأنصار، بقية حديث أبي الدرداء رضي الله عنه، رقم: ۲۷۵۳۵، ۲۷۵۳۸، ۲۷۵۳۹، ۲۷۵۵۴

[۲] وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب ما يتعلق بالقراءات، رقم: ۸۲۴، وسنن الترمذي، أبواب القراءات، باب ومن سورة الليل، رقم: ۲۹۳۹، ومسند أحمد، الملحق المستدرك الخ، بقية حديث أبي الدرداء رضي الله عنه، رقم: ۲۷۵۳۵، ۲۷۵۳۸، ۲۷۵۳۹، ۲۷۵۵۴

ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے یہاں (شام) آئے اُنہوں نے اِنہیں تلاش کی اور پالیا۔ پھر ان سے پوچھا کہ تم میں سے کون عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرات کے مطابق قرأت کرسکتا ہے؟ شاگردوں نے کہا کہ ہم سب کر سکتے ہیں۔ پھر پوچھا کسے ان کی قرات زیادہ محفوظ ہے؟ سب نے علقمہ رحمہ اللہ کی طرف اشارہ کیا۔ انھوں نے دریافت کیا کہ انہیں (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) کو ﴿وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ﴾ کی قرأت کرتے کس طرح سنا ہے؟ علقمہ نے کہا کہ (والذکر والأنثی)۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے بھی رسول کریم ﷺ کو اسی طرح قرأت کرتے ہوئے سنا ہے۔ لیکن یہ لوگ (یعنی شام والے) چاہتے ہیں کہ ﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ﴾ پڑھوں۔ اللہ کی قسم میں ان کی پیروی نہیں کروں گا۔

عبداللہ بن مسعود اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کی قرأت

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ان کی قرأت میں ﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ﴾ کے بجائے "والذکر والأنثی" ہے۔ اسی بارے میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ نے علقمہ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ ﴿وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَىٰ﴾ کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کس طرح پڑھتے تھے؟

تو حضرت علقمہ رحمہ اللہ نے بتایا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (والذکر والأنثی) پڑھتے تھے۔

یہ وہی قرأت ہے جو آخر میں منسوخ ہوگئی اور منسوخ ہونے کا علم حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ دونوں کو نہیں ہوا ہوگا، اس واسطے انہوں نے حضور اقدس ﷺ سے جس طرح سیکھا تھا اسی طرح پڑھتے رہے۔

لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایک حد تک اجماع ہوگیا تو اس میں یہ پتہ چلا کہ آخر میں یہ قرأت نہیں تھی، بلکہ ﴿وَمَا خَلَقَ الذَّكَرَ وَالْأُنثَىٰ﴾ یہ دوسری والی قرأت تھی اور اسی کے اوپر مصحف میں لکھا گیا اور وہی قرأت متواترہ ہے اور یہ قرأت شاذہ ہے، اس لئے اسی کو ترجیح ہے۔

(۳) باب قوله: ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ﴾ [۵]

اس ارشاد کا بیان: "اب جس کسی نے (اللہ کے راستے میں مال) دیا، اور تقویٰ اختیار کیا۔"

سعی وعمل کے اعتبار سے انسانوں کے دو گروہ

ترجمۃ الباب کی آیت اور اس سے اگلی آیت میں قرآن کریم نے سعی وعمل کے اعتبار سے انسانوں کے

دو گروہ بتائے ہیں اور دونوں کے تین تین اوصاف ذکر کئے ہیں:

پہلا گروہ کامیاب لوگوں کا ہے، اُن کے تین عمل یہ ہیں ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ﴾ یعنی جس نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا اور اللہ سے ڈر کر زندگی کے ہر شعبے میں اُس کے احکام کی خلاف ورزی سے بچتا رہا اور جس نے اچھی بات کی تصدیق کی، اچھی بات سے مراد کلمۂ ایمان - لا إلٰہ الا اللہ - ہے۔

اس کلمہ کی تصدیق سے مراد ایمان لے آنا ہے اور اگرچہ ایمان سب اعمال کی رُوح اور سب سے مقدم ہے، اس کو یہاں مؤخر کرنے کی شاید یہ وجہ ہو کہ اس جگہ ذکر سعی و عمل اور جدوجہد کا ہے اور وہ اعمال یہ ہیں۔ ایمان تو ایک قلبی چیز ہے کہ دل میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تصدیق کرے پھر زبان سے بھی اس کا اقرار کلمۂ شہادت کے ذریعہ کرے اور ظاہر ہے کہ ان دونوں چیزوں میں کوئی جسمانی محنت نہیں، نہ کوئی اس کو اعمال کی فہرست میں شمار کرتا ہے۔

دوسرے گروہ کے بھی تین اعمال کا ذکر فرمایا ہے ﴿وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَىٰ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَىٰ﴾ یعنی جس نے اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے بخل کیا کہ زکوۃ فرض اور صدقات واجبہ بھی ادا کرنے سے گریز کیا اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے اور اس کی طرف جھکنے اور اطاعت اختیار کرنے کی بجائے اُس سے بے نیازی اور بے رُخی اختیار کی اور اچھی بات یعنی کلمۂ ایمان کی تکذیب کی۔

پھر ان دونوں گروہوں میں سے پہلے گروہ کے بارے میں فرمایا ﴿فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ﴾ اس آیت میں "یُسریٰ" کے لفظی معنی یہ ہیں کہ آسان اور آرام دہ چیز جس میں مشقت نہ ہو، مراد اس سے جنت ہے۔

اسی کے مقابل دوسرے گروہ کے متعلق فرمایا ﴿فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَىٰ﴾ اس آیت میں "عُسریٰ" کے لفظی معنی مشکل اور تکلیف دہ چیز کے ہیں، مراد اس سے جہنم ہے۔

اور معنیٰ دونوں جملوں کے یہ ہیں کہ جو لوگ اپنی سعی و محنت پہلے کاموں میں لگاتے ہیں یعنی اللہ کی راہ میں خرچ اور اللہ سے ڈرنا اور ایمان کی تصدیق، ان لوگوں کو ہم "یُسریٰ" یعنی اعمالِ جنت کے لئے آسان کر دیتے ہیں۔

اور جو لوگ یہ سعی و عمل دوسرے تین کاموں میں لگاتے ہیں ان کو ہم "عُسریٰ" یعنی اعمالِ جہنم کے لئے آسان کر دیتے ہیں۔

یہاں بظاہر مقتضائے مقام یہ کہنا کا تھا کہ اُن کے لئے اعمالِ جنت یا اعمالِ دوزخ آسان کر دیئے جائیں گے، کیونکہ آسان یا مشکل ہونا صفت اعمال ہی کی ہو سکتی ہے تو خود ذات و اشخاص نہ آسان ہوتے ہیں نہ مشکل، مگر قرآن کریم نے اس کی تعبیر اس طرح فرمائی کہ خود ان لوگوں کی ذات اور وجود ان اعمال کے لئے

آسان کر دیئے جائیں گے۔

اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ان کی طبیعتوں اور مزاجوں کو ایسا بنا دیا جائے گا کہ پہلے گروہ کے لئے اعمالِ جنت انکی طبعت بن جائیں گے ان کے خلاف کرنے میں وہ تکلیف محسوس کرنے لگیں گے۔

اسی طرح دوسرے گروہ کا مزاج ایسا بنا دیا جائے گا کہ اس کو اعمالِ جہنم ہی پسند آئیں گے، اُنہیں میں راحت ملے گی اعمالِ جنت سے نفرت ہوگی۔ ان دونوں گروہوں کے مزاجوں میں یہ کیفیت پیدا کر دینے کو اس سے تعبیر فرمایا کہ یہ خود ان کاموں کے لئے آسان ہو گئے۔

جیسا کہ آگے روایت میں آرہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **"اعملوا فکلٌ میسر لما خلق له. أما من کان من هل السعادة فییسر لعمل أهل السعادة. وأما من کان أهل الشقاءِ فییسر لعمل أهل الشقاوة"** یعنی تم جو عمل کرتے ہو وہ کرتے رہو کیونکہ ہر ایک آدمی کے لئے وہی کام آسان کر دیا گیا ہے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا، اس لئے جو اہلِ سعادت نیک بخت خوش نصیب ہیں تو اہلِ سعادت ہی کے اعمال اُن کی طبعی رغبت بن جاتی ہے اور جو اہلِ شقاوت بدنصیب یعنی اہلِ جہنم ہیں اُن کے لئے اہلِ شقاوت ہی کے اعمال کرنا مزاج اور طبیعت بن جاتی ہے۔

مگر یہ دونوں چیزیں اپنے خداداد اختیار کو استعمال کرنے کے نتیجے میں ملتی ہیں اس لئے ان پر عذاب وثواب کا ترتب مستبعد نہیں کہا جا سکتا ہے۔ [۳]

۴۹۴۵ ـ حدثنا أبو نعیم: حدثنا سفیان، عن الأعمش، عن سعد بن عبیدة، عن أبی عبدالرحمٰن السلمی، عن علی ﷺ قال: کنا مع النبی ﷺ فی بقیع الغرقد فی جنازة، فقال: ((ما منکم من أحدٍ إلاّ وقد کتب مقعده من الجنة ومقعده من النار)). فقالوا: یارسول الله، أفلا نتکل؟ فقال: ((اعلموا فکل میسرٌ، ثم قرأ ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى﴾ إلی قوله: ﴿لِلْعُسْرَى﴾. [راجع: ۱۳۶۲]

ترجمہ: ابو عبدالرحمٰن بن سلمی روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی ﷺ نے بیان فرمایا کہ ہم لوگ نبی کریم ﷺ کے ساتھ بقیع الغرقد قبرستان میں ایک جنازہ میں تھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس موقعہ پر فرمایا تم میں کوئی ایسا نہیں جس کا ٹھکانہ جنت یا جہنم میں نہ لکھا جا چکا ہو۔ صحابہ کرام ﷺ نے عرض کیا یا رسول اللہ! پھر کیوں نہ ہم اپنی اس تقدیر پر اعتماد کر لیں؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عمل کرتے رہو کہ ہر شخص کیلئے وہی عمل آسان کر دیا گیا ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى﴾۔

---

[۳] معارف القرآن، ج:۸، ص:۷۶۰، ۷۶۱

باب قوله: ﴿وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ﴾ [۶]

اس ارشاد کا بیان: ”اور سب سے اچھی بات کو دل سے مانا۔“

حدثنا مسدد، حدثنا عبدالواحد: حدثنا الأعمش، عن سعد بن عبيدة، عن أبي عبد الرحمٰن، عن علي ﷺ قال: كنا قعوداً عند النبي ﷺ . . . فذكر الحديث.

ترجمہ: ابوعبدالرحمٰن روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے...... پھر راوی نے یہی حدیث بیان کی (جو پیچھے گزری ہے)۔

(۴) باب: ﴿فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَىٰ﴾ [۷]

باب: ”تو ہم اُس کو آرام کی منزل تک پہنچنے کی تیاری کرادیں گے۔“

۴۹۴۶ ـ حدثنا بشر بن خالد: أخبرنا محمد بن جعفر: حدثنا شعبة، عن سليمان، عن سعد بن عبيدة، عن أبي عبدالرحمٰن السلمي، عن علي ﷺ عن النبي ﷺ أنه كان في جنازة فأخذ عودا ينكت في الأرض فقال: ((ما منكم من أحد إلا وقد كتب مقعده من النار، أو من الجنة)). قالوا: يا رسول الله، أفلا نتكل؟ قال: ((اعملوا فكل ميسر ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ﴾)) الآية.

قال شعبة: وحدثني به منصور فلم أنكره من حديث سليمان. [راجع: ۱۳۶۲]

ترجمہ: ابوعبدالرحمٰن بن سلمٰی روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی ﷺ نے بیان فرمایا کہ نبی کریم ﷺ ایک جنازہ میں تھے، آپ نے ایک لکڑی اٹھائی اور اس سے زمین کریدتے ہوئے فرمایا کہ تم میں کوئی شخص ایسا نہیں جس کا جنت یا دوزخ کا ٹھکانا لکھا نہ جاچکا ہو۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا پھر ہم اسی پر بھروسہ نہ کرلیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ عمل کرتے رہو کہ ہر شخص کو توفیق دی گئی ہے **﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ﴾** آخر آیت تک۔

شعبہ نے بیان کیا کہ مجھ سے یہ حدیث منصور بن معتمر نے بھی بیان کی اور انہوں نے بھی سلیمان اعمش سے اسی کے موافق بیان کی، اس میں کوئی خلاف نہیں کیا۔

(۵) باب قوله: ﴿وَأَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنَى﴾ [۸]

اس ارشاد کا بیان: ''رہا وہ شخص جس نے بخل سے کام لیا، اور (اللہ سے) بے نیازی اختیار کی۔''

۴۹۴۷ ـ حدثنا يحيى: حدثنا وكيع، عن الأعمش، عن سعد بن عبيدة، عن أبي عبدالرحمٰن، عن علي رضی الله عنه قال: كنا جلوسا عند النبي ﷺ فقال: ((ما منكم من أحد إلاّ وقد كتب مقعده من الجنة ومقعده من النار))، فقلنا: يارسول الله أفلانتكل؟ قال: ((لا، اعملوا فكلٌ ميسر))، ثم قرأ ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى﴾ إلى قوله: ﴿فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى﴾. [راجع: ۱۳۶۲]

ترجمہ: ابو عبدالرحمٰن روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہم میں کوئی ایسا نہیں جس کا جہنم کا ٹھکانا اور جنت کا ٹھکانا لکھا نہ جا چکا ہو۔ ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! پھر ہم اسی پر بھروسہ کیوں نہ کر لیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں عمل کرتے رہو، کیونکہ ہر شخص کو آسانی دی گئی ہے اور اس کے بعد آپ نے اس آیت کی تلاوت کی ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْيُسْرَى﴾ تا ﴿فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى﴾۔

(۶) بابُ قوله: ﴿وَكَذَّبَ بِالْحُسْنَى﴾ [۹]

اس ارشاد کا بیان: ''اور سب سے اچھی بات کو جھٹلایا۔''

۴۹۴۸ ـ حدثنا عثمان بن أبي شيبة: حدثنا جرير، عن منصور، عن سعد بن عبيدة، عن أبي عبدالرحمٰن السلمي، عن علي رضی الله عنه قال: كنا في جنازة في بقيع الغرقد، فأتانا رسول الله ﷺ فقعد وقعدنا حوله ومعه مخصرة فنكس فجعل ينكت بمخصرته. ثم قال: ((ما منكم من أحد، وما من نفس منفوسة إلا كتب مكانها من الجنة والنار، وإلا قد كتبت شقية أو سعيدة)). قال: رجل يا رسول الله، أفلا نتكل على كتابنا وندع العمل؟ فمن كان منا من أهل السعادة فسيصير الى أهل السعادة، ومن كان منا من أهل الشقاء فسيصير الى عمل أهل الشقاوة. قال: ((أما أهل السعادة فييسرون لعمل أهل السعادة،

وأما أهل الشقاوة فييسرون لعمل أهل الشقاوة)). ثم قرأ ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى﴾ الآية. [راجع: ۱۳۶۲]

ترجمہ: ابوعبدالرحمٰن بن سلمٰی روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی ﷺ نے بیان فرمایا کہ ہم بقیع الغرقد میں ایک جنازہ میں شریک تھے، پھر رسول اللہ ﷺ بھی تشریف لائے آپ بیٹھ گئے اور ہم لوگ بھی آپ کے چاروں طرف بیٹھ گئے، آپ کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی، آپ نے اپنا سر جھکالیا پھر اپنی اس چھڑی سے زمین کریدنے لگے۔ پھر فرمایا کہ تم میں کوئی شخص ایسا نہیں اور کوئی پیدا ہونے والی جان ایسی نہیں جس کا ٹھکانہ جنت یا جہنم کا لکھا نہ جاچکا ہو، یہ لکھا جاچکا ہے کہ کون نیک ہے اور کون برا۔ ایک صاحب نے عرض کیا یا رسول اللہ! پھر کیا حرج ہے اگر ہم اپنی تقدیر پر بھروسہ کرلیں اور عمل کرنا چھوڑ دیں؟ پس جو ہم میں سعادت والا ہوگا وہ نیکوں کے ساتھ جاملے گا، اور جو بدبخت ہوگا اس کے بدبختیوں جیسے اعمال ہوجائیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو لوگ نیک ہوتے ہیں انہیں نیک اعمال کی ہی توفیق ہوتی ہے اور جو برے ہوتے ہیں، انہیں بروں جیسے عمل کی ہی توفیق ہوتی ہے، پھر آپ ﷺ نے اس آیت کی تلاوت کی ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى﴾۔

(۷) باب: ﴿فَسَنُيَسِّرُهُ لِلْعُسْرَى﴾ [۱۰]

باب: ''تو ہم اُس کو تکلیف کی منزل تک پہنچنے کی تیاری کرادیں گے۔''

آیت کا مفہوم

تکلیف کی منزل سے مراد دوزخ ہے، کیونکہ حقیقی تکلیف وہیں کی ہے۔

اور تیاری کرانے سے مراد یہ ہے کہ وہ جس جس گناہ میں مبتلاء ہونا چاہے گا، اس کو مبتلاء ہونے کا اختیار دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسے نیکی کی توفیق نہیں ہوگی۔

۴۹۴۹ ــ حدثنا آدم: حدثنا شعبة، عن الأعمش قال سمعت سعد بن عبيدة يحدث عن أبي عبدالرحمٰن السلمي، عن علي ﷺ قال: كان النبي ﷺ في جنازة فأخذ شيئاً فجعل ينكت به الأرض فقال: ((ما منكم من أحد إلا وقد كتب مقعده من النار ومقعده من الجنّة)). قالوا: يا رسول الله، أفلا نتكل على كتابنا وندع العمل؟ قال: ((اعملوا فكلٌ ميسر لما خلق له. أما من كان من هل السعادة فييسر لعمل أهل السعادة. وأما من كان أهل الشقاء فيير لعمل أهل الشقاوة)). ثم قرأ ﴿فَأَمَّا مَنْ أَعْطَى وَاتَّقَى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَى﴾

الآية. ۲۱

ترجمہ: ابو عبد الرحمن سلمی بیان کرتے تھے کہ حضرت علی ﷺ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ ایک جنازے میں تشریف رکھتے تھے۔ پھر آپ نے ایک چیز لی اور اس سے زمین کریدنے لگے اور فرمایا، تم میں کوئی ایسا شخص نہیں جس کا جہنم کا ٹھکانا یا جنت کا ٹھکانا لکھا نہ جا چکا ہو۔ صحابہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! تو پھر ہم کیوں اپنی تقدیر پر بھروسہ نہ کر لیں اور نیک عمل کرنا چھوڑ دیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نیک عمل کرو، ہر شخص کو ان کے اعمال کی توفیق دی جاتی ہے جن کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے جو شخص نیک ہوگا اسے نیکوں کے عمل کی توفیق ملی ہوتی ہے اور جو بد بخت ہوتا ہے اسے بد بختوں کے عمل کی توفیق ملتی ہے پھر آپ نے آیت ﴿**فَأَمَّا مَنْ أَعْطَىٰ وَاتَّقَىٰ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنَىٰ**﴾ آخر تک پڑھی۔

---

۲۱ وفي صحيح مسلم، كتاب القدر، باب كيفية خلق الآدمي في بطن امه وكتابة رزقه اجله وعمله وشقاوته وسعادته، رقم: ۴۷ ۲۶، وسنن أبي داؤد، كتاب السنة، باب في القدر، رقم: ۴۶۹۴، وسنن الترمذي، ابواب القدر، باب ماجاء في الشقاوة والسعادة، رقم: ۲۱۳۶، وأبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة الليل اذا يغشى، رقم: ۳۳۴۴، سنن ابن ماجه، افتتاح الكتاب في الايمان وفضائل الصحابة والعلم، باب في القدر، رقم: ۷۸، ومسند أحمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، مسند الخلفاء الراشدين، مسند علي بن أبي طالب ﷺ، رقم: ۶۲۱، ۱۰۶۷، ۱۱۱۰، ۱۱۱۸، ۱۳۴۹

(۹۳) سورة والضحى

سورت الضحیٰ کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وجہ تسمیہ

"**ضحی**" عربی میں دن چڑھنے کے وقت جو روشنی ہوتی ہے، اس کو کہتے ہیں، اللہ ﷻ نے پہلی آیت میں اس کی قسم کھائی ہے، اس لئے اس سورت کا نام "**سورة الضحى**" ہے۔

چڑھتے دن اور اندھیری رات کی قسم کھانے سے غالباً اس طرف اشارہ ہے کہ رات کو جب اندھیرا ہوجاتا ہے تو اسکا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اب دن کی روشنی نہیں آئے گی۔

اسی طرح اگر کسی مصلحت کی وجہ سے وحی کچھ دن نہیں آئی تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کسی طرح درست نہیں ہے کہ (معاذ اللہ) اللہ ﷻ آپ ﷺ سے ناراض ہو گیا ہے۔

وقال مجاهد: ﴿إِذَا سَجَى﴾: استوى. وقال غيره: سجى: أظلم وسكن. ﴿عَائِلًا﴾: ذو عيال.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ "**إِذَا سَجَى**" کے معنی ہیں جب برابر ہوجائے یعنی جب رات دن کے برابر ہوجائے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ "**سجی**" کے معنی ہیں جب اندھیری ہوجائے اور ساکن ہوجائے یعنی قرار پکڑلے۔

"**عَائِلًا**" کے معنی ہیں عیال دار یعنی بال بچے والا۔

(۱) باب قوله: ﴿مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى﴾ [۳]

اس ارشاد کا بیان: "کہ تمہارے پروردگار نے نہ تمہیں چھوڑا ہے، اور نہ ناراض ہوا ہے۔"

۴۹۵۰ ـ حدثنا أحمد بن يونس: حدثنا زهير: حدثنا الأسود بن قيس قال: سمعت

جندب بن سفيان قال: اشتكى رسول الله ﷺ فلم يقم ليلتين أو ثلاثا، فجاء ت امرأة فقالت: يامحمد، إني لأرجو أن يكون شيطانک قدتركک لم أره قربک منذ ليلتين أو ثلاثا، فأنزل الله عزوجل ﴿والضُّحَى وَاللَّيْلِ إِذَاسَجَى ماوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَماقَلَى﴾. [راجع: ۱۱۲۴]

ترجمہ: اسود بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جندب بن سفیان ﷺ کوسنا وہ فرمار ہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ بیمار پڑ گئے اور دو یا تین راتوں کو تہجد کیلئے نہیں اٹھ سکے، پھرایک عورت آئی اور کہنے لگی اے محمد! میرا خیال ہے کہ تمہارے شیطان نے تمہیں چھوڑ دیا ہے، دو یا تین راتوں سے میں اسے نہیں دیکھتی ہوں کہ تیرے پاس آیا ہو، اس پر اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿والضُّحَى وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى ماوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَماقَلَى﴾۔

(۲) باب قوله: ﴿ما وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى﴾ [۳]

اس ارشاد کا بیان: "کہ تمہارے پروردگار نے نہ تمہیں چھوڑا ہے، اور نہ ناراض ہوا ہے۔"

تُقرأ بالتشديد والتخفيف بمعنى واحد: ما تركك ربُّك. وقال ابن عباس: ما تركك وما أبغضك.

ترجمہ: "وَدَّعَكَ" یہ لفظ تشدید اور تخفیف دونوں صورتوں پڑھا جاتا ہے اور اس کا ایک ہی معنی ہے کہ آپ کے رب نے آپ کو نہیں چھوڑا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "ما تركك وما أبغضك" یعنی آپ کے رب نہ تو آپ کو چھوڑا ہے اور نہ ہی آپ سے بیزار ہوا ہے۔

۴۹۵۱ - حدثنا محمد بن بشار: حدثنا محمد بن جعفر غندر: حدثنا شعبة، عن الأسود بن قيس قال: سمعت جندبا البجلي: قالت امرأة: يا رسول الله، ما أُرى صاحبك إلا أبطأك، فنزلت ﴿ما وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى﴾. [راجع: ۱۱۲۴]

ترجمہ: اسود بن قیس نے بیان کیا کہ میں نے حضرت جندب البجلی ﷺ سے سنا کہ ایک عورت (ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا) نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں دیکھتی ہوں کہ آپ کے دوست آپ کے پاس آنے میں دیر کرتے ہیں۔ اس پر آیت نازل ہوئی ﴿ما وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَى﴾۔

(۹۴) سورة ألم نشرح

سورۂ انشراح کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وقال مجاهد: ﴿وِزْرَكَ﴾ في الجاهلية. ﴿أَنْقَضَ﴾: أثقل.

﴿مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾، قال ابن عيينة: أي إن مع ذلك العسر يسرا آخر. كقوله: ﴿هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ﴾ ولن يغلب عسرٌ يسرين.

وقال مجاهد: ﴿فَانْصَبْ﴾ في حاجتك إلى ربك.

ويذكر عن ابن عباس: ﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾: شرح الله صدره للإسلام.

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ "وِزْرَكَ" سے مراد وہ غیر افضل امور ہیں جو زمانہ نبوت سے پہلے کبھی کبھی آپ ﷺ سے صادر ہوئے تھے۔

"أَنْقَضَ" بمعنی "أثقل" یعنی بوجھل کر دیا۔

﴿مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ کی لطیف تشریح

﴿مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ اس موجودہ مشکل کے ساتھ دوسری آسانی ہے یعنی ہر مشکل کے ساتھ جو آسانی ہے وہ تو ہے ہی اس کے علاوہ دوسری آسانی ہونے والی ہے۔

پھر اسکی مثال بیان فرمائی جیسا کہ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے ﴿هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ﴾ تم تو ہمارے حق میں دو بہتریوں میں سے ایک بہتری کے منتظر رہتے ہو۔

"ولن يغلب عسرٌ يسرين" یہ اس قاعدہ کی طرف اشارہ ہے کہ اگر کلمہ معرف باللام مکرر آئے تو

دونوں کا مصداق ایک ہوگا، اور اگر نکرہ مکرر ہو تو دونوں کا مصداق الگ الگ ہوگا۔

لہٰذا "العسر" معرفہ دو مرتبہ ہے، لہٰذا مصداق ایک ہی ہے اور "یسر" نکرہ ہے تو دونوں جگہ مصداق الگ الگ ہے تو ایک "عسر" ہے اور دو "یسر" ہیں۔ تو اس آیت ﴿إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾ میں تکرار سے یہ نتیجہ نکلا کہ ایک ہی عسر و مشکل کیلئے دو آسانیوں کا وعدہ ہے اور دو سے مراد بھی خاص دو کا عدد نہیں بلکہ متعدد ہونا مراد ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ایک "عسر" یعنی تنگی و مشکل جو آپ کو پیش آئی یا آئے گی اس کے ساتھ بہت سی آسانیاں آپ کو دی جائیں گی۔

خلوت میں عبادت کی ترغیب

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ "فانصب" کے معنی ہیں، اپنے پروردگار سے اپنی حاجت میں محنت کیا کیجئے۔

ظاہر ہے کہ حضور اقدس ﷺ کی مصروفیت تمام تر دین ہی کے لئے تھی، تبلیغ ہو یا تعلیم، جہاد ہو یا حکمرانی، سارے کام ہی دین کے لئے ہونے کی وجہ سے بذات خود عبادت کا درجہ رکھتے تھے، لیکن فرمایا جا رہا ہے کہ جب ان کاموں سے فراغت ہو تو خالص عبادت، مثلاً نفلی نمازوں اور زبانی ذکر وغیرہ میں اتنے لگ گئے کہ جسم تھکنے لگے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو لوگ دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہوں، ان کو بھی کچھ وقت خالص نفلی عبادتوں کیلئے مخصوص کرنا چاہئے، اسی سے اللہ ﷻ کے ساتھ تعلق مضبوط ہوتا ہے اور اسی سے دوسرے دینی کاموں میں برکت پیدا ہوتی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ﴿أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ﴾ اس آیت کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ ﷻ نے نبی کریم ﷺ کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیا یعنی علوم و معارف اور اخلاق حسنہ کیلئے آپ کا دل وسیع کر دیا۔

(۹۵) سورة والتين

سورت التین کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زیتون، انجیر اور بلد امین کا ذکر

انجیر و زیتون فلسطین اور شام میں زیادہ پیدا ہوتے ہیں، اسلئے ان سے فلسطین کے علاقے کی طرف اشارہ ہے، جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا اور آپ کو انجیل عطا فرمائی تھی، صحرائے سینا کا پہاڑ طور جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا فرمائی تھی، اور اس امن وامان والے شہر سے مراد مکہ مکرمہ ہے، جہاں حضور ﷺ کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا اور آپ پر قرآن کریم نازل ہوا۔ ان تینوں کی قسم کھانے سے مقصود یہ ہے کہ جو بات آگے کہی جا رہی ہے وہ ان تینوں کتابوں میں درج ہے اور تینوں پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کو بتائی ہے۔

قال مجاهد: هو التين والزيتون الذي يأكل الناس، يقال: ﴿فَمَا يُكَذِّبُكَ﴾: فما الذي يكذبك بأن الناس يدانون بأعمالهم، كأنه قال: ومن يقدر على تكذيبك بالثواب والعقاب؟

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ تین، انجیر و زیتون کے بارے میں فرماتے ہیں، کہ اس سے مراد وہی مشہور میوے ہیں جنہیں لوگ کھاتے ہیں۔

﴿فَمَا يُكَذِّبُكَ﴾ کی تفسیر میں کہا جاتا ہے کہ پھر وہ کیا چیز ہے جو آپ کو تکذیب پر آمادہ کرتی ہے، اس بارے میں کہ لوگ اپنے اعمال کا بدلہ پائیں گے، گویا یوں کہا کون قدرت رکھتا ہے ثواب وعقاب کے متعلق آپ کی تکذیب پر۔

(۱) باب:

یہ باب بلاعنوان ہے۔

۴۹۵۲ ـ حدثنا حجاج بن منهال: حدثنا شعبة قال: أخبرني عدي قال: سمعت

البراء ﷺ: أن النبی ﷺ کان فی السفر فقرأ فی العشاء فی إحدی الرکعتین بالتین والزیتون. ﴿تَقْوِیمٍ﴾: الخلق. [راجع:۷۶۷]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب ﷺ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ ایک سفر میں تھے اور آپ نے عشاء کی ایک رکعت میں سورۂ "**والتین والزیتون**" کی تلاوت فرمائی۔

(۹۶) سورة اقرأ باسم ربک الذی خلق

سورت العلق کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وحی کی ابتداء اور سورۂ علق کا نزول

جمہور سلف وخلف کا اس پر اتفاق ہے کہ وحی کی ابتداء سورت العلق سے ہوئی ہے اور اس سورت کی ابتدائی پانچ آیتیں سب سے پہلے نازل ہوئی۔ بعض حضرات نے سورۂ مدثر کو سب سے پہلی سورت قرار دیا ہے اور بعض نے سورۂ فاتحہ کو۔ جمہور وسلف کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ سب سے پہلے سورت العلق کی پانچ آیات نازل ہوئیں (جیسا کہ آگے روایات میں آرہا ہے)۔

جن حضرات نے سورۂ مدثر کو پہلی سورت فرمایا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اقراء (سورت العلق) کی پانچ آیتیں نازل ہونے کے بعد نزول قرآن میں ایک مدت تک توقف رہا جس کو زمانہ فترت کہا جاتا ہے اور وحی کی تاخیر وتوقف سے رسول اللہ ﷺ کو سخت رنج وغم پیش آیا اس کے بعد اچانک پھر حضرت جبرائیل امین علیہ السلام سامنے آئے اور سورۂ مدثر کی آیات نازل ہوئیں، اس وقت بھی آنحضرت ﷺ پر نزول وحی اور ملاقات جبرئیل سے وہی کیفیت طاری ہوئی جو سورۂ علق کے نزول کے وقت پیش آئی تھی جس کی تفصیل آگے حدیث میں آرہی ہے، اس طرح فترت کے بعد سب سے پہلے سورۂ مدثر کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں اس لحاظ سے اس کو بھی پہلی سورت کہہ سکتے ہیں۔

سورۂ فاتحہ کو جن حضرات نے پہلی سورت کہا ہے اس کی بھی ایک وجہ ہے وہ یہ کہ مکمل سورت سب سے پہلے سورۂ فاتحہ ہی نازل ہوئی، اس سے پہلے چند سورتوں کی متفرق آیات ہی کا نزول ہوا تھا۔ [1]

وقال قتيبة: حدثنا حماد، عن يحيى بن عتيق، عن الحسن قال: اكتب في المصحف في أول الإمام: بسم الله الرحمن الرحيم، واجعل بين السورتين خطا. وقال مجاهد: ﴿نَادِيَهُ﴾: عشيرته. ﴿الزَّبَانِيَةَ﴾: الملائكة.

---

[1] تفسير المظهري، ج: ١٠، ص: ٣٠٠، ٣٠١، وتفسير القرطبي، ج: ٢٠، ص: ١١٦

وقال معمر: ﴿الرُّجْعَىٰ﴾: المرجع. ﴿لَنَسْفَعَنْ﴾: لنأخذن، ولنسفعن بالنون وهي الخفيفة. سفعت بيده: أخذت.

ترجمہ وتشریح

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مصحف کے شروع میں پہلے "بسم الله الرحمٰن الرحيم" لکھواور دوسورتوں کے درمیان فصل کرنے کیلئے خط رلکیر رکھو۔

یہاں امام سے مراد یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے قرآن کا جو پہلا نسخہ تیار کیا تھا اسکو "الامام" کہتے تھے، پھر ہر نسخے کو "الامام" کہنے لگے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ "نَادِيَهٗ" بمعنی "عشيرته" یعنی اپنا کنبہ، قبیلہ۔

"الزَّبَانِيَةَ" بمعنی ملائکہ رفرشتے۔ دراصل "زَبَانِيَةَ" سیاست کے پیادے یعنی سپاہی کو کہتے ہیں، جبکہ یہاں دوزخ کے فرشتے مراد ہیں۔

حضرت معمر رحمہ اللہ نے کہا کہ "الرُّجْعَىٰ" بمعنی "المرجع" یعنی واپس لوٹنا ہے۔

"لَنَسْفَعَنْ" کے معنی ہیں کہ ہم ضرور پکڑیں گے، اس میں نون خفیفہ ہے، ماخوذ ہے "سفعت بيده" سے جس کے معنی ہے "أخذت" یعنی میں نے اس کو اپنے ہاتھ سے پکڑا۔

(۱) بابٌ:

یہ باب بلاعنوان ہے۔

۴۹۵۳ ۔ حدثنا يحيى بن بكير: حدثنا الليث، عن عقيل عن ابن شهاب. وحدثني سعيد بن مروان: حدثنا محمد بن عبدالعزيز بن أبي رزمة: أخبرنا أبو صالح سلمويه: حدثني عبدالله، عن يونس بن يزيد قال: أخبرني ابن شهاب: أنَّ عروة بن الزبير أخبره: أن عائشة زوج النبي ﷺ قالت: كان أول ما بدئ به رسول الله ﷺ الرؤيا الصادقة في النوم فكان لايرى رؤيا إلَّا جاءت مثل فلق الصبح. ثم حُبِّبَ إليه الخلاء فكان يلحق بغار حراءٍ فيتحنث فيه۔ قال: والتحنث التعبد۔ الليالي ذوات العدد قبل أن يرجع إلى أهله، ويتزود لذلك، ثم يرجع إلى خديجة فيتزود بمثلها. حتى فجئه الحق وهو في غار حراءٍ فجاءه

الملک فقال: اقرأ، فقال رسول الله ﷺ: ((ماأنا بقارئ))، قال: ((فأخذنی فغطنی حتی بلغ منی الجهد. ثم أرسلنی فقال: اقرأ، قلت: ما أنا بقارئ فأخذنی فغطنی الثانیة حتی بلغ منی الجهد، ثم أرسلنی فقال: اقرأ، قلت ما أنا بقارئ فأخذنی فغطنی الثالثة حتی بلغ منی الجهد، ثم أرسلنی فقال: ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ﴾ الآیات فرجع بها رسول الله ﷺ ترجف بوادره حتی دخل علی خدیجة، فقال: ((زمّلونی زمّلونی))، فزمّلوه حتی ذهب عنه الروع، قال لخدیجة: ((أی خدیجة، مالی؟ لقد خشیت علی نفسی))، فأخبره الخبر، قالت خدیجة: کلا أبشر، فوالله لایخزیک الله أبدا، فوالله إنک لتصل الرحم، وتصدق الحدیث، وتحمل الکل، وتکسب المعدوم، وتقری الضیف، وتعین علی نوائب الحق. فانطلقت به خدیجة حتی أتت به ورقة بن نوفل ۔ وهو ابن عم خدیجة أخی أبیها ۔ وکان امرأ تنصر فی الجاهلیة، وکان یکتب الکتاب العربی ویکتب من الإنجیل بالعربیة ماشاء الله أن یکتب، وکان شیخا کبیرا قد عمی، فقالت خدیجة: یاعم اسمع من ابن اخیک. قال ورقة: یا ابن اخی، ماذا تری؟ فأخبره النبی ﷺ خبر ما رأی، فقال ورقة: هذا الناموس الذی أنزل علی موسی، لیتنی فیها جذعا، لیتنی أکون حیا، ذکرحرفا، قال رسول الله ﷺ: ((أومخرجی هم؟)) قال ورقة: نعم، لم یأت رجل بما جئت به إلّا أُوذی، وإن یدرکنی یومک حیا أنصرک نصرا مؤزّراً. ثم لم ینشب ورقة أن توفی وفترالوحی فترة حتی حزن رسول الله ﷺ. ؏

رؤیائے صادقہ

ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ انہیں عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ پہلی وہ چیز جس سے رسول اللہ ﷺ پر وحی کی ابتداء ہوئی سچے خواب تھے، چنانچہ اس دور میں آپ جوخواب بھی دیکھ لیتے وہ صبح کی روشنی کی طرح بیداری میں نمودار ہوتا۔ پھر آپ کو تنہائی

؏ وفی صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بدء الوحی الی رسول الله ﷺ، رقم: ۱۶۰، وسنن الترمذی، أبواب المناقب، باب، رقم: ۳۶۳۲، ومسند احمد، مسند الصدیقة عائشة بنت الصدیق رضی الله عنها، رقم: ۲۵۲۰۲، ۲۵۸۶۵، ۲۵۹۵۹

بھلی لگنے لگی۔ اس دور میں آپ غار حرا تنہا تشریف لے جاتے اور آپ وہاں "تحنث" کیا کرتے تھے۔ عروہ کہتے ہیں کہ "تحنث" سے عبادت مراد ہے۔ آپ وہاں کئی کئی راتیں جاگتے، گھر میں نہ آتے اور اس کے لئے اپنے گھر سے توشہ لے جایا کرتے تھے۔ پھر جب توشہ ختم ہو جاتا پھر ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا یہاں لوٹ کر تشریف لاتے اور اتنا ہی توشہ پھر لے جاتے۔

کتابِ ہدیٰ کا پہلا سبق

اسی حال میں آپ غار حرا میں تھے کہ دفعتاً آپ کے پاس حق آ گیا۔ چنانچہ فرشتہ آپ کے پاس آیا اور کہا کہ "اقرأ" - پڑھئے! اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ آپ ﷺ نے بیان کیا کہ مجھے فرشتہ نے پکڑ لیا اور اتنا بھینچا کہ اس کا دباؤ میری طاقت کی انتہاء کو پہنچ گیا، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا کہ پڑھئے! میں نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ پھر اس نے مجھے پکڑا اور دوسری مرتبہ دبوچا، یہاں تک کہ اس کا دبوچنا میری طاقت کی انتہاء کو پہنچ گیا، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور چھوڑنے کے بعد کہا کہ پڑھئے! میں نے اس مرتبہ بھی یہی کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ پھر اس نے مجھے تیسری مرتبہ پھر اسی طرح مجھے پکڑ کر بھینچا کہ یہاں تک کہ اس کا دبوچنا میری طاقت کی انتہاء کو پہنچ گیا، پھر اس نے مجھے چھوڑا اور کہا کہ ﴿اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اِقْرَأْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ○ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ﴾۔

پھر رسول اللہ ﷺ یہ آیت لے کر واپس گھر تشریف لائے اور اس وقت آپ کے مونڈھے تھرتھرا رہے تھے۔ آپ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس پہنچ کر فرمایا کہ مجھے کمبل اڑھا دو! مجھے کمبل اڑھا دو! چنانچہ انہوں نے آپ کو چادر اڑھا دی۔ جب گھبراہٹ آپ سے دور ہوئی تو آپ نے خدیجہ رضی اللہ عنہا سے کہا اب کیا ہوگا مجھے تو اپنی جان کا ڈر ہو گیا ہے پھر آپ نے سارا واقعہ انہیں سنایا۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ہرگز ایسا نہیں ہوگا، آپ کو خوشخبری ہو، اللہ کی قسم! اللہ جل جلالہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا، اللہ کی قسم! آپ صلہ رحمی کرتے ہیں اور ہمیشہ سچ بولتے ہیں اور آپ کمزور و ناتواں کا بوجھ خود اٹھا لیتے ہیں، اور اپنی کمائی میں ناداروں کی شریک کرتے ہیں، آپ مہمان نوازی کرتے ہیں، حق کے راستے میں پیش آنے والی مصیبتوں پر لوگوں کی مدد کرتے ہیں، پھر حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس آئیں۔ ورقہ بن نوفل حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچا اور آپ کے والد کے بھائی تھے وہ زمانہ جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے اور عربی لکھ لیتے تھے جس طرح اللہ نے چاہا انہوں نے انجیل بھی عربی میں لکھی تھی۔ وہ بہت بوڑھے تھے اور نابینا ہو گئے تھے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے ان سے کہا چچا! اپنے بھتیجے کا حال تو سنئے۔ ورقہ نے کہا بیٹے! تم نے کیا دیکھا ہے؟ تو نبی کریم ﷺ نے ان کو تمام واقعات سنا دیئے، جو کچھ آپ نے دیکھا تھا۔ اس پر ورقہ نے کہا یہ تو وہی ناموس ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجے گئے تھے، کاش میں تمہاری نبوت کے زمانہ میں جوان ہوتا، کاش کہ میں اس وقت تک زندہ رہتا۔

اس کے بعد ورقہ نے کچھ اور کہا یعنی جب آپ کی قوم آپ کو مکہ سے نکالے گی، رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ کیا واقعی یہ لوگ مجھے مکہ سے نکال دیں گے؟ ورقہ نے کہا ہاں، جو شخص بھی اس قسم کی دعوت لے کر آیا جیسے آپ لائے ہیں تو لوگوں نے اس کے ساتھ دشمنی کا برتاؤ کیا اور اگر میں ان دنوں تک زندہ رہا تو میں ضرور بھرپور طریقہ سے آپ کی مدد کروں گا، پھر تھوڑے ہی دن بعد ورقہ کا انتقال ہوگیا اور وحی بھی موقوف ہوگئی، رسول اللہ ﷺ نے وحی کے بند ہو جانے کی وجہ سے غمگین رہنے لگے۔ [۳]

۴۹۵۴ - قال محمد بن شهاب: فأخبرني أبو سلمة بن عبدالرحمٰن أن جابر بن عبدالله الأنصاري رضي الله عنهما قال: قال رسول الله ﷺ وهو يحدث عن فترة الوحي، قال في حديثه: ((بينا أنا أمشي سمعت صوتا من السماء فرفعت بصري فإذا الملك الذي جاء ني بحراء جالس على كرسي بين السماء والأرض، ففرقت منه فرجعت فقلت: زملوني زملوني))، فدثروه، فأنزل الله تعالى ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾ قال أبو سلمة: وهي الأوثان التي كان أهل الجاهلية يعبدون. قال: ثم تتابع الوحي. [راجع: ۳]

ترجمہ: محمد بن شہاب نے بیان کیا، انہیں ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ وحی کے کچھ دنوں کے لئے رک جانے کا ذکر فرما رہے تھے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں چل رہا تھا کہ میں نے اچانک آسمان کی طرف سے ایک آواز سنی۔ میں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو وہی فرشتہ جو میرے پاس غار حرا میں آیا تھا، آسمان اور زمین کے درمیان کرسی پر بیٹھا ہوا نظر آیا۔ میں اس سے بہت ڈرا اور گھر واپس آکر میں نے کہا کہ مجھے کمبل اڑھا دو، کمبل اڑھا دو، چنانچہ مجھے کمبل اڑھا دیا گیا، پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی ﴿يَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ قُمْ فَأَنذِرْ ○ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ○ وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ○ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ﴾۔ ابو سلمہ نے کہا کہ "الرجز" جاہلیت کے بت تھے جن کی وہ پرستش کیا کرتے تھے۔ راوی نے بیان کیا کہ پھر وحی برابر آنے لگی۔

[۳] تخریج کیلئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری شرح صحیح البخاری، ج: ۱، ص: ۲۰۳، کتاب بدء الوحی، رقم: الحدیث: ۳.

(۲) بابُ قوله: ﴿خَلَقَ الإِنسانَ مِنْ عَلَقٍ﴾ [۲]

اس ارشاد کا بیان: ''اُس نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا۔''

انسان کی تخلیق کا ذکر کرنے کی وجہ

اس آیت میں اشرف المخلوقات انسان کی تخلیق کا ذکر فرمایا کہ غور سے دیکھو تو پوری کائنات ومخلوقات کا خلاصہ انسان ہے، جہاں جو کچھ ہے اُس کی نظائر انسان کے وجود میں موجود ہیں اسی لئے انسان کو عالم اصغر کہا جاتا ہے اور انسان کی تخصیص بالذکر کی ایک یہ وجہ بھی ہے کہ نبوت ورسالت اور قرآن کے نازل کرنے کے مقصد احکامِ الٰہیہ کی تنفیذ وتعمیل ہے وہ انسان ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

"علق" کے معنی منجمد خون کے ہیں۔ انسان کی تخلیق میں مختلف دور گزرتے ہیں اُسکی ابتداء مٹی اور عناصر سے ہے، پھر نطفہ سے اُسکے بعد "علقہ" یعنی منجمد خون بنتا ہے پھر مُضغہ گوشت پھر ہڈیاں وغیرہ پیدا کی جاتی ہیں۔ "علقہ" ان تمام ادوارِ تخلیق میں ایک درمیانہ حالت ہے اس کو اختیار کر کے اسکے اوّل وآخر کی طرف اشارہ ہوگیا۔

۴۹۵۵ ـ حدثنا ابن بكير: حدثنا الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب، عن عروة: أن عائشة ﷺ قالت: أول ما بدئ به رسول الله ﷺ الرؤيا الصالحة، فجاءه الملك، فقال: ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الأَكْرَمُ﴾ [۱-۳]. [راجع: ۳]

ترجمہ: ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ انہیں عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ شروع میں رسول اللہ ﷺ کو نیک خواب دکھائے جانے لگے، پھر فرشتہ آپ کے پاس آیا اور کہا ﴿اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ٥ خَلَقَ الإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ٥ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الأَكْرَمُ٥﴾۔

(۳) بابُ قوله: ﴿اقْرَأْ وَرَبُّكَ الأَكْرَمُ﴾ [۳]

اس ارشاد کا بیان: ''پڑھو، اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کرم والا ہے۔''

''اقراء'' کو مکرر لانے کا مقصد

یہاں لفظ ''اقراء'' کو مکرر لایا گیا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ سورت کا ابتداء میں تو خود آپ ﷺ کے پڑھنے

کیلئے فرمایا تھا، یہ دوسرا تبلیغ و دعوت اور لوگوں کو پڑھانے کے لئے فرمایا اور اگر محض تاکید کے لئے تکرار ہو تو وہ بھی کچھ بعید نہیں۔

اور صفت ''اکـــرم'' میں اس طرف اشارہ ہے کہ تخلیق عالم اور تخلیق انسان میں اللہ تعالیٰ کی اپنی کوئی غرض اور نفع نہیں بلکہ یہ سب بتقاضائے جود و کرم ہے کہ بے مانگے کائنات کو وجود کی نعمتِ عظمیٰ عطاء فرمائی ہے۔

۴۹۵۶ - حدثنا عبداللہ بن محمد: حدثنا عبدالرزاق: أخبرنا معمر، عن الزهري ح. وقال الليث: حدثني عقيل قال: قال محمد: أخبرني عروة، عن عائشة ﷺ: أول ما بدئ به رسول الله ﷺ الرؤيا الصادقة، جاء ه الملک فقال: ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ﴾ [۱-۴]. [راجع: ۳]

ترجمہ: ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ انہیں عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ شروع میں رسول اللہ ﷺ کو سچے خواب دکھائے جانے لگے، پھر فرشتہ آپ کے پاس آیا اور کہا ﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ ٥ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ٥ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ٥ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ٥﴾۔

باب: ﴿الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ﴾ [۴]

باب: ''جس نے قلم سے تعلیم دی۔''

علم کی اہمیت اور مقام

تخلیق انسانی کے بعد اُس کی تعلیم کا بیان ہے، کیونکہ تعلیم ہی وہ چیز ہے جو انسان کو دوسرے تمام حیوانات سے ممتاز اور تمام مخلوقات سے اشرف و اعلیٰ بناتی ہے۔

پھر تعلیم کی عام صورتیں دو ہیں: ایک زبانی تعلیم، دوسری بذریعہ قلم تحریر و خط سے۔

ابتدائے سورت میں لفظ ''اقراء'' میں اگرچہ زبانی تعلیم ہی کی ابتداء ہے مگر اس آیت میں جہاں تعلیم دینے کا بیان آیا ہے اس میں قلمی تعلیم کو مقدم کر کے بیان فرمایا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ تعلیم کا سب سے پہلا اور اہم ذریعہ قلم اور کتابت ہی ہے۔

۴۹۵۷ - حدثنا عبداللہ بن یوسف: حدثنا الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب قال: سمعت عروة: قالت عائشة رضي الله عنها: فرجع النبي ﷺ إلى خديجة فقال: ((زملوني زملوني))، فذكر الحديث. [راجع: ۳]

ترجمہ: ابن شہاب بیان کرتے ہیں کہ میں نے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے سنا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ پھر نبی کریم ﷺ کو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس واپس لوٹے اور ان سے کہا مجھے کمبل اڑھادو، مجھے کمبل اڑھادو۔ پھر بقیہ حدیث بیان کی۔

(۴) بابُ قوله تعالى: ﴿كَلَّا لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ﴾ [۱۵-۱۶]

اس ارشادِ باری تعالیٰ کا بیان: ''خبردار! اگر وہ باز نہ آیا، تو ہم (اُسے) پیشانی کے بال سے پکڑ کر گھسیٹیں گے، اُس پیشانی کے بال جو جھوٹی ہے، گنہگار ہے۔''

۴۹۵۸ - حدثنا يحيى: حدثنا عبدالرزاق، عن معمر، عن عبدالكريم الجزري، عن عكرمة: قال ابن عباس: قال أبو جهل: لئن رأيت محمداً يصلي عند الكعبة لأطأن على عنقه، فبلغ النبي ﷺ فقال: ((لو فعله لأخذته الملائكة)).

تابعه عمرو بن خالد، عن عبيدالله، عن عبد الكريم. [۲]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ ابوجہل نے کہا تھا کہ اگر میں نے محمد کو کعبہ کے پاس نماز پڑھتے دیکھ لیا تو اس کی گردن کچل دوں گا۔ جب یہ بات نبی کریم ﷺ کو پہنچی، تو آپ نے فرمایا کہ اگر اس نے ایسا کیا ہوتا تو فرشتے اس کو پکڑ لیتے۔

اس کو عمرو بن خالد نے عبید اللہ سے اور انہوں نے عبدالکریم کی متابعت کی ہے۔

---

[۲] وفي سنن الترمذي، أبواب تفسير القرآن، باب ومن سورة اقرأ باسم ربك، رقم: ۳۳۴۸، ۳۳۴۹، ومسند أحمد، ومن مسند بني هاشم، مسند عبدالله بن العباس بن عبدالمطلب عن النبي ﷺ، رقم: ۲۲۲۵، ۲۳۲۱، ۳۰۴۴، ۳۳۸۳

(۹۷) سورة إنّا أنزلناه

سورۂ قدر کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورت کا شانِ نزول

رسول اللہ ﷺ نے بنی اسرائیل کے ایک مجاہد کا حال ذکر کیا جو ایک ہزار مہینے تک مسلسل مشغولِ جہاد رہا، کبھی ہتھیار نہیں اُتارے۔ مسلمانوں کو یہ سن کر تعجب ہوا، اس پر سورۂ قدر نازل ہوئی، جس میں اس اُمت کے لئے صرف ایک رات کی عبادت کو اُس مجاہد کی عمر بھر کی عبادت یعنی ایک ہزار مہینے سے بہتر قرار دیا۔

سورۂ قدر نازل فرما کر اللہ تعالیٰ نے اس امت کی فضیلت سب پر ثابت فرمادی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر اُمت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے۔[۱]

لیلۃ القدر کے معنی

"قــدر" کے ایک معنی عظمت وشرف کے ہیں۔ امام زہری رحمہ اللہ وغیرہ نے اس جگہ یہی معنی لئے ہیں اور اس رات کو لیلۃ القدر کہنے کی وجہ اس رات کی عظمت وشرف ہے۔ ابوبکر ورّاق رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس رات کو لیلۃ القدر اس وجہ سے کہا گیا ہے کہ جس آدمی کی اس سے پہلے اپنی بے عملی کے سبب کوئی قدر و قیمت نہیں تھی اس رات توبہ و استغفار اور عبادات کے ذریعہ وہ صاحب قدر و شرف بن جاتا ہے۔

"قــدر" کے دوسرے معنی تقدیر وحکم کے بھی آتے ہیں، اس معنی کے اعتبار سے لیلۃ القدر کہنے کی وجہ یہ ہوگی کہ اس رات میں تمام مخلوقات کے لئے جو کچھ تقدیر ازلی میں لکھا ہے اس کو جو حصہ اس سال میں رمضان سے اگلے رمضان تک پیش آنے والا ہے، وہ فرشتوں کے حوالے کر دیا جاتا ہے جو کائنات کی تدبیر اور تنفیذ اُمور کے لئے مامور ہیں، اس میں ہر انسان کی عمر، موت، رزق اور بارش وغیرہ کی مقدار فرشتوں کو لکھوا دی جاتی ہیں

---

[۱] تفسیر المظهری، ج: ۱۰، ص: ۳۱۰، تفسیر الکبیر، ج: ۳۲، ص: ۲۲۹، تفسیر القرطبی، ج: ۲۰، ص: ۱۳۰

یہاں تک کہ جس شخص کو اس سال میں حج نصیب ہوگا وہ بھی لکھ دیا جاتا ہے اور یہ فرشتے جن کو یہ اُمور سپرد کئے جاتے ہیں بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما چار ہیں: جبرائیل، میکائیل، اسرافیل وعزرائیل علیہم السلام۔ [۲]

يقال: المَطْلَعُ، هو الطلوع، والمَطْلِعُ: الموضع الذى يطلع منه.

﴿أنزَلْناهُ﴾: الهاءُ كناية عن القرآن. ﴿إِنَّا أنزَلْناهُ﴾ خرج مخرج الجميع، والمنزل هو الله تعالىٰ والعرب تؤكد فعل الرجل الواحد فتجعله بلفظ الجميع ليكون أثبت وأوكد.

ترجمہ: "المَطْلَعُ" بمعنی طلوع ہے، یہی جمہور کی قرأت ہے، اور "المَطْلِعُ" بمعنی وہ جگہ جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے۔

﴿أنزَلْناهُ﴾ میں "ھا" ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے اگرچہ قرآن کا لفظ، لفظاً مذکور نہیں ہے، مگر حکماً مذکور ہے، کیونکہ قرآن آنحضرت ﷺ کے ذہن میں ہر وقت اور ہمیشہ موجود ہے۔

﴿إِنَّا أنزَلْناهُ﴾ جمع کا صیغہ لائے ہیں، اور منزل یعنی نازل کرنے والے تو ایک واحد اللہ ہیں۔ یہ اس لئے ہے کہ اہل عرب واحد کو فعل تاکید کی غرض سے بیان کرنے کے واسطے جمع کے ساتھ ذکر کر دیتے ہیں۔

اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ پورا قرآن لوح محفوظ سے اس رات میں اتارا گیا، پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام اسے تھوڑا تھوڑا کر کے تیئیس (۲۳) سال تک آنحضرت ﷺ پر نازل کرتے رہے۔

دوسرا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ پر قرآن کریم کا نزول سب سے پہلے شب قدر میں شروع ہوا۔ شب قدر رمضان کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں سے کسی رات میں ہوتی ہے، یعنی اکیسویں، تیئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں یا انتیسویں رات میں۔ [۳]

---

[۲] تفسیر القرطبی، ج: ۲۰، ص: ۱۳۰

[۳] عمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۴۷۵

(۹۸) سورة لم يكن

سورۂ بینۃ کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

مقصدِ بعثت

رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے دنیا میں کفر وشرک اور جہالت کے انتہائی عمومی اور غلبہ کو ذکر کر کے فرمایا گیا ہے کہ کفر وشرک کی ایسی عالمگیر ظلمت کو دور کرنے کیلئے رب العالمین کی حکمت ورحمت کا تقاضا یہ ہوا کہ جیسے اُن کا مرض شدید اور وباء عالمگیر ہے اُس کے علاج کیلئے بھی کوئی سب سے بڑا ماہر حاذق معالج بھیجنا چاہئے اس کے بغیر وہ اس مرض سے نجات نہ پاسکیں گے۔

اس حاذق و ماہر حکیم کی صفت بیان کی کہ اسکا وجود ایک ''بینہ'' یعنی حجتِ واضحہ، شرک وکفر کے ابطال کیلئے آگے فرمایا کہ مراد اس معالج سے اللہ کا وہ رسول اعظم ہے جو قرآن کی حجتِ واضحہ لیکر اُن کے پاس آئے۔

اس سورت سے بعثت نبوی سے پہلے زمانے کے فسادِ عظیم اور ہر طرف جہالت وظلمت ہونا بھی معلوم ہوا اور رسول اللہ ﷺ کی عظمتِ شان کا بھی بیان ہوا۔

چنانچہ جن لوگوں نے آنحضرت ﷺ کی باتوں پر کھلے دل سے غور کیا، وہ واقعی اپنے کفر سے توبہ کر کے ایمان لے آئے۔ البتہ جن کی طبیعت میں ضد تھی، وہ اس نعمت سے محروم رہے۔

﴿مُنفَكِّينَ﴾: زائلين.

﴿قَيِّمَةٌ﴾: القائمة.

﴿دِينُ الْقَيِّمَةِ﴾. اضاف الدين الى المؤنث.

ترجمہ: ''مُنفَكِّينَ'' بمعنی ''زائلين'' یعنی جدا ہونے والے، باز رہنے والے۔

''قَيِّمَةٌ'' بمعنی ''قائمة'' یعنی ٹھیک اور درست۔

﴿دِينُ الْقَيِّمَةِ﴾ اس آیت میں دین کی اضافت مؤنث یعنی ''قيمة'' کی طرف کی گئی ہے، حالانکہ دین مذکر ہے۔

علامہ عینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''قَيِّمَةٌ'' کا موصوف ملت ہے جو محذوف ہے، اس صورت میں آیت کا

ترجمہ ہوگا، یہ طریقہ ملت مستقیمہ کا یعنی ملت اسلامیہ کا۔[1]

۴۹۵۹ ۔ حدثنا محمد بن بشار: حدثنا غندر: حدثنا شعبة قال: سمعت قتادة، عن انس بن مالک ﷺ: قال النبی ﷺ لأبی: ((إن الله أمرنی أن أقرأ علیک ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾)) قال: وسمانی؟ قال: ((نعم))، فبکی. [راجع: ۳۸۰۹]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے ابی بن کعب ﷺ سے فرمایا کہ اللہ ﷻ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں سورۂ ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ پڑھ کر سناؤں۔ انہوں نے عرض کیا کہ کیا اللہ ﷻ نے میرا نام بھی لیا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! اس پر وہ رونے لگے۔

حضرت ابی بن کعب ﷺ کی فضیلت

حضرت ابی بن کعب ﷺ کی فضیلت ہے کہ

ہر گلے را رنگ بوئے دیگر است

اللہ ﷻ نے باقاعدہ نام لے کر فرمایا کہ ان کے سامنے پڑھیں۔

(۲) باب:

یہ باب بلا عنوان ہے۔

۴۹۶۰ ۔ حدثنا حسان بن حسان: حدثنا همام، عن قتادة، عن أنس ﷺ قال: قال النبی ﷺ لأبی: ((إن الله أمرنی أن أقرأ علیک القرآن))، قال أبی: آلله سمانی لک؟ قال: ((آلله سماک))، فجعل أبی یبکی. قال قتادة: فأنبئت أنه قرأ علیه ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ﴾. [راجع: ۳۸۰۹]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ نے بیان کیا کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابی بن کعب ﷺ سے فرمایا کہ اللہ ﷻ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں قرآن پڑھ کر سناؤں۔ ابی بن کعب ﷺ نے عرض کیا کہ کیا اللہ ﷻ نے آپ سے میرا نام بھی لیا تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! اللہ ﷻ نے تمہارا نام لیا تھا۔

---

[1] عمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۴۷۶

تو حضرت ابی بن کعب ﷛ اس پر رونے لگ گئے ۔ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھے خبر دی گئی ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں ﴿لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ﴾ پڑھ کر سنائی۔

(٣) باب:

یہ باب بلا عنوان ہے۔

٤٩٦١ ـ حدثنا أحمد بن أبي داود أبو جعفر المنادي: حدثنا روح: حدثنا سعيد ابن أبي عروبة، عن قتادة، عن أنس بن مالك: أن نبي الله ﷺ قال لأبي بن كعب: ((إن الله أمرني أن أقرئك القرآن))، قال: آلله سماني لك؟ قال: ((نعم))، قال: وقد ذكرت عند رب العالمين؟ قال: ((نعم))، فذرفت عيناه. [راجع: ٣٨٠٩]

ترجمہ: قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان سے حضرت انس بن مالک ﷛ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ابی بن کعب ﷛ سے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ تمہیں قرآن پڑھ کر سناؤں۔ انہوں نے پوچھا کیا اللہ ﷻ نے آپ سے میرا نام بھی لیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں۔ حضرت ابی بن کعب ﷛ بولے رب العالمین کے ہاں میرا ذکر ہوا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ہاں! اس پر ان کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔

(۹۹) سورة إذا زلزلت

سورت الزلزلہ کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(۱) بابُ قوله: ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَهُ﴾ [۷]

اس ارشاد کا بیان: ''چنانچہ جس نے ذرّہ برابر کوئی اچھائی کی ہوگی، وہ اُسے دیکھے گا۔''

خیر اور شر کا مصداق

ترجمۃ الباب میں موجود آیت میں " خیر " سے مراد، وہ خیر ہے جو شرعاً معتبر ہے یعنی جو ایمان کے ساتھ ہو بغیر ایمان کے اللہ کے نزدیک کوئی نیک عمل نیک نہیں یعنی آخرت میں ایسے نیک عمل کا جو حالتِ کفر میں کئے ہیں ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، گو دُنیا میں اُس کو اس کا بدلہ دے دیا جائے گا۔

اسی لئے اس آیت سے اس پر استدلال کیا گیا ہے کہ جس شخص کے دل میں ایک ذرہ برابر ایمان ہوگا وہ بالآخر جہنم سے نکال لیا جائے گا۔ کیونکہ اس آیت کے وعدہ کے مطابق اس کو اپنی نیکی کا پھل بھی آخرت میں ملنا ضروری ہے اور کوئی بھی نیکی نہ ہو تو خود ایمان بہت بڑی نیکی ہے۔

اس لئے کوئی مؤمن کتنا ہی بڑا گناہگار کیوں نہ ہو ہمیشہ جہنم میں نہ رہے گا، اپنے گناہوں کی سزا پالینے کے بعد جہنم سے ضرور نکالا جائے گا۔

البتہ کافر نے اگر دنیا میں کچھ نیک عمل بھی کئے تو شرطِ عمل یعنی ایمان کے نہ ہونے کی وجہ سے کالعدم ہیں، اس لئے آخرت میں اُس کی کوئی خیر، خیر ہی نہیں۔

اس آیت سے اگلی آیت ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَرَهُ﴾ میں ''شر'' سے مراد وہ شر برائی ہے جس سے اپنی زندگی میں توبہ نہ کرلی ہو۔ کیونکہ سچی توبہ سے گناہ ایسے معاف ہوجاتے ہیں جیسے کبھی وہ کئے ہی نہیں، قرآن وسنت سے یقینی طور پر ثابت ہے۔

جیسا کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ ''التائب من الذنب، كمن لاذنب له'' یعنی گناہ سے

(سچی) توبہ کرنے والا شخص ایسا ہے کہ جیسے اس نے کبھی گناہ کیا ہی نہ ہو۔ [۱]

ہاں یہ بات یاد رہے کہ سچی توبہ میں یہ بات بھی داخل ہے کہ جس گناہ کی تلافی ممکن ہو، اس کی تلافی بھی کی جائے مثلاً کسی کا حق ہے تو اسے دیا جائے، یا اس سے معاف کرالیا جائے، فرائض چھوٹے ہیں تو اس کی قضاء کر لی جائے۔

البتہ جس گناہ سے توبہ نہ کی ہو وہ چھوٹا ہو یا بڑا آخرت میں اس کا نتیجہ ضرور سامنے آئے گا۔ [۲]

یقال: ﴿أوحی لها﴾، أوحی الیها، ووحی لها، ووحی الیها واحد.

ترجمہ: کہتے ہیں کہ "**أوحی لها**" اسی طرح" **أوحی الیها، ووحی لها، ووحی الیها**" سب کے معنی ایک ہی ہے یعنی اشارہ کرنا، وحی بھیجنا۔

۴۹۶۲ ـ حدثنا اسماعیل بن عبدالله: حدثنا مالک، عن زید بن أسلم، عن أبی صالح السمان، عن أبی هریرة ﷺ: أن رسول الله ﷺ قال: ((الخیل لثلاثة: لرجل أجرٌ، ولرجل سترٌ، وعلی رجل وزرٌ. فاما الذی له أجر فرجل ربطها فی سبیل الله فاطال لها فی مرج أو روضة فما أصابت فی طیلها ذلک فی المرج والروضة کان له حسنات، ولو انها قطعت طیلها فاستنت شرفا أو شرفین کانت آثارها وأرواثها حسنات له، ولو انها مرت بنهر فشربت منه ولم یرد أن یسقی به کان ذلک حسنات له، فهی لذالک الرجل أجرٌ. ورجل ربطها تغنیا وتعففا ولم ینس حق الله فی رقابها ولا ظهورها فهی له سترٌ. ورجل ربطها فخرا ورباءً ونواء فهی علی ذلک وِزْرٌ)). فسئل رسول الله ﷺ عن الحمر، قال: ((ماانزل الله علی فیها الا هذه الآیة الفاذة الجامعة ﴿فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْراً یَّرَهٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ﴾)). [راجع: ۲۳۷۱]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ گھوڑا تین طرح کے لوگ پالتے ہیں ایک شخص کے لئے وہ اجر ہوتا ہے، دوسرے کے لئے وہ معافی ہے، تیسرے کے لئے عذاب ہے۔ پہلا شخص جس کے لئے وہ اجر و ثواب ہے وہ شخص ہے جو اسے اللہ کے راستہ میں جہاد کی نیت سے پالتا ہے۔ چراگاہ یا باغ میں اس کی رسی کو دراز کر دیتا ہے چنانچہ وہ گھوڑا چراگاہ یا باغ میں اپنی رسی کی لمبائی میں کھائے پیئے اس کے لئے نیکیاں لکھی جائیں گی اور وہ گھوڑا چراگاہ یا باغ میں اپنی رسی تڑالے اور ایک دو کوڑے (پھینکنے کی دوری) تک

---

[۱] سنن ابن ماجه، کتاب الزهد، باب ذکر التوبة، رقم: ۴۲۵۰

[۲] تفسیر الکبیر، ج:۳۲، ص:۲۵۷، ومعارف القرآن، ج: ۸، ص: ۷۰۱، ۷۰۲

اپنی حد سے آگے بڑھ گیا تو اس کے نشانات قدم اور اس کی لید بھی مالک کے لئے ثواب بن جاتی ہے اور اگر کسی نہر سے گزرتے ہوئے اس میں سے مالک کا ارادہ کے بغیر خود ہی اس نے پانی پی لیا تو یہ بھی مالک کیلئے باعث ثواب بن جاتا ہے۔ دوسرا شخص جس کے لئے اس کا گھوڑا پردہ بنتا ہے۔ یہ وہ شخص ہے جس نے لوگوں سے بے پرواہ رہنے اور لوگوں (کے سامنے سوال کرنے سے) بچنے کیلئے اسے پالا اور اس گھوڑے کی گردن پر جو اللہ ﷻ کا حق ہے اور اس کی پیٹھ کو جو حق ہے اسے بھی وہ ادا کرتا رہتا ہے، تو گھوڑا اس کے لئے باعث معافی کا ذریعہ بن جاتا ہے اور تیسرا شخص جو گھوڑا اپنے دروازے پر فخر اور دکھاوے اور اسلام دشمنی کی غرض سے باندھتا ہے، وہ اس کیلئے وبال ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے گدھوں کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق مجھ پر کوئی خاص آیت کے سوائے اس اکیلی عام اور جامع آیت کے نازل نہیں کی ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَهُ وَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَرَهُ﴾۔

(۱۰۰) سورة والعادیات

سورت العادیات کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورت میں گھوڑوں کا ذکر اور اس کا پس منظر

اس سورت میں حق تعالیٰ شانہ نے جنگی گھوڑوں کے کچھ خاص حالات وصفات کا ذکر فرمایا ہے اور ان کی قسم کھا کر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ انسان اپنے رب کا بڑا ناشکر ہے۔

یہ بات تو قرآن میں بار بار معلوم ہو چکی ہے کہ حق تعالیٰ اپنی مخلوقات میں سے مختلف چیزوں کی قسم کھا کر خاص واقعات اور احکام بیان فرماتے ہیں، یہ حق تعالیٰ کی خصوصیت ہے، انسان کے لئے کسی مخلوق کی قسم کھانا جائز نہیں ہے اور قسم کھانے کا مقصد عام قسموں کی طرح اپنی بات کو محقق اور یقینی بتلانا ہے۔ یہ بات بھی پہلے آچکی ہے کہ قرآن کریم جس چیز کی قسم کھا کر کوئی مضمون بیان فرماتا ہے تو اس چیز کو اُس مضمون کے ثبوت میں دخل ہوتا ہے اور یہ چیز گویا اس مضمون کی شہادت دیتی ہے۔

یہاں اس سورت میں جنگی گھوڑوں کی سخت خدمات کا ذکر گویا اس بات کی شہادت میں لایا گیا ہے کہ انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔

اس کی تشریح یہ ہے کہ گھوڑوں کے اور خصوصاً جنگی گھوڑوں کے حالات پر نظر ڈالئے کہ وہ میدان جنگ میں اپنی جان کو خطرے میں ڈال کر کیسی کیسی سخت خدمات انسان کے حکم واشارہ کے تابع انجام دیتے ہیں حالانکہ انسان نے ان گھوڑوں کو پیدا نہیں کیا، ان کو جو گھاس، دانہ انسان دیتا ہے وہ بھی اس کا پیدا کیا ہوا نہیں۔

اس کا کام صرف اتنا ہے کہ خدا تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے رزق کو اُن تک پہنچانے کا ایک واسطہ بنتا ہے، اب گھوڑے کو دیکھئے کہ وہ انسان کے اتنے سے احسان کو کیسا پہچانتا اور مانتا ہے کہ اس کے ادنیٰ اشارہ پر اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے اور سخت سے سخت مشقت برداشت کرتا ہے۔

اس کے بالمقابل انسان کو دیکھو جس کو ایک حقیر قطرہ سے پیدا کیا اور اس کو مختلف کاموں کی قوت بخشی، عقل وشعور دیا، اُن کے کھانے پینے کی ہر چیز پیدا فرمائی اور اس کی تمام ضروریات کو کس قدر آسان کر کے اس تک

پہنچا دیا کہ عقل حیران رہ جاتی ہے مگر وہ ان تمام اکمل واعلیٰ احسانات کا بھی شکر گزار نہیں ہوتا۔ [1]

وقال مجاهد الكنود: الكفور، يقال: ﴿فَأَثَرْنَ بِهِ نَقْعًا﴾: رفعن به غبارا. ﴿لِحُبِّ الْخَيْرِ﴾: من أجل حب الخير، ﴿لَشَدِيدٌ﴾: لبخيل، ويقال للبخيل: شديد. ﴿حُصِّلَ﴾: مُيِّز.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "**الكنود**" بمعنی "**الكفور**" یعنی ناشکرا مرد یا عورت۔

﴿فَأَثَرْنَ بِهِ نَقْعًا﴾ کے معنی ہیں صبح کے وقت وہ گرد وغبار بلند کرتے ہیں، اٹھاتے ہیں۔

"**لِحُبِّ الْخَيْرِ**" یعنی مال کی محبت کی وجہ سے۔ "**لَشَدِيدٌ**" بمعنی بخیل اور بخیل کو شدید بھی کہا جاتا ہے۔

"**حُصِّلَ**" کے معنی ہیں جدا کیا جائے۔

---

[1] معارف القرآن، ج:۸، ص:۸۰۳

(۱۰۱) سورة القارعة

سورت القارعہ کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اس سورت میں اعمال کے وزن ہونے اور اُن کے ہلکے بھاری ہونے پر دوزخ یا جنت ملنے کا ذکر ہے۔

﴿كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ﴾: كغوغاء الجراد يركب بعضه بعضا، كذلك الناس يجول بعضهم في بعض. ﴿كَالْعِهْنِ﴾: كألوان العهن، وقرأ عبدالله: (كالصُّوفِ).

ترجمہ: ﴿كَالْفَرَاشِ الْمَبْثُوثِ﴾ کے معنی ہیں پریشان ٹڈیوں کی طرح جیسے وہ ایسی حالت میں ایک دوسرے پر چڑھ جاتی ہے، یہی حال قیامت کے دن انسانوں کا ہوگا کہ ایک دوسرے میں چکر لگائیں گے، کوئی ادھر جائے گا اور کوئی اُدھر، ایک رخ نہیں ہوگا۔

"كَالْعِهْنِ" یعنی اون کی طرح رنگ برنگ، حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ اس کو یوں پڑھتے ہیں پڑھا "كالصُّوفِ" یعنی دھنی ہوئی اون کی طرح اڑتے پھریں گے۔

(۱۰۲) سورة ألهاكم

سورت التکاثر کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

وقال ابن عباس: التكاثُرُ من الأموال والأولاد.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "**التكاثر**" کے معنی ہیں مال و دولت کا بہت ہونا، کثرت سے جمع کرنا۔

(۱۰۳) سورة والعصر

سورۂ عصر کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وقال یحییٰ: العصر: الدھر، اقسم بہ.

ترجمہ: حضرت یحییٰ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "**العصر**" بمعنی "**الدھر**" یعنی زمانہ، اللہ ﷻ نے اس کی یعنی زمانہ کی قسم کھائی ہے۔

خسارے اور نجات کا سبب

زمانے کی تاریخ اس بات کی گواہ ہے کہ جو لوگ ایمان اور نیک عمل سے محروم ہوتے ہیں، وہ بڑے گھاٹے میں ہیں، اس لئے کہ ایسی بہت سی قوموں کو دنیا ہی میں آسمانی عذاب کا سامنا کرنا پڑا، اور ہر زمانہ میں اللہ ﷻ کی نازل کی ہوئی کتابیں اور اللہ ﷻ کے بھیجے ہوئے پیغمبر خبردار کرتے رہے ہیں کہ اگر ایمان اور نیک عمل کی روش اختیار نہ کی گئی تو آخرت میں بڑا سخت عذاب کا منتظر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ خود نیک بن جانا ہی نجات کے لئے کافی نہیں ہے، بلکہ اپنے اپنے اثر و رسوخ کے دائرے میں دوسروں کو حق بات اور صبر کی تلقین کرنا بھی ضروری ہے اور جیسا کہ پہلے بھی کئی جگہوں پر گذرا ہے۔

صبر۔ قرآن کریم کی ایک اصطلاح ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان کی دلی خواہشات اسے کسی فریضے کی ادائیگی سے روک رہی ہوں یا کسی گناہ پر آمادہ کر رہی ہوں، اس وقت ان خواہشات کو کچلا جائے اور جب کوئی ناگوار بات سامنے آئے تو اللہ ﷻ کے فیصلے پر اعتراض سے اپنے آپ کو روکا جائے، ہاں تقدیر کا شکوہ کئے بغیر اس ناگوار چیز کے تدارک کی جائز تدبیر کرنا صبر کے خلاف نہیں ہے۔

(۱۰۴) سورة ویل لکل همزة

سورت الہمزہ کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تین گناہوں پر سخت وعید وعذاب

اس سورت میں تین سخت گناہوں پر عذابِ شدید کی وعید اور پھر اُس عذاب کی شدت کا بیان ہے۔

وہ تین گناہ یہ ہیں: "هُمَزَ" - "لُمَزَ"، جمع مال۔

"هُمَزَ" - "لُمَزَ" چند معانی کے لئے استعمال ہوتے ہیں اور اکثر مفسرین نے جسکو اختیار کیا ہے وہ یہ ہے کہ **"هُمَزَ"** کے معنی غیبت یعنی کسی کے پیٹھ پیچھے اُسکے عیوب کا تذکرہ کرنا ہے۔ اور **"لُمَزَ"** کے معنی آمنے سامنے کسی کو طعنہ دینے اور بُرا کہنے کے ہیں۔ یہ دونوں ہی چیزیں سخت گناہ ہیں۔

غیبت - کی وعیدیں قرآن وحدیث میں زیادہ ہیں جسکی وجہ یہ ہوسکتی ہے کہ اس گناہ کے اشتغال میں کوئی رکاوٹ سامنے نہیں ہوتی جو اس میں مشغول ہو تو بڑھتا چڑھتا ہی چلا جاتا ہے اسلئے گناہ بڑے سے بڑا اور زیادہ سے زیادہ ہوتا جاتا ہے بخلاف آمنے سامنے کہنے کہ وہاں دوسرا بھی مدافعت کیلئے تیار ہوتا ہے، اسلئے گناہ میں امتداد نہیں ہوتا، اسکے علاوہ کسی کے پیچھے اسکے عیوب کا تذکرہ اسلئے بھی بڑا ظلم ہے کہ اُسکو خبر بھی نہیں کہ مجھ پر کیا الزام لگایا جارہا ہے کہ اپنی صفائی پیش کرسکے۔ اور ایک حیثیت سے **"لمز"** زیادہ شدید ہے، کسی کے رُو برُو اس کو بُرا کہنا اس کی توہین وتذلیل بھی ہے، اور اس کی ایذا بھی اشد ہے، اسی اعتبار سے اس کا عذاب بھی اشد ہے۔

تیسری خصلت جس پر عذاب کی وعید آئی ہے وہ مال کی **حرص اور محبت** ہے، اُس کو آیت میں اس طرح تعبیر کیا ہے کہ حرص ومحبت مال کی وجہ سے اُس کو بار بار گنتا رہتا ہے۔ چونکہ دوسری آیات وروایات اس بات پر شاہد ہیں کہ مطلقاً مال کا جمع رکھنا کوئی حرام وگناہ نہیں اس لئے یہاں بھی مراد وہ جمع کرنا ہے جس میں حقوقِ واجبہ ادا نہ کئے گئے ہوں یا فخر وتفاخر مقصود ہو یا اسکی محبت میں منہمک ہوکر دین کی ضروریات سے غفلت ہو۔

﴿الحُطَمَةُ﴾: اسم النار، مثل سقر ولظى.

ترجمہ: **"الحُطَمَةُ"** دوزخ رآگ کا نام ہے، جیسے **"سقر ولظی"** بھی اسکے ناموں میں سے ہیں۔

(۱۰۵) سورۃ ألم تر

سورت الفیل کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اصحاب الفیل کا واقعہ

اس سورت میں اصحابِ فیل کے واقعہ کا مختصر بیان ہے کہ انہوں نے بیت اللہ کو مسمار کرنے کے قصد سے ہاتھیوں کی فوج لیکر مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی تھی، اللہ تعالیٰ نے معمولی پرندوں کے ذریعہ ان کی فوج کو عذابِ آسمانی نازل فرما کر نیست و نابود کر کے ان کے عزائم کو خاک میں ملا دیا۔

ابرہہ یمن کا حکمران تھا اور اس نے یمن میں ایک عالیشان کلیسا تعمیر کر کے یمن کے لوگوں میں یہ اعلان کرا دیا کہ آئندہ کوئی شخص حج کے لئے مکہ مکرمہ نہ جائے اور اسی کلیسا کو بیت اللہ سمجھے۔

عرب کے لوگ اگرچہ بت پرست تھے، لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعلیم و تبلیغ سے کعبے کی عظمت ان کے دلوں میں پیوست تھی، اس اعلان سے ان میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی اور ان میں سے کسی نے رات کے وقت اس کلیسا میں جا کر گندگی پھیلا دی اور بعض روایتوں میں ہے کہ اس کے کچھ حصے میں آگ بھی لگائی۔

ابرہہ کو جب یہ معلوم ہوا تو اس نے ایک بڑا لشکر تیار کر کے ہاتھیوں پر سوار ہو کر مکہ مکرمہ کا رخ کیا، راستے میں عرب کے کئی قبیلوں نے اس سے جنگ کی، لیکن ابرہہ کے لشکر کے ہاتھوں انہیں شکست ہوئی، آخر کار یہ لشکر مکہ مکرمہ کے قریب **"مغمس"** نامی ایک جگہ تک پہنچ گیا۔

لیکن جب اگلی صبح اس نے بیت اللہ کی طرف بڑھنا چاہا تو اس کے ہاتھی نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا اور اسی وقت سمندر کی طرف سے عجیب و غریب قسم کے پرندوں کا ایک غول آیا اور پورے لشکر پر چھا گیا، ہر پرندے کی چونچ میں تین تین کنکر تھے، جو انہوں نے لشکر کے لوگوں پر برسائے، ان کنکروں نے لشکر کے لوگوں پر وہ کام کیا جو بارودی گولیاں بھی نہیں کر سکتی، جس پر بھی یہ کنکری لگتی، اس کے پورے جسم کو چھیدتی ہوئی زمین میں گھس جاتی تھی، یہ عذاب دیکھ کر سارے ہاتھی بھاگ کھڑے ہوئے، لشکر کے سپاہیوں میں سے کچھ وہیں ہلاک ہو گئے اور کچھ جو بھاگ نکلے وہ راستے میں مرے اور ابرہہ کے جسم میں ایسا زہر سرایت کر گیا کہ اس کا ایک ایک جوڑ گل سڑ کر گرنے لگا، اسی حالت میں اسے یمن لایا گیا اور وہاں اس کا سارا بدن بہہ بہہ کر ختم ہو گیا، اور اس کی

موت سب سے زیادہ عبرتناک ہوئی۔ اس کے دو ہاتھی بان مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے جو اپاہج اور اندھے ہو گئے۔

یہ واقعہ حضور اقدس ﷺ کی ولادت باسعادت سے کچھ ہی پہلے پیش آیا تھا اور حضرت عائشہ اور ان کی بہن حضرت اسماء رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ان دو اندھے اپاہجوں کو دیکھا ہے، اس سورت میں واقعہ کا تذکرہ فرما کر آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ اللہ ﷻ کی قدرت بہت بڑی ہے، اس لئے جو لوگ آپ کی دشمنی پر کمر باندھے ہوئے ہیں آخر میں وہ بھی ''اصحاب الفیل'' کی طرح منہ کی کھائیں گے۔ [1]

وقال مجاهد: ﴿أَلَمْ تَرَ﴾ الم تعلم.

قال مجاهد: ﴿أَبَابِيلَ﴾: متتابعة، مجتمعة.

وقال ابن عباس: ﴿مِنْ سِجِّيلٍ﴾: هي سنك و كل.

ترجمہ وتشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "**أَلَمْ تَرَ**" بمعنی "**الم تعلم**" یعنی کیا تم نہیں جانتے ہو؟

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ "**أَبَابِيلَ**" کے معنی ہیں پے در پے آنے والے جھنڈ کے جھنڈ پرندے، مطلب یہ ہے کہ پرندوں کے غول، جھنڈ، کسی خاص جانور کا نام نہیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ **﴿مِنْ سِجِّيلٍ﴾** وہی فارسی کا سنگ وگل ہے۔

مطلب یہ ہے کہ "**سِجِّيلٍ**" سنگ وگل کا معرب کیا ہوا لفظ ہے۔ جس کے معنی ہیں ایسی کنکریں جو تر مٹی کو آگ میں پکانے سے بنتی ہے، اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ یہ کنکریاں بھی خود کوئی طاقت نہ رکھتی تھیں، معمولی گارے اور آگ سے بنی ہوئی تھی۔

---

[1] تفسیر القرطبی، ج: ۲۰، ص: ۱۹۶-۱۸۷

(۱۰۶) سورة لإيلاف قريش

سورۂ قریش کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

سورت کا پس منظر

اس سورت کا پس منظر یہ ہے کہ جاہلیت کے زمانے میں یعنی حضور اقدس ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے عرب میں قتل وغارت گری کا بازار گرم تھا، کوئی شخص آزادی اور امن کے ساتھ سفر نہیں کرسکتا تھا، کیونکہ راستے میں چور ڈاکو یا اس کے دشمن قبیلے کے لوگ اسے مارنے اور لوٹنے کے درپے رہتے تھے۔

لیکن قریش کا قبیلہ چونکہ بیت اللہ کے پاس رہتا تھا اور اسی قبیلے کے لوگ بیت اللہ کی خدمت کرتے تھے اس لئے سارے عرب کے لوگ ان کی عزت کرتے تھے، اور جب وہ سفر کرتے تو کوئی انہیں لوٹتا نہیں تھا، اس وجہ سے قریش کے لوگوں کا یہ معمول تھا کہ وہ اپنی تجارت کی خاطر سردیوں میں یمن کا سفر کرتے تھے اور گرمیوں میں ملک شام جایا کرتے تھے، اسی تجارت سے ان کا روزگار وابستہ تھا، اور اگرچہ مکہ مکرمہ میں نہ کھیت تھے نہ باغ، لیکن انہیں سفروں کی وجہ سے وہ خوشحال زندگی گذارتے تھے۔

اللہ ﷻ اس سورت میں انہیں یاد دلا رہے ہیں کہ ان کو سارے عرب میں جو عزت حاصل ہے اور جس کی وجہ سے وہ سردی گرمی میں آزادی سے تجارتی سفر کرتے ہیں، یہ سب کچھ اس بیت اللہ کی برکت ہے کہ اس کے پڑوسی ہونے کی وجہ سے ان کا احترام کرتے ہیں۔ لہٰذا ان کو چاہئے کہ اس گھر کے مالک یعنی اللہ ﷻ ہی عبادت کریں اور بتوں کو پوجنا چھوڑیں، کیونکہ اسی گھر کی وجہ سے انہیں کھانے کو مل رہا ہے اور اس کی وجہ سے انہیں امن وامان کی نعمت ملی ہوئی ہے۔

اس میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ جس کسی شخص کو کسی دینی خصوصیت کی وجہ سے دنیا میں کوئی نعمت میسر ہو، اسے دوسروں سے زیادہ اللہ ﷻ کی عبادت اور اطاعت کرنی چاہئے۔

وقال مجاهد: ﴿لإيلاف﴾: ألفوا ذلك فلا يشق عليهم في الشتاء والصيف. وآمنهم من كل عدوهم في حرمهم. قال ابن عيينة: ﴿لإيلاف﴾: لنعمتي على قريش.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ”**لإيلاف**“ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ قریش کے لوگ اس سفر

کے خوگر وعادی ہو گئے ہیں، اس لئے جاڑے اور گرمی میں ان پر سفر کرنا گراں نہیں گذرتا ہے۔

جبکہ حضرت ابن عیینہ رحمہ اللہ نے **"لِاِیْلٰفِ"** کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ قریش پر میرے احسان کی وجہ سے یعنی اس بیت اللہ کے رب کی عبادت کریں۔

(۱۰۶) سورة أرأيت

سورت الماعون کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

سورت میں بیان کردہ افعالِ قبیحہ اور جہنم کی وعید

اس سورت میں کفار و منافقین کے بعض احوال قبیحہ مذمومہ کا ذکر اور اُن پر جہنم کی وعید ہے۔ یہ افعال اگر کسی مؤمن سے سرزد ہوں جو تکذیب نہیں کرتا تو وہ بھی اگر چہ شرعاً مذموم اور سخت گناہ ہیں مگر وعید مذکور اُن پر نہیں ہے اسی لئے ان افعال و اعمال سے پہلے اُس شخص کا ذکر فرمایا جو دین اور قیامت کا منکر ہے اسکی تکذیب کرتا ہے۔

اس میں اشارہ اس طرف ضرور ہے کہ یہ اعمال جن کا ذکر آگے آرہا ہے مؤمن کی شان سے بعید ہیں وہ کوئی کافر ہی کرسکتا ہے۔ وہ اعمالِ قبیحہ جن کا اس سورت میں ذکر ہے، یہ ہیں:

۱- یتیم کے ساتھ بدسلوکی اور اس کی توہین۔

۲- مسکین محتاج کو باوجود قدرت کے کھانا نہ دینا اور دوسروں کو اس کی ترغیب نہ دینا۔

۳- نماز پڑھنے میں ریاکاری کرنا۔

۴- زکوٰۃ ادا نہ کرنا۔

یہ سب افعال اپنی ذات میں بھی بہت مذموم اور سخت گناہ ہیں اور جب کفر و تکذیب کے نتیجہ میں یہ افعال سرزد ہوں تو ان کا وبال دائمی جہنم ہے اور اس سورت میں انہی کا ذکر ہے۔

وقال مجاهد: ﴿يَدُعُّ﴾: يدفع عن حقه، يقال: هو من دععت. ﴿يُدَعُّونَ﴾ [الطور: ۱۳]: يدفعون. ﴿سَاهُونَ﴾: لاهون. و﴿الْمَاعُونَ﴾: المعروف كله. وقال بعض العرب: الماعون: الماء. وقال عكرمة: أعلاها الزكاة المفروضة، وأدناها عارية المتاع.

ترجمہ و تشریح

حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ "یدع" کے معنی ہیں دفع کرتا ہے، یعنی یتیم کو اس کا حق لینے نہیں

دیتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ **"دعت"** سے ماخوذ ہے جس کے معنی دھکیلنے کے ہیں۔

اسی سے **"يُدَعُّونَ"** بمعنی **"يدفعون"** ہے، جو سورہ طور میں ہے۔

"سَاهُونَ" بمعنی **"لاهون"** یعنی غافل، بے خبر۔

"ماعون" ہر اچھا کام۔ بعض عرب لوگ کہتے ہیں **"الماعون"** سے مراد پانی ہے۔

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ نے کہا کہ **"الماعون"** کی اعلیٰ قسم زکوٰۃ مفروضہ ہے اور ادنیٰ قسم کے گھریلو سامان کی عاریت ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ **"الماعون"** کے اصل معنی شیٔ قلیل کے ہیں، جو عموماً ایک دوسرے کو عاریۃً دی جاتی ہیں اور جن کا باہم لین دین انسانیت کا تقاضا سمجھا جاتا ہے، جیسے کلہاڑی، ڈول وغیرہ۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے **"ماعون"** کی تفسیر میں تین معنی ذکر کئے ہیں، آیت کریمہ میں **"ماعون"** سے مراد زکوٰۃ ہے، کیونکہ عذاب ویل کی وعید مذکور ہے جو ترک فرض پر ہی ہوسکتا ہے۔ [۱]

---

[۱] عمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۴۸۶

(۱۰۸) سورة إنا اعطیناک الکوثر

سورۂ کوثر کا بیان

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شانِ نزول

بیہقی نے دلائل نبوت میں حضرت محمد بن علی بن حسین رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے کہ جس شخص کی اولاد ذکور مرجائے، اُس کو عرب "اَبتَر" کہا کرتے تھے یعنی مقطوع النسل ۔جس وقت نبی کریم ﷺ کے صاحبزادے قاسم یا ابراہیم کا بچپن میں ہی انتقال ہوگیا تو کفارِ مکہ آپ ﷺ کو "اَبتَر" کہہ کر طعنہ دینے لگے۔ایسا کہنے والوں میں عاص بن وائل نام خاص طور پر ذکر کیا جاتا ہے اس کے سامنے جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر کیا جاتا تو کہتا تھا کہ ان کی بات چھوڑو، یہ کچھ فکر کرنے کی چیز نہیں کیونکہ وہ "اَبتَـر" یعنی مقطوع النسل ہیں، جب اُن کا انتقال ہو جائیگا ان کا کوئی نام لینے والا بھی نہیں رہے گا۔

اس پر سورۂ کوثر نازل ہوئی۔[۱]

وقال ابن عباس: ﴿شانِئَکَ﴾: عدوّک.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "شانِئَکَ" سے مراد آپ کا دشمن۔

(۱) باب:

یہ باب بلا عنوان ہے۔

۴۹۶۴۔ حدثنا آدم: حدثنا شیبان: حدثنا قتادة، عن أنس ﷺ قال: لما عرج

---

[۱] تفسیر البغوی، ج:۵، ص: ۳۱۲، وتفسیر ابن کثیر، ج:۸، ص: ۲۲۷، دلائل النبوة للبیهقی، باب ماجاء فی تزوج رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بخدیجة رضی اللہ عنها، ج: ۲، ص: ۶۹، وعمدة القاری، ج: ۱۹، ص: ۳۸۶

بالنبي ﷺ إلى السماء قال: ((أتيت على نهرٍ حافتاه قباب اللؤلؤ مجوف، فقلت: ما هذا ياجبريل؟ قال: هذا الكوثر)). [راجع: ۳۵۷۰]

ترجمہ: قتادہ نے بیان کیا، ان سے حضرت انس بن مالک ﷺ نے بیان کیا کہ معراج کے موقع پر جب نبی کریم ﷺ آسمان کی طرف گئے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں ایک نہر پر پہنچا جس کے دونوں کناروں پر خولدار موتیوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ میں نے پوچھا اے جبریل! یہ نہر کیسی ہے؟ انہوں نے بتایا کہ یہ حوض کوثر ہے۔

۴۹۶۵ ـ حدثنا خالد بن يزيد الكاهلي: حدثنا إسرائيل، عن أبي إسحاق، عن أبي عبيدة، عن عائشة رضي الله عنها قال: سألتها عن قوله تعالىٰ: ﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ﴾ قالت: هو نهر أعطيه نبيكم ﷺ، شاطئاه عليه درٌّ مجوف، آنيته كعدد النجوم. رواه زكريا وأبو الأحوص ومطرف، عن أبي اسحاق.

ترجمہ: حضرت ابوعبیدہ سے روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے بارے میں پوچھا ﴿إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ﴾ توانہوں نے فرمایا کہ یہ کوثر ایک نہر ہے جو تمہارے نبی کریم ﷺ کو دی گئی ہے، اس کے دو کنارے ہیں، جن پر کھوکھلے موتی کے خیمے ہیں، اس کے برتن ستاروں کی طرح ان گنت ہیں۔ زکریا اور ابوالاحوص اور مطرف اس کو ابواسحاق سے روایت کرتے ہیں۔

حوضِ کوثر

''کوثر'' کے لفظی معنی ہیں ''بہت زیادہ بھلائی''- اور کوثر جنت کے اس حوض، نہر کا نام بھی ہے جو حضور اقدس ﷺ کے تصرف میں دی جائے گی، جو آپ کی امت کے لوگ اس سے سیراب ہوں گے۔

حدیث میں ہے کہ اس حوض پر رکھے ہوئے برتن اتنے زیادہ ہوں گے جتنے آسمان کے ستارے، یہاں یہ لفظ اگر ''بہت زیادہ بھلائی'' کے معنی میں لیا جائے تو اس بھلائی میں ''حوض کوثر'' بھی داخل ہے۔

۴۹۶۶ ـ حدثنا يعقوب بن إبراهيم: حدثنا هشيم: حدثنا أبو بشر، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضي الله عنهما أنه قال في الكوثر: هو الخير الذي أعطاه الله اياه.

قال أبو بشر: قلت لسعيد بن جبير: فإن الناس يزعمون أنّه نهر في الجنة؟ فقال سعيد: النهر الذي في الجنة من الخير الذي أعطاه الله اياه. [أنظر: ۶۵۷۸]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے کوثر کی تفسیر میں فرمایا کہ وہ خیر کثیر ہے جو اللہ ﷻ نے نبی کریم ﷺ کو عطا فرمائی ہے۔

ابو بشر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے کہا کہ لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ کوثر سے جنت کی ایک نہر مراد ہے، تو سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جنت کی نہر بھی اس خیر کثیر کا ایک فرد ہے، جو اللہ ﷻ نے حضور اقدس ﷺ کو عنایت فرمائی ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کی تطبیق

اس روایت میں امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ تفسیر نقل کی ہے کہ کوثر وہ خیر کثیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا فرمائی تھے۔

جبکہ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے کسی نے کہا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ کوثر جنت کی ایک نہر کا نام ہے تو حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اس کے منافی نہیں ہے بلکہ وہ نہر جنت جسکا نام کوثر ہے وہ بھی اسی خیر کثیر میں داخل ہے۔

(۱۰۹) سورة قل يا أيها الكافرون

سورت الکافرون کا بیان

بسم الله الرحمن الرحيم

غیر مسلموں سے مصالحت

یہ سورت اس وقت نازل ہوئی تھی جب مکہ مکرمہ کے کچھ سرداروں نے جن میں ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل وغیرہ شامل تھے، حضور اقدس ﷺ سے صلح کی یہ تجویز پیش کی کہ ایک سال آپ ہمارے معبودوں کی عبادت کرلیا کریں تو دوسرے سال ہم آپ کے معبودوں کی عبادت کرلیں گے، کچھ اور لوگوں نے اسی قسم کی کچھ اور تجویزیں بھی پیش کیں۔

جن کا خلاصہ یہی تھا کہ آنحضرت ﷺ کسی نہ کسی طرح ان کافروں کے طریقے پر عبادت کے لئے آمادہ ہو جائیں تو آپس میں صلح ہوسکتی ہے۔

اس سورت نے دوٹوک الفاظ میں واضح فرما دیا کہ کفر اور ایمان کے درمیان اس قسم کی کوئی مصالحت قابل قبول نہیں ہے، جس سے حق و باطل کا امتیاز ختم ہو جائے، اور دین برحق میں کفر یا شرک کی ملاوٹ کردی جائے، ہاں! اگر تم حق کو قبول نہیں کرتے تو تم اپنے دین پر عمل کرو جس کے نتائج تم خود بھگتو گے اور میں اپنے دین پر عمل کروں گا اور اس کے نتائج کا میں ذمہ دار ہوں۔

اس سے معلوم ہوا کہ غیر مسلموں سے کوئی ایسی مصالحت جائز نہیں ہے جس میں ان کے دین کے شعائر کو اختیار کرنا پڑے، البتہ اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے امن کا معاہدہ ہوسکتا ہے جیسا کہ قرآن کریم نے سورۂ انفال [آیت نمبر ۶۱] میں فرمایا ہے۔ [۱]

يقال: ﴿لَكُمْ دِينُكُمْ﴾: الكفر ﴿وَلِيَ دِينِ﴾: الإسلام. ولم يقل: ديني، لأن الآيات بالنون فحذفت الياء كما قال: ﴿يَهْدِينِ﴾ و ﴿يَشْفِينِ﴾ [الشعراء: ۷۸ - ۸۰].

وقال غيره: ﴿لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُونَ﴾ الآن ولا أجيبكم فيما بقي من عمري ﴿وَلَا أَنتُمْ

---

[۱] تفسير القرطبي، ج: ۲۰، ص: ۲۲۵

عَابِدُوْنَ مَا أَعْبُدُ﴾ وهم الذين قال: ﴿وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْراً مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَاناً وَكُفْراً﴾ [المائدة: ۶۴].

ترجمہ: ﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ﴾ تمہارے لئے تمہارا دین ہے، اس سے مراد کفر ہے، ﴿وَلِيَ دِيْنِ﴾ اور میرے لئے میرا دین یعنی اسلام ہے۔

یہاں پر ”دینی“ یائے متکلم کے ساتھ نہیں کہا، کیونکہ اس سے پہلے کی آیت کا ختم نون پر ہوا ہے اس لئے فواصل کی رعایت کرتے ہوئے یہاں بھی ”یاء“ کو حذف کر دیا گیا، جیسا کہ سورۃ الشعراء میں اللہ ﷻ کا ارشاد ہے ﴿يَهْدِيْنِ﴾ اور ﴿يَشْفِيْنِ﴾۔

اور دوسرے حضرات مفسرین کہتے ہیں کہ ﴿لَا أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ یعنی میں تمہارے معبود کی پرستش نہ ابھی کرتا ہوں اور نہ میں اپنی باقی عمر میں تمہاری یہ لغو بات قبول کروں گا، ﴿وَلَا أَنْتُمْ عَابِدُوْنَ مَا أَعْبُدُ﴾ اور نہ تم میرے معبود کی عبادت کرو گے، مراد وہ کفار ہیں جن کے متعلق ارشاد الٰہی ہے ﴿وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْراً مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَاناً وَكُفْراً﴾۔

(۱۱۰) سورة إذا جاء نصر الله

سورت النصر کا بیان

بسم الله الرحمٰن الرحیم

سورت کا پس منظر

یہ سورت باجماع مدنی ہے اور اس کا نام **"سورة التودیع"** بھی ہے، **"تودیع"** کے معنی کسی کو رخصت کرنے کے ہیں، اس سورۃ میں چونکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات قریب ہونے کی طرف اشارہ ہے اس لئے اس کو **"سورة التودیع"** بھی کہا گیا ہے۔

قرآن کی آخری سورت

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک سورۂ نصر قرآن کی آخری سورت ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اسکے بعد کوئی مکمل سورت نازل نہیں ہوئی، بعض آیات کا نزول جو اسکے بعد ہونا بعض روایات میں ہے وہ اسکے منافی نہیں، جیسا کہ سورۂ فاتحہ کو قرآن کی سب سے پہلی سورۃ اسی معنی میں کہا جاتا ہے کہ مکمل سورۃ سب سے پہلے سورۂ فاتحہ نازل ہوئی۔ سورۂ اقراء اور سورۂ مدثر کی چند آیات کا اس سے پہلے نازل ہونا اسکے منافی نہیں ہے۔ [1]

(۱) باب:

یہ باب بلا عنوان ہے۔

۴۹۶۷ - حدثنا الحسن بن الربیع: حدثنا أبو الأحوص، عن الأعمش، عن أبي

---

[1] تفسیر القرطبي، ج: ۲۰، ص: ۲۲۵

الضحى، عن مسروق، عن عائشة رضي الله عنها قالت: ما صلى النبي ﷺ صلاة بعد أن نزلت عليه ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾ إلا يقول فيها: ((سبحانك ربنا وبحمدك، اللّٰهم اغفر لي)). [راجع: ۷۹۴]

ترجمہ: مسروق روایت بیان کرتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾، جب سے نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے کوئی نماز ایسی نہیں پڑھی جس میں آپ یہ دعا نہ کرتے ہوں: "سبحانک ربنا وبحمدک، اللّٰهم اغفرلي" یعنی پاک ہے تیری ذات، اے ہمارے رب! اور تیرے ہی لئے تعریف ہے۔ اے اللہ! میری مغفرت فرمادے۔

(۲) باب:

یہ باب بلا عنوان ہے۔

۴۹۶۸ ـ حدثنا عثمان بن أبي شيبة: حدثنا جرير، عن منصور، عن أبي الضحى، عن مسروق، عن عائشة رضي الله عنها قالت: كان رسول الله ﷺ يكثر أن يقول في ركوعه وسجوده: ((سبحانك اللّٰهم ربنا وبحمدك، اللّٰهم اغفرلي))، يتأول القرآن. [راجع: ۷۹۴]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے رکوع اور سجدوں میں بکثرت یہ دعا پڑھتے تھے "سبحانک اللّٰهم ربنا وبحمدک اللّٰهم اغفر لی"۔

تشریح

﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ﴾ کے بعد حکم دیا گیا کہ ﴿فسبح بحمد ربک واستغفره﴾ یہ درحقیقت ایک عظیم سبق ہے کہ جب اللہ جل جلالہ کسی نیک کام کی تکمیل کی توفیق عطا فرمادے تو آدمی کو دو کام کرنے چاہئے، ایک حمد اور ایک استغفار۔

اللہ جل جلالہ کی توفیق پر حمد ہے کہ اللہ جل جلالہ نے اس نیک کام کی توفیق عطا فرمائی، اور اپنی کوتاہی پر استغفار ہے کہ وہ کام ہماری نسبت سے اس درجے کا نہیں ہو سکا، جو اللہ جل جلالہ کے شایان شان تھا۔ تو اس آیت کریمہ میں بڑا عجیب سبق دیا گیا ہے۔

بزرگوں نے فرمایا کہ جب بھی کسی نیک عمل کی توفیق ہو، نماز، روزہ، تعلیم وتبلیغ جو کچھ بھی ہو تو آدمی پہلے اللہ ﷻ کا شکرادا کرے کہ اس نے اپنے فضل وکرم سے اس کام کی توفیق عطا فرمائی اور پھر استغفار کرے کہ اس کی ادائیگی میں جو کوتاہیاں مجھ سے ہوئی ہیں، اللہ ﷻ اسے معاف کرے، تو جو کوتاہیاں ہوئی ہوں گی وہ ان شاء اللہ معاف ہو جائیں گی اور اللہ ﷻ کے شکر سے مزید اعمال کی توفیق عطا ہوگی۔

اس لئے بعض آثار میں آتا ہے کہ جو شخص نماز پڑھنے کے بعد یا عبادت کے بعد یہ دو کلمے کے "**الحمد للہ، استغفر اللہ**" پڑھے، تو اس نے شیطان کی کمر توڑ دی، کیونکہ شیطان دو راستوں سے بہکاتا ہے یا تو اس عبادت کی دل میں بے وقعتی پیدا کرتا ہے اور اسے یاس پیدا کرتا ہے جیسے بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہماری نمازیں کیا ہیں؟ محض ٹکریں مارنا ہے، جب ٹکریں مارنا کہا تو گویا اس کی بے وقعتی پیدا ہوگئی اور جب بے وقعتی ہو گئی تو کسی وقت چھڑا بھی دے گا۔

تو اس کا علاج "حمد" ہے کہ یا اللہ! جو کچھ مجھے توفیق ہوئی اس پر تیرا شکر ہے کیونکہ بہت سوں کو اس کی بھی توفیق نہیں ہے اور جو اپنی کوتاہیاں ہیں ان پر استغفار کرے، استغفار کرلیا تو شیطان کا دوسرا راستہ بند کرلیا کہ عجب جو انسان کے دل میں عبادت کرنے کے بعد پیدا ہوسکتا تھا، وہ استغفار کے ذریعے غائب ہو جاتا ہے۔

(۳) باب قوله: ﴿وَرَأَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُونَ فِي دِينِ اللَّهِ أَفْوَاجًا﴾ [۲]

اس ارشاد کا بیان: "اور تم لوگوں کو دیکھ لو کہ وہ فوج در فوج اللہ کے دین میں داخل ہو رہے ہیں۔"

آیت کی تشریح

فتح مکہ سے پہلے بہت بڑی تعداد ایسے لوگوں کی بھی تھی جن کو رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور اسلام کی حقانیت پر تقریباً یقین ہو چکا تھا مگر اسلام میں داخل ہونے سے ابھی تک قریش کی مخالفت کے خوف سے یا کسی تذبذب کی وجہ سے رُکے ہوئے تھے۔ فتح مکہ نے وہ رُکاوٹ دُور کردی تو فوج در فوج یہ لوگ اسلام میں داخل ہونے لگے۔

یمن سے سات سو نفر مسلمان ہو کر پہنچے جو راستہ میں اذانیں دیتے اور قرآن پڑھتے ہوئے آئے۔ اسی طرح عام عرب بھی فوج در فوج داخلِ اسلام ہوئے۔

۴۹۶۹ - حدثنا عبداللہ بن أبی شیبة: حدثنا عبدالرحمٰن، عن سفیان عن حبیب بن أبی ثابت، عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس: أن عمر ﷺ سألهم عن قوله تعالیٰ: ﴿إِذَا جَاءَ

نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ﴾ قالوا: فتح المدائن والقصور. قال: ما تقول يا ابن عباس؟ قال: أجل أو مثل ضرب لمحمد ﷺ، نعيت له نفسه. [راجع: ۳۶۲۷]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (بدر میں شرکت کرنے والے صحابہ سے یعنی کبار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) سے اللہ جل جلالہ کے اس ارشاد ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ﴾ کے متعلق پوچھا۔ تو ان حضرات نے جواب دیا کہ اس سے شہروں اور محلات کی فتح کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا اے ابن عباس! تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس سے مراد آپ ﷺ کی وفات ہے یا ایک مثال ہے، جو آپ ﷺ کے لئے بیان کی گئی۔

(۴) باب قوله: ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾ [۳]

اس ارشاد کا بیان: ”تو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اُس کی تسبیح کرو، اور اُس سے مغفرت مانگو۔ یقین جانو وہ بہت معاف کرنے والا ہے۔“

توّابٌ على العباد. والتواب من الناس: التائب من الذنب.

ترجمہ: ”تـوّاب“ سے مراد ہے بندوں کی توبہ بار بار مہربانی فرما کر قبول کرنے والا اور انسانوں میں سے ”توّاب“ وہ ہے جو گناہوں سے توبہ کرلے۔

۴۹۷۰ ۔ حدثنا موسى بن اسماعيل: حدثنا أبو عوانة، عن أبي بشر، عن سعيد ابن جبير، عن ابن عباس قال: كان عمر يدخلني مع اشياخ بدرٍ فكأن بعضهم وجد في نفسه فقال: لِمَ تدخل هذا معنا ولنا أبناء مثله؟ فقال عمر: إنه من حيث علمتم، فدعا ذات يوم فادخله معهم فما رئيت أنه دعاني يومئذ إلّا ليريهم، قال: ما تقولون في قول الله تعالىٰ: ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ﴾؟ فقال بعضهم: أمرنا نحمد الله ونستغفره إذا نصرنا وفتح علينا. وسكت بعضهم فلم يقل شيئا. فقال لي: أكذاك تقول يا ابن عباس؟ فقلت: لا، قال: فما تقول؟ قلت: هو أجل رسول الله ﷺ أعلمه له قال: ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ﴾ وذلك علامة أجلك ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾ فقال عمر: ما أعلم منها إلا ما تقول. [راجع: ۳۶۲۷]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مجھ کو اپنی مجلس میں بدری صحابہ

کے ساتھ بٹھا لیتے تھے، بعض حضرات کو اس پر اعتراض تھا، چنانچہ انہوں نے کہا کہ آپ اسکو ہمارے ساتھ مجلس میں کیوں بٹھاتے ہیں؟ اس کے جیسے تو ہمارے لڑکے ہیں، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ اس حیثیت و مرتبہ میں ہے کہ تم جانتے ہو۔ پھر ایک دن حضرت عمرؓ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو کو بلایا اور ان کو بدری صحابہ کے ساتھ بٹھایا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں سمجھ گیا کہ آپ نے آج مجھ کو صرف اس لئے بلایا ہے کہ ان حضرات کو دکھلائیں، حضرت عمرؓ نے کہا شیوخ بدر سے اللہ ﷻ کے اس ارشاد ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ﴾ کے متعلق پوچھا یعنی اس سے کیا مراد ہے؟ بعض حضرات نے کہا جب ہمیں مدد اور فتح حاصل ہو تو ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم اللہ ﷻ کی حمد و ثناء کریں اور اس سے مغفرت طلب کریں، اور بعض حضرات خاموش رہے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر حضرت عمرؓ نے مجھ سے پوچھا اے ابن عباس! کیا تم بھی اسی طرح کہتے ہو؟ میں نے عرض کیا نہیں۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا پھر تمہاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟ میں نے عرض کیا کہ یہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ ﷻ نے آپ کو بتا دیا اور فرمایا ﴿إِذَا جَاءَ نَصْرُ اللهِ وَالْفَتْحُ﴾ جب اللہ ﷻ کی مدد اور فتح یعنی فتح مکہ حاصل ہوگئی تو یہ آپ کی وفات کی علامت ہے، اس لئے ﴿فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ إِنَّهُ كَانَ تَوَّابًا﴾، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا میں بھی وہی جانتا ہوں جو تم نے کہا۔

(۱۱۱) سورة تبت يدا أبي لهب

سورۂ لہب کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابولہب کی نسبت کرنے کی وجہ

جب رسول اللہ ﷺ پر یہ آیت ﴿وَأَنذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے قریش کے لوگوں کو آواز دی، جب سب قریش جمع ہو گئے تو آپ نے فرمایا کہ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ دشمن تم پر چڑھ آیا ہے اور صبح شام میں تم پر ٹوٹ پڑنے والا ہے تو کیا تم لوگ میری تصدیق کرو گے؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا ہاں ضرور تصدیق کریں گے۔

ان کا جواب سن کر آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ میں تمہیں ڈراتا یوں ایک عذابِ شدید سے جو تمہارے شرک وکفر پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہے۔

یہ سن کر ابولہب نے کہا کہ "تبّاً لک الهذا جمعتنا؟" ہلاکت ہو تیرے لئے کیا تو نے اس کیلئے ہمیں یہاں جمع کیا تھا؟ اور آپ ﷺ کو مارنے کیلئے ایک پتھر اُٹھالیا۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔

ابولہب کا اصل نام عبدالعزیٰ تھا، یہ عبدالمطلب کی اولاد میں سے ہے۔

سُرخ رنگ ہونے کی وجہ سے اس کی کنیت ابولہب مشہور تھی، قرآن نے اس کا اصلی نام اس لئے چھوڑا کہ وہ نام بھی مشرکانہ تھا اور ابولہب کی کنیت میں "لَهَب" جہنم سے ایک مناسبت بھی تھی۔

یہ شخص رسول اللہ ﷺ کا بیحد دُشمن اور اسلام کا شدید مخالف تھا، آپ ﷺ کو سخت ایذائیں دینے والا تھا، جب آپ ﷺ لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتے تو یہ ساتھ لگ جاتا اور آپ کی تکذیب کرتا جاتا تھا۔ [۱]

﴿تَبَابٍ﴾: [غافر: ۳۷] خسرانٌ،

﴿تَتْبِيبٍ﴾: [هود: ۱۰۱] تدمير.

ترجمہ: "تَبَابٍ" بمعنی "خسران" یعنی نقصان، تباہی۔

---

[۱] تفسير القرطبي، ج: ۲۰، ص: ۲۳۴، وتفسير ابن كثير، ج: ۸، ص: ۴۸۵

"تَتبيب" بمعنی "تدمير" یعنی ہلاک کرنا، تباہ و برباد کرنا۔

(۱) باب:

یہ باب بلاعنوان ہے۔

۴۹۷۱ - حدثنا يوسف بن موسى: حدثنا أبو أسامة: حدثنا الأعمش: حدثنا عمرو بن مرة، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضى الله تعالىٰ عنهما قال: لما نزلت ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ ورهطك منهم المخلصين، خرج رسول الله ﷺ حتى صعد الصفا فهتف: ((يا صباحاه))، فقالوا: من هذا؟ فاجتمعوا إليه فقال: ((أرأيتم إن أخبرتكم أن خيلا تخرج من سفح هذا الجبل أكنتم مصدقي؟)) قالوا: ماجرّبنا عليك كذبا. قال: ((فإني نذير لكم بين يدى عذاب شديد)). قال: أبو لهب: تبّا لك، ماجمعتنا إلا لهذا؟ ثم قام فنزلت ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ﴾ وقد تب، هكذا قرأها الأعمش يومئذ. [راجع: ۱۳۹۴]

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ﴾ یعنی اے نبی! آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرایئے خاص کر ان میں سے اپنے اس قبیلہ کو جو مخلصین ہیں، تو رسول اللہ ﷺ مکہ سے باہر نکلے اور کوہ صفا پر چڑھ کر آپ ﷺ نے اہل مکہ کو آواز دی کہ "یا صباحاہ" اے لوگو! قریش نے کہا یہ کون ہے؟ پھر سب آپ ﷺ کے پاس جمع ہوگئے، آپ نے فرمایا، اس بارے میں تم لوگوں کا کیا خیال ہے؟ اگر میں تمہیں یہ خبر دوں کہ ایک لشکر اس پہاڑ کے دامن سے نکلنے والا ہے تو کیا تم لوگ مجھ کو سچا سمجھو گے؟ ان لوگوں نے کہا بیشک ہمیں جھوٹ کا آپ سے تجربہ رامید نہیں ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا پھر میں تمہیں اس سخت ترین عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمہارے سامنے آرہا ہے۔ اس پر ابولہب نے کہا ہلاکت ہو تیرے لئے، کیا تو نے ہمیں یہاں صرف اسی لئے جمع کیا تھا؟ پھر آپ ﷺ وہاں سے چلے آئے اس پر یہ سورت نازل ہوئی ﴿تَبَّتْ يَدَا أَبِي لَهَبٍ وَتَبَّ﴾ یعنی ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اور وہ برباد ہو جائے۔ حضرت اعمش رحمہ اللہ نے جس روز یہ حدیث پڑھی یوں پڑھا "وقد تب"۔

(۲) باب قوله: ﴿وَتَبَّ ما اغنى عَنهُ مالُهُ وَما كَسَبَ﴾ [۲]

اس ارشاد کا بیان: ”اور وہ خود برباد ہو چکا ہے۔ اُس کی دولت اور اُس نے جو کمائی کی تھی، وہ اُس کے کچھ کام نہیں آئی۔“

”مَا كَسَبَ“ کی تفسیر میں اقوال

”مَـا كَسَبَ“ کے معنی ہیں جو کچھ اس نے کمایا، اس سے مراد وہ منافع تجارت وغیرہ بھی ہو سکتے ہیں، جو مال کے ذریعے حاصل کئے جاتے ہیں، اور اولاد بھی مراد ہو سکتی ہے، کیونکہ اولاد کو بھی انسان کی کمائی کہا جاتا ہے۔

ایک روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”**ان اطيب ما اكل الرجل من كسبه وان ولده من كسبه**“ یعنی جو آدمی کھانا آدمی کھاتا ہے اس میں سب سے زیادہ حلال طیب وہ چیز ہے جو آدمی اپنی کمائی سے حاصل کرے اور آدمی کی اولاد بھی اس کے کسب میں داخل ہے یعنی اولاد کی کمائی کھانا بھی اپنی ہی کمائی سے کھانا ہے۔ [۳]

اسی لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، مجاہد، عطاء بن رباح، ابن سیرین وغیرہ رحمہم اللہ اجمعین نے اس جگہ ”مَـا كَسَـبَ“ کی تفسیر اولاد سے کی ہے ابولہب کو اللہ تعالیٰ نے مال بھی بہت دیا تھا اولاد بھی، یہی دونوں چیزیں ناشکری کی وجہ سے اس کا فخر و غرور اور وبال کا سبب بنیں۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ نے اپنی قوم سے کو اللہ کے عذاب سے ڈرایا تو ابولہب نے یہ بھی کہا تھا کہ جو کچھ میرا بھتیجا کہتا ہے اگر وہ حق ہی ہوا تو میرے پاس مال و اولاد بہت ہے میں اس کو دیکر اپنی جان بچالوں گا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [۴]

۴۹۷۲ ـ حدثنا محمد بن سلام: أخبرنا أبو معاوية: حدثنا الأعمش: حدثنا عمرو بن مرة، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس: أنّ النبي ﷺ خرج إلى البطحاء فصعد إلى الجبل فنادى: ((يا صباحاه))، فاجتمع إليه قريش فقال: ((أرأيتم إن حدثتكم أن العدو

---

[۳] سنن النسائي، كتاب البيوع، باب الحث على الكسب، رقم: ۴۴۴۹

[۴] تفسير القرطبي، ج: ۲۰، ص: ۲۳۸

مصبحکم أو ممسیکم، أکنتم تصدقونی؟)) قالوا: نعم، قال: ((فإنی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید)). قال: أبولهب: ألهذا جمعتنا؟ تبّالک، فأنزل اللہ عزوجل ﴿تَبَّتْ يَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾ إلى آخرها. [راجع: ۱۳۹۴]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ بطحا کی طرف تشریف لے گئے اور پہاڑی پر چڑھ کر پکارا اے لوگو! قریش کے لوگ اس آواز پر آپ کے پاس جمع ہوگئے۔ آپ نے ان سے پوچھا تمہارا کیا خیال ہے اگر میں تمہیں بتاؤں کہ دشمن تم پر صبح کے وقت یا شام کے وقت حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم میری تصدیق نہیں کروگے؟ انہوں نے کہا کہ جی ہاں ضرور آپ کی تصدیق کریں گے۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تو میں تمہیں سخت عذاب سے ڈراتا ہوں جو تمہارے سامنے آرہا ہے۔ اس پر ابولہب بولا کیا تم نے ہمیں اسی لئے جمع کیا تھا؟ تم تباہ ہوجاؤ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی ﴿تَبَّتْ يَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾ آخر تک۔

(۳) باب قوله: ﴿سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ﴾ [۳]

اس ارشاد کا بیان: ''وہ بھڑکتے ہوئے شعلوں والی آگ میں داخل ہوگا۔''

۴۹۷۳ - حدثنا عمر بن حفص: حدثنا أبی: حدثنا الأعمش: حدثنا عمرو بن مرة، عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس رضی اللہ عنہما: قال أبولهب: تبّالک، ألهذا جمعتنا؟ فأنزل اللہ عزوجل ﴿تَبَّتْ يَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾. [راجع: ۱۳۹۴]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ ابولہب نے کہا تھا کہ تو تباہ ہو کیا تو نے ہمیں اسی لئے جمع کیا تھا؟ اس پر یہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ﴿تَبَّتْ يَدَا اَبِیْ لَهَبٍ وَّتَبَّ﴾ نازل فرمائی۔

(۴) باب قوله: ﴿وَامْرَاَتُهٗ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ﴾ [۴]

اس ارشاد کا بیان: ''اور اُس کی بھی، لکڑیاں ڈھوتی ہوئی۔''

ابولہب اور اسکی بیوی کا عبرت ناک انجام

جس طرح ابولہب کو رسول اللہ ﷺ سے سخت غیظ اور دشمنی تھی اُسی طرح اُس کی بیوی بھی اس دشمنی اور

رسول اللہ ﷺ کو ایذاء رسانی میں اس کی مدد کرتی تھی۔ یہ ابوسفیان کی بہن بنت حرب بن امیہ تھی، جس کی کنیت ام جمیل تھی۔ قرآن کریم کی اس آیت نے بتلایا کہ یہ بدبخت بھی اپنے شوہر کے ساتھ جہنم کی آگ میں جائے گی۔

اس آیت میں اس کا یہی حال بتایا گیا ہے کہ وہ **"حمّالة الحطب"** ہے، جس کے لفظی معنی ہیں سوختہ کی لکڑی لادنے والی یعنی آگ لگانے والی۔ عرب کے محاورات میں چغل خوری کرنے والے کو **"حمّال الحطب"** کہا جاتا تھا کہ جیسے کوئی سوختہ لکڑیاں جمع کر کے آگ لگانے کا سامان کرتا ہے، چغل خور کا عمل بھی ایسا ہی ہے کہ وہ اپنی چغل خوری کے ذریعے افراد اور خاندانوں میں آگ بھڑکا دیتا ہے اور یہ عورت رسول اللہ ﷺ اور صحابۂ کرام ﷺ کی ایذا رسانی کیلئے چغلخوری کا کام بھی کرتی تھی۔

ابولہب کی بیوی کو **"حمالة الحطب"** کہنے کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور، مجاہد، عکرمہ وغیرہ ایک جماعت نے مفسرین نے یہی کی ہے کہ یہ عورت چغل خوری کرنے والی تھی۔

جبکہ ابن زید، ضحاک وغیرہ دوسرے مفسرین نے اس کو اپنے حقیقی معنی میں استعمال کیا ہے، جس کی وجہ یہ بتلائی ہے کہ یہ عورت جنگل سے خاردار لکڑیاں جمع کر کے لاتی اور رسول اللہ ﷺ کے راستے میں بچھا دیتی تھی تاکہ آپ ﷺ کو تکلیف پہنچے، اس کی اس ذلیل وخسیس حرکت کو قرآن نے **"حمّالة الحطب"** سے تعبیر فرمایا ہے۔

اور بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ اس کا یہ حال جہنم میں ہوگا کہ اپنے شوہر پر جہنم کے درختوں زقوم وغیرہ کی لکڑیاں ڈالے گی تاکہ اس کی آگ اور بھڑک جائے، جس طرح دنیا میں وہ اُس کے کفر وظلم کو بڑھاتی تھی آخرت میں اس کے عذاب کو بڑھائے گی۔ [۲]

وقال مجاهد: حمّالة الحطب: تمشي بالنميمة. ﴿في جيدها حبلٌ من مسدٍ﴾ يقال: من مسدٍ: ليف المقل وهي السلسلة التي في النار.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **"حمّالة الحطب"** سے مراد ایندھن کی لکڑیاں سر پر لاد کر چلنے والی۔ **﴿في جيدها حبلٌ من مسدٍ﴾** اس رسی سے مراد یا تو وہ رسی ہے جس سے گلا گھوٹنے کی وجہ سے وہ ہلاک ہوئی، یا لوہے کی وہ زنجیریں مراد ہیں جو جہنم میں اس کے گلے میں ڈالی جائیں گی۔

﴿في جيدها حبلٌ من مسدٍ﴾ کی تشریح

"مَسَد" بسکون السین مصدر۔ جسکے معنی رسی یا ڈور بٹنے یا اسکے تار پر تار چڑھا کر مضبوط کرنے کے ہیں۔

---

[۲] تفسیر ابن کثیر، ج:۸، ص:۴۸٦

اور "مَسَـــد" بفتح میم وسکون – اس رسی یا ڈور کو کہا جاتا ہے جو مضبوط بنائی گئی ہو، خواہ وہ کسی چیز کی ہو، کھجور یا ناریل وغیرہ سے یا آہنی تاروں سے ہر طرح مضبوط رسی اس میں داخل ہے۔ ۵

بعض حضرات نے جو خاص کھجور کی رسی اسکا ترجمہ کیا ہے وہ عرب کی عام عادت کے مطابق کیا گیا ہے، اصل مفہوم عام ہے۔ اسی مفہوم عام کے اعتبار سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، عروہ بن زبیر، حضرت مجاہد رحمہما اللہ وغیرہ نے فرمایا کہ یہاں "حَبْـلٌ مِنْ مَسَدٍ" سے مراد لوہے کے تاروں سے بٹا ہوا رسا ہے اور یہ اس کا حال جہنم میں ہوگا کہ آہنی تاروں سے مضبوط بٹا ہوا طوق اُس کے گلے میں ہوگا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے حوالے سے اسکی یہی تفسیر بیان کی ہے۔

اسکے علاوہ شعبی، مقاتل رحمہما اللہ وغیرہ نے اس کا کو بھی دنیا کا حال قرار دے کر "حَبْـلٌ مِـنْ مَسَـدٍ" سے مراد کھجور کی رسی لی اور فرمایا ہے کہ اگر چہ ابولہب کو اس کی بیوی مالدار، غنی اور اپنی قوم کے سردار مانے جاتے تھے مگر اس کی بیوی اپنی خست طبیعت اور کنجوسی کے سبب جنگل سے سوختہ لکڑیوں جمع کر کے لاتی اور اُس کی رسی کو اپنے گلے میں ڈال لیتی تھی کہ یہ گٹھا سر سے نہ گر جائے اور یہی ایک روز اُس کی ہلاکت کا سبب بنا کہ لکڑیوں کا گٹھا سر پر اور رسی گلے میں تھی تھک کر کہیں بیٹھ گئی اور پھر گر کر اس کا گلا گھٹ گیا اور اسی میں مرگئی۔ اس دوسری تفسیر کی رُد کی سے یہ حال اس کا اس کی خستِ طبیعت اور اس کا انجام بد بیان کرنے کے لئے ہے۔ مگر چونکہ ابولہب کا گھرانہ خصوصاً بیوی سے ایسا کرنا مستبعد تھا اس لئے اکثر حضرات مفسرین نے پہلی ہی تفسیر کو اختیار فرمایا ہے۔ ۶

---

۵ لسان العرب، د-فصل المیم، ج: ۳، ص: ۴۰۳

۶ تفسیر الکبیر، ج: ۳۲، ص: ۳۵۵، وتفسیر المظہری، ج: ۱۰، ص: ۳۶۸

(۱۱۲) سورة قل هو الله أحد

سورۂ اخلاص کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وجہ تسمیہ

اس سورت کی چار مختصر آیتوں میں اللہ ﷻ کی توحید کو انتہائی جامع انداز میں بیان فرمایا گیا ہے۔

پہلی آیت میں ان کی تردید ہے جو ایک سے زیادہ خداؤں کے قائل ہیں۔

دوسری آیت میں ان کی تردید ہے جو اللہ ﷻ کو ماننے کے باوجود کسی اور کو اپنا مشکل کشا، کارساز یا حاجت روا قرار دیتے ہیں۔

تیسری آیت میں ان کی تردید ہے جو اللہ ﷻ کے لئے اولاد مانتے ہیں۔

چوتھی آیت میں ان لوگوں کا رد کیا گیا ہے جو اللہ ﷻ کی کسی بھی صفت میں کسی اور کی برابری کے قائل ہیں، مثلاً بعض مجوسیوں کا کہنا یہ تھا کہ روشنی کا خالق کوئی اور ہے اور اندھیرے کا خالق کوئی اور ہے یا بھلائی پیدا کرنے والا اور ہے اور برائی پیدا کرنے والا کوئی اور ہے۔

اس طرح اس مختصر سورت نے شرک کی تمام صورتوں کو باطل قرار دے کر خالص توحید ثابت کی، اسی لئے اس سورت کو **"سورۂ اخلاص"** کہا جاتا ہے۔

سورت کا شانِ نزول

مستدرک حاکم کی روایت ہے کہ مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کا نسب پوچھا تھا اُن کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی تھی۔ [1]

جبکہ بعض روایات میں یہ سوال یہود مدینہ کی طرف منسوب کیا ہے، اسی لئے اس سورت کے مکی یا مدنی

---

[1] المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب التفسیر، تفسیر سورة الاخلاص، رقم: ۳۹۸۷

ہونے میں اختلاف ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود و جابر رضی اللہ عنہما، حضرت حسن بصری، عطاء رحمہا اللہ وغیرہ نے اس کو مکی کہا ہے اور حضرت قتادہ اور ضحاک وغیرہ رحمہم اللہ اجمعین نے اس کو مدنی کہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے دو قول منسوب ہیں۔

بعض روایات میں ہے کہ مشرکین کے سوال میں یہ بھی تھا کہ اللہ تعالیٰ کس چیز کا بنا ہوا ہے، سونا چاندی یا کا اور کچھ، ان کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی۔ [۲]

سورۂ اخلاص کے فضائل

حضرت انس ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے اس سورت یعنی سورۂ اخلاص سے بڑی محبت ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اسکی محبت نے تمہیں جنت میں داخل کر دیا۔ [۳]

حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا سب جمع ہو جاؤ، میں تمہیں ایک تہائی قرآن سناؤں گا، جو جمع ہو سکتے تھے جمع ہو گئے۔ تو رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور **﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾** کی قرأت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ سورت ایک تہائی قرآن کے برابر ہے۔ [۴]

يقال: لايُنَوَّنُ ﴿أَحَدٌ﴾: أي واحد.

بعض حضرات کہتے ہیں کہ **﴿أَحَدٌ﴾** پر تنوین نہیں ہوگی اس کے معنی "واحد" یعنی ایک۔

یہاں یہ بات ذکر کر رہے ہیں کہ جب **﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾** کو اگلی آیت **﴿اللّٰهُ الصَّمَدُ﴾** کے ساتھ وصل یعنی ملا کر پڑھیں گے تو **﴿أَحَدٌ﴾** پر تنوین نہیں پڑھی جائے گی، یوں پڑھا جائے گا **"أَحَدُ اللّٰهُ الصَّمَدُ"**۔

(۱) باب:

یہ باب بلاعنوان ہے۔

۴۹۷۴ ۔ حدثنا أبو اليمان: حدثنا شعيب: حدثنا أبو الزناد، عن الأعرج، عن أبي هريرة ﷺ عن النبي ﷺ أنه قال: ((قال الله تعالى: كذبني ابن آدم ولم يكن له ذلك،

---

[۲] تفسير القرطبي، ج: ۲۰، ص: ۲۴۶، تفسير ابن كثير، ج: ۸، ص: ۴۸۹

[۳] مسند احمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند أنس بن مالك ﷺ، رقم: ۱۲۴۳۲

[۴] صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضل قراءة قل هو الله أحد، رقم: ۸۱۲

وشتمني ولم يكن له ذلک فأمّا تكذيبه إياي فقوله: لن يعيدني كما بدأني، وليس أول الخلق بأهون علي من إعادته. وأمّا شتمه إياي فقوله: اتخذ الله ولدا، وأنا الأحد الصمد لم ألد ولم أولد ولم يكن لي كفوا أحد)). [راجع: ۳۱۹۳]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ مجھے ابن آدم نے جھٹلایا حالانکہ اس کے لئے یہ مناسب نہیں تھا اور مجھے گالی دی حالانکہ اس کے لئے یہ بھی مناسب نہیں تھا۔ جہاں تک مجھے جھٹلانے کی بات ہے تو یہ کہتا ہے کہ خدا مجھے دوبارہ نہیں پیدا کرے گا جس طرح پہلے پیدا کیا تھا، حالانکہ دوبارہ پیدا کرنا اسکے پہلی مرتبہ پیدا کرنے سے زیادہ مشکل نہیں۔ اس کا مجھے گالی دینا یہ ہے کہ کہتا ہے کہ اللہ نے اپنا بیٹا بنایا ہے حالانکہ میں ایک ہوں۔ بے نیاز ہوں نہ میرے لیے کوئی اولاد ہے اور نہ میں کسی کی اولاد ہوں اور نہ کوئی میرے برابر ہے۔

(۲) باب قوله: ﴿اللهُ الصَّمَدُ﴾،

اس ارشاد کا بیان: ”اللہ ہی ایسا ہے کہ سب اُس کے محتاج ہیں، وہ کسی کا محتاج نہیں۔“

والعرب تسمّي أشرافها الصّمد. قال أبو وائل: هو السيد الذي انتهى سُؤدَدُهُ.

ترجمہ: اہل عرب اپنے سرداروں کو ”الصمد“ کہتے ہیں۔ اور ابو وائل کا بیان ہے ”الصمد“ وہ سردار ہے، جس پر سرداری ختم ہوگئی ہو۔

”الصمد“ کی تفصیل

یہ قرآن کریم کے لفظ ”الصمد“ کا ترجمہ کیا گیا ہے، اس لفظ کا مفہوم اردو کے کسی ایک لفظ سے ادا نہیں ہوسکتا، عربی میں ”صمد“ اس کو کہتے ہیں جس سے سب لوگ اپنی مشکلات میں مدد لینے کے لئے رجوع کرتے ہوں اور سب اس کے محتاج ہوں اور وہ خود کسی کا محتاج نہ ہو۔

عام طور سے اختصار کے پیش نظر اس لفظ کا ترجمہ ”بے نیاز“ کیا جاتا ہے، لیکن وہ اس کے صرف ایک پہلو کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ کسی کا محتاج نہیں ہے، لیکن یہ پہلو اس میں نہیں آتا کہ سب اس کے محتاج ہیں، اس لئے یہاں ایک لفظ سے ترجمہ کرنے کے بجائے اس کا پورا مفہوم بیان کیا گیا ہے۔

۴۹۷۵ ۔ حدثنا إسحاق بن منصور: حدثنا عبدالرزاق: أخبرنا معمر، عن همام،

عن أبي هريرة قال: قال رسول الله ﷺ: ((كذبني ابن آدم ولم يكن له ذلك، وشتمني ولم يكن له ذلك. أما تكذيبه إياي أن يقول إني لن أعيده كما بدأته، وأما شتمه إياي أن يقول: اتخذ الله ولدا. وأنا الصمد الذي لم ألد ولم أولد ولم يكن له كفوا أحد)). ﴿لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُواً أَحَدٌ﴾ [۴-۳] كفوا وكفيئا وكفاء واحد. [راجع: ۳۱۹۳]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ﷻ کا ارشاد ہے کہ ابن آدم نے مجھے جھٹلایا، حالانکہ اس کے لئے یہ مناسب نہیں تھا اور اس نے مجھے گالی دی، حالانکہ اس کے لئے یہ مناسب نہیں تھا، سو اس کا مجھے جھٹلانا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ میں اسے دوبارہ زندہ نہیں کرسکتا جیسا کہ میں نے اسے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا اور اس کا مجھ کو گالی دینا یہ ہے کہ وہ کہتا ہے کہ اللہ ﷻ نے بیٹا بنالیا ہے۔ حالانکہ میں بے نیاز ہوں، نہ میری کوئی اولاد ہے اور نہ میں کسی کی اولاد ہوں اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔

(۱۱۳) سورة قل أعوذ برب الفلق

سورۂ فلق کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شانِ نزول

قرآن کریم کی یہ آخری دو سورتیں "معوذتین" کہلاتی ہیں۔

یہ دونوں سورتیں اس وقت نازل ہوئی تھیں جب حضور اقدس ﷺ پر ایک یہودی نے جادو کر دیا تھا جس کے اثر سے آپ بیمار ہو گئے۔ حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے آکر آپ کو اطلاع دی کہ آپ پر ایک یہودی نے جادو کیا ہے اور جادو کا عمل جس چیز میں کیا گیا ہے وہ فلاں کنویں کے اندر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے وہاں آدمی بھیجے وہ یہ جادو کی چیز کنویں سے نکال لائے، اُس میں گرہیں لگی ہوئی تھیں، آپ نے ان گرہوں کو کھول دیا اُسی وقت آپ بالکل تندرست ہو کر کھڑے ہو گئے۔

اگرچہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو اس یہودی کا نام بتلا دیا تھا اور آپ اُس کو جانتے تھے مگر اپنے نفس کے معاملے میں کسی سے انتقام لینا آپ کی عادت نہ تھی، اس لئے عمر بھر اُس یہودی سے کچھ نہیں کہا اور نہ کبھی اس کی موجودگی میں آپ کے چہرۂ مبارک سے کسی شکایت کے آثار پائے۔

ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ پر ایک یہودی نے سحر کیا تو اس کا اثر آپ پر یہ تھا کہ بعض اوقات آپ محسوس کرتے تھے کہ فلاں کام کر لیا ہے وہ نہیں کیا ہوتا تھا۔ پھر ایک روز آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا ہے کہ میری بیماری کیا ہے، اور فرمایا کہ (خواب میں) دو شخص آئے، ایک میرے سرہانے بیٹھ گیا، ایک پاؤں کی طرف، سرہانے والے نے دوسرے سے کہا کہ ان کو کیا تکلیف ہے؟ دوسرے نے کہا کہ یہ مسحور ہیں، اس نے پوچھا کہ سحر ان پر کس نے کیا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ لبید بن اعصم نے جو یہودیوں کا حلیف منافق ہے، اُس نے پوچھا کہ کس چیز میں جادو کیا ہے؟ اُس نے بتلایا کہ ایک کنگھے اور اس کے دندانوں میں، پھر ان نے پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ تو اس نے بتلایا کہ کھجور کے اس غلاف میں جس میں کھجور کا پھل پیدا ہوتا ہے، بئر ذروان میں پتھر کے نیچے مدفون ہے۔

آپ ﷺ اُس کنویں پر تشریف لے گئے اور اس کو نکال لیا اور فرمایا کہ مجھے خواب میں یہی کنواں

دکھلایا گیا تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ نے اسکا اعلان کیوں نہ کردیا کہ فلاں شخص نے یہ حرکت کی ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے مجھے شفاء دیدی اور مجھے یہ پسند نہیں کہ میں کسی شخص کیلئے تکلیف کا سبب بنوں۔ مطلب یہ تھا کہ اگر اعلان کردیتا تو لوگ اُس کو قتل کردیتے یا اس کو اذیت پہنچاتے۔ [1]

معوذتین کی خصوصیات

ان سورتوں میں آپ کو جادوٹونے سے حفاظت کیلئے ان الفاظ میں اللہ ﷻ کی پناہ مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ اور کئی احادیث سے ثابت ہے کہ ان سورتوں کی تلاوت اوران سے دم کرنا جادو کے اثرات دور کرنے کیلئے بہترین عمل ہے اور حضور ﷺ رات کو سونے سے پہلے ان سورتوں کی تلاوت کرکے اپنے مبارک ہاتھوں پر دم کرتے اور پھران ہاتھوں کو جسم پر پھیر لیتے تھے۔

وقال مجاهد: ﴿الفَلَق﴾: الصبح و ﴿غاسِقٍ﴾: الليل. ﴿إذَا وَقَبَ﴾: غروب الشمس، يقال: أبين من فرق وفلق الصبح، ﴿وَقَبَ﴾: إذا دخل في كل شيء وأظلم.

ترجمہ: حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "**الفَلَق**" پو پھٹنا یعنی جب صبح کی روشنی ابتداءً ظاہر ہوتو اس کو کہتے ہیں، اور "**غاسِقٍ**" رات کو کہتے ہیں۔ "**إذَا وَقَبَ**" سورج کا غروب ہونا۔

اس کی مثال دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ "**أبين من فرق وفلق الصبح**" یعنی یہ بات پو پھٹنے، صبح کے نمودار ہونے اور روشنی کے ظاہر ہونے سے زیادہ واضح ہے۔

"**وقب**" جب کوئی چیز بالکل کسی چیز میں گھس جائے اور اندھیرا ہوجائے۔

۴۹۷۶ - حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا سفيان، عن عاصم وعبدة، عن زر بن حبيش قال: سألت أبيَّ بن كعب عن المعوذتين فقال: سألت النبي ﷺ فقال: ((قيل لي فقلت)) فنحن نقول كما قال رسول الله ﷺ. [أنظر: ۴۹۷۷] [2]

ترجمہ: زر بن حبیش نے بیان کیا انہوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے معوذتین کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بیان کیا کہ میں نے بھی رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے کہا گیا ہے کہ یوں کہو تو میں نے اسی طرح کہا۔ چنانچہ ہم بھی وہی کہتے ہیں جو رسول کریم ﷺ نے کہا۔

---

[1] تفسیر القرطبي، ج: ۲۰، ص: ۲۵۴، وتفسیر ابن کثیر، ج: ۸، ص: ۸۹۹

[2] وفي مسند أحمد، مسند الأنصار، حديث زر بن حبيش، عن أبي بن كعب، رقم: ۲۱۱۸۱، ۲۱۱۸۹

(۱۱۴) سورة قل أعوذ برب الناس

سورت الناس کا بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وقال ابن عباس: ﴿الْوَسْوَاسِ﴾: إذا ولد خنسه الشیطان فإذا ذکر اللہ عزوجل ذھب. وإذا لم یذکر اللہ ثبت علی قلبه.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے "وسواس" کی تفسیر منقول ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو شیطان اس کو چوکا لگاتا ہے، یعنی بچہ کی کمر میں انگلی چبھوتا ہے، پھر جب وہاں اللہ ﷻ کا نام لیا جاتا ہے تو وہ بھاگ جاتا ہے، اور اگر اللہ ﷻ کا نام نہیں لیا گیا مثلاً اذان نہیں دی گئی تو اس کے دل پر جم جاتا ہے۔

۴۹۷۷ - حدثنا علی بن عبداللہ: حدثنا سفیان: حدثنا عبدة بن أبی لبابة، عن زر بن حبیش. وحدثنا عاصم، عن زر قال: سألت أبیّ بن کعب قلت: أبا المنذر، إن أخاک ابن مسعود یقول کذا وکذا، فقال أبیّ: سألت رسول اللہ ﷺ فقال لی: ((قیل لی فقلت))، قال: فنحن نقول کما قال رسول اللہ ﷺ. [راجع: ۴۹۷۶]

ترجمہ: حضرت زر بن حبیش رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا اے ابومنذر! آپ کے بھائی حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ایسا ایسا کہتے ہیں، (یعنی کہتے ہیں کہ 'معوذتین' قرآن میں داخل نہیں ہیں) حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا، تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام کی زبانی مجھ سے کہا گیا کہ "قل" یعنی کہو "قل اعوذ الخ" یعنی یہ دونوں سورتیں داخل قرآن ہیں، پس میں نے کہا یعنی حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے کہا ہم بھی وہی کہتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کی صحیح تطبیق

زر بن حبیش فرماتے ہیں کہ میں نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اے ابوالمنذر! آپ کے بھائی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ایسی ایسی بات کہتے ہیں۔

کیا بات کہتے ہیں، اسکو یہاں پر ظاہر نہیں کیا، مراد یہ ہے کہ حضرت ابن مسعود ﷛ معوذتین کو قرآن کا حصہ ہونے سے انکار کرتے تھے، فرماتے تھے کہ معوذتین قرآن کا حصہ نہیں بلکہ ایک دعا ہے جو سکھائی گئی ہے۔

تو حضرت ابی بن کعب ﷛ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے ان سورتوں کے بارے میں پوچھا تھا، تو آپ فرمایا کہ **"قیل لی فقلت"** مجھ سے کہا گیا کہ تم کہو تو میں نے کہا، یعنی یہ قرآن کا حصہ ہے **"فنحن نقول کما قال رسول اللہ ﷺ"** تو ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں یعنی ان کو قرآن کا حصہ سمجھنا چاہئے اور جو حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ کی طرف منسوب ہے کہ وہ معوذتین کا انکار کرتے ہیں، وہ روایت معلول ہے۔

اس کی دلیل یہ ہے کہ متعدد قرأتیں جو متواتر ہیں وہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ پر جاکر منتہی ہوتی ہیں مثلاً ہماری جو عاصم بن ثابت رحمہ اللہ کی قرأت ہے، یہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ پر جاکر منتہی ہے اور اس میں **"قل اعوذ برب الناس"** موجود ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ تواتر سے ثابت ہے کہ عبداللہ بن مسعود ﷛ اس کو قرآن کا حصہ سمجھتے تھے۔

لہٰذا ایک روایت خبر واحد جو متواتر کے خلاف آئی ہے، وہ معلول ہے اور یہ کہنا کہ حضرت ابن مسعود ﷛ کی ذاتی رائے تھی۔ یہ کہنا غلط ہے، اس واسطے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ جیسے آدمی جو حبر الامۃ ہے وہ اگر قرآن کے کسی حصہ کا انکار کرے تو اسکے اوپر اجماع منعقد نہیں ہوسکتا، اسلئے یہ بات بھی درست نہیں ہے۔

صحیح بات یہ ہے کہ وہ روایت معلول ہے، اس لئے کہ تواتر سے ثابت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷛ معوذتین کو جزو قرآن مانتے تھے۔ حضرت عثمان ﷛ نے جب قرآن کو جمع ثانی فرمایا، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے تو حضرت زید بن ثابت ﷛، سعید بن العاص ﷛، عبداللہ بن زبیر ﷛، عبدالرحمٰن بن خالد بن ہشام کو مقرر فرمایا تھا کہ قرآن کریم کو مصاحف میں لکھیں، تو ان کو ہدایت دے دی تھی کہ جب تمہارے اور زید بن ثابت ﷛ کے درمیان قرآن کی عربیت میں کسی جگہ اختلاف ہو تو اس کو قریش کے زبان پر لکھو، اس لئے کہ قرآن انہی کی زبان پر نازل ہوا ہے، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

یہاں مراد ہے رسم الخط کہ جہاں لکھنے کے طریقے میں تمہارے درمیان اختلاف ہو جائے کہ کس طرح لکھا جائے تو قریش کے طریقہ رسم الخط پر لکھو، تو بعد میں کہتے ہیں کہ اختلاف ہوا لفظ ''تابوت'' پر اس کو گول تاء (ۃ) سے لکھا جائے یا لمبے تاء (ت) کے ساتھ، بعد میں قریش کا جو طریقہ تھا کہ وہ لمبی تاء سے لکھتے تھے اسی کو اختیار کیا گیا، یہاں یہی اختلاف مراد ہے اور کوئی خاص بات مراد نہیں ہے۔ [1]

---

[1] عمدۃ القاری، ج: ۱۹، ص: ۳۹۹، و علوم القرآن، ص: ۲۲۵

كتاب فضائل القرآن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

۶۶ ۔ کتاب فضائل القرآن

قرآن کے فضائل کا بیان

(۱) بابُ کیف نزول الوحی وأوّل مانزل ؟

باب: وحی کیسے نازل ہوئی اور سب سے پہلے کیا نازل ہوا؟

وحی کی ضرورت

ہر مسلمان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں آزمائش کیلئے بھیجا ہے، اور اس کے ذمہ کچھ فرائض عائد کر کے پوری کائنات کو اس کی خدمت میں لگا دیا ہے۔ لہٰذا دنیا میں آنے کے بعد انسان کیلئے دو کام ناگزیر ہیں:

ایک: یہ کہ وہ اس کائنات سے جو اس کے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے، ٹھیک ٹھیک کام لے۔

دوسرا: یہ کہ اس کائنات کو استعمال کرتے ہوئے اللہ کے احکام کو مدِ نظر رکھے اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو۔

ان دونوں کاموں کے لئے انسان کو "علم" کی ضرورت ہے، اس لئے جب تک اُسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی کون سی چیز کے کیا خواص ہیں؟ ان سے کس طرح فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے؟ اس وقت تک دنیا کی کوئی بھی چیز اپنے فائدے کیلئے استعمال نہیں کر سکتا، نیز جب تک اُسے یہ معلوم نہ کہ اللہ کی مرضی کیا ہے؟ وہ کون سے کاموں کو پسند فرماتا ہے، اس وقت اس کے لئے اللہ کی مرضی پر کاربند ہونا ممکن نہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ تین چیزیں ایسی پیدا کی ہیں جن کے ذریعے اسے مذکورہ باتوں کا علم ہوتا رہے۔

ایک: انسان کے حواس یعنی آنکھ، کان، ناک مُنہ، اور ہاتھ پیر۔

دوسرے: عقل،

تیسرے: وحی، چنانچہ انسان کو بہت سی باتیں اپنے حواس کے ذریعے معلوم ہو جاتی ہیں، بہت سی عقل کے ذریعے اور جو باتیں ان دونوں ذرائع سے معلوم نہیں ہوسکتیں اُن کا علم وحی کے ذریعے عطاء کیا جاتا ہے۔

علم کے ان تینوں ذرائع میں ترتیب کچھ ایسی ہے کہ ہر ایک کی ایک خاص حد اور مخصوص دائرہ کار ہے، جس کے آگے وہ کام نہیں دیتا ہے۔ چنانچہ جو چیزیں انسان کو اپنے حواس سے معلوم ہو جاتی ہیں، ان کا علم نری عقل سے نہیں ہوسکتا، مثلاً اس وقت میرے سامنے ایک انسان بیٹھا ہے، مجھے اپنی آنکھ کے ذریعہ یہ معلوم ہو گیا کہ یہ انسان ہے، آنکھ ہی نے مجھے یہ بھی بتایا کہ اس کا رنگ گورا ہے، اس کی پیشانی چوڑی، بال سیاہ، ہونٹ پتلے اور چہرہ کتابی ہے، لیکن یہی باتیں اگر میں اپنے حواس کو معطل کر کے محض عقل سے معلوم کرنا چاہوں، مثلاً آنکھیں بند کر کے یہ چاہوں کہ اس انسان کی رنگت، اس کے اعضاء کی صحیح بناوٹ اور اس کے سراپا کی ٹھیک تصویر مجھے صرف اپنی عقل سے ہو جائے تو یہ ناممکن ہے۔

اسی طرح جن چیزوں کا علم عقل کے ذریعہ ہوتا ہے، وہ صرف اسکے حواس سے معلوم نہیں ہوسکتیں، مثلاً اسی شخص کے بارے میں مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اسکی کوئی نہ کوئی ماں ضرور ہے، نیز یہ بھی علم ہے کہ اُسے کسی نے پیدا کیا ہے، اگر چہ نہ اسکی ماں اس وقت میرے سامنے، نہ میں اسکے پیدا کرنے والے کو دیکھ سکتا ہوں، لیکن میری عقل بتا رہی ہے کہ یہ شخص خود بخود پیدا نہیں ہوسکتا،، اب اگر میں یہ علم اپنی عقل کے بجائے اپنی آنکھ سے حاصل کرنا چاہوں تو یہ ممکن نہیں، کیونکہ اسکی تخلیق اور پیدائش کا منظر اب میری آنکھوں کے سامنے نہیں آسکتا ہے۔

غرض جہاں تک حواس خمسہ کا تعلق ہے وہاں تک عقل کوئی رہنمائی نہیں کرتی، اور جہاں حواس خمسہ جواب دیدیتے ہیں وہیں سے عقل کا کام شروع ہوتا ہے، لیکن اس عقل کی رہنمائی بھی غیر محدود نہیں ہے، یہ بھی ایک حد پر جا کر رُک جاتی ہے، اور بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا علم نہ حواس کے ذریعہ حاصل ہوسکتا ہے، اور نہ عقل کے ذریعے، مثلاً اسی شخص کے بارے میں عقل نے یہ تو بتادیا کہ اسے کسی نے پیدا کیا، لیکن اس شخص کو کیوں پیدا کیا گیا ہے؟ اس کے ذمہ خدا کی طرف سے کیا فرائض ہیں؟ اس کا کونسا کام اللہ کو پسند ہے اور کونسا ناپسند؟

یہ سوالات ایسے ہیں کہ عقل اور حواس مل کر بھی ان کا جواب نہیں دے سکتے، ان سوالات کا جواب انسان کو دینے کے لئے جو ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اسی کا نام ''وحی'' ہے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ ''وحی'' انسان کے لئے وہ اعلیٰ ترین ذریعۂ علم ہے جو اسے اس کی زندگی سے متعلق اُن سوالات کا جواب مہیا کرتا ہے، جو عقل اور حواس کے ذریعے حل نہیں ہوتے، لیکن اُن کا علم حاصل کرنا اس کے لئے ضروری ہے اور مذکورہ تشریح سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ صرف عقل اور مشاہدہ انسان کی رہنمائی کے لئے کافی نہیں بلکہ اس کی ہدایت کے لئے وحی الٰہی ایک ناگریز ضرورت ہے اور چونکہ بنیادی طور پر وحی کی ضرورت پیش ہی اُس جگہ آتی ہے جہاں عقل کام نہیں دیتی، اس لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وحی کی ہر بات کا

ادراک عقل ہی سے ہی ہو جائے، جس طرح کسی چیز کا رنگ معلوم کرنا عقل کا کام نہیں بلکہ حواس کا کام ہے اسی طرح بہت سے دینی معتقدات کا علم دینا عقل کے بجائے وحی کا منصب ہے اور ان کے ادراک کے لئے محض عقل پر بھروسہ کرنا درست نہیں۔

وحی کا مفہوم

اس تمہید کو ذہن میں رکھ کر "وحی" کے مفہوم اور اس کی حقیقت پر غور فرمایئے۔

"وحی" اور **"ایحاء"** عربی زبان کے لفظ ہیں اور لغت میں اُنکے معنی ہیں **"جلدی سے کوئی اشارہ کر دینا"** خواہ کوئی بے معنی آواز نکال کر، خواہ کسی عضو کو حرکت دے کر، یا تحریر و نقوش استعمال کر کے، ہر صورت میں لغۃً اس پر یہ الفاظ صادق آتے ہیں۔

چنانچہ اسی معنی میں حضرت زکریا علیہ السلام کا واقعہ بیان کرتے ہوئے قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿فَخَرَجَ عَلَىٰ قَوْمِهِ مِنَ الْمِحْرَابِ فَأَوْحَىٰ
إِلَيْهِمْ أَن سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا﴾ [1]

ترجمہ: پس وہ اپنی قوم کے سامنے محراب سے نکلے،
اور انہیں اشارہ کیا کہ صبح و شام تسبیح کیا کرو۔

پھر ظاہر ہے کہ اس قسم کے اشارے سے مقصد یہی ہوتا ہے کہ مخاطب کے دل میں کوئی بات ڈال دی جائے، اس لئے لفظ **"وحی"** اور **"ایحاء"** دل میں کوئی بات ڈالنے کے معنی میں بھی استعمال ہونے لگا۔ چنانچہ قرآن کریم کی متعدد آیتوں میں یہی معنی مراد ہیں مثلاً:

﴿وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ
الْجِبَالِ بُيُوتًا وَمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُونَ﴾ [2]

ترجمہ: اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل
میں یہ بات ڈال دی کہ تو پہاڑ میں گھر بنالے۔

یہاں تک کہ شیاطین دلوں میں جو وسوسے ڈالتے ہیں اُن کے لئے بھی یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے، ارشاد ہے:

﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا

---

[1] [مریم: ۱۱] [2] [النحل: ۶۸]

شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ﴾ ۳

ترجمہ: اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کیلئے ایک نہ ایک دشمن ضرور پیدا کیا ہے، جن وانس کے شیاطین (میں سے جو) ایک دوسرے کے دل میں وسوسے ڈالتے ہیں۔

نیز ارشاد ہے:

﴿وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ﴾ ۴

ترجمہ: بلاشبہ شیطان اپنے دوستوں کے دل میں وسوسے ڈالتے ہیں، تاکہ تمہارے ساتھ جھگڑا کریں۔

اللہ تعالیٰ فرشتوں سے جو خطاب فرماتے ہیں اس کو بھی "ایحاء" کہا گیا ہے:

﴿إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ﴾ ۵

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ فرشتوں کو اطلاع دیتے تھے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

کسی غیر نبی کے دل میں جو بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈالی جاتی ہے اس کو بھی اسی لفظ سے تعبیر فرمایا گیا ہے:

﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ أَنْ أَرْضِعِيهِ﴾ ۶

ترجمہ: اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو الہام کیا کہ اس کو دودھ پلاؤ۔

لیکن یہ سب اس لفظ کے لغوی مفہوم ہیں، شرعی اصطلاح میں "وحی" کی تعریف یہ ہے:

"كَلَامُ اللهِ الْمُنَزَّلُ عَلَىٰ نَبِيٍّ مِّنْ أَنْبِيَائِهِ" یعنی اللہ تعالیٰ کا وہ کلام جو کسی نبی پر نازل ہو۔

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ لفظ "وحی" اپنے اصطلاحی معنی میں اتنا مشہور ہو چکا ہے کہ اب اس کا استعمال پیغمبر کے سوا کسی اور کیلئے درست نہیں۔

---

۳ [الانعام:۱۱۲] ۴ [الانعام:۱۲۱] ۵ [الانفال:۱۲] ۶ [القصص:۷]

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **"وحی"** اور **"ایحاء"** دونوں الگ الگ لفظ ہیں اور دونوں میں تھوڑا سا فرق ہے۔

"ایحاء" کا مفہوم عام ہے، انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل کرنے کے علاوہ کسی کو اشارہ کرنا اور کسی غیر نبی کے دل میں کوئی بات ڈالنا بھی اسکے مفہوم میں داخل ہے، لہذا یہ لفظ نبی وغیر نبی دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے۔

اس کے برخلاف **"وحی"** صرف اُس الہام کو کہتے ہیں جو انبیاء پر نازل ہو، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں لفظِ **"ایحاء"** کا استعمال تو انبیاء اور غیر انبیاء دونوں کے لئے کیا ہے، لیکن لفظ **"وحی"** سوائے انبیاء کے کسی اور کیلئے استعمال نہیں فرمایا ہے۔

بہرکیف! **"وحی"** وہ ذریعہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنا کلام اپنے کسی منتخب بندے اور رسول تک پہنچاتا ہے، اور اس رسول کے ذریعے تمام انسانوں تک اور چونکہ **"وحی"** اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ایک مقدس تعلیمی رابطہ کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کا مشاہدہ صرف انبیاء علیہم السلام ہی کو ہوتا ہے، اس لئے ہمارے لئے اس کی ٹھیک ٹھیک حقیقت کا ادراک بھی ممکن نہیں، البتہ اس کی اقسام اور کیفیات کے بارے میں کچھ معلومات خود قرآن وحدیث نے فراہم کی ہیں، یہاں صرف انہی کو بیان کیا جاسکتا ہے۔

وحی کی تعلیمات

وحی کے ذریعے بندوں کو اُن باتوں کی تعلیم دی جاتی ہے جو وہ محض اپنی عقل اور حواس سے معلوم نہ کرسکیں، یہ باتیں خالص مذہبی نوعیت کی بھی ہوسکتی ہیں اور دنیا کی عام ضروریات بھی، انبیاء علیہم السلام کی وحی عموماً پہلی قسم کی ہوتی ہے، لیکن بوقت ضرورت دنیوی ضروریات بھی بذریعۂ وحی بتائی گئی ہیں۔

مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا حکم دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

﴿وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا﴾ [۷]

ترجمہ: کشتی ہمارے سامنے ہماری وحی کے ذریعے بناؤ۔

اس سے معلوم ہوا کہ انہیں کشتی کی صنعت بذریعہ وحی سکھائی گئی، اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کو زرہ سازی کی صنعت سکھائی گئی، نیز حضرت آدم علیہ السلام کو خواصِ اشیاء کا علم بذریعہ وحی دیا گیا، بلکہ ایک روایت یہ ہے کہ علمِ طب بنیادی طور پر بذریعہ وحی نازل ہوا۔

---

[۷] [هود: ۳۷]

وحی کی اقسام

حضرت علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وحی کی ابتداء میں تین قسمیں ہوتی ہیں:

۱۔ **وحی قلبی:** اس قسم میں باری تعالیٰ براہ راست نبی کے قلب کو مسخر فرما کر اس میں کوئی بات ڈال دیتا ہے، اس قسم میں نہ فرشتہ کا واسطہ ہوتا ہے، اور نہ نبی کی قوت سامعہ اور حواس کا، لہذا اس میں کوئی آواز نبی کو سنائی نہیں دیتی، بلکہ کوئی بات قلب میں جاگزیں ہوجاتی ہے، اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ بات اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے، یہ کیفیت بیداری میں بھی ہوسکتی ہے اور خواب میں بھی، چنانچہ انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی ہوتا ہے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنے بیٹے کے ذبح کرنے کا حکم اسی طرح دیا گیا تھا۔

۲۔ **کلامِ الٰہی:** اس دوسری قسم میں باری تعالیٰ براہ راست رسول کو اپنی ہم کلامی کا شرف عطاء فرماتا ہے، اس میں بھی کسی فرشتہ کا واسطہ نہیں ہوتا، لیکن نبی کو آواز سنائی دیتی ہے۔ یہ آواز مخلوقات کی آواز سے بالکل جدا ایک عجیب وغریب کیفیت کی حامل ہوتی ہے، جس کا ادراک عقل کے ذریعے ممکن نہیں، جو انبیاء اُسے سنتے ہیں، وہی اس کی کیفیت اور اس کے سرور کو پہچان سکتے ہیں۔

وحی کی اس قسم میں چونکہ باری تعالیٰ سے براہ راست ہم کلامی کا شرف حاصل ہوتا ہے، اس لئے یہ قسم وحی کی تمام قسموں میں سب سے افضل اور اعلیٰ ہے، اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت بیان کرتے ہوئے قرآن کریم کا ارشاد ہے:

﴿وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا﴾ ۵

ترجمہ: اور اللہ نے موسیٰ سے خوب باتیں کیں۔

۳۔ **وحی ملکی:** اس تیسری قسم میں اللہ تعالیٰ اپنا پیغام کسی فرشتے کے ذریعے نبی تک بھیجتا ہے اور وہ فرشتہ پیغام پہنچاتا ہے، پھر بعض اوقات یہ فرشتہ نظر نہیں آتا، صرف اس کی آواز سنائی دیتی ہے، اور بعض مرتبہ وہ کسی انسان کی شکل میں سامنے آکر پیغام پہنچا دیتا ہے، اور کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ نبی کو اپنی اصلی صورت نظر آجائے لیکن ایسا شاذ ونادر ہی ہوتا ہے۔

قرآن کریم نے وحی کی انہی تین قسموں کی طرف آیتِ ذیل میں اشارہ فرمایا ہے:

﴿وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا أَوْ

---

۵ [النساء: ۱۶۴]

مِن وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ رَسُولًا فَيُوحِيَ
بِإِذْنِهِ مَا يَشَاءُ﴾ [۹]

ترجمہ: کسی بھی بشر کیلئے ممکن نہیں ہے کہ اللہ اس سے (روبرو ہوکر) بات کرے، مگر دل میں بات ڈال کر یا پردے کے پیچھے سے یا کسی پیغامبر (فرشتے) کو بھیج کر جو اللہ کی اجازت سے جو اللہ چاہے وحی نازل کرے۔

اس آیت میں "وحیاً" یعنی دل میں بات ڈالنے سے مراد پہلی قسم یعنی وحی قلبی ہے اور پردے کے پیچھے سے مراد دوسری قسم یعنی کلام الٰہی، اور پیغامبر بھیجنے سے مراد تیسری قسم یعنی وحی مَلَکی ہے۔ [۱۰]

حضور ﷺ پر وحی کے طریقے

آنحضرت ﷺ پر بھی مختلف طریقوں سے وحی نازل کی جاتی تھی، ایک روایت میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حارث بن ہشام نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا کہ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے؟

تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ **"أحياناً يأتيني مثل صَلْصَلَةِ الجَرَسِ وهو أشده علي فيفصم عني وقد وعيت ما قال وأحياناً يتمثل لي الملك رجلاً"** یعنی کبھی تو مجھے گھنٹیوں کی سی آواز سنائی دیتی ہے اور وحی کی یہ صورت میرے لئے سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے، پھر جب یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے تو جو کچھ آواز نے کہا ہوتا ہے، مجھے یاد ہو چکا ہوتا ہے، اور کبھی فرشتہ میرے سامنے ایک مرد (انسان) کی صورت میں آجاتا ہے۔

اس حدیث سے آنحضرت ﷺ پر نزول وحی کے دو طریقے معلوم ہوتے ہیں:

۱- **صلصلة الجرس:** پہلا طریقہ یہ ہے کہ آپ ﷺ کو اس قسم کی آواز آیا کرتی تھی کہ جیسے گھنٹیاں بجنے سے پیدا ہوتی ہے۔

---

[۹] [الشوریٰ: ۵۱]

[۱۰] فیض الباری، ج: ۴، ص: ۲۶۳

۲-**تمثل ملک**: وحی کی دوسری صورت جس کا مذکورہ حدیث میں ذکر ہے، یہ تھی کہ فرشتہ کسی انسانی شکل میں آپ ﷺ کے پاس آکر اللہ کا پیغام پہنچا دیتا تھا، ایسے مواقع پر عموماً حضرت جبرائیل علیہ السلام مشہور صحابی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے۔

حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ کو جو آپ ﷺ نے نزولِ وحی کی دو کیفیتیں بتائیں، یہ دو صورتیں کثیر الوقوع تھیں یعنی زیادہ تر وحی ان دو صورتوں میں ہی نازل ہوتی تھی، لیکن نزولِ وحی صرف ان دو صورتوں میں منحصر نہیں تھی، بلکہ اس کی اور بھی صورتیں ہوتی تھیں اور بعض روایات سے دیگر صورتیں بھی نزولِ وحی کی ثابت ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

۳- **فرشتہ کا اصل شکل میں آنا**: وحی کی تیسری صورت یہ تھی کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کبھی انسان کی شکل اختیار کئے بغیر اپنی اصل صورت میں دکھائی دیتے تھے، لیکن ایسا آپ ﷺ کی تمام عمر میں صرف تین مرتبہ ہوا۔

۴- **رؤیائے صادقہ**: وحی کی چوتھی قسم صورت یہ تھی کہ آپ ﷺ کو نزولِ قرآن سے قبل سچے خواب نظر آیا کرتے تھے، جو کچھ خواب میں دیکھتے تھے بیداری کی حالت میں بھی ویسا ہی ہو جاتا تھا۔

۵- **کلامِ الٰہی**: حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ سے براہ راست ہم کلام ہونے کا شرف حاصل ہوا، بیداری کی حالت میں صرف معراج کے موقع پر پیش آیا ہے، اس کے علاوہ ایک مرتبہ خواب میں بھی آپ ﷺ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے ہیں۔

۶- **نفث فی الروع**: وحی کا چھٹا طریقہ یہ تھا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کسی بھی شکل میں سامنے آئے بغیر آپ ﷺ کے قلب مبارک میں کوئی بات القاء فرما دیتے تھے۔

یہ وحی کی اہمیت، ضرورت و مفہوم، تعلیمات، اقسام اور آپ ﷺ پر نزولِ وحی کے طریقوں کے متعلق تمہید اور بیان تھا۔ [۱۱]

قال ابن عباس: المھیمن: الأمین، القرآن أمین علی کل کتاب قبله.

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ "**المھیمن**" کے معنی ہیں امین یعنی قرآن اپنے سے پہلی کتابوں کی حفاظت کرنے والا ہے۔

۴۹۷۸، ۴۹۷۹۔ حدثنا عبیداللہ بن موسی، عن شیبان، عن یحیی، عن أبی سلمة قال: أخبرتنی عائشة وابن عباس قالا: لبث النبی ﷺ بمکة عشر سنین ینزل علیه القرآن، وبالمدینة عشر سنین. [راجع: ۴۴۶۴]

---

[۱۱] مزید تفصیل کیلئے مراجعت فرمائیں: علوم القرآن و انعام الباری شرح صحیح البخاری، کتاب بدء الوحی، جلد: ۱

ترجمہ: ابوسلمہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما دونوں نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ مکہ میں دس سال تک اور مدینہ میں دس سال تک ٹھہرے، اس حال میں کہ آپ پر قرآن نازل ہوتا رہا۔

۴۹۸۰ ۔ حدثنا موسى بن اسماعيل: حدثنا معتمر: سمعت أبي، عن أبي عثمان قال: أنبئت أن جبريل أتى النبي ﷺ وعنده أم سلمة فجعل يتحدث فقال لأم سلمة: ((من هذا؟)) أو كما قال، قالت: هذا دحية، فلما قام قالت: والله ما حسبته إلا إياه حتى سمعت خطبة النبي ﷺ يخبر خبر جبريل أو كما قال، قال أبي: قلت لأبي عثمان: ممن سمعت هذا؟ قال: من أسامة بن زيد. [راجع: ۳۶۳۳]

ترجمہ: ابی روایت کرتے ہیں ابوعثمان سے کہ انہوں نے بیان کیا کہ مجھے خبر دی گئی کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور اس وقت آپ کے پاس حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں، وہ آپ ﷺ سے گفتگو کرنے لگے، آپ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ یہ کون ہیں؟ یا اسی طرح آپ نے کچھ اور فرمایا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا یہ دحیہ ہیں، جب حضرت جبرائیل علیہ السلام کھڑے ہوئے، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں ان کو حضرت دحیہ رضی اللہ عنہ ہی خیال کرتی رہی۔ حتی کہ میں نے نبی کریم ﷺ کا خطبہ سنا کہ آپ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی خبر دے رہے ہیں، یا اسی طرح آپ نے کچھ فرمایا۔ راوی حدیث ابی کہتے ہیں کہ میں نے ابوعثمان سے پوچھا کہ آپ نے یہ حدیث کس سے سنی ہے؟ تو انہیں نے کہا کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما سے یہ روایت سنی ہے۔

۴۹۸۱ ۔ حدثنا عبدالله بن يوسف: حدثنا الليث: حدثنا سعيد المقبري، عن أبيه، عن أبي هريرة رضی اللہ عنہ قال: قال النبي ﷺ: ((ما من الأنبياء نبيّ إلا أُعطي من الآيات ما مثله آمن عليه البشر، وإنما كان الذي أوتيته وحيا أوحاه الله إلي، فأرجو أن أكون أكثرهم تابعاً يوم القيامة)). [أنظر: ۷۲۷۴] [۲۲]

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر نبی کو ایسے ایسے معجزات عطا کئے گئے کہ (انہیں دیکھ کر لوگ) ان پر ایمان لائیں اور مجھے جو معجزہ دیا گیا ہے وہ وحی ہے، جو اللہ جل جلالہ نے میری طرف بھیجا ہے اس لئے مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میری پیروی کرنے والے سب سے زیادہ ہوں گے۔

---

[۲۲] وفي صحيح مسلم، كتاب الايمان، باب وجوب الايمان برسالة نبينا محمداً ﷺ الى جميع الناس، ونسخ الملل بملته، رقم: ۱۵۲، ومسند احمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي هريرة رضی اللہ عنہ، رقم: ۸۴۹۱، ۹۸۲۸

۴۹۸۲ ۔ حدثنا عمرو بن محمد: حدثنا يعقوب بن إبراهيم: حدثنا أبي، عن صالح بن كيسان، عن ابن شهاب قال: أخبرني أنس بن مالك ﷺ: أن الله تعالى تابع على رسوله ﷺ قبل وفاته حتى توفاه أكثر ما كان الوحي، ثم توفي رسول الله ﷺ بعد.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ اللہ ﷻ نے اپنے رسول ﷺ پر آپ کی وفات سے پہلے متواتر وحی بھیجی، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی آخری عمر میں پہلے کے اعتبار سے وحی کثرت سے آنے لگی، پھر اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی۔

۴۹۸۳ ۔ حدثنا أبو نعيم: حدثنا سفيان، عن الأسود بن قيس قال: سمعت جندبا يقول: اشتكى النبي ﷺ فلم يقم ليلة أو ليلتين فأتته امرأة فقالت: يا محمد، ما أرى شيطانك إلا قد تركك. فأنزل الله عزوجل ﴿والضُّحى وَاللَّيْلِ إذَا سَجَى مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَما قَلَى﴾ [الضحى: ۱-۳]. [راجع: ۱۱۲۴]

ترجمہ: اسود بن قیس کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جندب بن سفیان ﷺ کو سنا کہ وہ فرما رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ بیمار پڑ گئے اور دو یا تین راتوں کو تہجد کیلئے نہیں اٹھ سکے، پھر ایک عورت آئی اور کہنے لگی اے محمد! تمہارے شیطان نے تمہیں چھوڑ دیا ہے، دو یا تین راتوں سے میں اسے نہیں دیکھتی ہوں کہ تیرے پاس آیا ہو، اس پر اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿والضُّحى وَاللَّيْلِ إِذَا سَجَى ماوَدَّعَكَ رَبُّكَ وَماقَلَى﴾۔

(۲) بابُ نزل القرآن بلسان قريش والعرب

باب: قرآن قریش اور عرب کی زبان میں نازل ہوا۔

قرآن کا رسم الخط لغت قریش ہے

﴿قُرْآناً عَرَبِيّاً﴾ [۱۳]، [۱۴] - ﴿بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُبِينٍ﴾ [۱۵]

---

[۱۳] [یوسف: ۲]

[۱۴] یعنی عربی زبان جو تمام زبانوں میں زیادہ فصیح و وسیع اور منضبط و پرشوکت زبان ہے، نزول قرآن کے لئے منتخب کی گئی۔ جو خود پیغمبر عربی ہیں تو ظاہر ہے کہ دنیا میں اس کے اولین مخاطب بھی عرب ہوں گے۔ پھر عرب کے ذریعے سے چاروں طرف یہ روشنی پھیلے گی۔ اسی کی طرف ﴿لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ میں اشارہ فرمایا کہ تمہاری زبان میں اُتارنے کی ایک وجہ ..... ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر﴾

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جس وقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی قیادت میں مصحفِ قرآنی مرتب کرنے کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت بنائی تو ان سے فرمایا کہ جب تمہارے اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے درمیان قرآن کے کسی حصے میں اختلاف ہو تو اسے قریش کی زبان پر لکھنا، کیونکہ قرآن انہی کی زبان پر نازل ہوا ہے۔

اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ساتوں حروف باقی رکھے تھے تو اس ارشاد کا کیا مطلب ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہی وہ جملہ ہے جس سے حافظ ابن جریر اور بعض دوسرے علماء رحمہم اللہ اجمعین نے یہ سمجھا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چھ حروف ختم کر کے صرف ایک حرف قریش کو باقی رکھا تھا، لیکن درحقیقت اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد پر بھی اچھی طرح غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا یہ مطلب سمجھنا درست نہیں ہے کہ انہوں نے حرف قریش کے علاوہ باقی حروف کو ختم فرما دیا تھا بلکہ مجموعی روایات دیکھنے کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس ارشاد سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ تھا کہ اگر قرآن کریم کی کتابت کے دوران رسم الخط کے طریقے میں کوئی اختلاف ہو تو قریش کے رسم الخط کو اختیار کیا جائے۔

اسکی دلیل یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی اس ہدایت کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جب کتابت قرآن کا کام شروع کیا تو پورے قرآن کریم میں انکے درمیان صرف ایک اختلاف پیش آیا، جس کا ذکر امام زہری رحمہ اللہ نے یوں فرمایا ہے کہ:

"فاختلفوا یومئذ فی التابوت والتابوۃ فقال النفر القرشیون التابوت وقال زید بن ثابت التابوۃ فرفع اختلافھم الی عثمان فقال اکتبوہ التابوت فانہ بلسان قریش نزل".

چنانچہ اس موقع پر ان کے درمیان **"تابوت"** اور **"تابوۃ"** میں اختلاف ہوا، قریشی صحابہ رضی اللہ عنہم کہتے تھے کہ **"التابوت"** (بڑی تاء سے لکھا جائے) اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ **"التابوۃ"** (گول تاء سے لکھا جائے گا)۔ پس اس اختلاف کا معاملہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش ہوا، جس پر انہوں نے فرمایا کہ اسے **"التابوت"** لکھو، کیونکہ قرآن قریش کی زبان پر نازل ہوا ہے۔

﴿گزشتہ سے پیوستہ﴾ ... تم جو پیغمبر علیہ السلام کی قوم ہو اوّل اس کے علوم و معارف کا مزہ چکھو پھر دوسروں کو چکھاؤ۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ **"انزل اشرف الکتاب باشرف اللغات علی اشرف الرسل الملائکۃ وکان ذلک فی اشرف بقاع الارض وابتداء انزالہ فی اشرف شھور السنۃ وھو رمضان. فکمل من کل الوجوہ". تفسیر ابن** کثیر، ج: ۳، ص: ۳۲۹۔ بحوالہ الفضل المبین، ج: ۱، ص: ۳۳۰

۱۵ [الشعراء: ۱۹۵]

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عثمان ﷺ نے حضرت زید ﷺ اور قریشی صحابہ ﷺ کے درمیان جس اختلاف کا ذکر فرمایا اس سے مراد رسم الخط کا اختلاف تھا نہ کہ لغت کا۔ [۱۶]

۴۹۸۴ ۔ حدثنا أبو اليمان: أخبرنا شعيب، عن الزهري، وأخبرني أنس بن مالك قال: فأمر عثمان زيد بن ثابت، وسعيد بن العاص، وعبدالله بن الزبير، وعبدالرحمٰن بن الحارث بن هشام أن ينسخوها في المصاحف وقال لهم: إذا اختلفتم أنتم وزيد بن ثابت في عربيةٍ من عربية القرآن، فاكتبوها بلسان قريش، فإن القرآن أُنزل بلسانهم، ففعلوا. [راجع: ۳۵۰۶]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷺ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عثمان ﷺ نے حضرت زید بن ثابت ﷺ اور حضرت سعید بن عاص ﷺ اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام ﷺ کو حکم دیا کہ قرآن مجید کو مصحف رکتابی شکل میں لکھیں اور فرمایا کہ اگر قرآن کے کسی محاورے میں تمہارا حضرت زید بن ثابت ﷺ سے اختلاف ہو تو اس لفظ کو قریش کے محاورہ کے مطابق لکھو، کیونکہ قرآن ان ہی کے محاورے پر نازل ہوا ہے، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔

۴۹۸۵ ۔ حدثنا أبو نعيم: حدثنا همام: حدثنا عطاء، وقال مسدد: حدثنا يحيى، عن ابن جريج قال: أخبرني عطاء قال: أخبرني صفوان بن يعلى بن أمية: أن يعلى كان يقول: ليتني أرى رسول الله ﷺ حين ينزل عليه الوحي. فلما كان النبي ﷺ بالجعرانة وعليه ثوبٌ قد أظل عليه ومعه الناس من أصحابه إذ جاءه رجل متضمخ بطيب فقال: يا رسول الله، كيف ترى في رجل أحرم في جبة بعد ما تضمخ بطيب؟ فنظر النبي ﷺ ساعة فجاءه الوحي. فأشار عمر الى يعلى - أي: تعال - فجاء يعلى فأدخل رأسه فإذا هو محمر الوجه يغط كذلك ساعة ثم سري عنه فقال: ((أين الذي يسألني عن العمرة آنفا؟)) فالتمس الرجل فجيء به إلى النبي ﷺ فقال: ((أما الطيب الذي بك فاغسله ثلاث مرات. وأما الجبة فانزعها، ثم اصنع في عمرتك كما تصنع في حجك)). [راجع: ۱۵۳۶]

ترجمہ: حضرت یعلیٰ ﷺ کہا کرتے تھے کہ میری خواہش تھی کہ کاش میں اس وقت رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا جس وقت آپ پر وحی نازل ہو رہی ہو۔ جب نبی کریم ﷺ مقام جعرانہ میں تھے ایک کپڑا آپ کے اوپر تھا، جو آپ پر سایہ کئے ہوئے تھا اور آپ کے ساتھ آپ کے صحابہ میں سے کچھ لوگ تھے، اتنے میں ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، جو خوشبو سے لتھڑا ہوا تھا، اس نے عرض کی اے اللہ کے رسول! اس شخص کے بارے میں

---

[۱۶] علوم القرآن، صفحہ نمبر: ۱۴۴-۱۴۵

آپ کیا فرماتے ہیں جس نے جبہ میں حج کا احرام باندھا ہوا اور وہ خوشبو سے لتھڑا ہوا ہو؟ نبی کریم ﷺ نے تھوڑی دیر انتظار کیا، پھر آپ پر وحی آئی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یعلی کو اشارہ سے کہا یہاں آؤ، یعلی آئے اور اپنا سر اندر داخل کیا تو دیکھا کہ اس وقت آپ ﷺ کا چہرۂ انور سرخ ہو رہا تھا، تھوڑی دیر تک آپ کی یہی حالت رہی، پھر یہ کیفیت آپ سے دور ہوئی، تو آپ نے فرمایا وہ آدمی کہاں ہیں؟ جو ابھی عمرہ کے متعلق پوچھ رہا تھا، ایک شخص نے اس کو ڈھونڈا اور وہ نبی ﷺ کی خدمت میں لایا گیا، آپ نے فرمایا کہ وہ خوشبو جو تجھ پر لگی ہوئی ہے اسے تین بار دھو دے اور جبہ کو اتار دے پھر عمرہ میں وہی افعال کر جو حج میں کرتا ہے۔ [۱۷]

(۳) باب جمع القرآن
قرآن مجید کے جمع کرنے کا بیان

جمع قرآن یعنی تاریخ حفاظت قرآن کے موضوع پر جس میں نبی کریم ﷺ اور آپ کے بعد زمانوں میں قرآن کریم کی حفاظت کس طرح کی گئی؟ اُسے کس طرح لکھا گیا؟ اور یہ کوششیں کتنے مراحل سے گزری ہیں؟ اس سلسلے میں غیر مسلموں اور ملحدوں کی طرف سے جو شکوک وشبہات پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے اس کے مکمل اور اطمینان بخش جواب کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: علوم القرآن، ص: ۱۷۳، باب پنجم۔

۴۹۸۶ ۔ حدثنا موسى بن إسمعيل، عن إبراهيم بن سعد: حدثنا ابن شهاب، عن عن عبيد بن السباق: أن زيد بن ثابت رضی اللہ عنہ قال: أرسل إلى أبوبكر الصديق مقتل أهل اليمامة فإذا عمر بن الخطاب عنده. قال أبوبكر رضی اللہ عنہ: إنّ عمر أتانى فقال: إنّ القتل قد استحر يوم اليمامة بقراء القرآن، وإنى أخشى إن استحر القتل بالقراء بالمواطن فيذهب كثير من القرآن. وإنى أرى أن تأمر بجمع القرآن. قلت لعمر: كيف تفعل شيئا لم يفعله رسول الله ﷺ؟ قال عمر: هذا والله خير، فلم يزل عمر يراجعنى حتى شرح الله صدرى لذلك، ورأيت فى ذلك الذى رأى عمر. قال زيد: قال أبوبكر: إنك رجل شاب عاقل لانتهمك وقد كنت تكتب الوحى لرسول الله ﷺ الوحى لرسول الله ﷺ فتتبع القرآن

---

[۱۷] تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں: انعام الباری شرح صحیح البخاری، کتاب الحج، باب غسل الخلوق ثلاث مرات من الثیاب، رقم: ۱۵۳۶، ج:۵، ص:۱۹۲

فاجمعه. فوالله لو كلفوني نقل جبل من الجبال ما كان أثقل علي مما أمرني به من جمع القرآن. قلت: كيف تفعلون شيئا لم يفعله رسول الله ﷺ؟ قال: هو والله خير. فلم يزل أبو بكر يراجعني حتى شرح الله صدري للذي شرح له صدر أبي بكر وعمر رضي الله عنهما، فتتبعت القرآن أجمعه من العسب واللخاف وصدور الرجال حتى وجدت آخر سورة التوبة مع أبي خزيمة الأنصاري لم أجدها مع أحد غيره ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ [التوبة:۱۲۸-۱۲۹] حتى خاتمة براءة. فكانت الصحف عند أبي بكر حتى توفاه الله، ثم عند عمر حياته، ثم عند حفصة بنت عمر رضي الله عنها. [راجع: ۲۸۰۷]

ترجمہ: حضرت زید بن ثابت ﷺ روایت کرتے ہیں کہ یمامہ کی خونریزی کے زمانہ میں مجھ کو حضرت ابوبکر ﷺ نے بلایا اس وقت حضرت عمر ﷺ بھی ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے کہا کہ عمر میرے پاس آئے اور کہا کہ جنگ یمامہ میں بہت سے قرآن پڑھنے والے شہید ہو گئے ہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ بہت سے مقامات میں قاریوں کا قتل ہوگا، تو بہت سا قرآن جاتا رہے گا، اس لئے میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ آپ قرآن کے جمع کرنے کا حکم دیں۔ حضرت ابوبکر ﷺ نے فرمایا کہ میں نے عمر سے کہا کہ تم کیونکر وہ کام کرو گے جس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا، حضرت عمر ﷺ نے کہا خدا کی قسم! یہ بہتر ہے اور عمر ﷺ مجھ سے بار بار اصرار کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ ﷻ نے اس کیلئے میرا سینہ کھول دیا اور میں نے بھی اس میں وہی مناسب خیال کیا، جو عمر نے خیال کیا۔

حضرت زید ﷺ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر ﷺ نے مجھ سے کہا کہ تم ایک جوان آدمی ہو، ہم تم کو متہم بھی نہیں کر سکتے اور تم رسول اللہ ﷺ کیلئے وحی لکھتے تھے، اس لئے قرآن کو تلاش کر کے جمع کرو۔ اللہ کی قسم! اگر مجھے کسی پہاڑ کو اٹھانے کی تکلیف دیتے تو قرآن کے جمع کرنے سے، جس کا انہوں نے مجھے حکم دیا تھا زیادہ وزنی نہ ہوتا۔ میں نے کہا آپ لوگ کس طرح وہ کام کریں گے، جس کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا، حضرت ابوبکر ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! یہ خیر ہے، اور بار بار مجھ سے اصرار کرتے رہے، یہاں تک کہ اللہ ﷻ نے اس کیلئے میرا سینہ کھول دیا، جس طرح حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے سینے کھولے تھے۔

چنانچہ میں نے قرآن کو کھجور کے پتوں، پتھر کے ٹکڑوں اور لوگوں کے سینوں سے تلاش کر کے جمع کرنا شروع کیا، یہاں تک سورہ براءۃ کے کی آخری آیت میں نے حضرت ابوخذیمہ انصاری ﷺ کے پاس پائی، جو مجھے کسی اور کے پاس نہیں ملی وہ آیت یہ تھی ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ سورہ براءۃ کے آخر تک۔ پھر یہ صحیفے یعنی مصحف حضرت ابوبکر ﷺ کے پاس رہے یہاں تک کہ اللہ ﷻ نے انہیں اٹھالیا، پھر حضرت عمر ﷺ کے پاس ان کی زندگی میں پھر حضرت حفصہ بنت عمر ﷺ کے پاس رہے۔

تشریح

حضرت زید بن ثابت ﷺ فرماتے ہیں کہ **"فتتبعت من القرآن"** میں قرآن کریم کوتتبع کر کے کھجور کے پتوں، سفید پتھروں اور لوگوں کے سینوں سے جمع کرتا رہا، یہاں تک کہ میں نے سورۂ توبہ کی آخری آیت ابو خزیمہ انصاری ﷺ کے پاس پائی اور وہ آیت مجھے ان کے سوا اور کسی کے پاس نہیں ملی، وہ یہ ہے

﴿لَقَدْ جاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَاعَنِتُّمْ﴾ سورۂ براۃ کے اختتام تک۔

ملحدین اور روافض کا اعتراض

اس کے ذریعے بعض ملحدین اور روافض نے اور بعض دوسرے لوگوں نے یہ دعوی کرنے کی کوشش کی ہے کہ پورا قرآن کریم متواتر نہیں ہے، کیونکہ یہ آیت سوائے حضرت ابوخزیمہ انصاری ﷺ کے اور کسی کے پاس دریافت نہیں ہوئی، تو معلوم ہوا کہ اس آیت کو کم از کم تواتر حاصل نہیں۔

اعتراض کا جواب

اس اعتراض کے جواب میں ہمارے حضرات کی طرف سے جو باتیں کہی گئی ہیں، وہ عام طور سے اطمینان بخش نہیں ہیں، اس لئے اس کی حقیقت کو سمجھنا چاہئے، یہ بڑی اہم بات ہے جو میں کہہ رہا ہوں۔ یہ اعتراض یا یہ خیال کہ یہ آیت **﴿لَقَدْ جاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾** یہ متواتر نہیں ہے، یہ درحقیقت حضرت زید بن حارث ﷺ کے طریقۂ کار کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے۔

عہد نبوی ﷺ میں کتابتِ قرآن

صورتحال یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں قرآن تین طریقوں سے لکھا جاتا تھا:

ایک طریقہ تو یہ تھا کہ خود حضور اکرم ﷺ کاتب وحی کو بلا کر آپ لکھوا دیتے تھے کہ یہ آیت ہے اس کو لکھو، تو اس طرح نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک ہی میں پورا قرآن کاتب وحی کے ذریعہ لکھا جا چکا تھا۔ اسی طرح اگر دیکھا جائے تو قرآن کریم کا ایک نسخہ تیار ہو گیا تھا۔

دوسرا طریقہ یہ تھا کہ مختلف صحابہ کرام ﷺ اپنے اپنے طریقے پر اپنے پاس قرآن کریم کے کچھ حصے لکھا کرتے تھے، حضور ﷺ نے بلا کر نہیں لکھوائے، لیکن ہر ایک صحابی نے یہ چاہا کہ میں یہ سورت اپنے پاس لکھ لوں تو

وہ آئے حضور اکرم ﷺ سے سورت سنی اور اپنے پاس لکھ کر محفوظ کرلی تو کسی کے پاس کچھ آیتیں، کسی کے پاس کچھ سورتیں اور کسی کے پاس پورا قرآن کریم، اس طرح لکھا ہوا موجود تھا۔

تیسرا طریقہ یہ تھا کہ حضرات اپنے اپنے طور پر جو آیات قرآن لکھی ہوئی تھیں انکو جمع کر کے پورا قرآن کریم موجود تھا، لیکن معاملہ یہ تھا کہ یہ کسی مجلد کتاب میں یکجا نہیں تھا، کوئی سورت کسی پارچے پر لکھی ہوئی ہے، کوئی کھجور کے پتوں پر، کوئی پتھر کے ٹکڑوں پر۔

دوسرا یہ کہ چونکہ قرأتیں مختلف تھیں، تو ان کے اندر قرأتوں کے اعتبار سے یکسانیت نہیں تھی، کوئی آیت یا سورت کسی قرأت سے لکھی ہوئی ہے اور دوسرے کے پاس کسی اور قرأت کے مطابق لکھی ہوئی ہے، تو یہ یکسانیت نہیں تھی۔ ترتیب میں بھی یہ یقین نہیں تھا کہ جس کے پاس جو آیت لکھی ہوئی ہے وہ پوری ترتیب کے ساتھ لکھی ہوئی ہے۔

عہد صدیقی میں جمع قرآن

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو خطرہ پیش آیا وہ یہ ہے کہ ابھی تک اگر چہ لکھی ہوئی تو ہیں اور مختلف قرأتوں میں، مختلف رسم الخط سے لکھی ہوئی ہیں اور ان کے اندر آپس میں ترتیب بھی پوری نہیں ہے لیکن حفاظ بے انتہا ہیں، لہٰذا اس مختلف قرأتوں کی وجہ سے یا ترتیب کے مختلف ہونے کی وجہ سے یا متفرق ہونے کی وجہ سے قرآن کے ضائع ہونے کا کوئی احتمال نہیں۔

جب جنگ یمامہ کے موقعے پر حفاظ کی ایک بڑی تعداد شہید ہوئی اور آئندہ مزید خطرہ رہا تو اس وقت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں خیال آیا کہ اگر یہ حفاظ اسی طرح شہید ہوتے رہے تو قرآن بے شک لکھا ہوا تو ہے لیکن غیر مرتب اور غیر منظم انداز میں ہے اور قرأتوں کا بھی اختلاف ہے کہ کل کو کوئی جھگڑا ایسا نہ پڑ جائے جس کی تصدیق لوگوں کے حافظے سے نہ کرائی جا سکے، اس لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو مشورہ دیا بالآخر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے قبول کیا اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو اس کام پر مامور کیا۔

جب اس کام کیلئے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو مامور کیا تو حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ **"لو کلفونی نقل جبل من الجبال ما کان أثقل علی مما أمرنی به"** یعنی اگر مجھے کوئی پہاڑ ڈھونڈنے کا حکم دیتے تو اتنا شاق نہ ہوتا جتنا اس کام یعنی جمع قرآن کرنے پر شاق معلوم ہوا۔

شاق اس لئے لگا کہ ساری آنے والی امت کی تنہا ذمہ داری ان کے اوپر پڑگئی کہ قرآن اب ایسا تیار ہو رہا ہے جو امت کے لئے مرجع بنے گا، تو اس میں توانائی، تدبر، محتاط اور چھان بین کی جتنی ضرورت ہے تو سب

ایک مشقت کی جان ہے، اسی لئے حضرت زید ﷺ نے وہ بڑا وقت طلب کام سمجھا۔

جمع قرآن کا طریقہ کار

اگر حضرت زید بن ثابت ﷺ چاہتے تو پورا قرآن اپنے حافظے سے لکھوا سکتے تھے، کیونکہ حضرت زید بن ثابت ﷺ قراء صحابہ میں سے تھے، کاتب وحی تھے، قرآن یاد تھا، اگر چاہتے تو پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی، اپنے حافظے سے جو قرآن یاد تھا وہ لکھوا دیتے لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا، وہ چاہتے یہ تھے کہ جب قرآن لکھا جا رہا ہے تو تدبر، تتبع اور تأمل کے جتنے ذرائع ہیں، وہ سارے کے سارے استعمال کئے جائیں۔

چنانچہ سب سے پہلے تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ جس کسی شخص کے پاس بھی نبی کریم ﷺ کی لکھوائی ہوئی کوئی آیت موجود ہو تو وہ سب ہمارے پاس لے آئے۔ جب وہ لکھی ہوئی آیات لے کر آتے تو حضرت زید بن ثابت ﷺ اس کی تین طریقے سے تصدیق کرتے۔

ایک تو خود اپنے حافظے سے کہ یہ آیت جو لا رہے ہیں وہ اسی کے مطابق ہے جو میں نے حضور اکرم ﷺ سے سنا ہے، یا وہ اسی کے مطابق نہیں ہے۔

بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت عمر ﷺ بھی اس کام میں شریک ہو گئے تھے، لہٰذا حضرت عمر ﷺ سے بھی تصدیق کراتے کہ یہ آیت آپ کو اچھی طرح یاد ہے یا نہیں۔ پھر جو آدمی آیت لا رہا تھا اس سے دو گواہ طلب کرتے تھے کہ یہ آیت نبی کریم ﷺ نے آپ کو اسی طرح لکھوائی تھی جس طرح آپ کے پاس محفوظ ہے، اس میں کوئی کمی بیشی تو نہیں ہوئی۔ پھر جو لوگوں نے اپنے اپنے مجموعے تیار کر رکھے تھے، اس سے تصدیق کرتے۔ جب ان تمام ذرائع سے تصدیق ہو جاتی تو پھر اس آیت کو مصحف میں درج فرماتے۔

اب جبکہ آپ نے یہ اعلان فرمایا تھا کہ لکھی ہوئی آیتیں لاؤ تو اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ ان کے قرآن ہونے کا ذریعہ سوائے ان کے لائے ہوئے طریقہ کے علاوہ کوئی اور نہیں تھا اور لوگوں کے پاس ایسی آیتیں بھی ہیں جو حضور ﷺ نے نہیں لکھوائی، لیکن لوگوں نے اپنے طور پر لکھ لی تھی۔

تو اسی سیاق میں حضرت زید بن ثابت ﷺ یہ فرما رہے ہیں کہ قرآن کریم کی بہت ساری آیتوں کا حال یہ تھا کہ ایک آیت بہت سے لوگ لے کر آ رہے تھے، لیکن یہ تنہا آیت ایسی تھی کہ جو لکھی ہوئی یعنی حضور اقدس ﷺ کی املاء کرائی ہوئی آیت سوائے حضرت ابو خزیمہ ﷺ کے اور کسی کے پاس نہیں تھی، اس کا معنی یہ نہیں ہے کہ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ یہ آیت قرآنی ہے یا نہیں۔

مطلب یہ ہے کہ یہ سب کے حافظے میں تھی، سب جانتے تھے کہ یہ قرآن کریم کی آیت ہے اور حضور ﷺ

کے املاء کرائے بغیر جو آیات لوگوں کے پاس ہیں ان میں بھی کسی کے پاس ہو سکتی ہے، لیکن حضور اکرم ﷺ کی املاء کرائی ہوئی جس کے بارے میں شہادت سے یہ بات معلوم ہو کہ حضور اقدس ﷺ نے املاء کرائی تھی یہ سوائے حضرت خزیمہ ﷜ کے اور کسی کے پاس نہیں تھا اس واسطے اس بات سے اس کے تواتر پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

۴۹۸۷ ۔ حدثنا موسى: حدثنا إبراهيم: حدثنا ابن شهاب: أن أنس بن مالک حدثه: أن حذيفة بن اليمان قدم على عثمان، وكان يغازي أهل الشام في فتح إرمينية وأذربيجان مع أهل العراق. فأفزع حذيفة اختلافهم في القراءة، فقال حذيفة لعثمان: يا أمير المؤمنين، أدرك هذه الأمة قبل أن يختلفوا في الكتاب اختلاف اليهود والنصارى. فأرسل عثمان إلى حفصة أن أرسلي إلينا بالصحف ننسخها في المصاحف ثم نردها إليك. فأرسلت بها حفصة إلى عثمان، فأمر زيد بن ثابت، وعبدالله بن الزبير، وسعيد بن العاص، وعبدالرحمن بن الحارث بن هشام فنسخوها في المصاحف. وقال عثمان للرهط القرشيين الثلاثة: إذا اختلفتم أنتم و زيد بن ثابت في شيء من القرآن فاكتبوه بلسان قريش فإنما نزل بلسانهم، ففعلوا حتى إذا نسخوا الصحف في المصاحف رد عثمان الصحف إلى حفصة فأرسل إلى كل أفق بمصحف مما نسخوا. وأمر بما سواه من القرآن في كل صحيفة أو مصحف أن يحرق. [راجع: ۳۵۰٦]

۴۹۸۸ ۔ قال ابن شهاب: وأخبرني خارجة بن زيد بن ثابت سمع زيد بن ثابت قال: فقدت آية من الأحزاب حين نسخنا المصحف قد كنت أسمع رسول الله ﷺ يقرأ بها فالتمسناها فوجدناها مع خزيمة بن ثابت الأنصاري ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ﴾ فألحقناها في سورتها في المصحف. [راجع: ۲۸۰۵]

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ﷜ سے روایت ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان ﷜، حضرت عثمان ﷜ کے پاس پہنچے اس وقت وہ اہل شام اور اہل عراق کو ساتھ ملا کر آرمینیہ اور آذربائیجان کو فتح کرنے کیلئے جنگ کر رہے تھے۔ حضرت حذیفہ ﷜ کو اہل عراق و اہل شام کے درمیان قرأت کے اختلاف نے ان کو بے چین کر دیا تھا، چنانچہ حضرت حذیفہ ﷜ نے حضرت عثمان ﷜ سے کہا کہ اے امیر المؤمنین! اس اُمت کی خبر لیجئے، قبل اس کے کہ وہ یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب میں اختلاف کرنے لگیں۔ حضرت عثمان ﷜ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو کہلا بھیجا کہ تم وہ صحیفے میرے پاس بھیج دو، ہم اس کو چند صحیفوں میں نقل کرا کر پھر تمہیں واپس کر دیں گے، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے یہ صحیفے حضرت عثمان ﷜ کو بھیج دیئے، حضرت عثمان ﷜ نے حضرت زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعد بن عاص اور عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو حکم دیا تو ان لوگوں

نے اس کو مصاحف میں نقل کیا، اور حضرت عثمان ؓ نے ان تینوں قریشیوں سے کہا کہ جب تم میں اور زید بن ثابت میں کہیں قرأت قرآن میں اختلاف ہو تو اس کو قریش کی زبان میں لکھو، اس لئے کہ قرآن ان ہی کی زبان میں نازل ہوا ہے، چنانچہ ان لوگوں نے ایسا ہی کیا، یہاں تک کہ جب ان صحیفوں کو مصاحف میں نقل کرلیا گیا، تو حضرت عثمان ؓ نے وہ صحیفے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھجوا دیئے اور نقل شدہ مصاحف میں سے ایک ایک تمام علاقوں میں بھیج دیئے اور حکم دیدیا کہ اسکے سوائے جو قرآن صحیفہ یا مصاحف میں ہے، اسکو جلا دیا جائے۔

حدیث کی تشریح

حضرت عثمان غنیؓ کے عہد میں جمع قرآن کا مرحلہ

حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت زید بن ثابت ؓ سے فرمایا کہ تم نوجوان اور سمجھ دار آدمی ہو، ہمیں تمہارے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں ہے، تم رسول اللہ ﷺ کے سامنے کتابت وحی کا کام بھی کرتے رہے ہو، لہذا تم قرآن کریم کی آیتوں کو تلاش کرکے انہیں جمع کرو۔

بہرحال! حضرت زید بن ثابت ؓ نے اس زبردست احتیاط کے ساتھ آیاتِ قرآنی کو جمع کرکے انہیں کاغذ کے صحیفوں پر مرتب شکل میں تحریر فرمایا، لیکن ہر سورۃ علیحدہ صحیفے میں لکھی گئی، اس لئے بہت سے صحیفوں پر مشتمل تھا۔ اصطلاح میں اس نسخہ کو ''اُم'' کہا جاتا ہے۔

اور اس کی خصوصیات یہ تھیں:

(۱)۔ اس نسخہ میں آیاتِ قرآنی تو آنحضرت ﷺ کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق مرتب تھی لیکن سورتیں مرتب نہ تھیں، ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی۔

(۲)۔ اس نسخہ میں ساتوں حروف جمع تھے۔

(۳)۔ یہ نسخہ خط حیری میں لکھا گیا تھا۔

(۴)۔ اس میں صرف وہ آیتیں درج کی گئیں تھیں جنکی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی تھی۔

(۵)۔ اس کو لکھوانے کا مقصد یہ تھا کہ ایک مرتب نسخہ تمام امت کی اجماعی تصدیق کے ساتھ تیار ہوجائے، تاکہ ضرورت پڑنے پر اس کی طرف رجوع کیا جاسکے۔

حضرت ابوبکر ؓ کے جمع قرآن سے متعلق یہ تفصیلات ذہن میں رہیں تو اس روایت کا مطلب بھی اچھی طرح سمجھ میں آجاتا ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے فوراً بعد حضرت علی ؓ نے قرآن کریم جمع کرلیا تھا، اس لئے جہاں تک آیاتِ قرآنی کے انفرادی مجموعوں کا تعلق ہے وہ صرف حضرت علی ؓ نے

ہی نہیں اور بھی متعدد صحابہ کرام ﷺ نے تیار کر رکھے تھے۔ لیکن ایسا معیاری نسخہ جو پوری امت کی اجماعی تصدیق سے مرتب کیا گیا ہو سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے تیار کروایا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق ﷺ عنہ کے لکھوائے ہوئے یہ صحیفے آپ کی حیات میں آپ کے پاس رہے، پھر حضرت عمر ﷺ کے پاس رہے، حضرت عمر ﷺ کی شہادت کے بعد انکی وصیت کے مطابق انہیں ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس منتقل کر دیا گیا۔ پھر مروان بن حکم نے اپنے عہدِ حکومت میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے یہ صحیفے طلب کئے تو انہوں نے دینے سے انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوگئی تو مروان نے وہ صحیفے منگوائے اور انہیں اس خیال سے نذرِ آتش کر دیا کہ **اب اس بات پر اجماع منعقد ہو چکا تھا کہ رسم الخط اور ترتیب سور کے لحاظ سے حضرت عثمان ﷺ کے تیار کرائے ہوئے مصاحف کی اتباع لازمی ہے اور کوئی ایسا نسخہ باقی نہ رہنا چاہئے جو ان کے رسم الخط اور ترتیب کے خلاف ہو۔**

جب حضرت عثمان ﷺ خلیفہ بنے تو اسلام عرب سے نکل کر روم اور ایران کے دور دراز کے علاقوں تک پہنچ چکا تھا، ہر نئے علاقہ کے لوگ جب مسلمان ہوتے تو وہ اُن مجاہدین اسلام یا اُن تاجروں سے قرآن کریم سیکھتے **جن کی بدولت انہیں اسلام کی نعمت حاصل ہوئی تھی۔**

قرآن کریم چونکہ سات حروف میں نازل ہوا تھا، اور مختلف صحابہ کرام ﷺ نے اُسے آنحضرت ﷺ سے مختلف قرأتوں کے مطابق سیکھا تھا، اس لئے ہر صحابی نے اپنے شاگردوں کو اسی قرأت کے مطابق قرآن پڑھایا، جس کے مطابق خود اس نے حضور اقدس ﷺ سے قرآن پڑھا تھا، اس طرح قرأتوں کا یہ اختلاف دور دراز ممالک تک پہنچ گیا، جب تک لوگ اس حقیقت سے واقف تھے کہ قرآن کریم سات حروف میں نازل ہوا ہے، اس وقت تک کوئی اس اختلاف سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی۔

لیکن جب اختلاف دور دراز ممالک میں پہنچا اور یہ بات ان میں پوری طرح مشہور نہ ہوسکی کہ قرآن کریم سات حروف میں نازل ہوا ہے، تو اُس وقت لوگوں میں جھگڑے پیش آنے لگے، بعض لوگ اپنی قرأت کو صحیح اور دوسرے کی قرأت کو غلط قرار دینے لگے۔

ان جھگڑوں سے ایک طرف تو یہ خطرہ تھا کہ لوگ قرآن کریم کی متواتر قرأتوں کو غلط قرار دینے کی سنگین غلطی میں مبتلاء ہوں گے، دوسرے سوائے حضرت زید بن ثابت ﷺ کے لکھے ہوئے ایک نسخہ (جو مدینہ منورہ میں موجود تھا) کے علاوہ پورے عالم اسلام میں کوئی ایسا معیاری نسخہ موجود نہ تھا جو پوری امت کیلئے حجت بن سکے، کیونکہ دوسرے نسخے انفرادی طور پر لکھے ہوئے تھے اور ان میں ساتوں حروف کو جمع کرنے کا کوئی اہتمام نہیں تھا۔

اس لئے ان جھگڑوں کے تصفیے کی قابل اعتماد صورت یہی تھی کہ ایسے نسخے پورے عالم اسلام میں پھیلا دیئے جائیں جن میں ساتوں حروف جمع ہوں اور انہیں دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ کونسی قرأت صحیح اور کونسی غلط

ہے؟ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں یہی عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو فتوحات میں مزید وسعت ہوئی، اسلام عرب سے نکل کر عجم میں بھی پہنچا تو قرأت میں اختلاف پیش آنے لگے، اسی کا واقعہ اس روایت میں بیان کیا ہے۔

اس کارنامہ کی تفصیل روایاتِ حدیث کے ذریعے سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ آرمینیا اور آذربائیجان کے محاذ پر جہاد میں مشغول تھے، وہاں انہوں نے دیکھا کہ لوگوں میں قرآن کریم کی قرأتوں کے بارے میں اختلاف ہو رہا ہے۔

چنانچہ مدینہ طیبہ واپس آتے ہی سیدھا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے اور عرض کیا کہ امیر المؤمنین! قبل اس کے کہ یہ امت اللہ کی کتاب کے بارے میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلافات کا شکار ہو، آپ اس کا علاج کیجئے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا کہ میں آرمینیہ کے محاذ پر موجود جہاد میں شامل تھا، وہاں میں نے دیکھا کہ شام کے لوگ ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرأت پڑھتے ہیں جو اہل عراق نے نہیں سنی ہوتی، اور اہل عراق عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت پڑھتے ہیں، جو اہل شام نے نہیں سنی ہوتی، اسکے نتیجے میں ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہے ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خود بھی اس خطرے کا احساس پہلے ہی کر چکے تھے، انہیں یہ اطلاع ملی تھی کہ مدینہ منورہ میں ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ قرآن کریم کے ایک معلم نے اپنے شاگردوں کو ایک قرأت کے مطابق قرآن پڑھایا اور دوسرے معلم نے دوسری قرأت کے مطابق، اس طرح مختلف اساتذہ کے شاگرد جب باہم ملتے ہیں تو ان میں اختلاف ہوتا اور بعض مرتبہ یہ اختلاف اساتذہ تک جا پہنچتا اور وہ بھی ایک دوسرے کی قرأت کو غلط قرار دیتے۔

جب حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے بھی اس خطرے کی طرف توجہ دلائی تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا اور فرمایا کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ بعض لوگ ایک دوسرے سے اس قسم کی باتیں کہتے ہیں کہ میری قرأت تمہاری قرأت سے بہتر ہے اور یہ بات کفر کی حد تک جا پہنچی ہے، لہذا آپ لوگوں کی اس بارے میں کیا رائے ہے؟

صحابہ نے خود حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ نے کیا سوچا ہے؟

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میری رائے یہ ہے کہ ہم تمام لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیں تاکہ کوئی اختلاف اور افتراق پیش نہ آئے۔ صحابہ نے اس رائے کو پسند کر کے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی تائید فرمائی۔

چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ تم لوگ مدینہ منورہ

میں میرے قریب ہوتے ہوئے قرآن کریم کی قرأتوں کے بارے میں ایک دوسرے کی تکذیب اور اختلاف کرتے ہو، اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ مجھ سے دور ہیں وہ تو اور بھی زیادہ تکذیب اور اختلاف کرتے ہوں گے، لہذا تمام لوگ مل کر قرآن کریم کا ایک ایسا نسخہ تیار کریں جو سب کے لئے واجب الاقتداء ہو۔

اس غرض کیلئے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کے پاس (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے کے) جو صحیفے موجود ہیں، وہ ہمارے پاس بھیج دیجئے، ہم اُن کو مصحف میں نقل کر کے آپ کو واپس کر دیں گے، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ صحیفے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دئے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار صحابہ کی ایک جماعت بنائی، جو حضرت زید بن ثابت، حضرت عبداللہ بن زبیر، حضرت سعید بن العاص، اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ پر مشتمل تھی، اس جماعت کو اس کام پر مامور کیا گیا کہ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے صحیفوں سے نقل کر کے کئی ایسے مصاحف تیار کرلے جن میں سورتیں بھی مرتب ہوں۔

ان صحابہ میں سے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ انصاری تھے اور باقی تینوں حضرات قریشی تھے۔ اس لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ **جب تمہارا اور زید کا قرآن کے کسی حصے میں اختلاف ہو (یعنی اس میں اختلاف ہو کہ کون سا لفظ کس طرح لکھا جائے؟) تو اسے قریش کی زبان کے مطابق لکھنا، اس لئے کہ قرآن کریم انہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔**

بنیادی طور پر یہ کام مذکورہ چار حضرات کے ذمہ ہی سپرد کیا گیا تھا، لیکن پھر دوسرے صحابہ کو بھی ان کی مدد کیلئے ساتھ لگا دیا گیا، یہاں تک کہ ابن ابی داؤد کی روایت کے مطابق ان حضرات کی تعداد بارہ تک جا پہنچ گئی۔ جن میں حضرت ابیؓ ابن کعب، حضرت کثیر بن افلح، حضرت مالک بن عامر، حضرت انس بن مالک اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے، ان حضرات نے کتابت قرآن کے سلسلے میں مندرجہ ذیل کام انجام دیئے:

(۱)۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو نسخہ تیار ہوا تھا اس میں سورتیں مرتب نہیں تھیں، بلکہ ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی، ان حضرات نے تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ ایک ہی مصحف میں لکھا۔

(۲)۔ قرآن کریم کی آیات اس طرح لکھیں کہ ان کے رسم الخط میں تمام متواتر قرأتیں سما جائیں، اسی لئے ان پر نہ نقطے لگائے گئے اور نہ حرکات (زبر، زیر اور پیش) تاکہ اسے تمام متواتر قرأتوں کے مطابق پڑھا جا سکے۔ مثلاً "نـنـشـزهـا" اس میں "ن" اول، "ن" دوم، "ش" اور "ز" کے نقطے نہیں لکھے، تاکہ اس کو **"نَنْشُزُهَا"** اور **"نُنْشِزُهَا"** دونوں طرح پڑھا جا سکے، کیونکہ دونوں قرأتیں درست ہیں۔

(۳)۔ اب تک قرآن کریم میں مکمل معیاری نسخہ جو پوری امت کی اجتماعی تصدیق سے مرتب کیا گیا ہو صرف ایک تھا، ان حضرات نے اس نئے مرتب مصحف کی ایک سے زائد نقلیں تیار کیں، عام طور سے مشہور یہ ہے

کہ حضرت عثمان ﷺ نے پانچ مصحف تیار کرائے تھے، لیکن ابو حاتم سجستانی رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ **کل سات نسخے** تیار کئے گئے تھے، جن میں سے ایک مکہ مکرمہ، ایک شام، ایک یمن، ایک بحرین، ایک بصرہ اور ایک کوفہ بھیج دیا گیا اور ایک مدینہ منورہ میں محفوظ رکھا گیا۔

(۴)- مذکورہ بالا کام کرنے کے لئے ان حضرات نے بنیادی طور پر تو انہی صحیفوں کو سامنے رکھا جو **حضرت ابو بکر صدیق** ﷺ کے زمانے میں لکھے گئے تھے، اس کے ساتھ ہی مزید احتیاط کے لئے وہی طریق کار اختیار فرمایا جو حضرت ابو بکر صدیق ﷺ کے زمانے کی جو متفرق تحریریں مختلف صحابہ کے پاس محفوظ تھیں، انہیں دوبارہ طلب کیا گیا اور اُن کے ساتھ از سرِ نو مقابلہ کر کے یہ نئے نسخے تیار کئے گئے۔

اس مرتبہ سورۂ احزاب کی ایک آیت **﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ﴾** علیحدہ لکھی ہوئی صرف حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری ﷺ کے پاس ملی، اسکا مطلب یہ نہیں کہ یہ آیت کسی اور شخص کو یاد نہیں تھی، کیونکہ حضرت زید بن ثابت ﷺ فرماتے ہیں کہ مجھے مصحف لکھتے وقت سورۂ احزاب کی آیت نہ ملی جو میں رسول اللہ ﷺ کو پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا، ہم نے اسے تلاش کیا تو وہ خزیمہ بن ثابت انصاری ﷺ کے پاس ملی۔

اس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ یہ حضرت زید اور دوسرے صحابہ ﷺ کو اچھی طرح یاد تھی، اسی طرح اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ یہ آیت کہیں اور لکھی ہوئی نہ تھی، کیونکہ حضرت ابو بکر صدیق ﷺ کے زمانے میں جو صحیفے لکھے گئے ظاہر ہے یہ آیت ان میں موجود تھی، نیز دوسرے صحابہ کے پاس قرآن کریم کے انفرادی طور پر لکھے ہوئے نسخے بھی موجود تھے، اُن میں یہ آیت بھی شامل تھی، لیکن چونکہ حضرت ابو بکر صدیق ﷺ کے زمانے کی طرح اس مرتبہ بھی اُن تمام متفرق تحریروں کو جمع کیا گیا تھا جو صحابہ کرام ﷺ کے پاس لکھی ہوئی تھیں، اس لئے حضرت زید وغیرہ ﷺ نے کوئی آیت اُن مصاحف میں اُس وقت تک نہ لکھی جب تک اُن تحریروں میں وہ بھی نہ مل گئی، اسی طرح دوسری آیتیں تو متعدد صحابہ کے پاس علیحدہ لکھی ہوئی بھی ملیں، لیکن سورۂ احزاب کی یہ آیت سوائے حضرت خزیمہ بن ثابت ﷺ کے کسی اور کے پاس الگ لکھی ہوئی دستیاب نہیں تھی۔

(۵)- قرآن کریم کے یہ متعدد معیاری نسخے تیار فرمانے کے بعد حضرت عثمان غنی ﷺ نے وہ تمام انفرادی نسخے نذرِ آتش کر دئے جو مختلف صحابہ ﷺ کے پاس موجود تھے، تا کہ **رسم الخط مسلمہ قراءتوں کے اجماع اور سورتوں کی ترتیب کے اعتبار سے تمام مصاحف یکساں ہو جائیں اور ان میں کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔**

حضرت عثمان ﷺ کے اس کارنامہ کو پوری امت نے بہ نظر استحسان دیکھا اور تمام صحابہ کرام ﷺ نے اس کام میں ان کی تائید اور حمایت فرمائی، حضرت علی ﷺ فرماتے ہیں کہ **"لا تقولوا فی عثمان الا خیراً فواللہ مافعل الذی فعل فی المصاحف الا عن ملأمنا"** یعنی حضرت عثمان ﷺ کے بارے میں کوئی بات ان کی بھلائی کے سوا نہ کہو، کیونکہ اللہ کی قسم! انہوں نے مصاحف کے معاملہ میں جو کام کیا وہ ہم سب کی موجودگی میں

(اور مشورہ سے) کیا۔

۴۹۸۸۔ قال ابن شهاب: وأخبرني خارجة بن زيد بن ثابت سمع زيد بن ثابت قال: فقدت آية من الأحزاب حين نسخنا المصحف قد كنت أسمع رسول الله ﷺ يقرأ بها فالتمسناها فوجدناها مع خزيمة بن ثابت الأنصاري ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعَاهَدُوْا اللهَ عَلَيْهِ﴾ فألحقناها في سورتها في الصحف. [راجع: ۲۸۰۵]

ترجمہ: ابن شہاب کا بیان ہے کہ مجھ سے خارجہ بن زید بن ثابت نے بیان کیا کہ انہوں نے سنا کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے مصاحف کو نقل کرتے وقت سورۂ احزاب کی ایک آیت نہ پائی، حالانکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا تھا، ہم نے اسے تلاش کیا تو وہ آیت مجھے حضرت خزیمہ بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس ملی، وہ آیت یہ ہے، ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَاعَاهَدُوْا اللهَ عَلَيْهِ﴾، تو ہم نے اس آیت کو اس سورت میں شامل کر دیا۔

دوسری بار جمع قرآن کی ترتیب اور خصوصیات

اس مرتبہ سورۂ احزاب کی آیت ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوْا اللهَ عَلَيْهِ﴾ یہ آیت حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس تھی۔ پہلے سورۂ توبہ کی آیت حضرت ابوخزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھی اور اب سورۂ احزاب کی یہ آیت حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کے پاس ملی۔

یہاں پر بھی وہی مطلب ہے کہ اس کے تواتر میں کوئی فرق نہیں ہے یاد سب کو تھی، لیکن حضور اقدس ﷺ کی املاء کرائی ہوئی یہ آیت سوائے ان کے کسی اور کے پاس نہیں تھی۔

سوال: یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو وہ سارا طریقۂ کار جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اختیار کیا گیا تھا، دوبارہ دُہرانے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ بات تو طے ہو گئی تھی کہ کونسی آیت قرآنی ہے کونسی نہیں، تو اب اس کے بعد دوبارہ یہ کام کیوں کیا؟

جواب: عام طور پر اہل علم حضرات یہ کہتے ہیں کہ تاکیداً زیادتِ تدبر و تتبع کیلئے ایسا کیا۔

لیکن میں نے جو کچھ مطالعہ کیا اور تحقیق کی، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ صرف اتنا ہی نہیں تھا بلکہ بہت بڑا کام جو اس مصحف عثمانی میں ہو رہا تھا، جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں نہیں ہوا تھا، وہ یہ کہ اس میں تمام صحیح قرأتوں کو جمع کیا جا رہا ہے، لہٰذا اس بات کی تصدیق ضروری تھی کہ مصحف عثمانی میں جس قرأت کو جمع کیا جا رہا ہے وہ ان قرأتوں میں داخل ہو جو نبی کریم ﷺ نے عرضۂ آخیرہ میں برقرار رکھی تھیں۔

عرصۂ آخیرہ جو نبی کریم ﷺ کی حیات طیبہ کے آخری سال میں حضرت جبرئیل امین کے ساتھ ہوا اس عرصۂ آخیرہ میں جو قرأتیں باقی رکھی تھیں انہیں کو باقی رکھا جائے گا باقی کو نہیں، لہٰذا اس بات کا اہتمام کہ جو ہم لکھ رہے ہیں وہ عرصۂ آخیرہ میں موجود تھی، اس کیلئے گواہوں کی ضرورت تھی۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے یہ ساری گواہیاں لیکر اور زیادہ نسخے بنائے، سات نسخے بنا کر عالم اسلام کے مختلف بڑے بڑے مراکز میں بھیج دیئے۔

مصحف عثمانی کی خصوصیات

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جب قرآن کریم کا کام ہوا اس کی خصوصیات یہ ہیں۔

ایک خصوصیت یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اگر چہ سورتیں تو لکھ لی گئی تھیں، لیکن انکے درمیان ترتیب قائم نہیں ہوئی تھی کہ کونسی سورت پہلے اور کونسی سورت بعد میں ہے بلکہ ہر سورت ایک صحیفے کی شکل میں تھی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں سورتوں کے درمیان ترتیب قائم کی۔

دوسری خصوصیت یہ ہے کہ اس میں تمام قرأتِ مقبولہ کو اہتمام کر کے جمع کیا گیا کہ رسم الخط ایسا بنایا کہ اس میں ہر قرأت سما سکے، اسی واسطے اس میں نقطے اور اعراب نہیں لگائے، مثلاً "**ننشزھا**" اس میں "ن" اول اور نہ "ن" دوم اور نہ "ش" کا اور نہ "ز" کا نقطہ لکھا ہوا تھا، تو چاہو اس کو ﴿**ننشزھا**﴾ پڑھ لو، چاہو تو اس کو ﴿**ننشرھا**﴾ پڑھ لو۔

اسی طرح ﴿**مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ**﴾ میں ﴿**مالک**﴾ کر کے نہیں لکھا بلکہ "م" کے اوپر کھڑی الف کر کے لکھا جاتا ہے تا کہ اس کو ﴿**مَالِکِ یوم الدین**﴾ پڑھ لے یا چاہے تو ﴿**مٰلِک یوم الدین**﴾ پڑھ لے۔

رسم عثمانی میں اس بات کی رعایت رکھی گئی کہ رسم الخط ایسا ہو کہ تمام قرأتیں اس میں سما جائیں۔

جہاں قرأتوں کا اختلاف ایسا تھا کہ جس میں ایک لفظ میں ساری قرأتیں نہیں سما سکتی تھیں مثلاً بعض قرأتوں میں ﴿**تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ**﴾ بعض میں ﴿**تَجْرِیْ تَحْتَهَا الانْهَار**﴾ دوسری قرأت میں "**من**" ہے ہی نہیں۔ اس کا طریقہ یہ اختیار کیا گیا کہ سات مصاحف تیار کئے گئے اس میں ایک میں ﴿**تجری من تحتها الانهار**﴾ ہے، ایک میں ﴿**تجری تحتها الانهار**﴾ ہے تو اس طرح کر کے اس میں تمام مسلّم اور مقبول قرأتوں کو مصحف عثمانی میں جمع کر دیا گیا۔

تیسری خصوصیت یہ ہے کہ اور جتنے مصاحف لوگوں کے پاس تھے جو یا تو مختلف قرأتوں میں لکھے ہوئے تھے کہ جن کا رسم الخط مختلف تھا یا جو ایسی قرأتوں پر مشتمل تھے کہ جو عرصۂ اخیرہ میں منسوخ ہو چکی تھیں یا بعض صحابہ کرا

م ﷺ نے قرآن کے ساتھ کوئی تفسیر کا جملہ بھی لکھ رکھا تھا، حضرت عثمان ﷺ نے یہ سارے مصاحف منگوا کر جلا دیئے، تاکہ کل کو یہ مسئلہ کھڑا نہ ہو کہ صاحب! وہاں تو یہ لکھا ہوا ہے۔ اب یہ معیاری نسخہ تیار ہو گیا ہے جس پر تمام مقبول قرأتیں یکجا ہیں۔ اب دوسرے مصاحف کو باقی رکھنا آئندہ کیلئے خلجان کا ذریعہ بن سکتا ہے، لہٰذا حضرت عثمان ﷺ نے ان کو ضائع کروا دیا۔

چوتھی خصوصیت یہ بیان کی جاتی ہے کہ حضرت عثمان ﷺ نے **احرف سبعہ** میں سے صرف **حرف قریش** کو باقی رکھا اور باقی سارے **احرف** کو ختم کر دیا، لیکن اس خصوصیت سے میں متفق نہیں۔

جیسا کہ آگے میں **سبعہ احرف** پر عرض کروں گا وہاں یہ بات واضح ہوگی بلکہ حضرت عثمان ﷺ کے **مصحف** میں **سبعہ احرف** سارے جمع ہیں، ایسا نہیں کہ انہوں نے ایک حرف کو باقی رکھا ہو اور باقی سب کو ختم کر دیا۔

(۴) باب کاتب النبی ﷺ
نبی کریم ﷺ کے کاتب کا بیان

حفاظتِ قرآن کتابت کے ذریعے

حفاظت قرآن کا اصل مدار تو اگرچہ حافظہ پر تھا، لیکن اسکے ساتھ ہی ساتھ آنحضرت ﷺ نے قرآن کریم کی کتابت کا بھی خاص اہتمام فرمایا تھا، کتابت کا طریقِ کار کے متعلق حضرت زید بن ثابت ﷺ نے فرمایا کہ

”کنت اکتب الوحی لرسول اللہ ﷺ وکان اذا انزل علیہ الوحی اخذتہ برحاء شدیدۃ وعرقا مثل الجمان ثم سری عنہ، فکنت ادخل علیہ بقطعۃ الکتف او کسرۃ فاکتب وھو یملی علی فما افرغ حتی تکاد رجلی تنکسر من ثقل القرآن حتیٰ اقول لا امشی علی رجلی ابدا فاذا فرغت قال اقرأ فاقرأہ فان کان فیہ سقط اقامہ ثم اخرج بہ الی الناس۔“

یعنی میں رسول اللہ ﷺ کیلئے وحی کی کتابت کرتا تھا، جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کو سخت گرمی لگتی تھی اور آپ کے جسم اطہر پر پسینہ کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے، پھر آپ ﷺ سے یہ کیفیت ختم ہو جاتی، تو میں مونڈھے کی کوئی ہڈی یا کسی اور چیز کا ٹکڑا لیکر خدمت میں حاضر ہوتا تو آپ ﷺ لکھواتے رہتے اور میں لکھتا جاتا، یہاں تک کہ جب میں لکھ کر فارغ ہو جاتا تو قرآن کو نقل کرنے کا بوجھ مجھ سے ایسا محسوس ہوتا جیسے میری ٹانگ ٹوٹنے والی ہے اور میں کبھی چل نہیں سکوں گا، بہرحال! جب میں فارغ ہوتا تو آپ ﷺ فرماتے کہ ”پڑھو“ میں پڑھ کر سناتا، اگر اس میں کوئی فروگذاشت ہوتی تو آپ ﷺ اسکی اصلاح فرما دیتے اور پھر اسے

لوگوں کے سامنے لے آتے۔ [۱۸]

کتابت وحی کا کام صرف حضرت زید بن ثابت ﷺ کے سپرد نہیں تھا بلکہ آپ نے بہت سے صحابہ کو اس مقصد کیلئے مقرر فرمایا ہوا تھا، جو حسب ضرورت کتابتِ وحی کے فرائض انجام دیتے تھے، کاتبین وحی کی تعداد چالیس تک شمار کی گئی ہے، لیکن ان میں سے زیادہ مشہور یہ حضرات ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، حضرت ابی بن کعب، حضرت عبداللہ بن ابی سرح، حضرت زبیر بن عوام، حضرت خالد بن سعید بن العاص، حضرت ابان بن سعید العاص، حضرت حنظلہ ابن الربیع، حضرت معقیب بن ابی فاطمہ، حضرت عبداللہ بن ارقم الزہری، حضرت شرحبیل بن حسنہ، حضرت عبداللہ بن رواحہ، حضرت عامر بن فہیرہ، حضرت عمرو بن العاص، حضرت ثابت بن قیس بن شماس، حضرت مغیرہ بن شعبہ، حضرت خالد بن ولید، حضرت معاویہ بن ابی سفیان، حضرت زید بن ثابت ﷺ۔

۴۹۸۹ ۔ حدثنا يحيى بن بكير: حدثنا الليث، عن يونس، عن ابن شهاب: أن ابن السباق قال: إن زيد بن ثابت قال: أرسل إلى أبوبكر ﷺ قال: إنك كنت تكتب الوحي لرسول الله ﷺ فاتبع القرآن، فتتبعت حتى وجدت آخر سورة التوبة آيتين مع أبي خزيمة الأنصاري لم أجدهما مع أحد غيره ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ إلى آخرها. [راجع: ۲۸۰۷]

ترجمہ: ابن سباق نے بیان کیا کہ حضرت زید بن ثابت ﷺ نے کہا کہ مجھ کو حضرت ابوبکر ﷺ نے بلا بھیجا اور کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ کیلئے وحی لکھتے تھے، اس لئے قرآن کو تلاش کرو، چنانچہ میں نے تلاش کیا، یہاں تک کہ سورہ توبہ کی آخری دو آیتیں میں نے حضرت ابوخزیمہ انصاری ﷺ کے پاس پائیں، جو انکے سوائے کسی کے پاس نہ مل سکی تھیں، وہ دو آیتیں یہ تھیں ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ سورہ برأت (توبہ) کے ختم ہونے تک۔

سورہ توبہ کی آخری آیت

سورۂ برأت کی آیت حضرت ابوخزیمہ انصاری ﷺ کے پاس اور سورۂ احزاب کی آیت کا ذکر دوسرے جمع قرآن سے متعلق ہے، وہ حضرت خزیمہ بن ثابت ﷺ کے پاس۔

---

[۱۸] المعجم الأوسط للطبراني، باب الألف، من اسمه أحمد، رقم: ۱۹۱۳

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمع قرآن کا طریق کار ذہن میں رہے تو حضرت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس ارشاد کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ سورۃ براۃ کی آخری آیت ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ﴾ مجھے صرف حضرت ابوخزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس ملیں، ان کے سوا کسی اور کے پاس نہیں ملیں۔

اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ یہ آیتیں سوائے حضرت ابوخزیمہ رضی اللہ عنہ کے سواء کسی کو یاد نہیں تھیں، یا کسی اور کے پاس لکھی ہوئی نہ تھیں، اور اُن کے سواء کسی کو اُن کا جزو قرآن ہونا معلوم نہ تھا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آنحضرت ﷺ کی لکھوائی ہوئی قرآن کریم کی متفرق آیتیں لے لے کر آرہے تھے اُن میں سے یہ آیتیں سوائے حضرت خزیمہ رضی اللہ عنہ کے سواء کسی کے پاس نہیں ملیں، ورنہ جہاں تک ان آیات کے جزو قرآن ہونے کا تعلق ہے تو یہ بات تواتر کے ساتھ سب کو معلوم تھی۔

اول تو جب سینکڑوں حفاظ کو پورا قرآن کریم یاد انہیں یہ آیات بھی یاد تھیں، دوسرے آیاتِ قرآنی کے جو مکمل مجموعے مختلف صحابہ نے تیار کر رکھے تھے ان میں بھی یہ آیت لکھی ہوئی تھی، لیکن چونکہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے مزید احتیاط کے لئے مذکورہ بالا ذرائع پر اکتفاء کرنے کے بجائے متفرق طور پر لکھی ہوئی آیتوں کو جمع کرنے کا بیڑہ بھی اُٹھایا تھا، اس لئے انہوں نے یہ آیت اس وقت تک اس نئے مجموعے میں درج نہیں کی، جب تک اس تیسرے طریقے سے بھی وہ دستیاب نہیں ہوگئی۔

دوسری آیات کا معاملہ تو یہ تھا کہ وہ حفاظ کرام کو یاد ہونے اور عہد رسالت ﷺ کے مکمل مجموعوں میں محفوظ ہونے کے علاوہ کئی کئی صحابہ کے پاس الگ سے لکھی ہوئی بھی تھیں۔ چنانچہ ایک ایک آیت کئی کئی صحابہ لیکر آرہے تھے، اسکے برعکس سورہ براءت کی یہ آخری آیت سینکڑوں صحابہ کو یاد تو تھیں، اور جن حضرات کے پاس آیاتِ قرآنی کے مکمل مجموعے تھے ان کے پاس لکھی ہوئی بھی تھیں لیکن آنحضرت ﷺ کی نگرانی میں الگ لکھی ہوئی صرف حضرت ابوخزیمہ رضی اللہ عنہ کے پاس ملیں۔

بعض روایتوں میں اس میں خلط واقع ہوگیا ہے، کہیں ابوخزیمہ کی جگہ خزیمہ بن ثابت کہہ دیا ہے، وہ روایتیں معتبر نہیں ہیں، معتبر یہی ہے جو یہاں بخاری میں آئی ہے۔

۴۹۹۰ - حدثنا عبيدالله بن موسى، عن إسرائيل، عن أبي إسحاق، عن البراء، قال: لما نزلت ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ [النساء:۹۵] قال النبي ﷺ: ((ادع لي زيدا وليجئ باللوح والدواة والكتف، أو الكتف والدواة)). ثم قال: ((اكتب ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ﴾)) وخلف ظهر النبي ﷺ عمرو بن أم مكتوم الأعمى فقال: يا رسول الله، فما تأمرني؟ فإني رجل ضرير البصر، فنزلت مكانها ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ غَيْرُ أُوْلِي الضَّرَرِ﴾. [راجع: ۲۸۳۱]

ترجمہ: حضرت براء بن عازب ﷺ نے بیان کیا کہ جب آیت ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ﴾ نازل ہوئی تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ زید کو میرے پاس بلاؤ اور ان سے کہو کہ تختی، دوات اور مونڈھے کی ہڈی (لکھنے کا سامان) لیکر آئیں یا راوی نے ہڈی اور دوات کہا۔ پھر (جب وہ آگئے تو) آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ لکھو ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ﴾ اور نبی کریم ﷺ کے پیچھے عمرو ابن ام مکتوم ﷺ بیٹھے ہوئے تھے جو نابینا تھے، انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! پھر آپ کا میرے بارے میں کیا حکم ہے؟ میں تو نابینا آدمی ہوں، چنانچہ اس وقت یہ آیت یوں نازل ہوئی ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ غَيْرُ أُوْلِي الضَّرَرِ﴾۔

(۵) باب أُنزل القرآن على سبعة أحرف
قرآن مجید کے سات حروف میں نازل ہونے کا بیان

۴۹۹۱ ۔ حدثنا سعيد بن عفير: حدثني الليث قال: حدثني عقيل، عن ابن شهاب: حدثني عبيدالله بن عبدالله: أن ابن عباس رضي الله عنهما حدثه أن رسول الله ﷺ قال: ((أقرأني جبريل على حرف فراجعته فلم أزل أستزيده ويزيدني حتى انتهى إلى سبعة أحرف)). [راجع: ۳۲۱۹]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جبرائیل نے مجھ کو (پہلے) عرب کے ایک ہی قرأت پر قرآن پڑھایا۔ میں برابر ان سے کہتا رہا کہ مزید حروف/محاوروں میں بھی پڑھنے کی اجازت دو۔ یہاں تک کہ سات حروف/محاوروں کی اجازت ملی۔

۴۹۹۲ ۔ حدثنا سعيد بن عفير: حدثني الليث: حدثني عقيل، عن ابن شهاب قال: حدثني عروة بن الزبير: أن المسور بن مخرمة، وعبدالرحمن بن عبدالقاري حدثاه: أنهما سمعا عمر بن الخطاب يقول: سمعت هشام بن حكيم يقرأ سورة الفرقان في حياة رسول الله ﷺ فاستمعت لقراءته فإذا هو يقرأ على حروف كثيرة لم يقرئنيها رسول الله ﷺ فكدت أساوره في الصلاة. فتصبرت حتى سلم فلببته بردائه فقلت: من أقرأك هذه السورة التي سمعتك تقرأ؟ قال: أقرأنيها رسول الله ﷺ، فقلت: كذبت فإن رسول الله ﷺ

قد اقرانيها على غير ما قرأت، فانطلقت به أقوده إلى رسول الله ﷺ فقلت: إني سمعت هذا يقرأ بسورة الفرقان على حروف لم تقرئنيها، فقال رسول الله ﷺ: ((كذلك انزلت)). ثم قال: ((اقرأ يا عمر))، فقرأت القراءة التي أقرأني، فقال رسول الله ﷺ: ((كذلك أنزلت، إنّ هذا القرآن أنزل على سبعة احرف فاقرؤا ما تيسر منه)). [راجع: ۲۴۱۹]

ترجمہ: عروہ بن زبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میسور بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن عبد القاری رضی اللہ عنہما دونوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ان دونوں سے حضرت عمر بن خطاب ﷺ سے سنا کہ وہ فرما رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں، میں نے ہشام بن حکیم کو سورۃ فرقان نماز میں پڑھتے سنا، میں نے ان کی قرات کو سنا تو معلوم ہوا کہ وہ سورت میں ایسے حروف پڑھ رہے ہیں کہ مجھے اس طرح رسول اللہ ﷺ نے نہیں پڑھایا تھا، قریب تھا کہ میں ان کا سر نماز ہی میں پکڑ لیتا لیکن میں نے بڑی مشکل سے صبر کیا اور جب انہوں نے سلام پھیرا تو میں نے ان کی چادر سے ان کی گردن باندھ کر پوچھا یہ سورت جو میں نے ابھی تمہیں پڑھتے ہوئے سنی ہے، تمہیں کس نے اس طرح پڑھائی ہے؟ انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اسی طرح پڑھائی ہے، میں نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو، خود رسول اللہ ﷺ نے مجھے اس سے مختلف دوسری قرأت سے پڑھائی ہے جس طرح تم پڑھ رہے تھے۔ آخر میں انہیں کھینچتا ہوا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے اس شخص سے سورۃ فرقان ایسے حرفوں میں پڑھتے سنا جن کی آپ نے مجھے تعلیم نہیں دی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے سن کر فرمایا کہ یہ سورت اس طرح بھی نازل ہوئی ہے۔ پھر فرمایا عمر! اب تم پڑھو۔ میں نے اس طرح پڑھا جس طرح آپ ﷺ نے مجھے تعلیم دی تھی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اس طرح بھی نازل ہوئی ہے۔ یہ قرآن سات حروف قرأتوں پر نازل ہوا ہے۔ پس تمہیں جس طرح آسان ہو پڑھو۔

سبعۃ احرف کی تشریح

یہ حدیث معروف و مشہور ہے اور بار بار آچکی ہے، بلکہ ان حدیثوں میں سے ہے جن کو متواتر المعنی کہا گیا ہے کہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے، لیکن ان سات حروف سے کیا مراد ہے؟

اس کے بارے میں علمائے امت کا اتنا شدید اختلاف ہے اور اتنے زیادہ اقوال ہیں کہ ''شد پریشان خواب من از کثرت تعبیر ہا'' اور علامہ سیوطی رحمہ اللہ وغیرہ نے اس میں تقریباً چالیس اقوال نقل کئے ہیں۔

''احرف سبعہ'' کا مسئلہ مجھ ناچیز کے تجربہ میں بھی قرآن وسنت کے مسائل میں مشکل ترین مسئلہ ہے اور یہ ان چند مسائل میں سے ہے جو مجھے اپنی زندگی میں ان سے سابقہ پیش آیا تو اس میں حیران وسرگرداں ہوتے

ہوئے مہینے نہیں بلکہ سال گزر گئے اور اکا دکا وہ چند مسئلے ہیں جن میں سخت پریشانی اور سخت الجھن سے سابقہ پیش آیا اور اس کے بارے میں دعا کرتا رہا کہ یا اللہ! اس کے بارے میں شرح صدر فرما دیجئے تو میں کیا میری حقیقت کیا؟ اس کی تحقیق وتفتیش میں کافی مہینے گزرے۔

آخر میں اس رائے کی طرف طبیعت کچھ راجح ہونے لگی، بعد میں دیکھا کہ علامہ ابن الجزری رحمہ اللہ جو مشہور قرآت کے امام ہیں، بڑے اونچے درجے کے علماء میں سے ہیں۔

وہ کہتے ہیں کہ میں اس حدیث کی تفسیر میں کہ **"أنزل القرآن على سبعة أحرف"** میں اس حدیث کے بارے میں اشکالات میں مبتلاء رہا اور اس پر تیس سال سے زیادہ غور وفکر کرتا رہا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اس کی ایسی تشریح کھول دی جو ان شاء اللہ صحیح ہوگی۔

یہ سب حضرات اس بات پر متفق ہیں کہ حدیث میں "سات حروف" سے مراد اختلاف قرأت کی سات نوعیتیں ہیں، لیکن پھر ان نوعیتوں کی تعیین میں ان حضرات کے اقوال میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے، جس کی وجہ یہی ہے کہ ہر ایک نے قرأت کا استقراء اپنے طور پر الگ الگ کیا ہے۔

تیس سال حدیث کو سمجھنے میں کیوں سرگرداں رہے، کیا دشواری ہے؟

اگر وہ بات لیجائے جو عام طور پر مشہور ومعروف ہے، وہ حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ کا نظریہ ہے، وہ یہ ہے کہ سات حروف سے مراد سات مختلف قبیلوں کے سات لغات ہیں۔ مختلف قبیلے والے مختلف لغتیں بولتے تھے، تو چونکہ قرآن ان کی سہولت کے لئے نازل ہوا تو ہر آیت میں دوسرے قبیلہ کی رعایت کرتے ہوئے الفاظ میں تھوڑا سا فرق تھا۔

مثال کے طور پر کہیں **"سکین"** بولتے ہیں کہیں **"مدیہ"** بولتے ہیں۔

تو جہاں جیسا لفظ بولا جاتا ہے اسی کے مناسب الفاظ سے قرآن نازل ہوا، تو قرآن سات مختلف قبیلوں کے لغات میں نازل ہوا تھا، لیکن جب حضرت عثمان ﷺ نے قرآن جمع کیا تو صرف قریش کو باقی رکھا اور باقی سب حروف کو ختم کر دیا، عام طور یہی بات مشہور ہے۔

لیکن یہ جو بات مشہور ہے، تحقیق کے بعد صحیح معلوم نہیں ہوتی اور اس کے اوپر بڑے قوی اشکالات وارد ہوتے ہیں، مثلاً ایک بہت بڑا اشکال یہ ہے کہ اگر قبائل کے یہ ساتوں حروف منزل من اللہ اور اللہ ﷻ نے اپنی حکمت بالغہ سے اس کو نازل فرمایا تھا، تو حضرت عثمان ﷺ ان میں سے چھ حروف کو یک قلم منسوخ کر دیں ان کو یہ اختیار کیسے حاصل ہوا؟

اور حضرات صحابہ کرام ﷺ نے اس کو کیسے گوارہ کیا کہ قرآن کریم کے سات مختلف احرف ہیں اور اللہ ﷻ نے اسے نازل فرمایا ہے تو چھ کے چھ کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دے؟

جو حضرات قرآن کریم کے بارے میں اتنے محتاط ہوں کہ محض جمع قرآن کریم کرتے ہوئے ان کو تامل ہو رہا ہے کہ یہ کام حضور اکرم ﷺ کے زمانہ میں نہیں ہوا کہ ہم کریں یا نہ کریں۔ وہ اتنا بڑا انقلاب لے آئیں کہ چھ حروف ختم کر دیں اور ایک حرف کو باقی رکھیں، یہ بات بڑی بعید معلوم ہوتی ہے۔

حروف سبعہ کی حقیقت اور حافظ ابن جریر رحمہ اللہ کا نظریہ اور معترضین کے اعتراضات اور تحقیقی جوابات کے سمجھنے کے لئے تفصیل ملاحظہ فرمائیں:

حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے چونکہ اپنا یہ نظریہ اپنی تفسیر کے مقدمہ میں بڑی تفصیل اور جزم و وثوق کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔ اس لئے یہ قول بہت مشہور ہوگیا اور آج کل حرف سبعہ کی تشریح عموماً اسی کے مطابق کی جاتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بیشتر محقق علماء نے اسے اختیار نہیں، بلکہ اس کی سختی کے ساتھ تردید فرمائی ہے، کیونکہ اس قول پر متعدد الجھنیں ایسی کھڑی ہو جاتی ہیں جن کا کوئی حل نہیں ہے۔

اس نظریہ پر سب سے پہلا اعتراض تو یہ ہوتا ہے کہ "حروف" اور "قرآت" کو دو الگ الگ چیزیں قرار دیا گیا ہے، حالانکہ یہ بات کسی حدیث سے ثابت نہیں۔

دوسرا اعتراض یہ ہوتا ہے کہ حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ ایک طرف تو یہ تسلیم فرماتے ہیں کہ ساتوں حروف **منزل من اللہ** تھے، دوسری طرف یہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ کے مشورے سے چھ حروف کی تلاوت کو ختم فرما دیا حالانکہ اس بات کو باور کرنا بہت مشکل ہے کہ صحابۂ کرام ﷺ ان حروف کو یکسر ختم کرنے پر متفق ہو گئے ہوں اللہ تعالیٰ نے حضور اقدس ﷺ کی فرمائش پر امت کی آسانی کے لئے نازل فرمائے تھے، صحابۂ کرام ﷺ کا اجماع بے شک دین میں حجت ہے، لیکن صحابۂ کرام ﷺ سے یہ ممکن نہیں معلوم ہوتا کہ جس چیز کا قرآن ہونا تواتر کے ساتھ ثابت ہوا سے وہ صفحۂ ہستی سے مٹا دینے پر متفق ہو جائیں۔

حافظ ابن جریر رحمہ اللہ نے اس اعتراض کا یہ جواب دیا ہے کہ دراصل امت کو قرآن کریم کی حفاظت کا حکم ہوا تھا اور اسے ساتھ ہی یہ اختیار بھی دیدیا تھا کہ وہ سات حروف میں سے جس حرف کو چاہے اختیار کرلے، چنانچہ امت نے اس اختیار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک اجتماعی مصلحت کی خاطر چھ حروف کی تلاوت چھوڑ دی اور ایک حرف کی حفاظت پر متفق ہوگئی، اس اقدام کا منشاء نہ ان حروف کو منسوخ قرار دینا تھا اور نہ اُن کی تلاوت کو حرام قرار دینا تھا، بلکہ اپنے لئے اجتماعی طور پر ایک حرف کا انتخاب تھا۔

لیکن یہ جواب بھی اس لئے کمزور معلوم ہوتا ہے کہ اگر صورت یہی تھی تو کیا یہ مناسب نہ تھا کہ امت اپنے عمل کے لئے خواہ ایک حرف کو اختیار کرلیتی باقی چھ حرودف کا وجود سرے سے ختم کرنے کے بجائے اسے کم از کم کسی ایک جگہ محفوظ رکھتی، تا کہ ان کا وجود ختم نہ ہو۔

قرآن کریم اللہ رب العزت کا یہ ارشادِ مبارک ہے:

﴿إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ﴾ [۱۹]

ترجمہ: بلاشبہ ہم نے قرآن نازل کیا ہے، اور ہم ہی
اس کی حفاظت کرنے ہیں۔

جب تک ساتوں حروف قرآن تھے تو اس آیت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ساتوں حروف قیامت تک محفوظ رہیں گے اور کوئی شخص ان کی تلاوت چھوڑنا بھی چاہے تو وہ ختم نہیں ہوسکیں گے۔

حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے اس کی نظیر میں یہ مسئلہ پیش کیا ہے کہ قرآن کریم نے جھوٹی قسم کھانے کے کفارے میں انسانوں کو تین باتوں کا اختیار دیا ہے، یا تو وہ ایک غلام آزاد کرے یا دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا دس مسکینوں کو کپڑا دے، اب اگر امت باقی چیزوں کو ناجائز قرار دیئے بغیر اپنے عمل کے لئے ان میں سے کوئی ایک صورت اختیار کرلے تو یہ اس کے لئے جائز ہے، اسی طرح قرآن کے ساتھ حروف میں سے امت نے ایک حرف کو بھی اجتماعی طور پر اختیار کرلیا۔

لیکن یہ مثال اس لئے درست نہیں کہ اگر امت کفارۂ یمین کی تین صورتوں میں سے ایک صورت اس طرح اختیار کرلے کہ باقی صورتوں کو ناجائز تو نہ کہے لیکن عملاً ان کا وجود بالکل ختم ہوکر رہ جائے اور لوگوں کو صرف اتنا معلوم رہ جائے کہ کفارۂ یمین کی دوصورتیں اور تھیں جن پر امت نے عمل ترک کردیا، لیکن وہ صورتیں کیا تھیں؟ ان کے جاننے والا بھی کوئی باقی نہ رہے تو یقیناً امت کے لئے ایسے اقدام کی گنجائش نہیں ہے۔

پھر سوال یہ ہے کہ باقی چھ حروف کو ترک کرنے کی ضرورت کیا پیش آئی تھی؟

حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں میں ان حروف کے اختلاف کی وجہ سے شدید جھگڑے ہو رہے تھے، اس لئے حضرت عثمان ﷺ نے صحابہ ﷺ کے مشورے سے یہ مناسب سمجھا کہ ان سب کو ایک حرف پر متحد کردیا جائے لیکن یہ بھی ایسی بات ہے جسے باور کرنا بہت مشکل ہے حروف کے اختلاف کی بناء پر مسلمانوں کا اختلاف تو خود سرکارِ دوعالم ﷺ کے زمانے میں بھی پیش آیا تھا۔

احادیث میں ایسے مختلف واقعات مروی ہیں کہ ایک صحابی نے دوسرے صحابی کو مختلف طریقے سے قرآن کریم کی تلاوت کرتے سنا تو باہمی اختلاف کی نوبت آگئی، یہاں تک کہ حضرت عمر ﷺ کا واقعہ مشہور ہے کہ حضرت ہشام بن حکیم بن حزام ﷺ کے گلے میں چادر ڈال کر انہیں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں لائے تھے اور حضرت ابی بن کعب ﷺ فرماتے ہیں کہ حروف کا یہ اختلاف سن کر میرے دل میں زبردست شکوک پیدا ہونے لگے تھے، لیکن اس قسم کے واقعات کی بناء پر آپ ﷺ نے حروف سبعہ کو ختم کرنے کے بجائے انہیں حروف کی رخصت سے آگاہ

---

[۱۹] [الحجر: ۹]

فرمایا اور اس طرح کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوسکا، صحابۂ کرام ﷺ سے یہ بعید ہے کہ انہوں نے اس اسوۂ حسنہ پر عمل کرنے کے بجائے چھ حروف ختم کرنے کا فیصلہ کرلیا ہو۔

پھر عجیب بات ہے کہ علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے قول کے مطابق صحابہ کرام ﷺ نے چھ حروف تو اختلاف کے ڈر سے ختم فرما دیئے اور قراءتیں (جو ان کے قول میں حروف سے الگ ہی) جوں کی توں کی باقی رکھیں، چنانچہ وہ آج تک محفوظ چلی آرہی ہیں۔

سوال یہ ہے کہ افتراق و اختلاف کا جو اندیشہ مختلف حروف پر قرآن کریم کی تلاوت جاری رکھنے میں تھا کیا وہی اندیشہ قرآت کے اختلاف میں نہیں تھا؟ جبکہ ان قراُتوں کی روشنی میں بعض مرتبہ ایک ایک لفظ بیس بیس مختلف طریقوں سے پڑھا جاتا ہے؟ اگر چھ حروف ختم کرنے کا منشاء یہی تھا کہ مسلمانوں میں اتحاد پیدا ہو اور وہ سب ایک طریقہ سے قرآن کریم کی تلاوت کیا کریں تو قراُتوں کے اختلاف کو آخر کیوں ختم نہیں کیا گیا؟ جب قرأت کے اختلاف کے باوجود مسلمانوں کے انتشار کو روکا جاسکتا تھا اور مسلمانوں کو یہ سمجھایا جاسکتا تھا کہ ان تمام طریقوں سے تلاوت جائز ہے تو یہی تعلیم حروف سبعہ کے باب میں فتنہ کا سبب کیوں سمجھ لی گئی؟

حقیقت یہ ہے کہ حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے قول پر ''حروف سبعہ'' اور ''قرأت'' کے بارے میں صحابۂ کرام ﷺ کی طرف سے ایسی حیرت انگیز دو عملی منسوب کرنی پڑتی ہے جسکی کوئی معقول توجیہ سمجھ میں نہیں آتی۔

پھر حضرت عثمان ﷺ اور دوسرے صحابۂ کرام ﷺ کی طرف سے اتنے بڑے اقدام کی نسبت کسی صریح اور صحیح روایت کی بناء پر نہیں بلکہ بعض مجمل الفاظ کی قیاسی تشریح کے ذریعہ کی گئی ہے، جس روایات میں حضرت عثمان غنی ﷺ کے جمع قرآن کا واقعہ بیان ہوا ہے اس کے خلاف دلیلیں موجود ہیں۔

اب کسی صحیح اور صریح روایت کے بغیر یہ کہنا کیسے ممکن ہے کہ صحابۂ کرام ﷺ نے ان چھ حروف کو بالکل بے نشان کردینا گوارا کرلیا جو آنحضرت ﷺ کی بار بار فرمائش پر بذریعہ وحی نازل ہوئے تھے......!!

حقیقت یہ ہے کہ جن صحابۂ کرام ﷺ کو جمع و ترتیب قرآن کے نیک کام میں محض اس لئے تأمل رہا ہو کہ یہ کام آنحضرت ﷺ نے نہیں کیا جنہوں نے قرآن کریم کے ایک ایک لفظ کو محفوظ رکھنے میں اپنی عمریں کھپائی ہوں اور جنہوں نے منسوخ التلاوۃ آیات تک کو محفوظ رکھ کے امت تک پہنچایا ہو، ان سے یہ بات بے انتہاء بعید ہے کہ وہ سب کے سب چھ حروف کو ختم کرنے اس طرح متفق ہوجائیں کہ آج ان حروف کا کوئی نام و نشان تک باقی نہ رہے، جن آیات کی تلاوت منسوخ ہوچکی تھی صحابۂ کرام ﷺ نے انہیں بھی کم از کم تاریخی حیثیت میں باقی رکھ کر ہم تک پہنچایا ہے، لیکن کیا وجہ ہے کہ وہ ''حروف'' جن کے بارے میں حافظ ابن جریر رحمہ اللہ بھی تسلیم فرماتے ہیں کہ وہ منسوخ نہیں ہوئے بلکہ محض مصلحۃ ان کی قرأت و کتابت ختم کردی گئی، ان کی کوئی ایک مثال کسی ضعیف روایت میں بھی نہ رہ سکی۔ یہی وجہ سے کہ بیشتر محقق علماء نے حافظ ابن جریر طبری رحمہ اللہ کے اس قول کی تردید فرمائی ہے۔

امام طحاوی رحمہ اللہ کا قول

دوسرا مسلک امام طحاوی رحمہ اللہ نے اختیار فرمایا ہے، ان کے نزدیک قرآن کریم نازل تو صرف ایک لغتِ قریش پر ہوا تھا، لیکن امت کی آسانی کے خیال سے یہ اجازت دیدی گئی تھی کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت میں سات کی حد تک دوسرے مرادفات استعمال کرسکتے ہیں اور یہ مرادفات بھی آنحضرت ﷺ نے متعین فرمادیئے تھے، اسی اجازت کو حدیث میں قرآن کریم کے ''سات حروف'' پر نازل ہونے سے تعبیر کیا گیا ہے، لیکن یہ اجازت ابتداء اسلام میں تھی، بعد میں جب لوگ قرآنی لغت کے عادی ہوگئے تو خود آنحضرت ﷺ کے زمانے میں یہ اجازت منسوخ ہوگئی اور جب آپ اپنی وفات سے پہلے رمضان میں حضرت جبرائیل علیہ السلام سے قرآن کریم کا آخری دور کیا تو اس وقت یہ مرادفات منسوخ کردیئے گئے اور اب صرف وہی حروف باقی ہیں جس پر قرآن کریم نازل ہوا تھا یعنی حروفِ قریش، باقی چھ مرادفات منسوخ ہوگئے ہیں۔

یہ قول حافظ ابن جریر رحمہ اللہ کے قول کے مقابلہ میں اس لحاظ سے بہتر ہے کہ اس میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف یہ بات منسوب نہیں کی گئی کہ انہوں نے چھ حروف کو ترک کردیا تھا، بلکہ نسخ کی نسبت خود عہدِ رسالت ﷺ کی طرف کی گئی ہے، لیکن اُس پر ایک اشکال تو یہ ہوتا ہے کہ اس قول کے مطابق حروف — **منزل من اللہ** — نہیں تھے، حالانکہ حضرت عمر اور حضرت ہشام رضی اللہ عنہما کے درمیان جو اختلاف پیش آیا اس میں حضرت ہشام رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ کے سامنے سورۂ فرقان اپنے طریقے سے تلاوت فرمائی تھی، تو اسے سن کر آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ **ھٰکذا انزلت** یعنی یہ سورت اسی طرح نازل ہوئی ہے، اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے طریقے سے تلاوت فرمائی تو اسے سن کر بھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ **ھٰکذا انزلت** یہ سورت اسی طرح سے نازل کی گئی ہے۔

ان الفاظ کا کھلا ہوا مفہوم یہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں طریقے — **منزل من اللہ** — تھے۔

دوسرے اس قول میں بھی قرأت کی حیثیت واضح نہیں ہوتی کہ وہ سات حروف میں داخل تھیں یا نہیں؟ اگر داخل تھیں تو چھ حروف کی طرح ان کے بارے میں بھی یہ کہنا پڑے گا کہ (**معاذ اللہ**) وہ — **منزل من اللہ** — نہیں ہیں، حالانکہ یہ اجماع کے خلاف ہے اور اگر داخل نہیں تھیں تو ان کے علیحدہ وجود پر کوئی دلیل نہیں، اس لئے اس قول پر بھی شرح صدر نہیں ہوتا۔

سب سے بہتر قول

تیسرا قول جو سب سے زیادہ اطمینان بخش اور بے غبار ہے وہ یہی ہے کہ سات حروف سے مراد چونکہ

اختلاف قرأت ہے اس لئے یہ ساتوں حروف آج بھی پوری طرح محفوظ اور باقی ہیں، اور ان کی تلاوت کی جاتی ہے، البتہ اتنا فرق ضرور ہوا ہے کہ ابتدائے اسلام میں قرأتوں کے اختلاف کی تعداد بہت زیادہ تھی اور ان میں مرادف الفاظ کے اختلاف کی کثرت تھی، جس کا مقصد یہ تھا کہ جو لوگ لغتِ قرآن کے پوری طرح سے عادی نہیں ہوئے تھے انہیں زیادہ سے زیادہ سہولت دی جائے، بعد میں جب اہل عرب لغت قرآن کے عادی ہو گئے تو مرادفات وغیرہ کے بہت سے اختلافات ختم کر دیئے گئے، چنانچہ آنحضرت ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے جو آخری دور کیا (اور جسے اصطلاح میں عرضۂ اخیرہ کہا جاتا ہے) اس وقت بہت سی قرأتیں منسوخ کر دی گئیں، لیکن جتنی قرأتیں اس وقت باقی رہ گئیں تھیں وہ ساری کی ساری آج تک تواتر کے ساتھ چلی آرہی ہیں اور ان کی تلاوت ہوتی ہے۔

''احرف سبعہ'' کی پیچیدہ بحث میں یہ وہ بے غبار راستہ ہے جس پر تمام روایاتِ حدیث بھی اپنی اپنی جگہ صحیح بیٹھ جاتی ہیں، اور نہ ان میں کوئی تعارض یا اختلاف باقی رہتا ہے، اور نہ کوئی اور معقول اشکال پیش آتا ہے۔

تاہم اس میں ممکنہ شبہات اور اس پر جواب کی تفصیل، اُس قول کی حقانیت کی توضیحات، اس قول کے قائلین حضرات کے اسمائے گرامی اور حوالے کی تفصیل کتاب علوم القرآن میں موجود ہے۔

اس تفصیل کی اس لئے ضرورت پیش آئی ہے کہ آج کل علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ کا قول ہی زیادہ مشہور ہو گیا ہے، اور علامہ ابن جریر طبری رحمہ اللہ کی جلیل القدر شخصیت کے پیش نظر اسے عموماً ہر شک وشبہ سے بالاتر سمجھا جاتا ہے، اس کی بناء پر ابن الجزری رحمہ اللہ کا یہ بے غبار قول یا تو لوگوں کو معلوم نہیں ہے، یا اگر معلوم ہے تو اسے ایک ضعیف قول سمجھا جاتا ہے، حالانکہ گذشتہ بحث کی روشنی میں یہ اچھی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ امام مالک، علامہ ابن قتیبہ، علامہ ابوالفضل رازی، قاضی ابوبکر ابن الطیب، امام ابوالحسن اشعری، قاضی عیاض، علامہ ابن حزم، علامہ ابوالولید باجی، امام غزالی اور ملا علی قاری رحمہم اللہ اجمعین جیسے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ ساتوں حروف آج بھی محفوظ اور باقی ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عرضۂ اخیرہ کے وقت جتنے حروف باقی رہ گئے تھے ان میں سے کوئی نہ منسوخ ہوا، نہ اسے ترک کیا گیا، بلکہ محقق ابن الجزری رحمہ اللہ نے اپنے اس قول کو اپنے پہلے جمہور علماء کا مسلک قرار دیا ہے۔

علماء متاخرین میں سے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب، حضرت مولانا انور شاہ کشمیری صاحب، اور علامہ زاہد کوثری رحمہم اللہ اجمعین کا بھی یہی قول ہے۔ نیز مصر کے مشہور علماء علامہ محمد نجیت مطیعی، علامہ خضری دمیاطی اور شیخ عبدالعظیم زرقانی رحمہم اللہ اجمعین نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے۔

لہذا دلائل سے قطع نظر محض شخصیات کے لحاظ سے بھی یہ قول بڑا وزنی قول ہے۔

احقر کی ناچیز رائے میں ''سبعۃ احرف'' کی یہ تشریح سب سے زیادہ بہتر ہے، حدیث کا منشاء یہی معلوم

ہوتا ہے کہ قرآن کریم کے الفاظ کو مختلف طریقے اپنی نوعیتوں کے لحاظ سے سات ہیں، ان سات نوعیتوں کی کوئی تعیین چونکہ کسی حدیث میں موجود نہیں ہے، اس لئے یقین کے ساتھ تو کسی استقراء کے بارے میں نہیں کہا جا سکتا کہ حدیث میں وہی مراد ہے۔ [۲۵]

سبعۃ احرف کی ترتیب

سوال: سبعۃ احرف کی کیا ترتیب تھی؟ کیا جبرائیل علیہ السلام آپ پر سات مرتبہ تلاوت فرماتے؟

جواب: جی ہاں! سات مرتبہ نہیں بلکہ جتنی مرتبہ بھی ضرورت پیش آتی، کیونکہ ساتوں نوعیتِ اختلاف تھی، لیکن ایک آیت کو کتنے طریقوں سے پڑھا جا سکتا ہے، یہ سات میں منحصر نہیں ہے تو دس بارہ بھی ہو سکتے ہیں، تو جتنی طرح بھی پڑھی جاتی تھی حضرت جبرئیل علیہ السلام پڑھ کر سناتے تھے۔

(۶) باب تالیف القرآن
قرآن مجید کی ترتیب کا بیان

قرآن کریم کا تدریجی نزول

آنحضرت ﷺ پر قرآن کریم دفعۃً اور یکبارگی نازل نہیں ہوا، بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے تقریباً تیئیس سال میں اُتارا گیا ہے۔ بعض اوقات جبرائیل امین علیہ السلام ایک چھوٹی سی آیت، بلکہ آیت کا کوئی ایک جز لے کر بھی تشریف لے آئے، اور بعض مرتبہ کئی کئی آیتیں بیک وقت نازل ہو جاتیں، قرآن کریم کا سب سے چھوٹا حصہ جو مستقلاً نازل ہوا وہ ﴿غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ﴾ [۲۶] ہے، جو ایک طویل آیت کا ٹکڑا ہے۔

دوسری طرف پوری سورۂ انعام ایک ہی مرتبہ میں نازل ہوئی۔

بعض حضرات کو ابن عساکر رحمہ اللہ کی ایک روایت سے یہ شبہ ہو گیا کہ جبرائیل امین علیہ السلام ایک مرتبہ میں پانچ سے زائد آیتیں نہیں لائے، لیکن علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ نازل تو اس سے زائد آیتیں بھی ہوئی ہیں۔

---

[۲۵] مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں۔ علوم القرآن، باب سوم، قرآن کے سات حروف، صفحہ: ۹۸-۱۰۲۔

[۲۶] [سورة النساء: ۹۴]

مثلاً واقعۂ افک میں بیک وقت دس آیتوں کا نزول صحیح احادیث سے ثابت ہے، لیکن ہوتا یہ تھا کہ جبرائیل امین علیہ السلام آنحضرت ﷺ کو پانچ پانچ آیتیں یاد کرادیتے تھے، جب پانچ آیتیں یاد ہوجاتیں تو مزید آیتیں سنا کر یاد کرادیتے تھے۔

چنانچہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے حضرت ابوالعالیہ رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ قرآن کریم کی پانچ پانچ آیتیں سیکھا کرو، کیونکہ آنحضرت ﷺ جبرائیل امین علیہ السلام سے پانچ پانچ آیتیں ہی یاد کیا کرتے تھے۔

قرآن کریم کو یکبارگی نازل کرنے کے بجائے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیوں کیا گیا؟

یہ سوال خود مشرکین عرب آپ ﷺ سے کیا تھا، کیونکہ وہ ایک قصیدہ پورے کا پورے ایک وقت میں سننے کے عادی تھے، اور یہ تدریجی نزول ان کے لئے ایک عجیب سی بات تھی۔ اس کے علاوہ قرآن کریم سے پہلے تورات، زبور اور انجیل ایک ہی مرتبہ میں نازل ہوگئی تھیں، ان میں یہ تدریج کا طریقہ نہیں تھا۔

باری تعالیٰ نے اس سوال کا جواب خود ان الفاظ میں دیا ہے:

﴿وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا﴾ [۲۲]

ترجمہ: اور کافروں نے کہا کہ آپ پر قرآن ایک ہی دفعہ میں کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ اسی طرح (ہم نے قرآن کو تدریجاً اُتارا ہے) تا کہ ہم آپکے دل کو مطمئن کردیں اور ہم نے اسکو رفتہ رفتہ پڑھا ہے، اور وہ کوئی بات آپکے پاس نہیں لائیں گے، مگر ہم آپکے پاس حق لائیں گے، اور عمدہ تفسیر پیش کریں گے۔

امام رازی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں قرآن کریم کے تدریجی نزول کی جو حکمت بیان فرمائی ہیں، یہاں ان کا خلاصہ سمجھ لینا کافی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ اس تدریجی نزول میں کئی حکمتیں تھیں۔

۱۔ آنحضرت ﷺ امی تھے، لکھتے پڑھتے نہیں تھے، اس لئے سارا قرآن ایک مرتبہ نازل ہوگیا ہوتا تو اس کا یاد رکھنا اور ضبط کرنا دشوار ہوتا، اس کے برخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام لکھنا پڑھنا جانتے تھے، اسی لئے اُن پر تورات ایک ہی مرتبہ نازل کردی گئی۔

۲- اگر پورا قرآن ایک دفعہ نازل ہو جاتا تو تمام احکام کی پابندی فوراً شروع ہو جاتی، اور یہ اس حکیمانہ تدریج کے خلاف ہوتا جو شریعت میں ملحوظ رہی ہے۔

۳- آنحضرت ﷺ کو اپنی قوم کی طرف سے ہر روز نئی نئی اذیتیں برداشت کرنی پڑتی تھیں، حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کا بار بار قرآن کریم لیکر آنا ان اذیتوں کے مقابلہ کو سہل بنا دیتا تھا اور آپ ﷺ کی تقویتِ قلب کا سبب بنتا تھا۔

۴- قرآن کریم ایک بڑا حصہ لوگوں کے سوالات کے جواب اور مختلف واقعات سے متعلق ہے، اس لئے ان آیات کا نزول اسی وقت مناسب تھا جس وقت وہ سوالات کئے گئے، یا وہ واقعات پیش آئے، اس سے مسلمانوں کی بصیرت بھی بڑھتی تھی اور قرآن کے غیبی خبریں بیان کرنے سے اسکی حقانیت اور زیادہ آشکار ہو جاتی تھی۔

ترتیب نزول اور موجودہ ترتیب

قرآن کریم جس ترتیب کے ساتھ اس وقت موجود ہے، آنحضرت ﷺ پر اس ترتیب سے نازل نہیں ہوا تھا، بلکہ ضرورت اور حالات کے مطابق نزول کی ترتیب اس سے مختلف تھی، ہوتا یہ تھا کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ ﷺ کاتبین وحی کو ساتھ ہی یہ بتا دیتے تھے کہ اس آیت کو فلاں سورت میں فلاں مقام پر لکھ لیا جائے، چنانچہ وہ آپ ﷺ کے بتائے مقام پر درج ہو جاتی تھی۔ ترتیب نزول کو محفوظ رکھنے کی کوشش نہ تو آنحضرت ﷺ نے فرمائی اور نہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے۔ اسلئے جب قرآن مکمل ہو گیا تو لوگوں کو یہ یاد بھی نہیں رہا کہ کونسی آیت کس ترتیب سے نازل ہوئی! لہذا اب جزوی طور پر بعض سورتوں یا آیتوں کے بارے میں تو یہ علم ہو جاتا ہے کہ ان کی ترتیب کیا تھی، لیکن پورے قرآن کی ترتیب نزول یقین کے ساتھ بیان نہیں کی جا سکتی ہے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے بعض روایات کی مدد سے سورتوں کی ترتیب نزول بیان کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن درحقیقت ان روایتوں سے یقینی طور پر صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ کونسی سورت مکی اور کون سی مدنی ہے۔ ترتیب نزول کی تفصیل ان سے معلوم نہیں ہوتیں۔

ماضی قریب میں بعض مستشرقین نے بھی ترتیب نزول معین کرنے کی کوشش کی ہے، سب سے پہلے مشہور جرمن مستشرق نولڈ یکے نے اس کام کا آغاز کیا، اور اسکے بعد یہ بہت سے مغربی مصنفین کی دلچسپی کا موضوع بنا رہا، ولیم میور نے بھی اس سلسلے میں ایک جداگانہ کوشش کی بلکہ جے ایم راڈیل نے قرآن کریم کا جو انگریزی ترجمہ شائع کیا، اس میں سورتوں کو معروف ترتیب سے ذکر کرنے کے بجائے، نولڈ یکے کی مزعومہ تاریخی ترتیب سے ذکر کیا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں ہارٹ وگ ہر شفیلڈ نے نہ صرف سورتوں بلکہ آیتوں تک کی تاریخی ترتیب معین کرنے

کی کوشش کی، اسکے علاوہ ریجس بلاشیر نے اپنے فرانسیسی ترجمہ میں اس کام کا بیڑا اُٹھایا، رچرڈ بیل نے اس سلسلے میں مغربی دنیا میں کافی نام پیدا کیا۔ **مستشرقین کی یہ کوششیں اب بھی جاری ہیں اور شائد انہیں سے متاثر ہو کر بعض مسلمانوں نے بھی ترتیب نزول کی تحقیق کرنی شروع کی ہے۔**

لیکن ہماری نظر میں یہ ساری کوششیں ایک ایسے کام میں اپنا وقت صرف کرنے کے مرادف ہے جس میں کبھی یقینی کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی، مذکورہ بالا مستشرقین نے جو کوششیں کی ہیں وہ زیادہ تر متن کے بارے میں انکے ذاتی قیاسات پر مبنی ہیں اور چونکہ ہر شخص کے قیاسات دوسرے سے مختلف ہوسکتے ہیں، اسلئے انکی بیان کردہ ترتیبوں میں بھی فرق ہے، لہذا ہزار کوششوں کے باوجود ان قیاسات سے کوئی خاص عملی فائدہ حاصل کرنا مشکل ہے۔

دراصل مستشرقین کی ان کوششوں کے پیچھے **ایک مخصوص ذہنیت کارفرما ہے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم ابھی تک غیر مرتب ہے**، اس کی اصل ترتیب وہ ہے جس پر وہ نازل ہوا تھا، لیکن چونکہ نازل ہونے کے ساتھ اسے کتابی شکل میں لکھنے کے بجائے متفرق چیزوں پر لکھا گیا اس لئے وہ ترتیب محفوظ نہ رہ سکی۔ راڈویل نے اپنے ترجمۂ قرآن کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ موجودہ ترتیب کی وجہ یہ ہے کہ حضرت زید بن ثابت ﷛ نے جب متفرق تحریریں جمع کیں تو وہ انہیں جس ترتیب کے ساتھ ملتی گئیں اسی ترتیب سے وہ لکھتے چلے گئے، لہذا اس میں کسی تاریخی یا معنوی ترتیب کا لحاظ نہیں رہ سکا۔ اب قرآن کریم کی موجودہ ترتیب انکے خیال میں نعوذ باللہ ایک نقص ہے جسے وہ بزعمِ خود اپنی ''تحقیق'' سے دور کرنا چاہتے ہیں۔

حالانکہ واقعات کی یہ تصویر نہ صرف خیالی بلکہ واضح دلائل کے بالکل خلاف ہے، اسلئے کہ آیاتِ قرآنی کی ترتیب باتفاق وحی سے ثابت ہے، حضرت عثمان ﷛ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ کاتبین وحی کو ساتھ ہی یہ بھی بتادیتے تھے کہ یہ آیت فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد لکھی جائیگی۔ **اور صحابہ کرام ﷚ نے قرآن کریم کو اسی ترتیب سے یاد کیا تھا، جو حضور اقدس ﷺ بتائی تھی۔**

یہ کہنا بالکل ہی غلط ہے کہ حضرت زید ﷛ کو جس ترتیب سے آیتیں ملتی گئیں، اسی ترتیب سے وہ لکھتے گئے، کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو موجودہ قرآن میں سب سے آخری آیت **﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّن قَضَىٰ نَحْبَهُ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيلًا﴾** [۲۳]

ہونی چاہئے تھی، کیونکہ حضرت زید بن ثابت ﷛ کو یہ آیت سب سے آخر میں ملی، حالانکہ یہ آیت سورۂ احزاب میں درج ہے۔ اس سے صاف واضح ہے کہ حضرت زید اور ان کے رفقاء ﷚ کے سامنے جب کوئی آیت لائی جاتی تھی تو وہ اس کو اسی مقام پر لکھتے تھے جس مقام پر حضور اکرم ﷺ نے بتایا تھا۔

---

[۲۳] [الاحزاب:۲۳]

البتہ سورتوں کی ترتیب کے بارے میں اہلِ علم کی دو رائے ہیں:

۱۔بعض حضرات کہتے ہیں کہ وہ بھی بذریعہ وحی بتائی گئی ہے۔

۲۔بعض حضرات کا خیال ہے کہ اسے صحابہ کرام ﷺ نے اپنے اجتہاد سے معین کیا ہے۔

زیادہ صحیح بات تو یہ معلوم ہوتی ہے کہ بعض سورتوں کی ترتیب تو بذریعہ وحی بتائی گئی تھی، البتہ بعض سورتوں مثلاً سورۂ توبہ کے بارے میں کوئی صریح ہدایت موجود نہ تھی، اسی لئے صحابہ کرام ﷺ نے اپنے اجتہاد سے سورۂ انفال کے بعد رکھا ہے۔ [۴۴]

۴۹۹۳ ۔ حدثنا إبراهيم بن موسى: أخبرنا هشام بن يوسف، أن ابن جريج أخبرهم قال: وأخبرني يوسف بن ماهک قال: إني عند عائشة أم المؤمنين رضي الله عنها إذجاء ها عراقي فقال: أي الكفن خير؟ قالت: ويحک، ومايضرک؟ قال: يا أم المؤمنين أريني مصحفک، قالت: لم؟ قال: لعلي أؤلف القرآن عليه، فإنه يُقرأ غيرمؤلف. قالت: وما يضرک أية قرأت قبل؟ إنما نزل أول ما نزل منه سورة من المفصل فيها ذكر الجنة والنار، حتى إذا ثاب الناس إلى الإسلام نزل الحلال والحرام. ولو نزل أول شيء: لا تشربوا الخمر لقالوا: لاندع الخمر أبدا. ولونزل: لا تزنوا، لقالوا: لاندع الزنا أبدا، لقد نزل بمكة على محمد ﷺ وإني لجارية ألعب ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَى وَأَمَرُّ﴾ وما نزلت سورة البقرة والنساء إلا وأنا عنده. قال: فأخرجت له المصحف فأملت عليه آي السور. [راجع: ۴۸۷۶]

ترجمہ: یوسف بن ماہک نے بیان کیا کہ میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تھا کہ ایک عراقی آیا اور پوچھا، کون سا کفن بہتر ہے؟ انہوں نے کہا افسوس ہے تجھ پر، تجھے کیا چیز تکلیف دیتی ہے؟ اے اُم المؤمنین مجھے اپنا مصحف دکھایئے، انہوں نے پوچھا کیوں؟ اس نے کہا اس لئے کہ میں قرآن کو اس کی ترتیب کے موافق کرلوں، کیوں کہ لوگ ترتیب کے خلاف پڑھتے ہیں، انہوں نے کہا کوئی حرج نہیں، جو آیت بھی چاہو پہلے پڑھ لو، سورہ مفصل میں سب سے پہلے وہ سورۃ نازل ہوئی ہے، جس میں جنت اور جہنم کا ذکر ہے، یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تو حلال وحرام کی آیت نازل ہوئی، اگر پہلے ہی یہ آیت نازل ہوجاتی کہ شراب نہ پیو، تو لوگ کہتے کہ ہم کبھی شراب نہ چھوڑیں گے، اگر یہ آیت نازل ہوتی کہ زنا نہیں کرو، تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز زنا نہیں چھوڑیں گے، جب میں کم سن بچی تھی اور کھیلتی تھی، تو اسی زمانہ میں رسول اللہ ﷺ پر یہ آیت

---

[۴۴] تفصیل کے لئے مراجعت فرمائیں: علوم القرآن، تالیف: شیخ الاسلام حضرت مفتی محمد تقی عثمانی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ، صفحہ نمبر: ۶۷ تا ۷۴

نازل ہوئی ﴿بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَى وَأَمَرُّ﴾ اور سورہ بقرہ اور سورہ نساء اس وقت نازل ہوئیں جب میں آپ ﷺ کے پاس تھی۔ راوی کا بیان ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کیلئے وہ مصحف نکال لائیں اور انہوں نے ان کو سورۃ کی آیتیں لکھوا دیں۔

حدیث کی تشریح

ابن جریج کہتے ہیں کہ یوسف بن ماہک کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا ان کے پاس ایک عراقی شخص آیا تو انہوں نے پوچھا کہ "**ای الکفن خیر؟**" کونسا کفن اچھا رہتر ہوتا ہے؟

"**قالت ویحک، ومایضرک؟**" افسوس ہے تجھ پر تجھے کوئی کفن نقصان نہیں پہنچائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ جو بھی کفن ملے دیدیا کرو۔

"**یا ام المؤمنین! اربنی مصحفک**" تو اس آدمی نے کہا کہ اے ام المؤمنین! مجھے آپ اپنا مصحف یعنی قرآن شریف دکھایئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ کیوں دیکھنا چاہتے ہو؟

"**لعلی أؤلف القرآن علیہ، فانہ یقرأ غیر مؤلف**" اس نے کہا کہ میں اس لئے مانگ رہا ہوں تاکہ میں اپنے قرآن کو اسکے مطابق ترتیب دوں کیونکہ جو قرآن پڑھا جاتا ہے وہ بغیر ترتیب کے ہے۔

"**وما یضرک ایة قرات قبل**" جو بھی سورت تم پہلے پڑھ لو تمہارے لئے کوئی نقصان نہیں، کیونکہ یہ توقیفی ہے ہی نہیں حضرت عثمان ﷺ نے اپنے زمانے میں ترتیب قائم کی۔

"**إنما نزل أول مانزل منہ سورة من المفصل فیھا ذکر الجنة والنار**" سب سے پہلے جو نازل ہوا تھا وہ مفصل کی ایک آیت تھی جس میں جنت اور نار کا ذکر ہوا تھا۔

"**حتی إذا ثاب الناس إلی الإسلام نزل الحلال والحرام**" یہاں تک کہ جب لوگ اسلام کی طرف مائل ہوئے تو حلال وحرام کی آیت نازل ہوئی یعنی اللہ ﷻ نے اپنی حکمت سے رفتہ رفتہ کر کے قرآن کریم کو نازل کیا جو موجودہ ترتیبِ سورت سے مختلف ہے، اس لئے اللہ ﷻ احکام میں تدریج چاہتے تھے کہ تدریج کے ساتھ احکام آئیں۔

"**ولو نزل أول شیء: لاتشربوا الخمر لقالوا: لاندع الخمر أبدا. ولو نزل: لاتزنوا، لقالوا: لاندع الزنا أبدا**" اگر شروع میں ہی یہ آیت نازل ہوجاتی کہ شراب نہ پیو، تو لوگ کہتے کہ ہم کبھی شراب نہ چھوڑیں گے، اگر یہ آیت نازل ہوتی کہ زنا نہیں کرو، تو لوگ کہتے کہ ہم ہرگز زنا نہیں چھوڑیں گے۔

تو حکمتِ تدریج کا تقاضا یہ ہوا کہ ترتیبِ نزول مختلف ہو ترتیب قرأت سے۔

اسی کی تائید میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ "**لقد نزل بمكة على محمد ﷺ وانى لجارية العب**" جب میں کم سن بچی تھی اور کھیلتی تھی، تو اسی زمانہ میں مکہ مکرمہ میں رسول اللہ ﷺ پر سورۂ قمر کی یہ آیت ﴿**بَلِ السَّاعَةُ مَوْعِدُهُمْ وَالسَّاعَةُ أَدْهَى وَأَمَرُّ**﴾ نازل ہوئی۔

"**وما نزلت سورة البقرة والنساء إلا وأنا عنده**" اور سورہ بقرہ اور سورہ نساء اس وقت نازل ہوئیں جب میں آپ ﷺ کے پاس تھی، میں بڑی ہو چکی تھی۔

ترتیبِ نزول میں اتنا فرق ہے، حالانکہ لکھی ہوئی ترتیب میں یہ ہے کہ سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء مقدم ہیں اور سورۂ قمر بہت بعد میں نازل ہوئی ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ "**فاخرجت له المصحف فاملت عليه آى السور**" پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کیلئے وہ مصحف نکال لائیں اور انہوں نے ان کو سورۃ کی آیتیں لکھوادیں۔

۴۹۹۴ ۔ حدثنا آدم: حدثنا شعبة، عن أبى إسحاق قال: سمعت عبدالرحمن بن يزيد: قال سمعت ابن مسعود يقول فى بنى إسرائيل والكهف ومريم و طه والأنبياء: إنهن من العتاق الأول وهن من تلادى. [راجع: ۴۷۰۸]

ترجمہ: ابواسحاق نے بیان کیا کہ انہوں نے عبدالرحمٰن بن امیہ سے سنا اور انہوں نے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے سنا کہ وہ سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ کہف، سورۃ مریم، سورۃ طٰہٰ اور سورۃ انبیاء کے متعلق فرما رہے تھے کہ یہ پانچوں سورتیں اول درجہ کی فصیح سورتیں ہیں اور میری یاد کی ہوئی ہیں۔

۴۹۹۵ ۔ حدثنا أبو الوليد: حدثنا شعبة: أنبأنا أبو إسحاق: سمع البراء ﷺ قال: تعلمت ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ﴾ قبل أن يقدم النبى ﷺ.

ترجمہ: ابواسحاق نے خبر دی انہوں نے حضرت براء بن عازب ﷺ سے سنا کہ انہوں نے بیان کیا میں نے ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ﴾ نبی کریم ﷺ کے مدینہ آنے سے پہلے سیکھ لی تھی۔

۴۹۹۶ ۔ حدثنا عبدان: عن أبى حمزة: عن الأعمش، عن شقيق قال: قال عبدالله: لقد تعلمت النظائر التى كان النبى ﷺ يقرؤهن اثنين اثنين فى كل ركعة، فقام عبدالله ودخل معه علقمة وخرج علقمة فسألناه فقال: عشرون سورة من أول المفصل على تأليف ابن مسعود، آخرهن من الحواميم. [راجع: ۷۷۵]

ترجمہ: حضرت عبداللہ ﷺ نے بیان کیا کہ میں ان ہم مثل سورتوں کو جانتا ہوں، جن کو نبی کریم ﷺ ہر رکعت میں دو، دو پڑھتے تھے۔ یہ کہہ کر حضرت عبداللہ ﷺ کھڑے ہوگئے، اور ان کے ساتھ علقمہ ان کے گھر گئے، پھر علقمہ باہر آئے تو ہم نے ان سے پوچھا کہ وہ کون سی سورتیں ہیں؟ تو علقمہ نے کہا کہ حضرت ابن مسعود ﷺ کی

ترتیب کے مطابق مفصل سورتوں میں سے پہلی بیس سورتیں ہیں، جن کے آخر میں **"حوامیم"** ہیں۔

حضرت ابن مسعود ﷜ کے نزدیک مفصل سورتیں

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷜ کہتے ہیں کہ **"لقد تعلمت النظائر التی کان النبی ﷺ یقرؤهن اثنین اثنین فی کل رکعة"** مجھے پتہ ہے ان ایک جیسی سورتوں کا جو نبی کریم ﷺ ایک رکعت میں دو دو کر کے پڑھا کرتے تھے۔ دو دو ملا کر ایک رکعت میں جو پڑھا کرتے تھے وہ مجھے یاد ہے۔

پھر حضرت عبداللہ بن مسعود ﷜ اٹھ کر اپنے گھر کی طرف چل دیئے، حضرت علقمہ رحمہ اللہ بھی ان کو پیچھے پیچھے گھر کے اندر داخل ہوئے۔ پھر علقمہ باہر آئے تو ہم نے ان سے پوچھا کہ وہ کون سی سورتیں ہیں؟

حضرت علقمہ رحمہ اللہ نے بتایا کہ **"عشرون سورة من أول المفصل علی تألیف ابن مسعود"** حضرت عبداللہ بن مسعود ﷜ کی ترتیب کے مطابق مفصل سورتوں میں سے پہلی بیس سورتیں ہیں، **"آخرهن من الحوامیم"** فرمایا اور مفصل سورتیں وہ ہیں جن کے آخر میں **"حوامیم"** آیا۔

مفصل وہ سورتیں ہیں جو سورۂ ''ق'' سے آخر قرآن تک ہیں، لیکن مفصل سے مراد یہ مفصل نہیں ہے بلکہ عبداللہ بن مسعود ﷜ کی تالیف کے مطابق مفصل تھی، وہی مراد ہے، اس میں ''حوامیم'' بھی تھی، موجودہ ترتیب میں ''حوامیم'' مفصل میں شامل نہیں ہے۔

(۷) باب کان جبریل یعرض القرآن علی النبی ﷺ، جبرائیل ؑ کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ قرآن کے دور کرنے کا بیان

وقال مسروق، عن عائشة رضی اللہ عنها، عن فاطمة رضی اللہ عنها: أسر إلی النبی ﷺ ((أن جبریل کان یعارضنی بالقرآن کل سنة، وإنه عارضنی العام مرتین، ولا أراه إلا حضر أجلی)).

ترجمہ: حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے چپکے سے کان میں فرمایا کہ جبرئیل ؑ سے قرآن سال بھر میں ایک مرتبہ دور کرتے تھے، لیکن اس سال میرے سامنے دو بار دور کیا، میرا خیال ہے اب میری وفات کا وقت قریب آ چکا ہے۔

۴۹۹۷۔ حدثنا یحیی بن قزعة: حدثنا إبراهیم بن سعد، عن الزهری، عن عبیداللہ

بن عبداللہ، عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال: كان النبی ﷺ أجود الناس بالخير، وأجود مايكون فی شهر رمضان، لأنّ جبريل كان يلقاه فی كل ليلة فی شهر رمضان حتی ينسلخ، يعرض عليه رسول اللہ ﷺ القرآن فإذا لقيه جبريل كان أجود بالخير من الريح المرسلة.
[راجع: ۶]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ لوگوں میں خیر کے اعتبار سے سب سے زیادہ سخی تھے اور رمضان المبارک میں معمول سے زیادہ سخی ہو جاتے تھے، اس لئے کہ رمضان کے مہینے میں حضرت جبریل علیہ السلام آپ ﷺ کے پاس ہر رات میں آتے تھے، یہاں تک کہ رمضان کا مہینہ گذر جاتا، رسول اللہ ﷺ ان کے ساتھ قرآن کا دور کرتے، چنانچہ جب حضرت جبریل علیہ السلام آپ سے ملتے تو آپ خیر کے اعتبار سے ہوا سے بھی زیادہ سخی ہوتے۔

۴۹۹۸ ۔ حدثنا خالد بن يزيد: حدثنا أبوبكر، عن أبی حصين، عن ذكوان عن أبی هريرة قال: كان يعرض علی النبی ﷺ القرآن كل عام مرة، فعرض عليه مرتين فی العام الذی قبض فيه، وكان يعتكف فی كل عام عشراً، فاعتكف عشرين فی العام الذی قبض فيه. [راجع: ۲۰۴۴]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ (حضرت جبریل علیہ السلام) نبی کریم ﷺ پر قرآن ہر سال میں ایک بار دور کرتے تھے، لیکن جس سال آپ ﷺ کی وفات ہوئی، اس سال دوبار آپ ﷺ پر دومرتبہ قرآن کا دور کیا گیا اور ہر سال دس دن آپ ﷺ اعتکاف کرتے تھے، لیکن جس سال آپ ﷺ کی وفات ہوئی، اس سال آپ ﷺ نے بیس دن اعتکاف کیا ہے۔

(۸) باب القراء من أصحاب النبی ﷺ

اصحابِ نبی ﷺ میں سے قراء صحابہ کا بیان

۴۹۹۹ ۔ حدثنا حفص بن عمر: حدثنا شعبة، عن عمرو، عن إبراهيم، عن مسروق: ذكر عبداللہ بن عمرو عبداللہ بن مسعود فقال: لا أزال أُحبه، سمعت النبی ﷺ يقول: ((خذوا القرآن من أربعة، من عبداللہ بن مسعود، وسالم، ومعاذ، وأبی بن كعب)).
[راجع: ۳۷۵۸]

ترجمہ: مسروق کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ میں اس وقت سے ان سے برابر محبت کرتا ہوں، جب میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ تم قرآن چار آدمیوں سے حاصل کرو، حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ، حضرت سالم ﷺ، حضرت معاذ ﷺ، حضرت ابی بن کعب ﷺ۔

۵۰۰۰ ـ حدثنا عمر بن حفص: حدثنا الأعمش: حدثنا شقيق بن سلمة، قال: خطبنا عبدالله بن مسعود فقال: والله لقد أخذت من في رسول الله ﷺ بضعا وسبعين سورة، والله لقد علم أصحاب رسول الله ﷺ اني من أعلمهم بكتاب الله وما أنا بخيرهم، قال شقيق: فجلست في الحلق أسمع ما يقولون، فما سمعت رادًا يقول غير ذلك. [۲۵]

ترجمہ: شقیق بن سلمہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ ہم سے خطاب کر رہے تھے تو انہوں نے کہا کہ اللہ کی قسم! میں نے ستر سے کچھ زیادہ سورتیں خود رسول اللہ ﷺ سے سن کر حاصل کی ہیں، اور اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے صحابہ سمجھنے لگے تھے کہ میں کتاب اللہ کا ان سب سے زیادہ جاننے والا ہوں، حالانکہ میں ان سے بہتر نہ تھا۔

راوی حدیث شقیق بن سلمہ کا بیان ہے کہ میں بہت سی مجلسوں میں بیٹھا تا کہ دوسرے صحابہ کرام ﷺ کی رائے سن سکوں کہ وہ کیا کہتے ہیں، لیکن ان میں سے کسی کو اس بات کی تردید کرتے ہوئے نہیں سنا (گویا صحابہ کرام ﷺ اس بات کو تسلیم کرتے تھے)۔

۵۰۰۱ ـ حدثنا محمد بن كثير، أخبرنا سفيان، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن علقمة قال: كنا بحمص فقرأ ابن مسعود سورة يوسف فقال رجل: ما هكذا انزلت، فقال: قرأت على رسول الله ﷺ فقال: ((أحسنت))، ووجد منه ريح الخمر فقال: أتجمع أن تكذب بكتاب الله وتشرب الخمر؟ فضربه الحد.

ترجمہ: علقمہ رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ ہم حمص میں تھے تو حضرت ابن مسعود ﷺ نے سورۂ یوسف کی تلاوت کی، ایک آدمی نے کہا کہ اس طرح یہ سورت نازل نہیں ہوئی ہے، حضرت ابن مسعود ﷺ نے فرمایا کہ میں نے خود رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ سورت تلاوت کی تھی تو آپ نے فرمایا کہ بہت خوب! اور اس آدمی کے منہ

---

[۲۵] وفي صحيح مسلم، كتاب فضائل الصحابة ﷺ، باب فضائل عبدالله بن مسعود ﷺ وامه رضي الله تعالىٰ عنها، رقم: ۲۴۶۲، ۲۴۶۳، وسنن النسائي، كتاب الزينة، اللّؤابة، رقم: ۵۰۶۳، ۵۰۶۴، ومسند احمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند عبدالله بن مسعود ﷺ، رقم: ۳۵۹۸، ۳۶۹۷، ۳۸۳۵، ۳۸۴۶، ۳۹۰۶، ۳۹۲۹، ۴۲۱۸، ۴۳۳۰، ۴۳۷۲، ۴۴۱۲

سے شراب کی بو آرہی تھی، حضرت ابن مسعود ﷜ نے فرمایا کہ کیا تو کتاب اللہ کو جھٹلانے اور شراب پینے جیسے گناہ ایک ساتھ جمع کرتا ہے؟ چنانچہ اسے حد لگائی گئی۔

تشریح

وہ آدمی شراب پی کے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷜ کی تکذیب کررہا تھا کہ قرآن کریم ایسا نازل نہیں ہوا جیسے آپ پڑھ رہے ہیں۔

"اتجمع ان تکذب بکتاب اللہ وتشرب الخمر؟" حضرت عبداللہ بن مسعود ﷜ نے فرمایا کہ کیا تو یہ دونوں گناہ جمع کرتا ہے کہ کتاب اللہ کو جھٹلاتا ہے اور شراب بھی پیتا ہے؟

"فضربہ الحد" پھر اس آدمی کو حد لگائی گئی۔

حد صرف بو کی وجہ سے نہیں لگائی بلکہ بعد میں اس نے اعتراف کیا ہوگا۔ [۲۶]

۵۰۰۲ ۔ حدثنا عمر بن حفص: حدثنا أبی: حدثنا الأعمش: حدثنا مسلم، عن مسروق قال: قال عبداللہ ﷜: واللہ الذی لا إلہ غیرہ ما أنزلت سورۃ من کتاب اللہ إلا أنا أعلم این انزلت، ولا انزلت آیۃ من کتاب اللہ إلا أنا أعلم فیمن أنزلت، ولو أعلم أحدا أعلم منی بکتاب اللہ تبلغہ الإبل لرکبت إلیہ.

ترجمہ: حضرت مسروق رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ﷜ فرماتے ہیں کہ اس اللہ کی قسم! جس کے سوائے کوئی معبود نہیں، قرآن شریف کی جو سورت بھی نازل ہوئی، میں اس کے متعلق جانتا ہوں کہ وہ کہاں نازل ہوئی؟ اور جو آیت بھی اتری اس کے متعلق میں یہ بھی جانتا ہوں کہ کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ اور اگر میں کسی کے متعلق جان لوں کہ وہ کتاب اللہ مجھ سے زیادہ جانتا ہے تو اونٹ پر سوار ہو کر اس کے پاس جاؤں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷜ کا مقام

حضرت عبداللہ بن مسعود ﷜ قرآن کے بارے میں اپنا علم کا اظہار فرمارہے ہیں کہ اس کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ جب حضرت عثمان ﷜ نے ایک نسخہ باقی رکھ کے باقی سارے نسخے نذر آتش کردیئے تھے۔ اس موقع پر حضرت عبداللہ بن مسعود ﷜ نے اپنا نسخہ دینے سے انکار کردیا تھا۔ ان کا کہنا تھا کہ یہ سارا

---

[۲۶] فتح الباری، ج: ۹، ص: ۵۰

نسخہ میں نے خود حضور اقدس ﷺ سے سن کر لکھا ہے میں اس کو ضائع نہیں کرنا چاہتا۔

اس لئے وہ کہہ رہے ہیں کہ کسی دوسرے کا قول میرے اوپر حجت نہیں ہے، مجھے الحمد للہ قرآن کریم کا اتنا علم حاصل ہے جس کی وجہ سے میں اس کو اپنے پاس رکھنے کا دعویٰ کروں تو کرسکتا ہوں۔

۵۰۰۳ ـ حدثنا حفص بن عمر: حدثنا همام: حدثنا قتادة قال: سألت أنس بن مالک ﷺ: من جمع القرآن على عهد النبي ﷺ؟ قال: أربعة كلهم من الأنصار: أبي بن كعب، ومعاذ بن جبل، وزيد بن ثابت، وأبو زيد)). تابعه الفضل، عن حسين بن واقد، عن ثمامة، عن أنس. [راجع: ۳۸۱۰]

ترجمہ: قتادۃ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک ﷺ سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کے عہدِ مبارک میں کس نے قرآن جمع کیا تھا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ چار آدمیوں نے جمع کیا جو سب کے سب انصاری تھے، حضرت ابی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل، حضرت زید بن ثابت اور حضرت ابوزید ﷺ تھے۔

اس روایت کی متابعت فضل نے حسین بن واقد سے کی، ان سے ثمامہ نے، ان سے حضرت انس ﷺ نے۔

تشریح

یہاں اس روایت میں حضرت ابی بن کعب ﷺ کا ذکر ہے اور آگے جو حدیث آرہی ہے اس میں ان کی جگہ حضرت ابوالدرداء ﷺ کا ذکر ہے۔ صحابہ کرام ﷺ میں یہ چار حضرات تھے، جنہوں نے قرآن جمع کیا تھا ان کے سوا کسی نے جمع نہیں کیا تھا۔ اس وجہ سے بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس سے بھی تواتر ختم ہوگیا ہے۔ **العیاذ باللہ** - کیونکہ جمع کرنے سے مراد یاد کرنا ہے یعنی ان چاروں کے سوا کسی کو قرآن یاد نہیں تھا۔ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں کل چار حافظ تھے اور باقی کسی کو یاد نہیں تھا۔

اس بات کے بہت سے جوابات دیئے گئے ہیں لیکن میری نظر میں صحیح جواب یہ ہے کہ جمع سے مراد یہاں پر کتابت ہے۔ کتابت پوری قرآن کی رکھنا کہ حضور اقدس ﷺ کے زمانے میں پورے قرآن کی کتابت سوائے ان چار حضرات کے کسی کے پاس نہیں تھی۔ یاد تو سب کو تھا اور بہت سوں کے پاس چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر لکھا ہوا تھا باقی لیکن ان چار کی خصوصیت یہ تھی کہ ان چاروں نے پورا پورا مصحف لکھ کر اپنے پاس رکھا تھا۔

۵۰۰۵ ـ حدثنا صدقة بن الفضل: أخبرنا يحيى، عن سفيان، عن حبيب بن أبي ثابت، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس قال: قال عمر: أبيٌّ أقرؤنا وإنا لندع من لحن أبيّ، وأبيٌّ يقول: أخذته من في رسول الله ﷺ فلا أتركه لشيء، قال الله تعالى: ﴿مَا نَنسَخ

مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَاتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا﴾ [البقرة:۱۰۶]. [راجع: ۴۴۸۱]

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ حضرت ابی رضی اللہ عنہ ہم میں سب سے بڑے قاری ہیں اور ہم حضرت ابی رضی اللہ عنہ کی بعض قرأت کو چھوڑ دیتے ہیں، لیکن حضرت ابی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس کو خود رسول اللہ ﷺ سے سیکھا ہے، اس لئے میں اس کو کسی بناء پر چھوڑ نہیں سکتا، حالانکہ اللہ ﷻ نے فرمایا کہ ﴿مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَاتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا﴾ جس آیت کو ہم منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس کے مثل ہم دیتے ہیں۔

(۹) باب فضل فاتحة الكتاب

فاتحۃ الکتاب، سورۃ الفاتحہ کی فضیلت کا بیان

۵۰۰۶ ۔ حدثنا علي بن عبدالله: حدثنا يحيى بن سعيد: أخبرنا شعبة قال: حدثني خبيب بن عبدالرحمٰن، عن حفص بن عاصم، عن أبي سعيد بن المعلى قال: كنت أصلي فدعاني النبي ﷺ فلم اجبه، قلت: يا رسول الله إني كنت أصلي، قال: ((ألم يقل الله: ﴿اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾؟)) ثم قال: ((ألا أعلمك أعظم سورة في القرآن قبل أن تخرج من المسجد؟)) فأخذ بيدي، فلما أردنا أن نخرج قلت: يا رسول الله، انك قلت: ((ألا أعلمك أعظم سورة في القرآن)). قال: ((﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ هي السبع المثاني، والقرآن العظيم الذي أوتيته)). [راجع: ۴۴۷۴]

ترجمہ: حضرت ابوسعید بن معلی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے بلایا میں نے آپ کو کوئی جواب نہیں دیا، (جب میں فارغ ہوا) تو میں نے کہا اے اللہ کے رسول! میں نماز پڑھ رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ ﴿اسْتَجِيبُوا لِلَّهِ وَلِلرَّسُولِ إِذَا دَعَاكُمْ﴾ یعنی جب بھی اللہ و رسول تمہیں پکاریں تو جواب جلد دو؟ پھر فرمایا کہ کیا میں تمہیں مسجد سے نکلنے سے پہلے ایک سورت نہ بتلاؤں جو قرآن مجید کی تمام سورتوں سے افضل ہے؟ پھر حضور ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑ لیا جب ہم باہر نکلنے لگے تو میں نے درخواست کی کہ اے اللہ کے رسول! آپ نے فرمایا تھا میں تمہیں قرآن کی سب سے افضل سورت بتلاؤں گا آپ نے فرمایا کہ وہ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ہے اسی کا نام "سبع مثانی" اور قرآن عظیم ہے جو مجھے دی گئی ہے۔

۵۰۰۷ ۔ حدثنا محمد بن المثنى: حدثنا وهب: حدثنا هشام، عن محمد، عن

معبد، عن أبي سعيد الخدري قال: كنا في مسير لنا فنزلنا، فجاء ت جارية فقالت: إن سيد الحيّ سليمٌ، وإن نفرنا غيب فهل منكم راقٍ؟ فقام معها رجل ما كنا نأبنه برقية فرقاه فبرأ. فأمر لنا بثلاثين شاة وسقانا لبنا. فلما رجع قلنا له: أكنت تحسن رقية أو كنت ترقي؟ قال: لا، ما رقيت إلا بأم الكتاب، قلنا: لا تحدثوا شيئاً حتى نأتي أو نسأل النبي ﷺ. فلما قدمنا المدينة ذكرناه للنبي ﷺ فقال: ((وما كان يدريه أنها رُقية، اقسموا واضربوا لي بسهم)).

وقال أبو معمر: حدثنا عبد الوارث: حدثنا هشام: حدثنا محمد بن سيرين: حدثنا معبد بن سيرين، عن أبي سعيد الخدري بهذا. [راجع: ۲۲۷۶]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری ؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم سفر میں ایک مقام پر تھے کہ ایک لونڈی نے آکر کہا کہ اس قوم کے سردار کو سانپ نے کاٹ لیا ہے اور ہماری آبادی کے لوگ موجود نہیں ہیں، کیا تم میں کوئی منتر، دم کرنے والا ہے، چنانچہ اس کے ہمراہ ہمارے میں سے ایک شخص ہو گیا، جس کو ہم جانتے تھے کہ وہ منتر نہیں پڑھ سکتا اس نے جا کر اس پر منتر پڑھا اور وہ شخص اچھا ہو گیا۔ اس سردار نے ہمیں تیس بکریاں دیں اور ہمیں دودھ پلایا، جب وہ شخص واپس لوٹا تو ہم نے اس سے پوچھا کیا تو منتر اچھی طرح جانتا ہے یا تو منتر کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا میں نے کبھی منتر نہیں پڑھا میں تو صرف فاتحہ پڑھ کر اس پر دم کی، پھر ہم نے آپس میں کہا اس بارے میں کوئی بات نہیں کریں گے یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ سے جا کر اس کے متعلق پوچھیں گے۔ پھر جب ہم مدینہ پہنچے تو کر کو ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس بات کے بارے میں بتایا، آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں کس چیز سے شبہ ہوا کہ یہ منتر ہے، اس مال کو تم بانٹو اور مجھے بھی حصہ دو۔

اور معمر نے بیان کیا ہم سے عبدالوارث بن سعید نے بیان کیا، کہا ہم سے ہشام بن حسان نے بیان کیا، کہا ہم سے محمد بن سیرین نے بیان کیا، کہا ہم سے معبد بن سیرین نے بیان کیا اور ان سے حضرت ابوسعید خدری ؓ نے یہی واقعہ بیان کیا۔

(۱۰) باب فضل سورة البقرة
سورۃ البقرۃ کی فضیلت کا بیان

۵۰۰۸ ـ حدثنا محمد بن كثير: أخبرنا شعبة، عن سليمان، عن إبراهيم، عن عبدالرحمٰن، عن أبي مسعود ؓ عن النبي ﷺ قال: ((من قرأ بالآيتين......)). [راجع: ۴۰۰۸]

۵۰۰۹ ــ وحدثنا أبو نعيم: حدثنا سفيان، عن منصور، عن إبراهيم، عن عبدالرحمٰن بن يزيد، عن أبي مسعود ﷺ قال: قال النبي ﷺ: ((من قرأ بالآيتين من آخر سورة البقرة في ليلة كفتاه)). [راجع: ۵۰۰۸]

ترجمہ: حضرت ابی مسعود ﷺ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اخیر سورہ بقرہ کی دو آیتیں رات کو پڑھ لے تو اس کے لئے کافی ہیں۔

۵۰۱۰ ــ وقال عثمان بن الهيثم: حدثنا عوف، عن محمد بن سيرين، عن أبي هريرة ﷺ قال: وكلني رسول الله ﷺ بحفظ زكاة رمضان، فأتاني آت فجعل يحثو من الطعام، فأخذته فقلت: لأرفعنك الى رسول الله ﷺ، فقص الحديث فقال: إذا أويت الى فراشك فاقرأ آية الكرسي، لم يزل معك من الله حافظ، ولا يقربك شيطان حتى تصبح، فقال النبي ﷺ: ((صدقك وهو كذوب، ذاك شيطان)). [راجع: ۲۳۱۱]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے صدقہ فطر کی حفاظت پر مقرر فرمایا۔ پھر ایک شخص آیا اور دونوں ہاتھوں سے (کھجوریں) سمیٹنے لگا۔ میں نے اسے پکڑ لیا اور کہا کہ میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کروں گا۔ پھر انہوں نے یہ پورا قصہ بیان کیا (مفصل حدیث اس سے پہلے کتاب الوکالۃ میں گزر چکی ہے) (جو صدقہ فطر چرانے آیا تھا) اس نے کہا کہ جب تم رات کو اپنے بستر پر سونے کیلئے جاؤ تو آیت الکرسی پڑھ لیا کرو، پھر صبح تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری حفاظت کرنے والا ایک فرشتہ مقرر ہو جائے گا اور شیطان تمہارے پاس بھی نہ آسکے گا۔ (حضرت ابو ہریرہ ﷺ نے یہ بات بتائی تو) نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس نے تمہیں یہ ٹھیک بات بتائی ہے اگرچہ وہ بڑا جھوٹا ہے، وہ شیطان تھا۔ [۲۷]

(۱۱) باب فضل الكهف

سورۃ الکہف کی فضیلت کا بیان

۵۰۱۱ ــ حدثنا عمرو بن خالد: حدثنا زهير: حدثنا أبو إسحاق، عن البراء، قال:

---

[۲۷] حدیث کی مزید تشریح کے لئے ملاحظہ فرمائیں انعام الباری شرح صحیح البخاری، کتاب الوکالة، باب اذا وكل رجلا فترک الوكيل الخ، رقم: ۲۳۱۱، ج: ٦، ص: ۵۳۵

كان رجل يقرأ سورة الكهف وإلى جانبه حصان مربوط بشطنين، فتغشته سحابة فجعلت تدنو وتدنو، وجعل فرسه ينفر، فلما أصبح أتى النبي ﷺ فذكر ذلک له، فقال: ((تلک السكينة تنزلت بالقرآن)). [راجع:۳۶۱۴]

ترجمہ: حضرت براء ﷺ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرد سورۂ کہف پڑھ رہا تھا اور اس کے ایک طرف ایک گھوڑا رسیوں سے بندھا تھا، اس شخص پر بادل چھا گیا اور اس کے قریب آنے لگا تو گھوڑا بدکنے لگا صبح کو جب نبی کریم ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا گیا تو آپ نے فرمایا وہ سکینہ تھا، جو قرآن کے باعث اترا تھا۔

(۱۲) باب فضل سورة الفتح

سورۃ الفتح کی فضیلت کا بیان

۵۰۱۲ ـ حدثنا إسماعيل قال: حدثني مالک، عن زيد بن أسلم، عن أبيه: أن رسول الله ﷺ كان يسير في بعض أسفاره عمر بن خطاب يسير معه ليلا، فسأله عمر عن شيء فلم يجبه رسول الله ﷺ. ثم سأله فلم يجبه، ثم سأله فلم يجبه. فقال عمر: ثكلت أمک. نزرت رسول الله ﷺ ثلاث مرات، كل ذلک لا يجيبک. قال عمر: فحركت بعيري حتى كنت أمام الناس وخشيت أن ينزل في قرآن، فما نشبت أن سمعت صارخا يصرخ، قال: فقلت: لقد خشيت أن يكون نزل فيَّ قرآن، قال: فجئت رسول الله ﷺ فسلمت عليه فقال: ((لقد أُنزل عليَّ الليلة سورة لهي أحب إلي مما طلعت عليه الشمس))، ثم قرأ ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحاً مُبِيناً﴾. [راجع:۴۱۷۷]

ترجمہ: زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کسی سفر میں رات کے وقت چل رہے تھے اور حضرت عمر ﷺ آپ کے ساتھ تھے، حضرت عمر ﷺ نے رسول اللہ ﷺ سے کچھ پوچھا آپ نے انہیں جواب نہیں دیا، پھر پوچھا پھر جواب نہیں دیا، پھر حضرت عمر ﷺ نے آپ سے پوچھا، آپ نے کچھ جواب نہیں دیا، حضرت عمر ﷺ نے دل میں کہا اے عمر! تیری ماں تجھ پر روئے تو نے رسول اللہ ﷺ سے تین بار سوال کیا، مگر آپ نے ایک بار بھی جواب نہیں دیا۔ حضرت عمر ﷺ فرماتے ہیں میں اپنے اونٹ کو ہٹا کر لوگوں سے آگے بڑھ گیا اور میں ڈر رہا تھا کہ کہیں میرے حق میں قرآن کا کوئی حکم نازل نہ ہو جائے، میں تھوڑی دیر بھی ٹھہرنے نہ پایا تھا کہ میں نے سنا کہ کوئی مجھے پکار رہا ہے، میں ڈر گیا کہ کہیں میرے حق میں قرآن نہ اترا ہو، پھر

میں نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر سلام کیا تو آپ نے فرمایا کہ آج کی رات مجھ پر ایک سورت اتری ہے جو مجھے سب دنیا و مافیہا سے زیادہ پسند ہے، پھر حضور ﷺ نے ﴿إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيناً﴾ پڑھی۔

(۱۳) باب فضل ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾

﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ کی فضیلت کا بیان

فيه عمرة، عن عائشة عن النبي ﷺ.

۵۰۱۳ ۔ حدثنا عبداللہ بن يوسف: أخبرنا مالک، عن عبدالرحمٰن بن عبداللہ ابن عبدالرحمٰن بن أبي صعصعة، عن أبيه، عن أبي سعيد الخدري: أنّ رجلا سمع رجلا يقرأ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ يرددها. فلمّا أصبح جاء إلى رسول اللہ ﷺ فذكر ذلک له، وكأن الرجل يتقالها، فقال رسول اللہ ﷺ: ((والذي نفسي بيده إنها لتعدل ثلث القرآن)). [أنظر: ۶۶۴۳، ۷۳۷۴] [۲۸]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک آدمی نے کسی کو ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ بار بار پڑھتے ہوئے سنا، صبح کو اس نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر اس بات کا ذکر کیا اور وہ شخص ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ کو چھوٹی سورت ہونے کی وجہ سے کمتر جانتا تھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ تہائی قرآن کے برابر ہے۔

۵۰۱۴ ۔ وزاد أبو معمر: حدثنا إسماعيل بن جعفر، عن مالک بن أنس، عن عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن أبي صعصعة، عن أبيه، عن أبي سعيد الخدري: أخبرني أخي قتادة بن النعمان: أن رجلا قام في زمن النبي ﷺ يقرأ من السحر ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ لايزيد عليها، فلما أصبحنا أتى الرجل النبي ﷺ، . . . .نحوه.

---

[۲۸] وفي سنن أبي داؤد، كتاب الصلاة، باب في سورة الصمد، رقم: ۱۲۶۱، وسنن النسائي، كتاب الافتتاح، الفضل في قراءة، قل هو الله أحد، رقم: ۹۹۵، وموطا مالک، كتاب القرآن، باب ماجاء في قرآة قل هو الله احد وتبارک الذي بيده الملک، رقم: ۱۷، ومسند أحمد، ومسند المكثرين من الصحابة، مسند سعيد الخدري رضی اللہ عنہ، رقم: ۱۱۰۵۳، ۱۱۱۱۵، ۱۱۱۸۱، ۱۱۳۰۲، ۱۱۳۹۴

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری ؓ بیان کرتے ہیں کہ مجھے میرے بھائی حضرت قتادہ بن نعمان ؓ نے خبر دی کہ ایک آدمی نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں سحری کے وقت سے کھڑے ﴿قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ﴾ پڑھتے رہے۔ ان کے سوا اور کچھ نہیں پڑھتے تھے۔ پھر جب صبح ہوئی تو ایک دوسرے آدمی نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے (باقی حصہ) پچھلی حدیث کی طرح بیان کیا۔

۵۰۱۵ ۔ حدثنا عمر بن حفص: حدثنا أبي: حدثنا الأعمش: حدثنا إبراهيم والضحاک المشرقي، عن أبي سعيد الخدري ؓ قال: قال النبي ﷺ لأصحابه: ((أيعجز أحدكم أن يقرأ ثلث القرآن في ليلة؟)) فشق ذلک عليهم وقالوا: أينا يطيق ذلک يا رسول الله؟ فقال: ((الله الواحد الصمد، ثلث القرآن)).

قال الفربري: سمعت أباجعفر محمد بن أبي حاتم وراق أبي عبد الله يقول: قال أبو عبدالله: عن إبراهيم: مرسل: وعن الضحاک المشرقي: مسند.

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری ؓ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کیا تم میں سے کسی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ قرآن کا ایک تہائی حصہ ایک رات میں پڑھا کرے؟ صحابہ کو یہ عمل بڑا مشکل معلوم ہوا اور انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! ہم میں سے کون اس کی طاقت رکھتا ہے۔ آپ ﷺ نے اس پر فرمایا کہ **الله الواحد الصمد**" قرآن مجید کا ایک تہائی حصہ ہے۔

محمد بن یوسف فربری نے بیان کیا کہ میں نے ابوعبداللہ امام بخاری کے کاتب ابوجعفر محمد بن ابی حاتم سے سنا، وہ کہتے تھے کہ امام بخاری نے کہا ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کی روایت حضرت ابوسعید خدری ؓ سے منقطع ہے (ابراہیم نے ابوسعید سے نہیں سنا) لیکن ضحاک مشرقی کی روایت ابوسعید سے متصل ہے۔

(۱۴) باب فضل المعوذات

معوذات/سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کی فضیلت کا بیان

۵۰۱۶ ۔ حدثنا عبدالله بن يوسف: أخبرنا مالک، عن ابن شهاب، عن عروة، عن عائشة رضي الله عنها: أن رسول الله ﷺ كان إذا اشتكى يقرأ على نفسه بالمعوذات وينفث. فلما اشتد وجعه كنت أقرأ عليه وأمسح بيده رجاء بركتها. [راجع: ۴۴۳۹]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بیمار پڑتے تو معوذات کی سورتیں

پڑھ کر اسے اپنے اوپر دم کرتے (اس طرح کہ ہوا کے ساتھ کچھ تھوک بھی نکلتا)۔ پھر جب (مرض الموت میں) آپ کی تکلیف بڑھ گئی تو میں ان سورتوں کو پڑھ کر آپ ﷺ کے ہاتھوں سے برکت کی امید میں آپ کے جسم مبارک پر پھیرتی تھی۔

۵۰۱۷ ۔ حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا مفضل بن فضالة، عن عقيل، عن ابن شهاب، عن عروة، عن عائشة: ان النبي ﷺ كان إذا أوى الى فراشه كل ليلة جمع كفيه ثم نفث فيهما، فقرأ فيهما ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ و﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ و﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ ثم يمسح بهما مااستطاع من جسده، يبدأ بهما على رأسه ووجهه وما أقبل من جسده، يفعل ذلك ثلاث مرات. [أنظر: ۵۷۴۸، ۶۳۱۹] ۲۹

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے بستر پر آرام فرماتے تو روزانہ رات کو اپنے دونوں ہاتھوں کو ملا کر ان پر ﴿قُلْ هُوَ اللّٰهُ أَحَدٌ﴾ اور ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ اور ﴿قُلْ أَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ پڑھ کر دم کرتے اور پھر دونوں ہتھیلیوں کو جہاں تک ممکن ہوتا اپنے جسم پر پھیرتے تھے۔ پہلے سر اور چہرہ پر ہاتھ پھیرتے اور سامنے کے بدن پر۔ یہ عمل آپ تین دفعہ کرتے تھے۔

(۱۵) باب نزول السكينة والملائكة عند قراءة القرآن

قرآن مجید کے قرأت کے وقت سکینہ اور فرشتوں کے اترنے کا بیان

۵۰۱۸ ۔ وقال الليث: حدثني يزيد بن الهاد، عن محمد بن إبراهيم، عن أسيد ابن حضير قال: بينما هو يقرأ من الليل سورة البقرة وفرسه مربوط عنده، إذ جالت الفرس فسكت فسكنت، فقرأ فجالت الفرس، فسكت وسكنت الفرس، ثم قرأ فجالت الفرس، فانصرف وكان ابنه يحيى قريبا منها فأشفق أن تصيبه، فلما اجتره رفع رأسه إلى السماء حتى ما يراها، فلما أصبح حدث النبي ﷺ فقال له: ((اقرأ يا ابن حضير،

---

۲۹ وفي سنن ابي داؤد، كتاب الأدب، باب مايقال عند النوم، رقم: ۵۰۵۶، وسنن الترمذي، أبواب الدعوات، باب ماجاء فيمن يقرأ القرآن عند المنام، رقم: ۳۴۰۲، وسنن ابن ماجه، كتاب الدعاء، باب مايدعو به اذا أوى الى فراشه، رقم: ۳۸۷۵، ومسند أحمد، مسند الصديقة عائشة بنت الصديق رضي الله عنها، رقم: ۲۴۸۵۳، ۲۵۲۰۷

اقرأ یا ابن حضیر))، قال: فاشفقت یا رسول اللہ أن تطأ یحیی و کان منها قریبا. فرفعت رأسي فانصرفت إلیه، فرفعت رأسي إلی السماء، فإذا مثل الظلة فیها أمثال المصابیح فخرجت حتی لا أراها. قال: ((وتدری ما ذاک؟)) قال: لا، قال: ((تلک الملائکة دنت لصوتک، ولو قرأت لأصبحت ینظر الناس إلیها لاتتواری منهم)). قال ابن الهاد: وحدثنی هذا الحدیث عبداللہ بن خباب، عن أبی سعید الخدری، عن أسید بن حضیر.

ترجمہ: حضرت اسید بن حضیر ﷛ ایک رات سورۂ بقرہ پڑھ رہے تھے اور گھوڑا ان کے پاس بندھا ہوا تھا، اچانک گھوڑا بدکنے لگا وہ چپ ہوئے ہے تو گھوڑا بھی ٹھہر گیا، پھر وہ پڑھنے لگے پھر بدکنے لگا، پھر وہ خاموش ہو ہرے تو وہ ٹھہر گیا، پھر وہ پڑھنے لگا، پھر گھوڑا بدکنے لگا، اس کے بعد ابن حضیر ﷛ رک گئے، چونکہ ان کا بیٹا یحیٰی گھوڑے کے قریب سو رہا تھا، انہیں ڈر ہوا کہیں گھوڑا اسے کچل نہ ڈالے، جب انہوں نے اپنے لڑکے کو وہاں سے ہٹالیا اور آسمان کی طرف نظر دوڑائی تو آسمان دکھائی نہ دیا، صبح کو رسول اللہ ﷺ سے آکر پورا قصہ بیان کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اے ابن حضیر! تم برابر پڑھتے رہتے تو اچھا تھا، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! یحیٰی گھوڑے کے قریب تھا، مجھے ڈر لگا کہیں گھوڑا یحیٰی کو کچل نہ ڈالے اس لئے میں یحیٰی کی طرف متوجہ ہوگیا، پھر میں نے آسمان کی طرف سر اٹھایا تو ایک عجیب چھتری سی جس میں بہت سے چراغ لگے ہوئے تھے دکھائی، پھر جب میں باہر نکل آیا تو وہ مجھے نظر آئی، آپ ﷺ نے فرمایا تمہیں معلوم ہے وہ کیا تھا؟ ابن حضیر نے کہا مجھے نہیں معلوم۔ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا وہ فرشتے تھے جو تمہاری آواز سن کر تمہارے پاس آ گئے تھے، اگر تم صبح تک پڑھتے جاتے تو لوگ انہیں صاف دیکھ لیتے۔

ابن الہاد کہتے ہیں کہ میں نے یہ روایت عبداللہ بن خباب سے روایت کی ہے، وہ حضرت ابو سعید خدری ﷛ سے روایت کرتے ہیں اور وہ حضرت اسید بن حضیر ﷛ سے روایت کرتے ہیں۔

ایک سوال اور اس کا جواب

کیا فرائض و نوافل میں موجودہ قرأت حفص رحمہ اللہ کے علاوہ روایات مختلف قرأتوں میں تلاوت کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

بے شک کی جاسکتی ہے بشرطیکہ قرأت متواتر ہوں، تو جو ہمارے ہاں مشہور قرأتیں ہیں وہ متواتر ہیں، ان میں قرأت کرسکتے ہیں لیکن اس کا خیال رکھنا چاہئے کہ یہاں ایسی جگہ پر تلاوت کرے کہ لوگ قرأت کا مسئلہ جانتے ہو ں، کہیں ایسا نہ ہو کہ عوام کے سامنے قرأت کر رہے ہیں اور جھگڑا کھڑا ہو جائے اور مارنے مرنے پر تیار ہو جائیں۔

(۱۶) باب من قال: لم يترک النبی ﷺ إلّا ما بين الدفتين

باب: جلد قرآن کے درمیان جو کچھ ہے اسکے علاوہ نبی کریم ﷺ نے کچھ ترکہ نہیں چھوڑا۔

۵۰۱۹۔ حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا سفيان، عن عبدالعزيز بن رفيع قال: دخلت أنا وشداد بن معقل على ابن عباس رضی الله عنهما، فقال له شداد بن معقل: أترک النبی ﷺ من شيء؟ قال: ما ترک إلّا ما بين الدفتين، قال: ودخلنا على محمد بن الحنفية فسألناه فقال: ما ترک إلّا ما بين الدفتين.

ترجمہ: عبدالعزیز بن رفیع کہتے ہیں کہ میں اور شداد بن معقل حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آئے، تو شداد بن معقل نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کیا نبی کریم ﷺ نے کچھ لکھی ہوئی چیزیں بھی چھوڑی ہیں؟ وہ بولے دوجلدوں کے درمیان جو ہے صرف وہی چھوڑا ہے (یعنی کتاب اللہ)، پھر ہم محمد بن حنفیہ کے پاس گئے اور ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بھی یہی کہا کہ قرآن مجید کی جلد کے درمیان جو کچھ ہے اس کے علاوہ آپ نے اور کچھ بھی نہیں چھوڑا۔

روافض کے نظریہ کی تردید

روافض کا نظریہ ہے کہ قرآن کریم میں حضرت علی ؓ کی فضیلت اور حضور ﷺ کے وصال کے بعد استحقاق خلافت کے مضامین پر مشتمل آیات بھی تھیں، جنہیں دیگر صحابہ ؓ نے چھپا لیا، گویا ان کے نزدیک یہ قرآن مکمل نہیں ہے "نعوذ باللہ"۔

اس باب سے امام بخاری رحمہ اللہ ان کے اس نظریہ کی تردید فرمارہے ہیں کہ جو قرآن اب موجود ہے بعینہ سارا کا سارا یہی ہے وہ جسے حضور ﷺ چھوڑ کر گئے تھے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس بات کے حوالے کے لئے حضرت علی ؓ کے ہی صاحبزادے کا قول پیش فرمایا۔ [۳۰]

---

[۳۰] فتح الباری، ص: ۶۵، ج: ۹

(۱۷) باب فضل القرآن على سائر الكلام

قرآن مجید کی تمام دوسرے کلام پر فضیلت کا بیان

۵۰۲۰ - حدثنا هدبة بن خالد أبو خالد: حدثنا همام: حدثنا قتادة: حدثنا أنس ابن مالک عن أبی موسی الأشعری عن النبی ﷺ قال: ((مثل الذی یقرأ القرآن كالأترجة طعمها طيب، و ريحها طيب، والذی لايقرأ القرآن كالتمرة طعمها طيب ولا ريح فيها. ومثل الفاجر الذی يقرأ القرآن كمثل الريحانة ريحها طيب وطعمها مر، ومثل الفاجر الذی لايقرأ القرآن كمثل الحنظلة، طعمها مر ولا ريح لها)). [أنظر: ۵۰۵۹، ۵۴۲۷، ۷۵۶۰] [۳۱]

ترجمہ: حضرت ابوموسی اشعری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن پڑھنے والے مؤمن کی مثال سنگترہ کی سی ہے کہ اس کا مزہ بھی عمدہ ہے اور خوشبو بھی عمدہ اور قرآن نہ پڑھنے والے مؤمن کی مثال اس کھجور کی مانند ہے، جس کا مزہ تو اچھا ہے، لیکن خوشبو نہیں اور اس فاسق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے گل ریحان کی طرح ہے کہ خوشبو اس کی اچھی ہے اور مزہ کچھ نہیں اور اس فاسق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا ہے اندرائن کے پھل کی سی ہے، جس کا مزہ بھی کڑوا اور بو بھی خراب۔

۵۰۲۱ - حدثنا مسدد، عن يحيى، عن سفيان: حدثني عبدالله بن دينار قال: سمعت ابن عمر رضی الله عنهما عن النبی ﷺ قال: ((إنما أجلكم فی أجل من خلا من الأمم كما بين صلاة العصر ومغرب الشمس. ومثلكم ومثل اليهود والنصارى فعملت اليهود، فقال: من يعمل لی إلى نصف النهار على قيراط قيراط؟ فعملت اليهود، فقال: من

---

[۳۱] وفی صحیح مسلم، کتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضيلة حافظ القرآن، رقم: ۷۹۷، وسنن الترمذی، أبواب الامثال، باب ماجاء فی مثل المؤمن القارئ للقرآن وغير القارئ، رقم: ۲۸۶۵، وسنن النسائی، كتاب الايمان والشرائع، مثل الذی يقراء القرآن من مؤمن ومنافق، رقم: ۵۰۳۸، وسنن ابن ماجه، افتتاح الكتاب فی الايمان وفضائل الصحابة والعلم، باب فضل من تعلم القرآن وعلمه، رقم: ۲۱۴، ومسند احمد، اول مسند الكوفيين، حديث ابی موسى الاشعری ؓ، رقم: ۱۹۵۴۹، ۱۹۶۱۳، ۱۹۶۶۴

يعمل لي من نصف النهار إلى العصر؟ فعملت النصارى. ثم أنتم تعلمون من العصر الى المغرب بقيراطين، قالوا: نحن أكثر عملا وأقل عطاء. قال: هل ظلمتكم من حقكم؟ قالوا: لا، قال: فذاك فضلي أوتيه من شئت)). [راجع: ۵۵۷]

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری عمر گزشتہ لوگوں کی عمروں کے مقابلے میں ایسی ہے جیسے نماز عصر اور غروب آفتاب کے درمیان کا وقت اور یہود و نصاریٰ کے مقابلے میں تمہاری مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک مرد مزدوروں کو اجرت پر رکھے اور کہے کون ہے جو دو پہر تک ایک قیراط پر میرا کام کرے، چنانچہ یہود نے اپنے ذمہ وہ کام لے کر دو پہر تک کیا، پھر اس نے کہا کوئی ہے جو میرا کام دو پہر سے عصر تک ایک قیراط پر کر دے تو وہ کام نصاریٰ نے کیا، پھر تم عصر سے غروب آفتاب تک دو دو قیراط پر کام کر رہے ہو، یہود و نصاریٰ نے کہا ہمارا کام بہت زیادہ ہے اور مزدوری بہت تھوڑی ہے اس شخص نے کہا میں نے کیا تمہارا کچھ حق مار لیا ہے وہ بولے نہیں، پھر اس نے کہا یہ میرا فضل ہے جسے چاہوں اس کو دوں۔

(۱۸) باب الوصاة بكتاب الله عزّ وجلّ
کتاب اللہ پر عمل کرنے کی وصیت کا بیان

۵۰۲۲ ۔ حدثنا محمد بن يوسف: حدثنا مالك بن مغول: حدثنا طلحة قال: سألت عبدالله بن أبي أوفى: أوصى النبي ﷺ فقال: لا، فقلت: كيف كتب على الناس الوصية، أمروا بها ولم يوص؟ قال: أوصى بكتاب الله. [راجع: ۲۷۴۰]

ترجمہ: طلحہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی ؓ سے پوچھا کیا نبی کریم ﷺ نے کچھ وصیت کی ہے؟ انہوں نے جواب دیا نہیں۔ میں نے کہا کہ پھر لوگوں پر وصیت کرنا کیوں فرض ہے، لوگوں کو تو حکم دیا گیا اور خود وصیت نہیں کی؟ انہوں نے کہا کہ آپ ﷺ نے کتاب اللہ پر عمل کرنے کی وصیت فرمائی ہے۔

قرآن پر عمل کرنے کی وصیت

"**فقلت: كيف كتب على الناس**" یعنی ان کے دل میں یہ اشکال پیدا ہوا کہ دوسرے لوگوں کو وصیت کرنے کا حکم دیا گیا "**كتب عليكم اذا**" تو یہاں وصیت کو فرض کیا گیا ہے اور حضور اقدس ﷺ نے وصیت نہیں فرمائی۔ تو انہوں نے جواب میں فرمایا "**اوصى بكتاب الله**" اللہ کی کتاب کی وصیت فرمائی۔

حضور اقدس ﷺ نے کسی امارت یا خلافت کی تو وصیت نہیں فرمائی تھی، البتہ قرآن کریم کی ظاہری ومعنوی حفاظت کی وصیت فرمائی تھی کہ اسکا اکرام کیا جائے، اسے لے کر دشمن کی سرزمین میں سفر نہ کیا جائے جب بے ادبی کا اندیشہ ہو، اسکے احکام کی اتباع کی جائے، اسکے اوپر عمل کیا جائے، اسکے نواہی سے اجتناب کیا جائے وغیرہ۔ [۳۲]

(۱۹) بابُ من لم يتغنّ بالقرآن، وقوله تعالىٰ: ﴿أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ﴾

باب: جو قرآن مجید کو خوش الحانی سے نہ پڑھے، اور ارشادِ باری تعالیٰ: "بھلا کیا ان کے لئے یہ (نشانی) کافی نہیں ہے کہ ہم نے تم پر کتاب اُتاری ہے جو ان کو پڑھ کر سنائی جارہی ہے؟"

۵۰۲۳ ـ حدثنا يحيى بن بكير قال: حدثني الليث، عن عقيل، عن ابن شهاب قال: أخبرني أبو سلمة بن عبدالرحمٰن، عن أبي هريرة: أنه كان يقول: قال رسول الله ﷺ: ((لم يأذن الله لنبي ما أذن لنبي أن يتغنى بالقرآن)). وقال صاحب له: يريد يجهر به. [أنظر: ۵۰۲۴، ۷۴۸۲، ۷۵۴۴] [۳۳]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے کسی کا قرآن اتنی توجہ سے نہیں سنا جتنا ان (نبی ﷺ) کا سنا جو قرآن کو اپنے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ راوی (ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن) کے ایک ساتھی (عبدالحمید بن عبدالرحمٰن) کہتے تھے کہ اس حدیث میں "**یتغنیٰ بالقرآن**" سے یہ مراد ہے کہ اچھی آواز سے اسے پکار کر پڑھے۔

---

[۳۲] فتح الباری، ص: ۵۶، ص: ۹

[۳۳] وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب استحباب تحسين الصوت بالقراءة، رقم: ۷۹۲، ۷۹۳، وسنن ابي داؤد، كتاب الصلاة، باب استحباب الترتيل في القراءة، رقم: ۱۲۷۳، وسنن النسائي، كتاب الافتتاح، تزيين القرآن بالصوت، رقم: ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ومسند احمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند ابي هريرة ؓ، رقم: ۷۶۷۰، ۷۸۳۲، ۹۸۰۵، وسنن الدارمي، كتاب الصلاة، باب التغني بالقرآن، رقم: ۱۵۲۹، ۱۵۳۲، ومن كتاب فضائل القرآن، باب التغني بالقرآن، رقم: ۳۵۳۳، ۳۵۳۴، ۳۵۴۰

"تغنی" کے معنی

یہ باب "من لم يتغن بالقرآن" یہ لفظ احادیث میں مختلف طریقوں سے آیا ہے "تغنی بالقرآن" اس کی تعریف کی گئی ہے اور اس کو باعث اجر قرار دیا گیا ہے۔

اس میں کلام ہوا ہے کہ "تغنی" کے کیا معنی ہیں؟

بعض حضرات نے خوش الحانی کے معنی کئے ہیں کہ قرآن کریم کو اچھی آواز سے پڑھنا اور بعض حضرات نے اس کے معنی "استغناء" کیلئے ہیں۔قرآن کے ذریعہ آدمی مستغنی ہو جائیں۔

۵۰۲۴ ــ حدثنا علي بن عبد الله، عن سفيان، عن الزهري، عن أبي سلمة بن عبد الرحمن عن أبي هريرة عن النبي ﷺ قال: ((ما أذن الله لشيء ما أذن لنبي أن يتغنى بالقرآن))، قال سفيان: تفسيره يستغني به. [راجع: ۵۰۲۳]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز اتنی توجہ سے نہیں سنی جتنا کہ اُس نے نبی ﷺ کا قرآن کان لگا کر سنا جو قرآن کو اپنے لئے کافی جانتے ہیں۔سفیان کہتے ہیں کہ تفسیر تغنی کی یستغنی ہے، اور اس سے خوش الحانی مراد ہے۔

استغناء سے مراد

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو ترجیح دی ہے اور مطلب مستغنی ہونے کا یہ ہے کہ قرآن پر اتنا پکا ایمان ہو کہ اسکے بعد کسی دوسری اور آسمانی کتاب سے رجوع کرنے کی آدمی ضرورت ہی نہ سمجھے۔اگر کوئی آدمی قرآن کریم بھی پڑھتا ہے اور ساتھ ساتھ بائبل بھی پڑھتا ہے، تا کہ اس سے بھی کچھ رہنمائی حاصل کرے، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کریم کو العیاذ باللہ کچھ نہیں سمجھتا۔

اس کی بناء پر دوسری کتابوں سے مستغنی نہیں ہوتا تو یہ غلط بات ہے اور اسی کی طرف آیت میں اشارہ کیا ہے "**اولم یکفهم انا انزلنا**" کیا یہ ان کیلئے کافی نہیں ہے کہ ہم نے کتاب نازل کر دی ہے، تو یہی کتاب ان کیلئے کافی ہونی چاہئے اب دوسری کتابوں کی طرف رجوع کرنے کی کیا حاجت ہے اس لئے آیت لائے ہیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے "**یتغنی بالقرآن**" کہ قرآن کے ذریعہ مستغنی ہو جائیں اس کو کافی سمجھے اور اس کی موجودگی میں کسی اور کتاب کی طرف رجوع نہ کریں۔یہ معنی امام بخاری رحمہ اللہ نے بیان فرمائے ہیں اور اس حدیث کو اسی کے اوپر محمول کیا ہے۔

حضرت ابوہریرہ ﷺ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ **"لم یاذن اللہ للنبی"** یہاں **"اَذِنَ یاذن"** سننے کے معنی میں ہے، کان لگانا۔ اللہ جل جلالہ نہیں سنتے کسی نبی کو جتنا سنتے ہیں اس نبی کو جو **"معنی با لقرآن"** ہو یعنی جو قرآن پر بس تکیہ کئے ہوئے ہو اور دوسرے کتابوں سے اپنے آپ کو مستغنی قرار دیتا ہو۔

"قال الصاحب له" راوی کے کسی ساتھی نے کہا **"یرید یجھر بہ"** کہ انہوں نے تفسیر کی کہ اچھی آواز سے پڑھنا تاکہ لوگ اچھی طرح سے سنے اور **"اَذِنَ"** لفظ سے یہ تفسیر زیادہ اچھی معلوم ہوتی ہے، لیکن **"تغنیٰ بالمعروف"** یعنی گا گا کے پڑھنا، یہ قرآن میں ممنوع ہے، کیونکہ یہ **"لھو"** کے مشابہ ہوجاتا ہے، باقی اچھی آواز سے پڑھنا اور تجوید کی رعایت کر کے پڑھنا اور تجوید کا مقصد یہی ہے کہ آدمی جب تلاوت کرے تو اچھا لگے، تو اس حد تک کوئی مضائقہ نہیں، جب تک کہ اس کو گانے کا انداز نہ دے۔

(۲۰) باب اغتباط صاحب القرآن
قرآن مجید پڑھنے والے پر رشک کرنے کا بیان

یعنی یہاں پر **"اغتباط"** ہے اور مطلب یہ ہے کہ اور کوئی خاص چیز دنیا میں اتنی قابل **"اغتباط"** نہیں ہوتی جتنی یہ دو چیزیں ہوتی ہیں۔

۵۰۲۵ ـ حدثنا أبو الیمان: أخبرنا شعیب، عن الزھری قال: حدثنی سالم بن عبداللہ أن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما قال: سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: ((لا حسد إلا علی اثنین، رجل آتاہ اللہ الکتاب وقام بہ آناء اللیل، ورجل أعطاہ اللہ مالا فھو یتصدق بہ آناء اللیل و آناء النھار)). [أنظر: ۷۵۲۹] [۳۴]

ترجمہ: سالم بن عبداللہ نے بیان کیا اور ان سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رشک تو بس دو ہی آدمیوں پر ہوسکتا ہے ایک تو اس پر جسے اللہ نے

---

[۳۴] وفی صحیح مسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب فضل من یقوم بالقرآن ویعلمہ، وفضل من تعلم حکمۃ من فقہ أو غیرہ فعمل بھا وعلمھا، رقم: ۸۱۵، وسنن الترمذی، أبواب البر والصلۃ، باب ماجاء فی الحسد، رقم: ۱۹۳۶، وسنن ابن ماجہ، کتاب الزھد، باب الحسد، رقم: ۴۲۰۹، ومسند أحمد، مسند المکثرین من الصحابۃ، مسند عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنھما، رقم: ۴۵۵۰، ۴۹۲۴، ۵۱۱۸، ۶۱۶۷، ۶۲۰۳

قرآن مجید کا علم دیا اور وہ اس کے ساتھ رات کی گھڑیوں میں کھڑا ہو کر نماز پڑھتا رہا اور دوسرا آدمی وہ جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور وہ اسے محتاجوں پر رات دن خیرات کرتا رہا۔

۵۰۲۶ ۔ حدثنا علی بن إبراهيم: حدثنا روح: حدثنا شعبة، عن سليمان قال: سمعت ذكوان، عن أبي هريرة ﷺ: أن رسول الله ﷺ قال: ((لاحسد إلا في اثنتين: رجل علمه الله القرآن فهو يتلوه آناء الليل وآناء النهار، فسمعه جار له فقال: ليتني أوتيت مثل ما أوتي فلان فعملت مثل مايعمل. ورجل آتاه الله مالا فهو يهلكه في الحق، فقال رجل: ليتني أوتيت مثل ما أوتي فلان، فعملت مثل ما يعمل)). [أنظر: ۷۲۳۲، ۷۵۲۸] [۳۵]

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر رشک کرنا ہو تو دو لوگوں پر کرو، ایک اس شخص پر جسے اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا ہے اور وہ اسے دن رات پڑھتا ہے، اس کا پڑوسی سن کر کہتا ہے کہ کاش مجھے بھی اس طرح پڑھنا نصیب ہوتا تو میں بھی اسی طرح عمل کرتا، دوسرے اس شخص پر جسے اللہ ﷻ نے دولت دی ہے اور وہ اس کو راہ حق میں خرچ کرتا ہے، پھر کوئی اس پر رشک کرتے ہوئے کہے کہ کاش مجھے بھی یہ مال میسر آتا تو میں بھی اسے اسی طرح صرف کرتا۔

(۲۱) بابُ خیرُکم من تعَلّم القُرآن وعلّمه

باب: تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

۵۰۲۷ ۔ حدثنا حجاج بن منهال: حدثنا شعبة قال: أخبرني علقمة بن مرثد: سمعت سعد بن عبيدة، عن أبي عبدالرحمن السلمي، عن عثمان ﷺ عن النبي ﷺ قال: ((خيركم من تعلم القرآن وعلمه)). قال: وأقرأ أبوعبدالرحمن في إمرة عثمان حتى كان الحجاج، قال: وذاک الذي أقعدني مقعدي هذا. [أنظر: ۵۰۲۸] [۳۶]

---

[۳۵] وفي مسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند أبي هريرة ﷺ، رقم: ۱۰۲۱۴

[۳۶] وفي سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب في ثواب قراءة القرآن، رقم: ۱۴۵۲، وسنن الترمذي، أبواب فضائل القرآن، باب ماجاء في تعليم القرآن، رقم: ۲۹۰۷، ۲۹۰۸، وسنن ابن ماجه، افتتاح الكتاب في الايمان وفضائل الصحابة والعلم، باب فضل من تعلم القرآن وعلمه، رقم: ۲۱۱، ۲۱۲. ومسند أحمد، مسند العشرة المبشرين بالجنة، مسند الخلفاء الراشدين، مسند عثمان بن عفان ﷺ، رقم: ۴۰۵، ۴۱۲، ۵۰۰، وسنن الدارمي، ومن كتاب فضائل القرآن، باب خياركم من تعلم القرآن وعلمه، رقم: ۳۳۸۱

ترجمہ: عبدالرحمٰن سلمہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن پڑھے اور پڑھائے۔ سعد بن عبیدہ نے بیان کیا کہ ابوعبدالرحمٰن سلمی نے لوگوں کو حضرت عثمان ﷺ کے زمانہ خلافت سے حجاج بن یوسف (کے گورنر ہونے) تک قرآن مجید کی تعلیم دی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ یہی حدیث ہے جس نے مجھے اس جگہ (قرآن مجید پڑھانے کیلئے) بٹھا رکھا ہے۔

۵۰۲۸ ـ حدثنا أبونعيم: حدثنا سفيان، عن علقمة بن مرثد، عن ابي عبدالرحمٰن السلمي عن عثمان بن عفان ﷺ قال: قال النبي ﷺ: ((إنّ أفضلكم من تعلم القرآن وعلمه)) . [راجع:۵۰۲۷]

ترجمہ: عبدالرحمٰن سلمہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے افضل شخص وہ ہے جو قرآن پڑھے اور دوسروں کو پڑھائے۔

۵۰۲۹ ـ حدثنا عمرو بن عون: حدثنا حماد، عن أبی حازم، عن سهل بن سعد قال: أتت النبی ﷺ امرأة فقالت إنها قد وهبت نفسها لله ولرسوله ﷺ فقال: ((ما لی فی النساء من حاجة))، فقال رجل: زوجنيها، قال: ((أعطها ثوبا)) قال: لاأحد، قال: ((أعطها و لو خاتما من حديد))، فاعتل له. فقال: ((مامعک من القرآن؟)) قال: كذاو كذا، قال: ((فقد زوجتكما بمامعک من القرآن)). [راجع: ۲۳۱۰]

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد ﷺ بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت نے آکر نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں نے اپنا نفس اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو بخش دیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ مجھے عورت کی حاجت نہیں، ایک صحابی نے عرض کیا کہ اس کا نکاح مجھ سے کردیجئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو اسے جوڑا دے دو۔ اس نے کہا میرے پاس کپڑے نہیں ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا کچھ تو اسے دو، کیا لوہے کی انگوٹھی بھی تمہارے پاس نہیں؟ وہ بیچارہ بہت رنجیدہ ہوا، آپ ﷺ نے فرمایا تو نے کچھ قرآن پڑھا ہے، اس نے کہا میں نے فلاں فلاں سورت پڑھی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا میں نے اس کا تجھ سے قرآن خوانی کی وجہ سے نکاح کردیا۔

(۲۲) باب القراءة عن ظهر القلب

قرآن مجید کو زبانی پڑھنے کا بیان

۵۰۳۰ ـ حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا يعقوب بن عبدالرحمٰن، عن أبی حازم، عن

سهل بن سعد: أن امرأة جاءت رسول الله ﷺ فقالت: يارسول الله، جئت لأهب لك نفسي، فنظر اليها رسول الله ﷺ فصعد النظر إليها وصوبه ثم طأطأ رأسه. فلما رأت المرأة انه لم يقض فيها شيئا جلست، فقام رجل من أصحابه فقال: يا رسول الله ﷺ، ان لم يكن لك بها حاجة فزوجنيها، فقال له: ((هل عندك من شيء؟)) فقال: لا والله يا رسول الله، قال: ((اذهب الى أهلك فانظر هل تجد شيئا))، فذهب ثم رجع فقال: لا والله يا رسول الله، ما وجدت شيئا. قال: ((أنظر ولو خاتما من حديد))، فذهب ثم رجع فقال: ((لا والله يا رسول الله، ولا خاتما من حديد ولكن هذا إزاري - قال سهل: ما له رداءٌ - فلها نصفه، فقال رسول الله ﷺ: ((ما تصنع بإزارك؟ إن لبسته لم يكن عليها منه شيء وان لبسته لم يكن عليك شيء))، فجلس الرجل حتى طال مجلسه، ثم قام فرآه رسول الله ﷺ موليا فأمر به فدعي، فلما جاء قال: ((ماذا معك من القرآن؟)) قال: معي سورة كذا وسورة كذا عددها، قال: ((أتقرؤهن عن ظهر قلبك؟)) قال: نعم، قال: ((اذهب فقد ملكتها بما معك من القرآن)). [راجع: ۲۳۱۰]

(۲۳) باب استذكار القرآن وتعاهده

قرآن مجید کو ہمیشہ پڑھتے رہنے اور یاد کرنے کا بیان

۵۰۳۱ ـ حدثنا عبدالله بن يوسف: أخبرنا مالك، عن نافع، عن ابن عمر رضي الله عنهما: أن رسول الله ﷺ قال: ((إنما مثل صاحب القرآن كمثل صاحب الإبل المعقلة، إن عاهد عليها أمسكها، وإن أطلقها ذهبت)). ؎۳۷

؎۳۷ وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الأمر تعهد القرآن، وكراهة قول نسيت آية كذا، وجواز قول أنسيتها، رقم: ۷۸۹، وسنن النسائي، كتاب الافتتاح، جامع ماجاء القرآن، رقم: ۹۳۲، وسنن ابن ماجه، كتاب الأدب، باب ثواب القرآن، رقم: ۳۷۸۳، وموطا مالك، كتاب القرآن، باب ماجاء في القرآن، رقم: ۶، ومسند احمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند عبدالله بن عمر رضي الله عنهما، رقم: ۴۶۶۵، ۴۷۵۹، ۴۹۲۳، ۵۳۱۵، ۵۹۲۳

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قرآن پڑھنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے رسی سے بندھے ہوئے اونٹ کا مالک ہے اور وہ اس کی نگرانی رکھے گا تو وہ اسے روک سکے گا اور اگر اسے چھوڑ دے گا، تو وہ چلا جائے گا۔

تشریح

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ **"إنما مثل صاحب القرآن"** قرآن کریم کے حافظ کی مثال ایسی کہ جیسے کہ باندھے ہوئے اونٹ کا مالک۔ اگر اس کی حفاظت کرے گا تو وہ اپنے پاس رکھے گا یعنی وہ جانور اس کے پاس رہیں گے۔ **"وان اطلقها"** اور اگر چھوڑ دے گا تو بھاگ کھڑے ہوں گے۔

ویسے قرآن کریم کا جو حافظ ہے اس کو ہر وقت اس بات کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے کہ یاد رہے، تو اس لئے اس کو ہر وقت نگرانی کرنی چاہئے۔ رمضانی حافظ نہیں بننا چاہئے۔

۵۰۳۲ ـ حدثنا محمد بن عرعرة: حدثنا شعبة، عن منصور، عن أبي وائل، عن عبدالله قال: قال النبي ﷺ: ((بئس ما لأحدهم أن يقول: نسيت آية كيت وكيت، بل نُسّيَ. واستذكروا القرآن فإنه أشد تفصيا من الصدور الرجال من النعم)). [أنظر: ۵۰۳۹] [۳۸]

حدثنا عثمان: حدثنا جرير، عن منصور مثله. تابعه بشر، عن ابن المبارك، عن شعبة. وتابعه ابن جريج، عن عبدة، عن شقيق: سمعت عبدالله: سمعت النبي ﷺ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ بری بات ہے کہ کوئی تم میں سے یہ کہے کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا، بلکہ یہ کہے کہ وہ آیت مجھ سے بھلا دی گئی، تم لوگ قرآن یاد رکھو، کیونکہ وہ آدمیوں کے سینے سے نکل جانے میں وحشی جانور سے زیادہ جلد نکل بھاگنے والا ہے۔ [۳۹]

۵۰۳۳ ـ حدثنا محمد بن العلاء: حدثنا أبو أسامة، عن بريد، عن أبي بردة، وأبي موسى

---

[۳۸] وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الأمر بتعهد القرآن، وكراهة قول نسيت كذا، وجواز قول انسيتها، رقم: ۷۹۰، وسنن الترمذي، أبواب القراءات، باب، رقم: ۲۹۴۲، وسنن النسائي، كتاب الافتتاح، جامع ماجاء في القرآن، رقم: ۹۴۳، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند عبدالله بن مسعود رضی اللہ عنہ، رقم: ۳۶۲۰، ۳۹۶۰، ۴۰۲۰، ۴۰۸۵، ۴۱۷۶، ۴۲۸۸، ۴۴۱۶، وسنن الدارمي، ومن كتاب الرقاق، باب في تعاهد القرآن، رقم: ۲۷۸۷، ۳۳۹۰

[۳۹] "نسیت" کہنے سے ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اس میں ایک ناپسندیدہ کام کی اپنی طرف نسبت ہوتی ہے، کیونکہ قرآن کا بھلانا عموماً بے پرواہی اور غفلت کے نتیجے میں ہوتا ہے اور یہ کام اچھا نہیں ہے اس لئے حکم دیا گیا کہ یوں کہا جائے کہ مجھے بھلا دیا گیا نہ کہ میں بھول گیا۔

عن النبي ﷺ قال: ((تعاهدوا القرآن فوالذي نفسي بيده لهو أشد تفصياً من الإبل في عقلها)). [۴۰]

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ ﷺ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن ہمیشہ پڑھتے رہو، قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، قرآن آدمیوں کے سینہ سے بندھے ہوئے اونٹ سے زیادہ جلد نکل بھاگنے والا ہے۔

(۲۴) باب القراءة على الدابة
سواری کی حالت میں قرأت کا بیان

۵۰۳۴۔ حدثنا حجاج بن منهال: حدثنا شعبة قال: أخبرني أبو إياس قال: سمعت عبدالله بن مغفل قال: رأيت رسول الله ﷺ يوم فتح مكة، وهو يقرأ على راحلته سورة الفتح. [راجع: ۴۲۸۱]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل ﷺ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فتح مکہ کے دن دیکھا کہ وہ اپنی سواری پر سورۂ فتح پڑھ رہے تھے۔

(۲۵) باب تعليم الصبيان القرآن
بچوں کو قرآن کی تعلیم دینے کا بیان

۵۰۳۵۔ حدثني موسى بن اسماعيل: حدثنا أبو عوانة، عن أبي بشر، عن سعيد ابن جبير قال: إن الذي تدعونه المفصل هو المحكم، قال: وقال ابن عباس توفي رسول الله ﷺ وأنا ابن عشر سنين وقد قرأت المحكم. [أنظر: ۵۰۳۶] [۴۱]

---

[۴۰] وفي صحيح مسلم، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الأمر بتعهد القرآن، وكراهة قول نسيت آية كذا، وجواز قول انسيتها، رقم: ۷۹۱، ومسند أحمد، أول مسند الكوفيين، حديث أبي موسى الأشعري، رقم: ۱۹۵۳۶، ۱۹۶۸۵

[۴۱] وفي مسند أحمد، ومن مسند بني هاشم، مسند عبدالله بن العباس بن عبدالمطلب، عن النبي ﷺ، رقم: ۲۲۸۳، ۲۳۷۹، ۲۶۰۱، ۲۳۵۷، ۳۵۴۲

ترجمہ: سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ جن سورتوں کو تم **مفصل** کہتے ہو وہ سب **محکم** ہیں۔ انہوں نے بیان کیا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا جب رسول کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو میری عمر دس سال کی تھی اور میں نے محکم سورتیں سب پڑھ لی تھیں۔

۵۰۳۶ ۔ حدثنا یعقوب بن إبراهیم: حدثنا هشیم: أخبرنا أبو بشر، عن سعید بن جبیر، عن ابن عباس رضی اللہ عنهما: جمعت المحکم فی عهد رسول اللہ ﷺ، فقلت له: وما المحکم؟ قال: المفصل. [راجع: ۵۰۳۵]

ترجمہ: سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے تھے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں محکم سورتیں یاد کر چکا تھا، سعید کہتے ہیں میں نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا محکم کیا ہے؟ انہوں نے کہا محکم مفصل کو کہتے ہیں۔

مفصل اور محکم

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جس کو تم مفصل کہتے ہو، وہ محکم ہے یعنی مفصل کس کو کہتے ہیں؟

سورۂ حجرات سے آگے تک جو قرآن کا حصہ ہے اس کو مفصل کہا جاتا ہے۔

محکم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ کوئی حصہ منسوخ نہیں۔

اسی واسطے اس کا نام بعض حضرات نے محکم ہی رکھا ہوا تھا، چنانچہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے دسواں سال کا تھا یعنی جب حضور اکرم ﷺ کی وفات ہوئی تو میں دس سال کا تھا اور میں نے محکم پڑھ رکھی تھی کیا معنی کہ مفصل سورتیں پڑھی ہوئی تھی جو محکم ہیں اور یہ کہنا کہ میں دس سال کا تھا، دوسری روایت ہے کہ جب حضور اقدس ﷺ کا وصال ہوا تو تیرہ سال کے تھے۔ تو شاید یہاں کسر کے ساتھ کہا ہے۔

(۲۶) باب نسیان القرآن، وهل یقول: نسیت آیة کذا و کذا؟

وقول اللہ تعالی: ﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسَىٰٓ إِلَّا مَا شَاءَ اللّٰهُ﴾ [۴۲]

قرآن مجید کو بھلا دینے کا بیان اور کیا اس طرح کہہ سکتے ہیں کہ میں نے فلاں فلاں

[۴۲] [الاعلی: ۶]

آیت بھلادی؟ اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''البتہ ہم پڑھائیں گے تم کو پھر تم نہ بھولو گے''۔

آیت کی تفسیر

﴿سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنسَىٰ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ﴾ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو انکے فریضہ پیغمبری کی طرف چند ہدایات دی ہیں اور ہدایات سے پہلے آپ ﷺ کے کام آسان کردینے کی خوشخبری سنائی ہے وہ یہ ہے کہ ابتداء میں جب آپ ﷺ پر قرآن نازل ہوتا اور جبرائیل علیہ السلام کوئی آیت قرآن سناتے تو آپ کو یہ فکر ہوتی تھی کہ ایسا نہ ہو کہ الفاظ آیت ذہن سے نکل جائیں اس لئے جبرائیل امین علیہ السلام کے پڑھنے کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ بھی الفاظِ قرآن پڑھتے جاتے تھے۔

اس آیت میں حق تعالیٰ نے یہ کام یعنی قرآن کا یاد کرادینا اپنے ذمہ لے لیا اور آپ کو بے فکر کردیا کہ جبرائیل امین علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد آیاتِ قرآن کا آپ ﷺ سے صحیح صحیح پڑھوادینا پھر ان کو یاد میں محفوظ کرادینا ہماری ذمہ داری ہے آپ فکر نہ کریں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ﴿فَلَا تَنسَىٰ إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ﴾ یعنی آپ قرآن کی کوئی چیز بھولیں گے نہیں بجز اس کے کہ کسی چیز کو اللہ تعالیٰ ہی اپنی حکمت و مصلحت کی بنا پر آپ کے ذہن سے بھلادینا اور محو کردینا چاہیں۔

مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو بعض آیاتِ قرآن کو منسوخ فرماتے ہیں اس کا ایک طریقہ تو معروف ہے کہ صاف حکم پہلے حکم کے خلاف آگیا، اور ایک صورت منسوخ کرنے کی یہ بھی ہے کہ اس آیت ہی کو رسول اللہ ﷺ اور سب مسلمانوں کے ذہنوں سے محو اور فراموش کردیا جائے جیسا کہ نسخ آیاتِ قرآنی کے بیان میں فرمایا ہے ﴿مَا نَنسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلِهَا﴾ یعنی ہم جو آیت منسوخ کرتے ہیں یا آپ کے ذہن سے بھلادیتے ہیں ہم اس سے بہتر لے آتے ہیں یا اس جیسے دوسری آیت لے آتے ہیں۔

﴿إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ﴾ کے استثناء کا مفہوم یہ قرار دیا ہے کہ یہ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی مصلحت اور حکمت کی بناء پر عارضی طور سے کوئی آیت آپ کے ذہن سے بھلادیں پھر یاد آجائے، جیسا کہ درج ذیل روایت میں ہے۔

۵۰۳۷ ـ حدثنا ربیع بن یحی: حدثنا زائدة: حدثنا هشام، عن عروة، عن عائشة رضي الله عنها قالت: سمع النبي ﷺ رجلا یقرأ في المسجد فقال: ((یرحمه الله لقد أذکرني کذا و کذا آیة من سورة کذا)). [راجع: ۲۶۵۵]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو مسجد میں قرآن پڑھتے

ہوئے سنا تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ اس شخص پر رحم کرے اس نے مجھے فلاں فلاں آیت، فلاں سورت کی یاد دلائی۔

منشاء امام بخاریؒ

یہ حدیث پہلے بھی کتاب صلوٰۃ میں بھی گذر چکی ہے اور یہاں اس کو لانے کا منشأ یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس شخص نے مجھے فلاں فلاں آیت یاد دلا دی کہ میں پہلے بھول گیا تھا، تو حاصل اس استثناء کا یہ ہوگا کہ وقتی اور عارضی طور پر کسی آیت کا بھول جانا اور پھر بدستور یاد آ جانا اس وعدے کے منافی نہیں ہے، اسی طرح یہ بھی معلوم ہوا کہ آیتوں کے بھولنے کا کسی کو ذکر کرنے مین کوئی مضائقہ نہیں۔

اب حضور اقدس ﷺ سے جو نسیان ہے وہ عارضی اور وقتی طور پر تھوڑی سی چیز کا بھول جانا ہے، اور یہ حضور اقدس ﷺ سے ثابت ہے، جیسے یہاں پر آپ نے فرمایا تو یہ نسیان نبوت کی منافی نہیں، کیونکہ جب آیت کی تبلیغ کردی اور آیت پہنچا دی گئی تو اسکے بعد تھوڑی دیر کیلئے بھول جانا اور یاد آ جانا یہ نبوت کے منافی نہیں۔ البتہ ایسا نسیان جو تبلیغ رسالت کے فرائض میں داخل ہو جائے، فرائض میں کوئی کوتاہی کا سبب ہو وہ ناجائز ہے اور وہ حضور اکرم ﷺ سے محال ہے۔ [۴۳]

غالبًا امام بخاری رحمہ اللہ کا منشأ بھی اسی طرف توجہ دلانا ہے کہ حضور اکرم ﷺ وقتی طور کچھ چیز بھول سکتے ہیں، لیکن جہاں تک ہمیشہ بھولنے کا تعلق ہے تو یہ اسی چیز کے ساتھ خاص ہے، جس کو اللہ جل جلالہ منسوخ فرمانا چاہتے ہوں۔ جیسے ﴿سَنُقْرِئُکَ فَلَا تَنْسٰی إِلَّا مَاشَاءَ اللهُ﴾ یہ استثناء کرکے اللہ جل جلالہ نے گنجائش فرمائی کہ یہ ہوسکتا ہے کوئی آیت ہم آپ کو سکھانا چاہیں اور آپ فرشتوں کے علاوہ کسی اور سے سیکھ نہ سکے تو ہم نے فرشتوں کے ذریعہ آپ کو سکھایا تاکہ اس کو یاد رکھیں۔

اسی طرح ایک دوسری روایت میں آیا ہے کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ نے کوئی سورت تلاوت فرمائی، جس میں ایک آیت پڑھنے سے رہ گئی، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ جو کاتب وحی تھے، انہوں نے سمجھا کہ شاید یہ آیت منسوخ ہوگئی ہے مگر جب آپ ﷺ سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ آیت منسوخ نہیں ہوئی بلکہ مجھ سے سہواً ترک ہوگئی۔ [۴۴]

---

[۴۳] فان قلت: کیف جاز النسیان علی النبی ﷺ؟ قلت: الانساء لیس باختیاره، وقال الجمهور: جاز النسیان علیه فیما لیس طریقة البلاغ التعلیم بشرط ان لا یقرا علیه، بل لا بد أن یذکره، واما غیره فلایجوز قبل التبلیغ، واما نسیان مابلغه کما فی هذا الحدیث فهو جائز بلا خلاف. عمدة القاری، ج ۲۰، ص: ۶۳

[۴۴] تفسیر القرطبی، ج: ۲۰، ص: ۱۹

۵۰۳۸ ۔ حدثنا احمد بن ابی رجاء: حدثنا أبو اسامة، عن هشام بن عروة، عن ابیه، عن عائشة قالت: سمع رسول الله ﷺ رجلا یقرأ فی سورة باللیل فقال: ((یرحمه الله لقد أذکرنی آیة کذا وکذا کنت أنسیتها من سورة کذا وکذا)). [راجع: ۲۶۵۵]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے بوقت شب ایک شخص کو قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ اس پر رحم کرے اس نے مجھے فلاں فلاں آیت جو فلاں فلاں سورت میں ہے، جسے میں بھلا دیا گیا تھا، یاد دلا دی ہے۔

۵۰۳۹ ۔ حدثنا أبو نعیم: حدثنا سفیان، عن منصور، عن أبی وائل، عن عبداللہ قال: قال النبی ﷺ: ((بئس ما لأحدهم یقول: نسیت آیة کیت وکیت؟ بل هو نسی)). [راجع: ۵۰۳۲]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ بات بہت بُری ہے کہ کوئی کہے کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا، بلکہ یوں کہے کہ میں بھلا دیا گیا۔

تشریح

نبی کریم ﷺ نے فرمایا "بئس ما لاحدھم" یہ بری بات ہے کہ کوئی آدمی کہے کہ میں فلاں فلاں آیت بھول گیا، بلکہ اس کو بھلا دی گئی۔

یعنی یہ جملہ کہنا کہ میں بھول گیا" نسیت آیة کذا و کذا" یہ ادب کے خلاف ہے۔

اور ادب کے خلاف ہونے کی شاید ایک وجہ یہ بھی ہو کہ قرآن کریم میں جو لفظ آیا ہے بڑے بڑے معنی میں آیا ہے "کذالک اتتک آیاتنا" تو نسیان سے مراد یہ ہے کہ بالکل چھوڑ بیٹھا اور العیاذ باللہ ان پر ایمان بھی چھوڑ بیٹھا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کے مشابہت پیدا ہو جائے۔

اور نسیان جو اپنے اختیار کے بغیر ہو، اس کیلئے لفظ زیادہ مناسب ہے "من نسی کذ و کذا" اس لئے آپ نے تاکید فرمائی۔

خلاصہ یہ نکلا اگر اپنے اختیار سے بھلا دیا تو ہے یہ بہت بری بات ہے، اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں کہ جب تک اللہ تبارک وتعالیٰ سے ربط نہ دیا جائے۔ اور اگر اپنے اختیار سے نہیں بھلایا تو کیوں ایسا لفظ استعمال کریں کہ جس سے کہ شائبہ پیدا ہے۔ "کذا لک اتتک" کے ساتھ۔ تو اس واسطے ادب یہ ہے کہ "نسیت

آیة کیت و کیت؟ بل هو نسی" ہوتا ہے۔

(۲۷) باب من لم یر بأسا أن یقول: سورة البقرة، وسورة كذا وكذا

باب: جن کے نزدیک سورۃ البقرہ یا فلاں فلاں سورت (نام کے ساتھ) کہنے میں کوئی حرج نہیں۔

۵۰۴۰ ـ حدثنا عمر بن حفص: حدثنا أبي: حدثنا الأعمش قال: حدثني إبراهيم، عن علقمة، وعبدالرحمن بن يزيد، عن أبي مسعود الأنصاري قال: قال النبي ﷺ: ((الآيتان من آخر سورة البقرة من قرأ بهما في ليلة كفتاه)). [راجع: ۴۰۰۸]

ترجمہ: علقمہ اور عبدالرحمٰن بن یزید کہتے ہیں کہ حضرت ابو مسعود انصاری ﷺ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا سورۃ بقرہ کے آخر کی دو آیتوں کو جو شخص رات میں پڑھ لے گا وہ اس کیلئے کافی ہوں گی۔

۵۰۴۱ ـ حدثنا أبو اليمان: أخبرنا شعيب، عن الزهري قال: أخبرني عروة بن الزبير عن حديث المسور بن مخرمة، وعبدالرحمن بن عبدالقاري انهما سمعا عمر ابن الخطاب ﷺ يقول: سمعت هشام بن حكيم بن حزام يقرأ سورة الفرقان في حياة رسول الله ﷺ فاستمعت لقراء ته فإذا هو يقرؤها على حروفٍ كثيرة، لم يقرئنيها رسول الله ﷺ فكدت أساوره في الصلاة، فانتظرته حتى سلم فلببته، فقلت: من اقرأک هذه السورة التي سمعتک تقرأ؟ قال: أقرأنيها رسول الله ﷺ، فقلت لهُ: كذبت فوا لله إن رسول الله ﷺ لهو أقرأني هذه السورة التي سمعتک. فانطلقت به إلى رسول الله ﷺ أقوده فقلت: يا رسول الله، اني سمعت هذا يقرأ سورة الفرقان على حروف لم تقرئنيها، وإنک اقرأتني سورة الفرقان، فقال: ((ياهشام اقرأها))، فقرأها القراءة التي سمعته، فقال رسول الله ﷺ: ((هكذا أُنزلت))، ثم قال: ((اقرأ يا عمر))، فقرأتها التي أقرأنيها. فقال رسول الله ﷺ: ((هكذا أنزلت))، ثم قال رسول الله ﷺ: ((إن القرآن أنزل على سبعة احرف فاقرؤا ماتيسر منه)). [راجع: ۲۴۱۹]

ترجمہ: عروہ بن زبیر کو مسعود بن مخرمہ اور عبدالرحمٰن بن عبدالقاری سے خبر دی کہ ان دونوں نے حضرت عمر بن خطاب ﷺ سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں نے ہشام بن حکیم بن حزام ﷺ کو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں سورۃ فرقان پڑھتے سنا۔ میں ان کی قرأت کو غور سے سننے لگا تو معلوم ہوا کہ وہ ایسے بہت سے طریقوں میں

تلاوت کر رہے تھے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نہیں سکھایا تھا۔ ممکن تھا کہ میں نماز ہی میں ان کا سر پکڑ لیتا لیکن میں نے انتظار کیا اور جب انہوں نے سلام پھیرا تو میں نے ان کے گلے میں چادر لپیٹ دی اور پوچھا یہ سورتیں جنہیں ابھی ابھی تمہیں پڑھتے ہوئے میں نے سنا ہے تمہیں کس نے سکھائی ہیں؟ انہوں نے کہا کہ مجھے اس طرح ان سورتوں کو رسول کریم ﷺ نے سکھایا ہے۔ میں نے کہا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ خود حضور اکرم ﷺ نے مجھے بھی یہ سورتیں پڑھائی ہیں جو میں نے تم سے سنیں۔ میں انہیں کھینچتے ہوئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! میں نے خود سنا کہ یہ شخص سورۃ فرقان ایسی قرات سے پڑھ رہا تھا۔ جس کی تعلیم آپ ﷺ نے ہمیں نہیں دی ہے آپ مجھے بھی سورۃ فرقان پڑھا چکے ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہشام! پڑھ کر سناؤ۔ انہوں نے اسی طرح اس کی قرات کی جس طرح میں ان سے سن چکا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسی طرح یہ سورت نازل ہوئی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا عمر! اب تم پڑھو۔ میں نے بھی اسی طرح قرات کی جس طرح آنحضرت ﷺ نے مجھے سکھایا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اسی طرح یہ سورت نازل ہوئی تھی۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ قرآن مجید سات قسم کی قراتوں پر نازل ہوا ہے بس تمہارے لئے جو آسان ہو اس کے مطابق پڑھو۔

۵۰۴۲ ۔ حدثنا بشر بن آدم: أخبرنا علي بن مسهر: أخبرنا هشام، عن أبيه عن عائشة رضي الله عنها قالت: سمع النبي ﷺ قارئا يقرأ من الليل في المسجد فقال: ((يرحمه الله، لقد أذكرني كذا وكذا آية أسقطتها من سورة كذا وكذا)). [راجع: ۲۶۵۵]

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے ایک قاری کو رات کے وقت مسجد میں قرآن مجید پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا کہ اللہ اس آدمی پر رحم کرے اس نے مجھے فلاں فلاں آیتیں یاد دلا دیں جنہیں میں نے فلاں فلاں سورتوں میں سے چھوڑ رکھا تھا۔

(۲۸) باب الترتيل في القراءة،
قرآن مجید کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کا بیان

وقوله تعالى: ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾ [۴۵]

وقوله تعالى: ﴿وَقُرْآنًا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَهُ عَلَى النَّاسِ عَلَى مُكْثٍ﴾ [۴۶]

---

[۴۵] [المزمل: ۴] [۴۶] [الاسراء: ۱۰۶]

وما يكره أن يهذ كهذ الشعر. ﴿يُفْرَقُ﴾: يفصل، قال ابن عباس: ﴿فَرَقْنَاهُ﴾: فصلناه.

ترجمہ: اللہ ﷻ کا فرمان ہے کہ ﴿وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا﴾ یعنی قرآن کریم ٹھہر ٹھہر کر پڑھو۔ دوسرا قول ﴿وقرآنا فرقناه لتقرأه على الناس على مكث﴾ ترتیل سے پڑھنے کی دلیل ہے۔ شعروں کی طرح جلد جلد نہ پڑھا جائے۔ امام بخاری رحمہ اللہ لفظ ﴿يُفْرَقُ﴾ کی تفسیر "يفصل" سے کرتے ہیں اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے "فرقناه" کی تفسیر "فصلناه" سے کی ہے۔

۵۰۴۳ ـ حدثنا أبو النعمان: حدثنا مهدي بن ميمون: حدثنا واصل، عن أبي وائل، عن عبد الله قال: غدونا على عبد الله فقال رجل: قرأت المفصل البارحة فقال: هذاً كهذ الشعر؟ إنا قد سمعنا القراءة و إني لأحفظ القرناء التي كان يقرأ بهن النبي ﷺ ثماني عشرة سورة من المفصل، وسورتين من آل حاميم. [راجع: ۷۷۵]

ترجمہ: ابو وائل روایت کرتے ہیں کہ ہم چاشت کے وقت حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ کے پاس گئے ایک شخص نے کہا آج کی رات میں نے پوری مفصل سورتیں پڑھیں، تو حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ نے کہا جیسے اشعار جلدی جلدی پڑھ لیتے ہیں ویسے پڑھ لی ہوگی، ہم نے رسول اللہ ﷺ کو پڑھتے ہوئے سنا اور مجھے خوب یاد ہے، جو سورتیں نبی کریم ﷺ پڑھا کرتے تھے وہ اٹھارہ سورتیں مفصل کی ہوئیں تھیں، جن میں سے دو سورتیں "حٰمٓ" والی ہوئیں۔

۵۰۴۴ ـ حدثنا قتيبة بن سعيد: حدثنا جرير، عن موسى بن أبي عائشة، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس رضي الله عنهما في قوله ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ﴾ قال: كان رسول الله ﷺ إذا نزل عليه بالوحي، وكان مما يحرك به لسانك وشفتيه فيشتد عليه، وكان يعرف منه، فأنزل الله الآية التي في: ﴿لَا أُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾ فإن علينا أن نجمعه في صدرك ﴿وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ فإذا أنزلناه فاستمع ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ قال: ان علينا أن نبينه بلسانك، قال: وكان إذا أتاه جبريل أطرق، فإذا ذهب قرأه كما وعده الله. [راجع: ۵]

ترجمہ: حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اللہ ﷻ کے اس قول ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ﴾ کی تفسیر میں یوں روایت نقل کی ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام جب رسول اللہ ﷺ کے پاس وحی لاتے تو آپ اپنی زبان اور ہونٹ جلد جلد ہلاتے تو آپ پر یہ بار گزرتا اور دوسرے لوگوں بھی اس کا علم ہوتا، اس وقت اللہ ﷻ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿لَا تُحَرِّكْ بِهِ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهِ

﴿إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ﴾ یعنی اس قرآن کو آپ کے سینے میں محفوظ رکھنا اور جمع کرنا یہ ہمارے ذمہ ہے۔ ﴿وَقُرْآنَهُ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ﴾ یعنی جب ہم اس قرآن کو نازل کریں تو آپ کے ذمہ بس یہ ہے کہ اس کو سنیں۔ ﴿ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ﴾ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پھر آپ کی زبان سے اس کی تفسیر بیان کرا دینا بھی ہمارے ذمہ ہے۔ راوی بیان کرتے ہیں کہ اسکے بعد جب جبرائیل علیہ السلام آتے تو آپ سر نیچا کر کے سنتے اور جب واپس جاتے تو پڑھتے جیسا کہ اللہ نے آپ سے یاد کروانے کا وعدہ کیا تھا۔

صحیح مفہوم ومراد

یہ مطلب بھی ہے کہ آپ یہ فکر بھی اپنے اوپر نہ رکھیں کہ نازل شدہ آیات کا صحیح مفہوم اور مراد کیا ہے؟ اسکا بتلانا اور سمجھا دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے، ہم قرآن کے ہر ہر لفظ اور اسکی مراد کو آپ پر واضح کر دیں گے۔

(۲۹) باب مدّ القراءة
قرأت میں کھینچ کر پڑھنے کا بیان

۵۰۴۵ ۔ حدثنا مسلم بن إبراهيم: حدثنا جرير بن حازم الأزدي: حدثنا قتادة قال: سألت أنس بن مالك عن قراءة النبي ﷺ فقال: كان يمد مدا. [أنظر: ۵۰۴۶] ۲۷

ترجمہ: قتادہ رحمہ اللہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے نبی کریم ﷺ کی قرأت کا حال پوچھا تو آپ نے جواب دیا کہ آپ خوب کھینچ کر پڑھتے تھے۔

۵۰۴۶ ۔ حدثنا عمرو بن عاصم: حدثنا همام، عن قتادة قال: سئل أنس: كيف كانت قراءة النبي ﷺ؟ فقال: كانت مدا، ثم قرأ ﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ﴾ يمد ببسم الله، ويمد بالرحمن، ويمد بالرحيم. [راجع: ۵۰۴۵]

---

۲۷ وفي سنن أبي داود، كتاب الصلاة، باب استحباب الترتيل في القراءة، رقم: ۱۲۶۵، وسنن النسائي، كتاب الافتتاح، باب مد الصوت بالقراءة، رقم: ۱۰۱۲، وسنن ابن ماجه، كتاب اقامة الصلاة والسنة فيها، باب ماجاء في القراءة في صلاة الليل، رقم: ۱۳۵۳، ومسند أحمد، مسند المكثرين من الصحابة، مسند أنس بن مالك رضی اللہ عنہ، رقم: ۱۲۱۹۸، ۱۲۲۸۳، ۱۲۳۳۱، ۱۳۰۰۲، ۱۳۰۵۰، ۱۳۰۷۶.

ترجمہ: حضرت قتادہ رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں نے حضرت انس ﷺ سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کی قرأت کس طرح تھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ آپ کھینچ کر پڑھتے تھے، پھر ﴿بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ پڑھ کر کہا کہ "بِسْمِ اللهِ، الرَّحْمٰنِ، الرَّحِيْمِ" کو کھینچ کر پڑھتے تھے۔

(۳۰) باب الترجیع
ترجیع رحلق میں آواز گھما کر پڑھنے کا بیان

۵۰۴۷ ۔ حدثنا آدم بن أبی ایاس: حدثنا أبو ایاس قال: سمعت عبداللہ بن مغفل قال: رأیت النبی ﷺ یقرأ وھو علی ناقتہ أوجمل ھی تسیر بہ وھو یقرأ سورۃ الفتح أومن سورۃ الفتح قراءۃ لینۃ، یقرأ وھو یرجع. [راجع: ۴۲۸۱]

ترجمہ: ابوایاس کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن مغفل ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے نبی ﷺ کو دیکھا کہ آپ اپنی اونٹنی یا اپنے اونٹ پر سورت فتح یا سورت فتح کا کچھ حصہ نرم آواز سے، ترجیع کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔

(۳۱) باب حسن الصوت بالقراءۃ للقرآن
خوش الحانی کے ساتھ قرآن کی تلاوت کرنے کا بیان

۵۰۴۸ ۔ حدثنا محمد بن خلف أبوبکر: حدثنا أبو یحیی الحمانی: حدثنی برید بن عبداللہ بن أبی بردۃ، عن جدہ أبی بردۃ، عن أبی موسی ﷺ أن النبی ﷺ قال لہ: ((یا أبا موسی، لقد أوتیت مزمارا من مزامیر آل داود)).

ترجمہ: حضرت ابوموسی ﷺ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے حق میں فرمایا اے ابوموسی! تجھے حضرت داود ﷺ جیسے خوش الحانی خوبصورت آواز دی گئی ہے۔

(۳۲) باب من أحب أن یستمع القرآن من غیرہ

کسی دوسرے شخص سے قرآن سننے کو پسند کرنے کا بیان

۵۰۴۹ ۔ حدثنا عمر بن حفص بن غیاث: حدثنا أبی، عن الأعمش قال: حدثنی إبراهیم، عن عبیدة، عن عبداللہ ﷺ قال: قال لی النبی ﷺ: ((اقرأ علیّ القرآن)). قلت: آقرأ علیک وعلیک أنزل؟ قال: ((إنی أحب أن أسمعه من غیری)). [راجع: ۴۵۸۲]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے عبداللہ! مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔ تو میں نے کہا کہ آپ مجھ سے سننا چاہتے ہیں، حالانکہ آپ پر قرآن شریف اتارا گیا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا مجھے دوسرے سے سننا اچھا معلوم ہوتا ہے۔

(۳۳) باب قول المقرئ للقاری: حسبک

باب: قرآن سننے والے کا پڑھنے والے کو کہنا کہ: بس کافی ہے۔

۵۰۵۰ ۔ حدثنا محمد بن یوسف: حدثنا سفیان، عن الأعمش، عن إبراهیم، عن عبیدة عن عبداللہ بن مسعود قال: قال لی النبی ﷺ: ((اقرأ علیّ)). قلت: یا رسول اللہ، آقرأ علیک وعلیک أنزل؟ قال: ((نعم))، فقرأت سورة النساء حتی أتیت علی هذه الآیة ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ قال: ((حسبک الآن))، فالتفت إلیه فإذا عیناه تذرفان. [راجع: ۴۵۸۲]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ سے روایت ہے کہ مجھ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ۔ میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! میں آپ کو کیا سناؤں، قرآن تو آپ پر ہی تو اتارا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! تم سناؤ۔ میں نے سورۂ نساء پڑھنی شروع کی جب اس آیت تک پہنچا ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾، تو آپ ﷺ نے فرمایا اب بس کرو کافی ہے! پھر میں نے آپ ﷺ کی طرف دیکھا تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

(۳۴) باب: فی کم یقرأ القرآن؟

قرآن کی قرأت کتنی مدت میں ختم کرنی چاہئے؟

وقول اللہ تعالیٰ: ﴿فَاقْرَءُوا ما تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾.[۴۸]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ: اب تم اتنا قرآن پڑھ لیا کرو جتنا آسان ہو۔

۵۰۵۱ ـ حدثنا علی: حدثنا سفيان: قال لی ابن شبرمة: نظرت كم يكفی الرجل من القرآن، فلم أجد سورة أقل من ثلاث آيات. فقلت: لاينبغی لأحد أن يقرأ أقل من ثلاث آيات. قال علی حدثنا سفيان: أخبرنا منصور، عن إبراهيم، عن عبدالرحمٰن بن يزيد: أخبره علقمة، عن أبی مسعود، ولقيته وهو يطوف بالبيت، فذكر قول النبی ﷺ: ((إنه من قرأ بالآيتين من آخر سورة البقرة فی ليلة كفتاه)). [راجع: ۴۰۰۸]

ترجمہ: سفیان ثوری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ مجھ سے ابن شبرمہ رحمہ اللہ نے کہا کہ میں نے غور کیا کہ نماز میں کتنا قرآن پڑھنا کافی ہوسکتا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک سورت میں تین آیتوں سے کم نہیں ہے۔ اس لئے میں نے یہ رائے قائم کی کہ کسی کے لئے تین آیتوں سے کم پڑھنا مناسب نہیں۔ علی المدینی نے بیان کیا کہ ہم سے سفیان ثوری نے بیان کیا، کہا ہم کو منصور نے خبر دی، انہیں ابراہیم نے، انہیں عبدالرحمٰن بن یزید نے، انہیں علقمہ نے خبر دی کہ میں حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے اس وقت ملا جب کہ وہ بیت اللہ کا طواف کررہے تھے، تو انہوں نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی رات کے وقت دو آیتیں سورۂ بقرہ کے آخر سے پڑھ لے تو وہ اسے کافی ہیں۔

۵۰۵۲ ـ حدثنا موسى: حدثنا أبو عوانة، عن مغيرة، عن مجاهد، عن عبداللہ ابن عمرو قال: أنكحنی أبی امرأة ذات حسب، فكان يتعاهد كنّته فيسألها عن بعلها، فتقول: نعم الرجل من رجل لم يطأ لنا فراشا، ولم يفتش لنا كنفا مذ أتيناه. فلما طال ذلك عليه ذكر للنبی ﷺ فقال: ((القنی به))، فلقيته بعد فقال: ((كيف تصوم؟)) قال: قلت: أصوم كل يوم، قال: ((وكيف تختم؟)) قال: كل ليلة، قال: ((صم فی كل شهر ثلاثة، واقرأ القرآن فی كل شهر)). قال: قلت: أطيق أكثر من ذلك، قال: ((صم ثلاثة أيام فی الجمعة)). قال قلت: أطيق أكثر من ذلك. قال: ((أفطر يومين وصم يوما)). قال: قلت: أطيق أكثر من ذلك. قال ((صم أفضل الصوم، صوم داود، صيام يوم وإفطار يوم. واقرأ

---

[۴۸] [المزمل: ۲۰]

فی كل سبع ليال مرة)). فليتني قبلت رخصة رسول الله ﷺ، وذاک أنی كبرت وضعفت. فكان يقرأ على بعض أهله السبع من القرآن بالنهار، والذي يقرؤه يعرضه من النهار ليكون أخف عليه بالليل. وإذا أراد أن يتقوى أفطر أياما وأحصى وصام مثلهن كراهية أن يترک شيئا فارق النبي ﷺ عليه. قال أبو عبدالله: وقال بعضهم: فی ثلاث أو فی سبع، و أكثرهم على سبع. [راجع: ۱۱۳۱]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے ایک اچھے خاندان والی سے میرا نکاح کر دیا تھا اور میرے والد اپنی بہو سے اکثر اوقات میرا حال پوچھتے رہتے تھے، وہ جواب دیتی کہ وہ ایک اچھا نیک مرد ہے، مگر جب سے آئی ہوں میرے بچھونے پر کبھی قدم بھی نہ رکھا اور نہ میرے قریب آئے، جب ایک عرصہ گذر گیا تو میرے والد نے رسول اللہ ﷺ سے یہ واقعہ بیان کیا۔

آپ نے فرمایا اسے میرے پاس لاؤ، چنانچہ میں آپ کے پاس بھیجا گیا۔ آپ ﷺ نے پوچھا تم روزہ کس طرح رکھتے ہو؟ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ روز روزہ رکھتا ہوں۔ پھر فرمایا قرآن کس طرح ختم کرتے ہو؟ میں نے کہا ہر رات۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا روزے ہر مہینے میں تین رکھا کرو اور قرآن کریم مہینہ میں ایک ختم کیا کرو، عرض کیا مجھے اس سے زیادہ کی طاقت ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا ایک ہفتہ میں تین روزے رکھ لیا کرو، عرض کیا مجھ میں اس سے زیادہ طاقت ہے۔ فرمایا ہمیشہ دو روز افطار کیا کرو اور ایک دن روزہ رکھا کرو، عرض کیا مجھے اس سے بھی زیادہ طاقت ہے، فرمایا اچھا حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح روزے رکھو جو سب سے افضل ہے یعنی ایک دن روزہ رکھو اور ایک دن افطار کرو اور قرآن سات روز میں ختم کرو۔

حضرت عبداللہ بن عمرو ﷺ کہتے ہیں کہ کاش میں رسول اللہ ﷺ کی رخصت منظور کر لیتا، کیونکہ اب میں بوڑھا اور ضعیف ہو گیا ہوں اور مجھ میں ویسی طاقت نہیں رہی۔

حجاج نے کہا کہ آپ اپنے گھر کے کسی آدمی کو قرآن مجید کا ساتواں حصہ یعنی ایک منزل دن میں سنا دیتے تھے۔ جتنا قرآن مجید آپ رات کے وقت پڑھتے اسے پہلے دن میں سنا رکھتے تا کہ رات کے وقت آسانی سے پڑھ سکیں اور جب (قوت ختم ہو جاتی اور نڈھال ہو جاتے اور) قوت حاصل کرنی چاہتے تو کئی کئی دن روزہ نہ رکھتے کیونکہ آپ کو یہ پسند نہیں تھا کہ جس چیز کا رسول اللہ ﷺ کے آگے وعدہ کر لیا ہے (ایک دن روزہ رکھنا ایک دن افطار کرنا) اس میں سے کچھ بھی چھوڑیں۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ بعض راویوں نے تین دن میں اور بعض نے پانچ دن میں۔ لیکن اکثر نے سات راتوں میں ختم کی حدیث روایت کی ہے۔

طرزِ معاشرت میں میانہ روی کا سبق

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ **"انکحنی أبی امرأة ذات حسب"** میرے والد نے میرا نکاح ایک حسب والی عورت سے کر دیا تھا۔

"فکان یتعاهد کنّته فیسألها عن بعلها" وہ اپنے بہو کی دیکھ بھال کیا کرتے تھے، اس کی خیر خبر لیتے تھے اور ان سے شوہر کے بارے میں پوچھتے کہ تمہارا شوہر کیسا ہے؟ تمہارے ساتھ ٹھیک ٹھاک رہتا ہے؟

اس نے کہا کہ **"نعم الرجل من رجل لم یطالنا فراشا ولم یفتش لنا کنفا منذ أتیناه"** یعنی بڑا اچھا آدمی ہے، نیک آدمی ہے، جب سے ہم آئے ہیں اس وقت سے کبھی بستر بیچارے نے استعمال نہیں کیا، روندا نہیں۔ اور جب سے ہم آئے ہیں تو کوئی کپڑا نہیں کھولا۔

"کنف" کہتے ہیں اس حصہ کو جو کپڑوں سے چھپا ہوا ہوتا ہے، انسان کے جسم کا وہ حصہ جو کپڑے سے چھپا ہوا ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اتنے نیک آدمی ہیں کہ آج تک میرے پاس آنے کی زحمت گوارا نہیں کی۔

"فلما طال ذلک علیه ذکر النبی ﷺ" جب یہ زیادہ مدت گزر گئی تو نبی کریم ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا کہ یہ ایسا ہو رہا ہے۔

دیکھو! یہ بات کہ کونسی بات شرم کی ہے اور کونسی بات شرم کی نہیں ہے اس کا دار و مدار ماحول، معاشرے اور محاورے پر ہوتا ہے۔ یہ جو الفاظ استعمال کئے ہیں، عربی محاورے کے اعتبار سے ایسے کھلے ہوئے الفاظ نہیں ہے، اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ کبھی سوتا ہی نہیں اور نہ کبھی ہمارا حال معلوم کیا۔

جیسا کہ حدیث ام زراع میں گیارہ عورتوں میں سے ایک عورت نے کہا تھا کہ کبھی ہاتھ ڈال کر میری دیکھ بھال نہیں کی کہ کیا حال کیا ہے؟

یہاں ہاتھ ڈالنے کا معنی جستجو کرنا، تحقیق کرنا کہ طبیعت ٹھیک ہے یا نہیں ہے؟
لیکن کنایہ اسی سے ہے تو اتنی کھلی بات نہیں ہے کہ نہ کی جاسکے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر بالفرض کبھی کسی عورت کے ساتھ ایسا ہو کہ شوہر پاس نہ آئے تو کبھی نہ کبھی اپنی جسمانی اور فطرتی ضروریات کی وجہ سے یہ بات کہنے کیلئے مجبور ہوتی ہے۔
کس سے کہے؟ بڑے سے ہی کہے گی، تو اس واسطے یہ کوئی ایسی معیوب بات نہیں۔

۵۰۵۲ ــ حدثنا سعد بن حفص: حدثنا شیبان، عن یحیی، عن محمد بن عبدالرحمن، عن أبي سلمة، عن عبدالله بن عمرو قال: قال لي النبي ﷺ: ((في کم تقرأ

القرآن؟)). [راجع: ۱۱۳۱]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ مجھ سے نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ قرآن مجید تم کتنے دن میں ختم کر لیتے ہو؟

۵۰۵۴ ـ حدثني إسحاق: أخبرنا عبيدالله بن موسى، عن شيبان، عن يحيى، عن محمد بن عبدالرحمن مولى بني زهرة، عن أبي سلمة قال: وأحسبني قال: سمعت أنا من أبي سلمة، عن عبد الله بن عمرو قال: قال لي رسول الله ﷺ: ((اقرأ القرآن في شهر)). قلت: إني أجد قوة، قال: ((فاقرأه في سبع ولا تزد على ذلك)). [راجع: ۱۱۳۱]

ترجمہ: یحیٰی بن ابی کثیر کہتے ہیں کہ، انہیں بنی زہرہ کے مولیٰ محمد بن عبد الرحمٰن نے، انہیں ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے، یحیٰی نے کہا اور میں خیال کرتا ہوں شاید میں نے یہ حدیث خود ابوسلمہ سے سنی ہے، بلا واسطہ (محمد بن عبدالرحمٰن کے)۔ ابوسلمہ نے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ہر مہینے میں قرآن کا ایک ختم کیا کرو میں نے عرض کیا مجھ کو تو زیادہ پڑھنے کی طاقت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا تو سات راتوں میں ختم کیا کرو اس سے زیادہ مت پڑھو۔

(۳۵) باب البكاء عند قراءة القرآن
تلاوتِ قرآن کے وقت رونے کا بیان

۵۰۵۵ ـ حدثنا صدقة: أخبرنا يحيى، عن سفيان، عن سليمان، عن إبراهيم عن عبيدة، عن عبدالله، قال يحيى: بعض الحديث عن عمرو بن مرة قال لي النبي ﷺ.

حدثنا مسدد، عن يحيى، عن سفيان، عن الأعمش، عن إبراهيم، عن عبيدة، عن عبدالله قال الأعمش: وبعض الحديث حدثني عمرو بن مرة، عن إبراهيم، وعن أبيه، عن أبي الضحى، عن عبدالله قال: قال رسول الله ﷺ: ((اقرأ علي))، قال: قلت: أقرأ عليك وعليك أنزل؟ قال: ((إني أشتهي أن أسمعه من غيري))، قال: فقرأت النساء حتى إذا بلغت ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ [النساء: ۴۱] قال لي: ((كف أو أمسك))، فرأيت عينيه تذرفان. [راجع: ۴۵۸۲]

ترجمہ: پہلی سند۔ صدقہ بن فضل نے بیان کیا کہ ہم کو یحیٰی بن سعید نے خبر دی، انہیں سفیان ثوری نے،

انہیں سلیمان نے، انہیں ابراہیم نخعی نے، انہیں عبیدہ سلمانی نے اور انہیں حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے۔ یحییٰ بن قطان نے کہا اس حدیث کا کچھ ٹکڑا اعمش نے ابراہیم سے سنا ہے کہ مجھ سے نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

دوسری سند۔ مسدد نے بیان کیا کہ ہم سے یحییٰ قطان نے، ان سے سفیان ثوری نے، ان سے اعمش نے، ان سے ابراہیم نے، ان سے عبیدہ سلمانی نے اور ان سے حضرت عبداللہ بن مسعود رﷺ نے۔ اعمش نے بیان کیا کہ میں نے اس حدیث کا ایک ٹکڑا تو خود ابراہیم سے سنا اور ایک ٹکڑا اس حدیث کا مجھ سے عمرو بن مرہ نے نقل کیا، ان سے ابراہیم نے، ان سے انکے والد نے، ان سے ابوالضحیٰ نے اور ان سے حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کرو۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کے سامنے میں کیا تلاوت کروں، خود آپ پر تو قرآن مجید نازل ہی ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ کسی اور سے سنوں۔ پھر میں نے سورۃ نساء پڑھنا شروع کی اور جب میں آیت ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ پر پہنچا تو آنحضرت ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ٹھہر جاؤ (آپ ﷺ نے "کف" فرمایا، یا "امسک" راوی کو شک ہے)۔ میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

۵۰۵۶۔ حدثنا قيس بن حفص: حدثنا عبدالواحد: حدثنا الأعمش، عن إبراهيم، عن عبيدة السلماني، عن عبدالله بن مسعود ﷺ قال: قال لي النبي ﷺ: ((اقرأ علي))، قلت: آقرأ عليك وعليك أنزل؟ قال: ((إني أحب أن أسمعه من غيري)). [راجع: ۴۵۸۲]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میرے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کرو۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کے سامنے میں کیا تلاوت کروں، خود آپ پر تو قرآن مجید نازل ہی ہوتا ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ کسی اور سے سنوں۔

(۳۶) باب إثم من راءىٰ بقراءة القرآن، أو تأكل به، أو فجر به، دکھاوے، مال کھانے کے واسطے، یا فخر کرنے کے لئے قرآن کریم کی تلاوت کرنے کا بیان

۵۰۵۷۔ حدثنا محمد بن كثير: أخبرنا سفيان: حدثنا الأعمش، عن خيثمة، عن سويد بن غفلة قال: قال علي: سمعت النبي ﷺ يقول: ((يأتي في آخر الزمان قومٌ حدثاء

الاسنان، سفهاء الأحلام، يقولون من خير قول البرية، يمرقون من الاسلام كما يمرق السهم من الرمية، لا يجاوز إيمانهم حناجرهم، فأينما لقيتموهم فاقتلوهم فان قتلهم أجر لمن قتلهم يوم القيامة)). [راجع: ۳۶۱۱]

ترجمہ: حضرت علی ﷺ روایت کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ آخری زمانہ میں ایک قوم پیدا ہوگی نوجوانوں اور کم عقلوں کی۔ یہ لوگ ایسا بہترین کلام پڑھیں گے جو بہترین خلق (پیغمبر) کا ہے یا ایسا کلام پڑھیں گے جو سارے خلق کے کلاموں سے افضل ہے۔ لیکن اسلام سے وہ اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کو پار کر کے نکل جاتا ہے ان کا ایمان ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا تم انہیں جہاں بھی پاؤ قتل کر دو۔ کیونکہ ان کا قتل قیامت میں اس شخص کے لئے باعث اجر ہوگا جو انہیں قتل کر دے گا۔ [۹]

۵۰۵۸ ۔ حدثنا عبداللہ بن یوسف: أخبرنا مالک، عن یحیی بن سعید، عن محمد بن إبراهيم بن الحارث التيمي، عن أبي سلمة بن عبدالرحمن، عن أبي سعيد الخدري ﷺ أنه قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ((يخرج فيكم قوم تحقرون صلاتكم مع صلاتهم، وصيامكم مع صيامهم، وعملكم من عملهم، ويقرؤون القرآن لايجاوز حناجرهم، يمرقون من الدين كما يمرق السهم من الرمية، ينظر في النصل فلا يرى شيئا، وينظر في القدح فلا يرى شيئا، وينظر في الريش فلا يرى شيئا، ويتمارى في الفوق)). [راجع: ۳۳۴۴]

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری ﷺ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ تم میں ایک قوم ایسی پیدا ہوگی کہ تم اپنی نماز کو ان کی نماز کے مقابلہ میں حقیر سمجھو گے، ان کے روزوں کے مقابلہ میں تمہیں اپنے روزے اور ان کے عمل کے مقابلہ میں تمہیں اپنا عمل حقیر نظر آئے گا اور وہ قرآن مجید کی تلاوت بھی کریں گے لیکن قرآن مجید ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔ دین سے وہ اس طرح نکل جائیں گے جیسے تیر شکار کو پار کرتے ہوئے نکل جاتا ہے اور وہ بھی اتنی صفائی کے ساتھ تیر کے پھل میں دیکھتا ہے تو اس میں بھی کوئی اثر نظر نہیں آتا۔ اس سے اوپر دیکھتا ہے وہاں بھی کچھ نظر نہیں آتا۔ تیر کے پر پر دیکھتا ہے اور وہاں بھی کچھ نظر نہیں آتا۔ بس سوفار میں کچھ شبہ گزرتا ہے۔

---

[۹] قوله: ((فاقتلوهم)) قال مالک: من قدر عليه منهم استتيب، فان تاب والا قتل. وقال سحنون: من كان يدعوا الى بدعة قوتل حتى يؤتى عليه أو يرجع الى الله. وان لم يدع يصنع به ماصنع عمر، رضى الله عنه، يجب ويكرر عليه الضرب حتى يموت. عمدة القاري، ج: ۲۰، ص: ۷۸

۵۰۵۹ ـ حدثنا مسدد: حدثنا يحيى، عن شعبة، عن قتادة، عن أنس بن مالك، عن أبي موسى عن النبي ﷺ قال: ((المؤمن الذي يقرأ القرآن ويعمل به كالأترجة، طعمها طيب وريحها طيب. والمؤمن الذي لا يقرأ القرآن ويعمل به كالتمرة طعمها طيب، ولا ريح لها. ومثل المنافق الذي يقرأ القرآن كالريحانة ريحها طيب، وطعمها مر. ومثل المنافق الذي لا يقرأ القرآن كالحنظلة، طعمها مر أو خبيث، وريحها مر)). [راجع: ۵۰۲۰]

ترجمہ: قتادہ روایت کرتے ہیں کہ ان سے حضرت انس بن مالک ﷺ نے اور ان سے حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا اس مومن کی مثال جو قرآن مجید پڑھتا ہے اور اس پر عمل بھی کرتا ہے میٹھے لیموں کی سی ہے جس کا مزا بھی لذت دار اور خوشبو بھی اچھی اور وہ مومن جو قرآن پڑھتا تو نہیں لیکن اس پر عمل کرتا ہے اس کی مثال کھجور کی ہے جس کا مزہ تو عمدہ ہے لیکن خوشبو کے بغیر اور اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے ریحان کی سی ہے جس کی خوشبو تو اچھی ہوتی ہے لیکن مزا کڑوا ہوتا ہے اور اس منافق کی مثال جو قرآن بھی نہیں پڑھتا اندرائن کے پھل کی سی ہے جس کا مزہ بھی کڑوا ہوتا ہے (راوی کو شک ہے) کہ لفظ "مر" ہے یا "خبیث" یعنی اس کی بو بھی خراب ہوتی ہے۔

(۳۷) بابٌ اقرؤوا القرآن ما ائتلف عليه قلوبكم

باب: ”قرآن اس وقت تک پڑھتے رہو جب تک تمہارا دل اس کی طرف مائل ہو“۔

۵۰۶۰ ـ حدثنا أبو النعمان: حدثنا حماد، عن أبي عمران الجوني، عن جندب ابن عبدالله عن النبي ﷺ قال: ((اقرؤوا القرآن ما ائتلف قلوبكم، فإذا اختلفتم فقوموا عنه)).
[أنظر: ۵۰۶۱، ۷۳۶۴، ۷۳۶۵] [۵۰]

ترجمہ: حضرت جندب بن عبداللہ ﷺ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تک تمہارا دل

[۵۰] وفي صحيح مسلم، كتاب العلم، باب النهي عن اتباع متشابه القرآن، والتحذير من متبعيه، والنهي عن الاختلاف في القرآن، رقم: ۲۶۶۷، ومسند أحمد، أوّل مسند الكوفيين، حديث جندب، رقم: ۱۷۷۱۲، وسنن الدارمي، ومن كتاب فضائل القرآن، باب اذا اختلفتم بالقرآن فقوموا، رقم: ۳۳۰۲، ۳۳۰۳، ۳۳۰۴

لگا رہے قرآن پڑھتے رہو اور جب دل اچاٹ ہو جائے تو نہ پڑھو۔

۵۰۶۱ ۔ حدثنا عمرو بن علی: حدثنا عبدالرحمٰن بن مهدی: حدثنا سلام بن أبی مطیع، عن أبی عمران الجونی، عن جندب: قال النبی ﷺ: ((اقرؤوا القرآن ما ائتلفت علیه قلوبکم، فإذا اختلفتم فقوموا عنه)). [راجع: ۵۰۶۰]

تابعه الحارث بن عبید وسعید بن زید، عن أبی عمران، ولم یرفعه حماد بن سلمة وأبان، وقال غندر، عن شعبة، عن ابی عمران: سمعت جندبا قوله. وقال ابن عون، عن ابی عمران، عن عبدالله بن الصامت، عن عمر قوله. وجندب أصح وأکثر.

ترجمہ: حضرت جندب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اس قرآن کو اس وقت تک ہی پڑھو جب تک تمہارے دل ملے جلے یا لگے رہیں، جب اختلاف اور جھگڑا کرنے لگو تو اٹھ کھڑے ہو۔

سلام کے ساتھ اس حدیث کو حارث بن عبید اور سعید بن زید نے بھی ابو عمران جونی سے روایت کیا اور حماد بن سلمہ اور ابان نے اس کو مرفوع نہیں بلکہ موقوفاً روایت کیا ہے اور غندر محمد بن جعفر نے بھی شعبہ سے، انہوں نے ابو عمران سے یوں روایت کیا کہ میں نے حضرت جندب رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ کہتے تھے۔ (لیکن موقوفاً روایت کیا) اور عبداللہ بن عون نے اس کو ابو عمران سے، انہوں نے حضرت عبداللہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کا قول روایت کیا (مرفوعاً نہیں کیا) اور حضرت جندب رضی اللہ عنہ کی روایت زیادہ صحیح ہے۔

عبادت میں بشاشت کا حکم

جب آدمی نفلی عبادت کے طور پر تلاوت کر رہا ہو تو اس وقت تک پڑھے جب تک دل لگ رہا ہو، جب دل لگنا بند ہو جائے تو زبردستی کر کے نہ پڑھے۔ قرآن کو اسکے ادب کے ساتھ دل لگا کر اس کو پڑھیں اور جب دل بھر جائیں اور قرآن سے دل بھرنا تو نہیں چاہئے، لیکن پھر ایسے موقع پر چھوڑ دینا چاہئے تاکہ دوبارہ واپسی کا تقاضا رہے اور ہر نفلی عبادت کا یہی حکم ہے کہ جب تک دل آدمی کا لگے اس کو کریں اور اتنا آگے نہ پڑھیں کہ پھر اکتاہٹ ہو جائے اور واپس آنا مشکل ہو۔

حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کو ایسا کرنا چاہئے کہ عبادت پیٹ بھرنے سے پہلے چھوڑ دے تاکہ دوبارہ بھوک لگے۔ اور دوبارہ خواہش ہو، ایک مرتبہ تو جوش میں آکر خوب عبادت کر لی اور ساری رات جاگا اور خوب تھک گیا اب جب کبھی نفلی عبادت کرنے کا خیال آتا ہے تو خیال آتا ہے کہ اوہ اتنی محنت کرنی پڑے گی کہ جو میں نے اس رات کی تھی تو دوبارہ پھر نہیں جائے گا، تو اس واسطے تھوڑا سا چھوڑ کر کریں اور حضرت اس کی مثال

دیتے تھے کہ جیسے ایک چرخی سی ہوتی ہے، بچے کھیلا کرتے تھے تو اس کا قاعدہ یہ تھا کہ جب اس کو کھولتے ہیں تو ذرا سا اس کو اٹکا رہنے دو، اگر اٹکا ذرا سا رہنے دیا اور اس سے پہلے کھینچ لیا تو واپس آجاتی تھی اور اگر اس کو پورا کھول دیا تو وہی گر جائے گی اور حضرت گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عبادت کی مثال اس چکور کی ہے کہ جسے اگر آدمی اس کو ذرا سا چھوڑ کر اپنے پاس واپس بلائے گا تو وہ واپس آجائے گی اور اگر بالکل چھوڑا جتنی ہمت طاقت تھی ایک میں خرچ کروں تو کیا ہوگا؟ تو وہی گر جائے گی واپس نہیں آئے گی تو اس لئے یہ حکم دیا گیا۔

۵۰۶۲ ـ حدثنا سلیمان بن حرب: حدثنا شعبة، عن عبدالملک بن میسرة، عن النزال بن سبرة، عن عبدالله: أنه سمع رجلا یقرأ آیة سمع النبی ﷺ قرأ خلافها فأخذت بیده فانطلقت به الی النبی ﷺ فقال: ((کلا کما محسن فاقرا)) أکبر علمی قال: ((فان من کان قبلکم اختلفوا فأهلکهم)). [راجع: ۲۴۱۰]

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ روایت کرتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو ایک آیت پڑھتے ہوئے سنا جس کو میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس طرح نہیں سنا تھا، تو ہاتھ پکڑ کر اس کو نبی کریم ﷺ کے پاس لے گیا، آپ نے فرمایا کہ تم دونوں اچھا پڑھتے ہو تم دونوں پڑھو۔ شعبہ کہتے ہیں میرا غالب گمان ہے آپ ﷺ نے فرمایا جو لوگ تم سے پہلے تھے بوجہ اختلاف ہلاک ہوگئے۔

اللّٰھم اختم لنا بالخیر

کمل بعون اللّٰہ تعالیٰ الجزء الثانی عشر من "**إنعام الباری**" ویلیه إن شاء الله تعالیٰ الجزء الثالث عشر: أوّله "کتاب النکاح، رقم الحدیث: ۵۰۶۳۔ نسأل الله الإعانة والتوفیق لإتمامه۔ والصلوٰة والسلام علی خیر خلقه سیدنا ومولانا محمّد خاتم النبیین وإمام المرسلین وقائد الغر المحجلین وعلی آله وأصحابه أجمعین وعلی کل من تبعهم بإحسان الی یوم الدین۔

آمین ثم آمین، یا رب العالمین۔

انعام الباری شرح صحیح البخاری

انعام الباری جلد ۱: کتاب بدء الوحی، کتاب الإیمان

انعام الباری جلد ۲: کتاب العلم، کتاب الوضوء، کتاب الغسل، کتاب الحیض، کتاب التیمم.

انعام الباری جلد ۳: کتاب الصلاة، کتاب مواقیت الصلاة، کتاب الأذان.

انعام الباری جلد ۴: کتاب الجمعة، کتاب الخوف، کتاب العیدین، کتاب الوتر، کتاب الإستسقاء، کتاب الکسوف، کتاب سجود القرآن، کتاب تقصیر الصلاة، کتاب التهجد، کتاب فضل الصلاة فی مسجد مکة والمدینة، کتاب العمل فی الصلاة، کتاب السهو، کتاب الجنائز.

انعام الباری جلد ۵: کتاب الزکاة، کتاب الحج، کتاب العمرة، کتاب المحصر، کتاب جزاء الصید، کتاب فضائل المدینة، کتاب الصوم، کتاب صلاة التراویح، کتاب فضل لیلة القدر، کتاب الاعتکاف.

انعام الباری جلد ۶: فقه المعاملات (حصہ اول): کتاب البیوع، کتاب السلم، کتاب الشفعة، کتاب الإجارة، کتاب الحوالات، کتاب الکفالة، کتاب الوکالة کتاب الحرث والمزارعة.

انعام الباری جلد ۷: فقه المعاملات (حصہ دوم): کتاب المساقاة، کتاب الإستقراض واداء الدیون والحجر والتفلیس، کتاب الخصومات، کتاب فی اللقطة، کتاب المظالم، کتاب الشرکة، کتاب الرهن، کتاب العتق، کتاب المکاتب، کتاب الهبة وفضلها والتحریض علیها، کتاب الشهادات، کتاب الصلح، کتاب الشروط، کتاب الوصایا، کتاب الجهاد والسیر، کتاب فرض الخمس، کتاب الجزیة والموادعة.

انعام الباری جلد ۸: کتاب بدء الخلق، کتاب أحادیث الأنبیاء، کتاب المناقب، کتاب فضائل اصحاب النبی ﷺ، کتاب مناقب الأنصار.

انعام الباری جلد ۹: کتاب المغازی (حصہ اول): غزوة العشیرة أو العسیرة – غزوة الحدیبیة.

انعام الباری جلد ۱۰: کتاب المغازی (حصہ دوم): باب قصة عکل وعرینة — باب کم غزا النبی ﷺ؟

انعام الباری جلد ۱۱: کتاب التفسیر (حصہ اول): سورة الفاتحة — سورة النور

انعام الباری جلد ۱۲: کتاب التفسیر (حصہ دوم): سورة الفرقان — سورة الناس، کتاب فضائل القرآن

تعارف: علمی ودینی رہنمائی کی ویب سائٹ

www.deenEislam.com

☆............اغراض ومقاصد............☆

اسلامی تعلیمات: ویب سائٹ www.deenEislam.com کا مقصد اسلامی تعلیمات کو دنیا بھر کے مسلمانوں تک پہنچانا ہے۔

جدید فقہی مسائل: اس کے ساتھ عصرِ حاضر کے جدید مسائل جن کا تعلق زندگی کے کسی بھی شعبہ سے ہو، اس کے بارے میں قرآن وسنت کی روشنی میں صحیح رہنمائی کرنا ہے۔

دفاع توہینِ رسالت وناموسِ رسالت: توہینِ رسالت کے حملوں کا مؤثر جواب اور دنیا بھر کے لوگوں کو نبی کریم ﷺ کے اوصاف وکمالات اور تعلیمات سے آگاہی بھی پروگرام میں شامل ہے۔

شبہات کے جوابات: اسلام کے خلاف پھیلائی گئی غلط فہمیوں کو دور کرنا اور مسلمانوں کے ایمانی جذبات کو بیدار رکھنا بھی اس کوشش کا حصہ ہے۔

☆............آن لائن اصلاحی بیانات............☆

- صدر جامعہ دارالعلوم کراچی مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب مدظلہ مفتی اعظم پاکستان۔
- شیخ الاسلام جسٹس (ر) شریعت اپیلٹ بنچ سپریم کورٹ آف پاکستان مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ
- مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی، حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی مدظلہ کی ہفتہ واری (جمعہ، اتوار و منگل) کی اصلاحی مجالس آن لائن لائیو بیان۔
- سالانہ تبلیغی اجتماع اور دیگر علماء پاک وہند کی تقاریر بھی اب انٹرنیٹ پر اس ویب سائٹ پر سنی جاسکتی ہیں۔

☆............آپ کے مسائل اور ان کا حل: آن لائن دارالافتاء............☆

- اسی طرح آپ کے مسائل اور ان کا حل "آن لائن دارالافتاء" سے بھی گھر بیٹھے بآسانی استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

Contact / رابطہ
PH:00922135046223 Cell:00923003360816
E-Mail:maktabahela@yahoo.com
E-Mail:info@deeneislam.com
WebSite:www.deeneislam.com